اعلیٰ حضرت صدی سیمینار، گیا، بہار کے موقع سے
جمع شدہ مقالات و مضامین کا ایمان افروز مجموعہ

بنام

امام احمد رضا امام الاصفیا





مرتب

ڈاکٹر امجد رضا امجد

قاضی شریعت مرکزی دار القضا ادارہ شرعیہ، بہار، پٹنہ

معاون

مفتی مظفر حسین رضوی مصباحی

قاضی شریعت دار القضا ادارہ شرعیہ، گیا، بہار

محرکین اعلیٰ حضرت صدی سیمینار:

علامہ سید محمد اقبال احمد حسنی برکاتی

مفتی مظفر حسین رضوی مصباحی



ناشر
البرکات ٹرسٹ، گیا۔ الحرمین سوسائٹی، گیا

اعلیٰ حضرت صدی سیمینار گیا بہار [منعقدہ ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء] کے موقع سے

جمع شدہ مقالات ومضامین کا ایمان افروز مجموعہ

بنام

امام احمد رضا امام الاصفیا

مرتب

ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجدؔ

قاضی شریعت مرکزی دار القضا ادارہ

شرعیہ بہار پٹنہ

معاون

مفتی محمد مظفر حسین رضوی مصباحی

قاضی شریعت دار القضا ادارہ شرعیہ گیا بہار

محرکین صدی سیمینار

علامہ سید محمد اقبال احمد حسنی برکاتی

مفتی محمد مظفر حسین رضوی مصباحی

ناشرین:

البرکات ٹرسٹ گیا • الحرمین سوسائٹی گیا

نام کتاب	:	امام احمد رضا امام الاصفیا
مرتب	:	ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجد
معاون	:	مفتی محمد مظفر حسین رضوی مصباحی
محرکین صدی سیمینار		علامہ سید محمد اقبال احمد حسنی برکاتی (علیہ الرحمہ)
		مفتی محمد مظفر حسین رضوی
تاثرات	:	فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی
		حکیم الملت مفتی محمد ناظر اشرف رضوی
		غازی ملت مولانا غلام رسول بلیاوی
تصحیح	:	مولانا محمد قمر الزماں مصباحی
		مولانا نثار احمد مصباحی رضوی
		مولانا غلام سرور قادری
کمپوزنگ	:	مولانا عاشق حسین امجدی
		مولانا غلام رسول اسمٰعیلی
صفحات	:	۶۰۰
اشاعت	:	۱۴۴۴ھ/ ۲۰۲۲ء [بہ موقع عرس رضوی]
قیمت	:	۳۰۰
ناشرین	:	البرکات ٹرسٹ: جامعہ برکات پیر منصور گیا بہار
		الحرمین سوسائٹی: دارالعلوم غریب نواز، دوپین، فتحپور، گیا بہار

کتاب کی کمپوزنگ اور تصحیح میں صحت کا مکمل خیال رکھا گیا ہے تاہم کوئی غلطی اگر راہ پا گئی تو قارئین اس کی تصحیح فرمالیں اور ناشر مطلع فرمادیں تاکہ اس کی تصحیح کرلی جائے: ناشر

کتاب حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں:

- البرکات ٹرسٹ: جامعہ برکات پیر منصور گیا بہار

۹۴۳۱۹۸۸۸۸۴

- الحرمین سوسائٹی: دارالعلوم غریب نواز، روپن، فتحپور، گیا بہار

۹۹۵۵۵۶۰۳۶۵

- مرکزی ادارہ شرعیہ بہار سلطان گنج پٹنہ ۶

۹۸۳۵۴۲۲۴۳۴

- القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ ۶

۹۸۳۵۴۲۲۴۳۴

- مکتبہ رحمانیہ محلہ سوداگران بریلی شریف یوپی

۹۳۵۹۱۰۶۹۴۲

- ادارہ لوح وقلم سعد پورہ مظفر پور بہار

۹۴۳۰۸۶۰۵۶۰

- فیضی کتاب گھر مسول چوک سیتامڑھی بہار

۹۱۹۹۷۰۴۷۸۶

امام احمد رضا صدی مجلہ

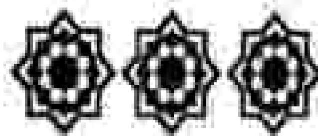
بنام

امام احمد رضا امام الاصفیا

باب چہارم:—— امام احمد رضا: امام الاصفیا

باب پنجم:—— امام احمد رضا: اور مسائل تصوف

باب ششم:—— امام احمد رضا: اور کتب تصوف



انتساب

بہار کے ان عظیم الشان عالی مرتبت مشائخ کرام کے نام

جن کی خدمات جلیلہ نے دنیا کو

وحدت کا جام

عشق کی تپش

عبادت کا شوق

اور آہ سحر گاہی کا ذوق جنوں بخشا

اور

<u>اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ</u>

نے جن کے مشن کی آبیاری کے لئے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ صرف کیا

نیاز کیش

محمد امجد رضا امجدؔ　　　مظفر حسین رضوی

مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی کا
امام اہل سنت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان کی بارگاہ میں نیاز نامہ

امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

غریق بحر الفت مست جام بادہ وحدت
محب خاص منظور حبیب کبریا تم ہو

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کا اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیل جملہ اولیا تم ہو

عیاں ہے شان صدیقی تمہاری شان تقویٰ سے
کہوں اتقیٰ نہ کیوں کر جبکہ خیر الاتقیا تم ہو

اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیر وغا تم ہو

تمہیں نے جمع فرمائے نکات و رمز قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو

خلوص مرتضی، خلق حسن، عزم حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی گدا کا آسرا تم ہو

علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

تبرکات امام احمد رضا

شاہ برکات اے ابوالبرکات اے سلطان جود
بارک اللہ اے مبارک بادشا امداد کن
عشق اے مقتول عشق اے خوں بہایت عین ذات
اے زجاں بگزشتہ جاناں واصلا امداد کن
اے حریم طیبہ تو حیدرا کوہ احد
یا جبل یا حمزہ یا شیر خدا امداد کن
تاجدار حضرت مارہرہ یا آل رسول
اے خدا خواہ وجدا از ما عبدا امداد کن
یاالٰہی ذیل ایں شیراں گرفتم بندہ را
از سگان شاں شمارا دعا امداد کن
بے وسائل آمدن سوئے تو منظور تو نیست
زاں بہر محبوب تو گوید رضا امداد کن
مظہر عون اند ایغبا مغز حرفی بیش نیست
یعنی اے رب نبی واولیا امداد کن
نیست عون از غیر تو بل غیر تو خود ہیچ نیست
یا اللہ الحق الیک المنتہی امداد کن

[حدائق بخشش: حصہ دوم]

تاثرات

فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، مدظلہ العالی

عزیز القدر ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ چند سال قبل مولانا سید اقبال حسنی اور مولانا مظفر حسین رضوی وغیرہ نے جو، گیا میں اعلیٰ حضرت صدی سیمینار کا انعقاد کیا تھا، اب ان مقالات ومضامین کی اشاعت ہونے جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی محنتوں کو قبول فرمائے اور اس کی جزا دونوں جہاں میں عطا فرمائے۔

میں اس سیمینار میں موجود تھا اور یہ کہا بھی تھا کہ: اعلیٰ حضرت کے علمی وعملی تصوف پہ توجہ کی خاص ضرورت ہے؛ کیوں کہ یہ گوشہ جتنا اہم ہے اتنا ہی اہل علم اور صاحبان معرفت کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

آپ اس کی ترتیب کا کام انجام دے رہے ہیں تو مجھے امید ہے کہ تمام مشمولات پہ آپ نے نگاہ ڈال لی ہوگی اور مضامین کا انتخاب اچھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ سبھوں کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

فقیر محمد مطیع الرضوی غفرلہ

جامعہ نوریہ شام پور بنگال

کلمات تبریک

غازی ملت مولانا غلام رسول بلیاوی صدر ادارہ شرعیہ بہار

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے تبحر علمی، وسعت فکر ونظر اور فنی اوصاف کے مختلف نہج وجہت پر کام ہوئے اور ہو رہے ہیں مگر اب بھی بہت سارے گوشے تشنہ تحقیق ہیں اور متقاضی ہیں کہ بقیہ فنی گوشوں کو بھی سامنے لایا جائے حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کے تصوف وطریقت کا پہلو بھی شریعت کے محور کے ساتھ اجاگر کرنا وقت کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ایک اہم ضرورت تھی۔

یہ بھی مسلم ہے کہ شریعت سے دور رہ کر طریقت وتصوف ایک سراب ہے جس کی چمک نگاہوں کو تو خیرہ کر سکتی ہے مگر وہ چمک تشنہ روحوں کی سیرابی کا اپنے اندر کوئی سامان نہیں رکھتی۔

مرکزی ادارہ شرعیہ کے تعلیمی نصاب کی ایک نشست میں خطیب الہند حضرت علامہ سید اقبال احمد حسنی اور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی مظفر حسین رضوی قادری قاضی ادارۂ شرعیہ مگدھ کمشنری گیا تشریف لائے۔ نشست کے اختتام پر قاضی ادارۂ شرعیہ حضرت علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد، علامہ سید اقبال احمد حسنی اور حضرت مظفر حسین رضوی کے درمیان اعلیٰ حضرت کے تصوف پہ گفتگو چل پڑی پھر فیضان رضا ایسا ہوا کہ گیا کی ان دونوں شخصیات نے عہد کر لیا کہ امام احمد رضا کے تصوف پہ ایک سیمینار کریں گے۔ پھر امام اہلسنت اعلیٰحضرت رضی المولی تعالیٰ نے وہ پشت پناہی کی کہ دیکھتے دیکھتے ایک تاریخ ساز سیمینار کا انعقاد ہو گیا اور جماعتی قرض حسنہ کو ادا کرنے میں الحمد اللہ یہ اہل محبت پورے طور پر کامیاب ہو گئے۔

اس سیمینار میں جن ابواب پر مقالے جمع ہوئے وہ اپنے آپ میں نہایت ہی سنجیدہ

اور نازک پہلو ہیں۔ 8 باب پر مشتمل مجلہ کی ضخامت تقریبا 600 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دور میں اس کی ضرورت ہی نہیں اشد ضرورت تھی جس سے ملت کو ان گمراہیوں سے محفوظ رکھا جائے جو تصوف اور صوفی ازم کے دام فریب کا شکار ہو کر شریعت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور اصل مقصد زندگی ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔

مقالہ نگاروں نے جن علمی دلائل کی روشنی میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے احوال زندگی کو سامنے رکھ کر قلم اٹھایا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام اہلسنت صرف امام فقہ وحدیث، علم کلام وتفسیر اور علوم معانی ونجوم ہی نہیں بلکہ امام الاصفیاء بھی ہیں اور طریقت کے راز آشنا بھی۔

خاص طور سے فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب قبلہ رضوی کا مقالہ ''امام احمد رضا جامع شریعت وطریقت'' حضرت علامہ ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہسرامی کا مقالہ ''مسائل تصوف اور امام احمد رضا'' سید شاہ طیب ابدالی کا مضمون ''صوفیانہ شاعری میں امام احمد رضا کا مقام ومرتبہ'' محب گرامی مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری کا مقالہ ''فتاویٰ رضویہ میں مسائل تصوف'' اور واحد نظیر کا مقالہ ''امام احمد رضا بحیثیت صوفی کامل'' خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی حدائق بخشش اپنے آپ میں بذات خود تصوف کا ایک اہم دیوان ہے۔ اس پر مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم میرٹھی صدیقی علیہ الرحمہ کا یہ شعر سونے پر سہاگا کا درجہ رکھتا ہے

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ وکعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حالیہ چند سالوں میں مرکزی ادارہ شرعیہ سے منسلک احباب علم ودانش اور اصحاب حل وعقد نے جہاں ہر اس فتنے کی خم ٹھوک کر سرکوبی کی ہے جو امام اہلسنت اور ہمارے مخدومین کے

درمیان رشتۂ عشق ومحبت کو مجروح کرنے کی کوشش کر رہے تھے، وہیں اعلیٰ حضرت کے ان علمی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے جو ابھی تک منظر عام پر نہ آسکے تھے اسی کا ایک علمی حصہ "امام احمد رضا امام الاصفیاء" بھی ہے۔

محرکین صدی سیمینار کے سربراہان حضرت علامہ سید اقبال حسنی برکاتی علیہ الرحمہ اور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی مظفر حسین رضوی کے ناقابل فراموش اس کارنامے کو صد ہا تحسین ہے اور اس کے مرتب ونگراں حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ چیف قاضی مرکزی دار القضا ادارہ شرعیہ جن کی شناخت ہی رضویات سے ہے ان کے دیگر کارناموں کی طرح یہ کارنامہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

میں مرکزی ادارہ شرعیہ کے خادم کی حیثیت سے البرکات ٹرسٹ گیا اور الحرمین سوسائٹی گیا کے ان جانبازوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس علمی شاہکار کو منظر عام پر لانے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ اللہ رب العزت اس مجلّے کو قبولیت عامہ سے ہمکنار فرمائے اور اہلسنت کے افراد "امام الاصفیاء" کے مطالعہ سے اپنے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے ساتھ اپنی روحانی دنیا میں بھی ایک پاکیزہ انقلاب لائیں۔ آمین ثم آمین

تاثر گرامی

مولانا محمد قطب الدین رضوی
ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ جھارکھنڈ رانچی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اللہ رب العزت کے کرم اور اس کے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر فیضیاب ہوئے کہ انہوں نے 63 سالہ زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیا کہ پوری دنیائے سنیت کو گمراہی سے بچالیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے تحفظ عقیدہ توحید ورسالت، کے ساتھ شریعت وطریقت، معرفت و حقیقت کی ایسی خدمت کی کہ دنیا اس پر آج بھی فخر کرتی ہے۔ ''امام احمد رضا امام الاصفیاء'' اسی کا ایک حصہ ہے جسے مرکزی ادارہ شرعیہ کے چیف قاضی ماہر رضویات حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد، صاحب زید مجدہ نے عرق ریزی سے مرتب فرمایا گدھ کمشنری گیا کے قاضی مولانا مفتی مظفر حسین رضوی مصباحی نے معاونت فرمائی اور علامہ سید اقبال احمد حسنی برکاتی کے روحانی تصرف نے اشاعت کی راہ ہموار کی۔ مقام مسرت ہے کہ ایک ایسے موضوع پہ یہ کتاب مرتب ہوئی جس طرف ہمارے محققین نے کم توجہ دی ہے۔ امید ہے یہ کتاب فدائیان رضویہ کے لئے سرمہ محبت اور دیگر سلاسل کے حضرات کے لئے چشم کشا ثابت ہوگی۔ میں صمیم قلب سے مولانا مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد اور مولانا مفتی مظفر حسین، مولانا عرفان جامی اور ان کے تمام معاونین کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب قدیر اس ہدیہ کو قبول فرمائے آمین۔

طالب دعا

محمد قطب الدین رضوی

ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ جھارکھنڈ رانچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

مرے یقین کی بنیاد ہے مری نسبت
مرے چراغ کے آگے ہوا بھی ہار گئی

ماہ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ کی آمد کی دھمک قریب تر تھی ایک سال قبل سے ہی عاشقان رضا دیوانہ وار جشن صد سالہ کے لئے ۲۵ر صفر ۱۴۴۰ھ کا انتظار کر رہے تھے۔ ملکوں، شہروں، دیہاتوں اور گلیوں میں راضی بہ رضائے الٰہی رہنے والی ذات کے ذکر یعنی ذکر رضا، فکر رضا نعرۂ رضا کی گونج سے دل و نگاہ کو چمنستان رضا بنانے کے لئے بے تاب تھے۔ بار بار یہ شعر میرے ذہن و زبان کو آواز دے رہا تھا

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

جشن صد سالہ کے پر کیف و پر نور مناظر کو ہر محب و عاشق اپنی چشم ہائے سر سے دیکھنا اور یادگار بنانا چاہ رہا تھا۔ امام اہلسنت مجدد دین و ملت امام عشق و محبت شیخ شریعت و طریقت، جامع علوم و کمالات، اعلیٰ حضرت سرکار امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ کے جشن صد سالہ کو تاریخ ساز بنانے کے لئے ہر ادارے، تحریکیں تنظیمیں اور متحرک شخصیات خاکے بنا رہی تھیں۔

مگدھ کمشنری بہار کی ایک علمی و فکری شخصیت، مفکر ملت، زبان و قلم کے سلطان، خطیب الہند حضرت علامہ سید محمد اقبال احمد حسنی برکاتی (علیہ الرحمہ) سابق صدر ادارۂ شرعیہ مگدھ

کمشنری و بانی و ناظم اعلیٰ جامعہ برکات پیر منصور گیا نے راقم الحروف سے اس مثالی جشن صد سالہ کے موقع پر عالم اسلام کی انقلابی و مثالی شخصیت، امام وقت، مجدد زماں، امام الاصفیا، سرکار اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ محترم میں ملکی سطح پر خراج عقیدت والفت پیش کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔

راقم الحروف نے حضرت مفکر ملت کے اس جذبہ کو سلام کرتے ہوئے من کل الوجوہ اس اقدام خیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اپنی شرکت و معاونت کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد اس سے متعلق علمائے شہر گیا کی ایک نشست بلائی گئی جس میں علما نے شرکت فرمائی اور اقدام کو سراہتے ہوئے مشترکہ طور پر اپنے محسن اعظم کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی خاطر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

اس نشست کے بعد مزید کچھ نشستیں ہوئیں اور آخری نشست میں حسب منشا ذمہ داریاں تقسیم ہوئیں لیکن افسوس کہ مہینوں گذرنے کے بعد بھی انجام کار صفر رہا۔ بالآخر اللہ جلالہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت مفکر ملت اور راقم الحروف نے جشن صد سالہ کے انعقاد کے لئے اپنی کوشش شروع کردی۔ اس سلسلہ میں حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ سے رابطہ کرکے اس مہم کا حصہ بننے کی گزارش کی گئی جسے انہوں نے بسروچشم قبول کیا اور پھر باہمی مشورہ سے اس صدی تقریبات کو تین خانوں میں تقسیم کیا گیا۔

(۱) اعلیٰ حضرت صدی سیمینار

(۲) اعلیٰ حضرت صدی مجلہ (بہ عنوان امام احمد رضا اور تصوف)

(۳) امام احمد رضا کانفرنس

حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے سیمینار کے لئے خاکہ مرتب کیا، مقالہ نگاروں کے اسما جمع فرمائے اور ہم لوگوں کے حوالہ کیا اتنا کچھ ہونے کے بعد تقریبات کیلئے ۲۸ر اکتوبر ۲۰۱۸ء کی تاریخ مقرر کرلی گئی۔ ملکی سطح پر مشائخ، صوفیا، علما، خطبا اور پروفیسران سے رابطے ہونے لگے۔ لیکن اس درمیان کچھ ایسے ناموافق حالات پیدا ہوگئے کہ جملہ تقریبات کا انعقاد

مشکل ہوگیا، ناچار وقت وغیرہ کی قلت کے سبب اس تاریخ مذکور میں صرف صدی سیمینار کرنے کا فیصلہ لیا گیا جس میں جامعہ برکات پیر منصور گیا کے اساتذہ کرام یعنی حضرت مولانا الحاج محمد تبارک حسین رضوی، حضرت مولانا عبدالوکیل صابری اور حضرت قاری راحت اللہ رضوی، مولانا شبیر احمد اشرفی ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم پولیس لین گیا اور حضرت مولانا ڈاکٹر منصور فریدی گر، یڈیہ صاحبان عظام کی مشاورت ومعاونت نے ہمارے حوصلوں کو بال و پر عطا کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ سیمینار کے ایک روز قبل تک ہم لوگوں کے حوصلے پست تھے، لیکن اعلیٰ حضرت سرکار کے روحانی فیضان تام سے سیمینار کی زبردست کامیابی نے ہم سبھوں کے دلوں کو نور وسرور عطا کیا، پیش آمدہ مسائل ومصائب کافور ہو گئے۔

شہر گیا بہار کی تاریخی وروحانی سرزمین پر پہلی بار تصوف وروحانیت پر مشتمل ''اعلیٰ حضرت صدی سیمینار'' کا عجب پر کیف منظر تھا، ملک کے نامور اسکالر اور اربابان شریعت و طریقت، صاحبان زبان وقلم اور مذہبی وعصری علوم کے ماہ ونجوم کا قافلۂ علم وادب، جب مرزا غالب کالج کے سیمینار ہال میں اترا تو تاریخ گیا کے صفحہ اول پر انمٹ نقوش ثبت کر گیا۔ سیمینار ہال میں موجود علماء، حفاظ، ائمہ، اطباء، پروفیسران اور دیگر اہل علم ودانش نے اپنے مندوبین ومہمانوں کا کھڑے ہو کر استقبال کیا۔

سیمینار اسقدر روحانی ہو گیا کہ کرسیاں پر ہونے کے بعد بھی شرکا، کھڑے ہو کر علمی مقالے اور معلوماتی سوال وجواب سے مستفیض ومستنیر ہو رہے تھے۔ سیمینار، افتتاحی اجلاس کے بعد دو نشستوں پر مشتمل تھا۔ الحمد اللہ! جملہ اجلاس بہت کامیاب رہے۔ نہایت قیمتی اور علمی مقالات پیش ہوئے۔ سب سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب فقیہ النفس محقق دوراں مناظر اہلسنت تصنیف وتالیف کے سلطان حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب قبلہ رضوی نے اپنا علمی اور مدلل ومفصل مقالہ بہ عنوان ''امام احمد رضا: مجمع البحرین'' پیش فرمایا تو جملہ شرکاء سیمینار انگشت بدنداں رہ گئے۔ کسی کے چہرہ پر اکتاہٹ کے آثار نہیں بلکہ پورا سیمینار ہال ،اعتراف علم کی صدا سے گونج رہا تھا۔

خانقاہ یار علویہ براؤں شریف کی قابل قدر شخصیت حضرت سید شاہ مولانا غلام عبد القادر یار علوی مدظلہ العالی نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ میں نے ملک کے بے شمار سیمناروں میں شرکت کی ہے لیکن شہر گیا بہار کے اس سیمنار کا رنگ ہی جدا ہے۔ محرکین، مندوبین، منتظمین، شرکا سب روحانی فیضان میں شرابور نظر آ رہے ہیں واقعی لگتا ہے جیسے چودہویں صدی کے مجدد کی روح یہاں جلوہ ریز ہو گئی ہے۔

پیر طریقت رہبر شریعت و معرفت حضرت سید شاہ علقمہ شبلی صاحب قبلہ زیب سجادہ مظہریہ منعمیہ کراپ شریف نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ ایک بے مثال صوفی، ولی کامل اور بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ انہیں سمجھنے کے لئے اس پایہ کی شخصیت چاہئے۔

قلت وقت و صفحات دونوں مانع ہیں، ورنہ ملک کے جملہ مندوبین، مشائخ و علماء اور مفکرین و مدیرین کے تاثرات و احساسات کو یہاں قلمبند کرتا۔ مگر قارئین انہیں چند تاثرات سے سیمنار کی کامیابی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

سیمنار میں شرکت کرنے والے مخصوص مندوبین مشائخ و علماء و اسکالر کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(1) فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب رضوی، بانی جامعہ نوریہ شام پور
(2) حضرت مولانا سید شاہ علقمہ شبلی صاحب خانقاہ مظہریہ منعمیہ کراپ شریف
(3) پیر طریقت سید شاہ عبد القادر علوی صاحب خانقاہ علویہ براؤں شریف یوپی
(4) حضرت سید شاہ نجم امام صاحب منعمی خانقاہ منعمیہ مظاہریہ آنگیلہ گیا
(5) حضرت مفتی قاضی شہید عالم صاحب بریلی شریف
(6) حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب نشتر فاروقی، بریلی شریف
(7) حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب صدر قاضی مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار
(8) حضرت مولانا قمر الزماں مصباحی صاحب مظفر پور بہار

(9) حضرت مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد رضوی، لکچرار مظہر الحق عربی فارسی یونیورسیٹی

(10) حضرت مفتی غلام سرور صاحب۔ مدرس ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

(11) حضرت مفتی غلام اختر رضا ازہری صاحب، مدرس ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

(13) جناب ڈاکٹر سراج احمد بستوی صاحب بستی یوپی

(14) حضرت مفتی انور نظامی صاحب ہزاری باغ جھارکھنڈ

(15) حضرت مولانا ڈاکٹر منصور فریدی صاحب گریڈیہ جھارکھنڈ

(16) حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی صاحب سہسرام بہار

(17) محترم جناب ڈاکٹر واحد نظیر صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

(18) محترم جناب ڈاکٹر خالد مبشر صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

(19) محترم جناب ڈاکٹر عرفان وحید صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

(20) محترم جناب ڈاکٹر عبد السلام جیلانی صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(21) محترم جناب ڈاکٹر سراج اجملی صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(22) محترم جناب ڈاکٹر حبیب الرحمن صاحب علیگ پٹنہ

یہ سیمینار گیا کی تاریخ کا ایک مثالی سیمینار ثابت ہوا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور اس کامیابی میں خطیب الہند حضرت علامہ عمر نورانی صاحب خانقاہ بیت الانوار گیا، حضرت مولانا ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بانی وناظم جامعہ نوریہ مجاہد ملت علی گنج گیا، حضرت مولانا ادریس القادری ناظم جامعہ شمس العلوم کریم گنج، حضرت مفتی انتخاب صاحب مدرسہ بیت العلوم بیت الانوار گیا، حضرت سید شاہ محمد صباح الدین منعمی صاحب خانقاہ منعمیہ رام ساگر روڈ گیا، حضرت سید شاہ نجم امام صاحب خانقاہ منعمیہ مظاہر پر آبگلہ گیا، خطیب الہند حضرت علامہ محمد نعمان اختر فائق الجمالی مصباحی مہتمم دار العلوم فیض الباری نوادہ بہار، ادیب شہیر حضرت علامہ اظہر خاں حبیبی مصباحی بانی وناظم دار العلوم محمدیہ جہاں آباد بہار، حضرت حافظ مولانا عارف امام صاحب خطیب وامام رضا مسجد پلو ٹکتیہ کالونی، حضرت مولانا محتشم رضا خان صاحب جیر گی، مولانا حبیب الرحمان صاحب مہتمم دار العلوم رضویہ کنفد پور گیا مولانا صابر حسین اشرفی جامعی، ودار العلوم غریب نواز

رو بہ فتح پور گیا، حافظ علم الہدیٰ صاحب رضوی رفیع گنج، مزید کچھ مخصوص شرکاء سیمنار کے اسما زیادہ ایام گزرنے کے سبب ذہن سے محو ہو رہے یہ بھی ہمارے لئے یقیناً اہم اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ رب العزت سبھوں کو حسب عمل اس کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔

اعلیٰ حضرت صدی سیمنار سے راحت پانے کے بعد حضرت مفکر ملت نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ بہ عنوان "امام احمد رضا اور تصوف" صدی مجلہ بھی لائیں گے اور شہر گیا کی سرزمین پر اعلیٰ حضرت صدی کانفرنس میں اس کا اجرا بھی کریں گے، لیکن افسوس کہ ان کی زندگی نے ساتھ نہیں نبھایا اور اس کانفرنس کے انعقاد سے قبل بتاریخ 22/ جون 2020ء انہیں داعی اجل نے آواز دے دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت مفکر ملت علیہ الرحمہ کے رخصت ہو جانے کے بعد احقر کے حوصلے بھی پست ہو گئے لیکن اپنے محسن، کرم فرما بڑے بھائی، ماہر رضویات، محقق عصر، علم و ادب کے نیر تاباں تصنیف و تدریس کے مرد میداں، صاحب قلم و زبان حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ صدر قاضی مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار کا احسان کبھی فراموش نہیں کر سکتا جنھوں نے احقر کو نہ صرف حوصلہ عطا کیا بلکہ ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ ان کی عنایتوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سرکار کے تصوف اور طریقت و معرفت پر یہ مایہ ناز اعلیٰ حضرت صدی مجلہ بنام "امام احمد رضا: امام الاصفیا" آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ صدی سیمنار میں بھی حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف روح رواں کی حیثیت سے تھے جن کی کاوشوں سے سیمنار نہایت نظم و ضبط کے ساتھ کامیاب ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بطفیل حبیبہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ڈاکٹر صاحب اور جملہ مشائخ و علماء و معاونین و مخلصین کی حیات و خدمات میں خوب برکتیں نصیب کرے۔

اس مجلہ کی اشاعت کے حوالہ سے حضرت مفکر ملت علامہ شاہ اقبال احمد حسنی برکاتی علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ عزیزم مولانا سید عفان جامی کا مخلصانہ جذبہ اور اشاعت کے لئے جد و جہد ہمیں حضرت مفکر ملت کی یاد دلاتی ہے۔ حضرت نہیں ہیں مگر ہیں کہ ان کا جذبہ ان کی فکر اور ان کا ولولہ ان کے صاحبزدہ کے ذریعہ زندہ و سلامت ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں حادثات زمانہ سے

محفوظ و مامون رکھے اور روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔

اس مجلہ کا نام "امام احمد رضا اور تصوف" کے بجائے "امام احمد رضا: امام الاصفیا" رکھا گیا ہے کہ پہلے والے نام سے خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کی کتاب "امام احمد رضا اور تصوف" منظر عام پہ آچکی ہے اس لئے تکرار کے سبب اس کا نام تبدیل کر دیا گیا۔

اس مجلہ میں ہمارے جن کرم فرما، ارباب فکر و نظر کے مقالے اور مضامین شامل ہیں ان تمام کے لئے شکریہ کے ساتھ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا بہترین صلہ انہیں دوجہاں میں عطا فرمائے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب نے موضوع سے متعلق کچھ اور مضامین بھی اس میں شامل فرمائے ہیں تاکہ یہ مجلہ اپنے موضوع پہ مکمل دستاویز ثابت ہو۔ مشمولات کی فہرست سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اثبات دعویٰ "امام احمد رضا: امام الاصفیا" کے حوالے سے یہ مضامین و مقالات یقیناً دلیل کامل کا درجہ رکھتے ہیں۔

اخیر میں عرض ہے صدی تقریبات کے حوالے سے یا کسی موقع پر اگر کسی شخص یا شخصیت کو اس گنہگار سے کچھ تکلیف پہنچی ہو تو یہ بندہ بے دام احقر العباد مظفر حسین رضوی مصباحی معذرت خواہ اور عفو کا طالب ہے۔ امید ہے وہ ہمیں معاف فرما کر اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں گے

خیر اندیش

محمد مظفر حسین رضوی مصباحی

خادم دار القضا ادارہ شرعیہ ضلع گیا

و بانی و ناظم دار العلوم غریب نواز روین، فتحپور گیا بہار

9955560365

چل میرے خامہ بسم اللہ

امام احمد رضا امام الاصفیا

قرطاقرطاس وقلم کی میز پر ایک گلدستۂ روح افزا

مولانا سید عفان جامی فائق الاقبالی
ناظم اعلیٰ جامعہ برکات منصور، پیر منصور، شہر گیا (بہار)

گیا صوبۂ بہار کا وہ تاریخی اور مردم خیز شہر ہے جس نے اہالیان وطن کو نہ صرف اصحاب فکر و نظر اور ارباب قرطاس وقلم دیا بلکہ علم ومعرفت اور تقویٰ وطہارت کے مستحکم وتوانا صاحب کردار افراد بھی عطا کیے۔ ان بے شمار زرنگار کرداروں میں احقر کے والد بزرگوار استاذ الحفیا مفکر ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ السید اقبال احمد حسنی برکاتی (ایم، اے علیہ) علیہ الرحمہ گولڈ میڈلسٹ، سکریٹری البرکات ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، بانی، سربراہ وناظم اعلیٰ جامعہ برکات منصور، پیر منصور شہر گیا وصدر ادارہ شرعیہ مگدھ کمشنری (بہار) اور مصدر فیوض علوم ربانی، وارث برکات رسول نورانی، آبروئے علم وحکمت، مفتی قوم وملت حضرت علامہ مفتی محمد مظفر حسین رضوی مصباحی دامت برکاتہم الاطہر والاقدس، (ایم، اے) سکریٹری الحرمین ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی، بانی وناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز روہین، فتح پور ضلع گیا وجنرل سکریٹری ادارہ شرعیہ مگدھ کمشنری (بہار) کی ذات والاتبار ہے، جن کے علمی وفکری اور تحقیقی وتدقیقی تبحر کے تموج نے عالم اسلام وسنت کی نمایاں ترین عبقری شخصیت، عاشق بارگاہ رسالت، مجدد دین وملت، امام عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ رحمۃ والرحمن کے علم وادب، فقاہت وثقاہت، مذہبیات وسماجیات، معاشیات وعصریات اور تحقیقات وتدقیقات کو گزشتہ صدی سے ہر خطہ ودیار اور نظریہ وخیال کے ارباب علم وتحقیق نے منبع ومخزن اور عظیم ترین منارہ نور تسلیم کیا ہے) اسی عظیم الشان راہ بر وراہ نما کی نمایاں ترین شخصیت کو نئی جہت سے ملک ہندوستان، صوبۂ بہار اور خصوصاً اہل گیا کو فکری پرواز دی اور تاریخ ساز دیادگار اعلیٰ حضرت صدی تقریبات"

کی باکمال بنیاد رکھی جنہیں تین اجزائے ترکیبی:

1) اعلیٰ حضرت صمدی مجلہ

2) اعلیٰ حضرت صمدی سیمینار

3) اعلیٰ حضرت صمدی کانفرنس

منعقد کیا اور بعد حوصلہ مباہات اور عالمانہ تفکرات پیش کیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے عزوشان و حکمت کے ساتھ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا اور اب اس کی اشاعت کا مرحلہ تھا کہ حضرت مفکر ملت اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

سیمینار کی دھمک ایسی تھی کہ اس کا اثر آج تک باقی ہے۔ اس سیمینار میں بہار بنگال جھارکھنڈ یوپی ہر اطراف سے علما و باشعرا محققین یونیورسٹی کے اساتذہ تشریف فرما ہوئے اور ایک انوکھے عنوان "امام احمد رضا اور تصوف کے مرکزی عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ اب وہی مقالات و مضامین مرتب ہو کر منظر عام پہ آرہے ہیں یہ مجموعہ مقالات "اعلیٰ حضرت صمدی مجلہ بنام "امام احمد رضا امام الاصفیا" کے عنوان سے ہے اور بہت ہی معتمد و مستند، عظیم و ضخیم، تاریخی و تحقیقی، اور دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔

یہ کتاب تصوف و معرفت کے ذیل میں امام عشق و محبت کی حیات و خدمات، تزکیہ قلوب اور عشق رسالت مآب کی جلوہ ریزیوں سے مالا مال ہے، جو مجدد و محقق عالم قدس سرہ کے عالمانہ زاہدانہ، متصوفانہ مجاہدانہ، عادلانہ، محققانہ، مجددانہ، مجتہدانہ، حق پسندانہ اور عبادات روز و شبانہ سے عبارت دلب ریز ہے۔ جسے اپنے موضوع پر عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا کہیں تو بجا ہے۔ اپنے متنوعات علمیہ اور عنوانات متعددہ کے سبب اہل فکر و نظر کے شوق قلم آرائی اور عالمی سطح پر علمی بلندیوں کی پیمائی کا منہ بولتا ثبوت ہے، اسلامیان ہند و بیرون ہند کی آنے والی نسلوں، متلاشیان زاویہ ہائے تحقیق اور محققین کرام کے لیے ماخذ تحقیق ہے، مستقبل قریب و بعید کا ہر غیر جانبدار اور انصاف پسند صاحب فکر و نظر قلم کار و محقق اس کو اپنے خزانہ مراجع و مآخذ میں رکھنے پر فخر محسوس کر سکتا ہے اور جس کی خوشبو نسلا بعد نسل، زمنا بعد زمن و قرنا بعد قرن محسوس کی جا سکے گی ع۔

ہم کو محسوس کیا جائے ہے خوشبو کی طرح

ہم کوئی شور نہیں ہیں کہ سنائی دیں گے

"امام احمد رضا اور تصوف" کے زیر عنوان اس تاریخ ساز سرزمین (گیا) پر تاریخ ساز سیمینار کا وہ تاریخی لمحہ لوگوں نے دیکھا اور لوگوں نے سراہتے ہوئے کہا بھی کہ اگر ایسے سیمینار گاہ بہ گاہ منعقد ہوتے رہیں تو علما و مشائخ کی زبانی صوفیت شناسی بھی آجائے، اردو کے فروغ و ارتقا کی امانت اور ہمارے لیے بخشش و نجات کی ضمانت بھی بن جائے۔ ان شاء اللہ کوشش رہے گی کہ ابا حضور کی روح کی شادابی کے لئے موجودہ اربابان ہیئت کے مشورے سے ایسے اجلاس کا اہتمام کیا جائے جس سنت کو بھی فروغ ملے اور دل کے تزکیہ کا بھی سامان ہوتا رہے۔

دعا ہے کہ ان دو اہم ترین کامیابیوں کے بعد بامید کرم رب کریم و مالک لطیف عمیم ان شاء اللہ الرحیم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زاہدانہ و صوفیانہ حیات کے حوالے سے "اعلیٰ حضرت صدی تقریبات" کی ترکیب ثالث" اعلیٰ حضرت صدی کانفرنس" بھی منعقد کی جائے اور وہ بھی سیمینار کی طرح بے نظیر کامیابیوں سے ہم کنار ہو۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

کتاب کی اشاعت میں تاخیر نہ ہوتی والد مفکر ملت حضرت علامہ سید اقبال احمد حسنی برکاتی کی زندگی نے وفا کی ہوتی۔ مگر فقیہ ملت کی مخلصانہ جد و جہد نے والد گرامی کے مشن کو آگے بڑھایا جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اس میں اپنے خلوص و محبت کا رنگ بھرا اب یہ ہمارے نصیبہ کی ارجمندی ہوگی اگر یہ تحفہ بارگاہ رضا میں قبول ہو جائے۔ کتاب کی اشاعت کی تاخیر پہ ہم اس وظیفہ کے سوا اور کیا پڑھیں کہ

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

والسلام مع الاکرام
سید عفان جامی فائق الاقبالی غفرلہ
(جانشین حضور مفکر ملت)
خادم انتظامت جامعہ برکات منصور، پیر منصور، شہر گیا (بہار)

مقدمہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ عظیم الشان فقیہہ ومجدد ہونے کے ساتھ بلند پایہ صوفی ومرشد بھی ہیں یہ ایک زندہ حقیقت ہے، اہل علم وصاحبان بصیرت شرح صدر سے اس کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ مگر یہ المیہ ہے کہ دنیا کے سامنے ان کی زندگی کا صرف ایک رخ "فقاہت" زیادہ نمایاں ہوا، باقی اوصاف اپنی جلالت شان کے باوجود پردہ خفا میں رہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ نئی نسل انہیں فقاہت میں اصحاب ترجیح بلکہ اپنے عہد کا ثانی امام اعظم تک مانتی ہے مگر معرفت وطریقت میں انہیں صوفی ماننے اور کہنے میں شرح صدر کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ حالانکہ امام احمد رضا جس طرح مسائل شریعت میں درجہ امامت اور مرتبہ اجتہاد پر فائز ہیں اسی طرح معرفت وطریقت میں بھی امامت واجتہاد کے منصب رفیع پر متمکن ہیں۔

امام احمد رضا کے تین اوصاف ایسے ہیں جس کے سبب ان کی شخصیت اس عہد میں بہت نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے:

[۱] فقاہت

[۲] تجدید

[۳] تصوف

یہ تینوں الگ الگ اوصاف اور مناصب ہیں مگر یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے امام احمد رضا کی ایک ذات میں یہ تینوں اوصاف جمع فرمائے اور ان میں بھی انہیں وہ مقام عطا فرمایا جس کی نظیر مشکل ہے۔

جہاں تک امام احمد رضا کی فقاہت کا معاملہ ہے تو اس موضوع پر ان کے رسائل اور فتاویٰ رضویہ کی مکمل جلدیں اس دعویٰ کا بین ثبوت ہیں کہ آخر کی کئی صدیوں میں ایسا فقیہہ پیدا

نہیں ہوا۔ یہی بات ڈاکٹر اقبال جیسے مفکر نے بھی اپنے تاثر میں کہی۔ جن حضرات کو اس دعویٰ کا ثبوت چاہیے انہیں:

فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ
رسائل رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ
مقالات یوم رضا	مجموعہ مقالات
فقیہ اسلام [ph,d مقالہ]	ڈاکٹر حسن رضا خان پٹنہ
امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر	مولانا یسین اختر مصباحی

کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جنھوں نے بذات خود ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے انہیں اس کا عرفان حاصل ہے اور وہ برملا اس کا اعتراف کرتے ہیں "تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را" کے طور پر چند شواہد ملاحظہ کیجیے:

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ان فتاویٰ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاویٰ کے مولف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرما لیتے۔

[علامہ سید اسمٰعیل خلیل مکی، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، ص ۳۲]

سید زکریا شاہ بنوری پیشاوری:

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی۔ [امام احمد رضا کی فقہی بصیرت۔ ص ۳۲]

تاج العلماء حضرت محمد میاں مارہروی:

اعلیٰ حضرت کو میں علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیوں کہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے یہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے یہاں نہیں

[امام احمد رضا کی فقہی بصیرت۔ ص ۳۲]

مولانا عبد الحی لکھنوی:

برع فی العلم و فاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لا سیما الفقہ

والاصول۔ یعنی بیشتر علوم و فنون میں خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فائق تھے [نزہۃ الخواطر: جلد ۸]

اور جہاں تک بات آپ کے مجدد ہونے کی ہے تو اس سلسلہ میں بھی اگر چہ باضابطہ بہت کچھ نہیں لکھا گیا مگر امام احمد رضا سے متعلق تمام سوانحی کتابوں میں ضمناً اس کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس موضوع پر اتنے منتشر مضامین موجود ہیں کہ انہیں یکجا کر دیا جائے تو کئی کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔

آپ کے پہلے سوانح نگار حضور ملک العلما علامہ شاہ ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم میں مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی کے صفحہ ۱۲۳ سے ۱۵۹ تک تفصیلی بحث کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ انہوں نے متنوع حوالوں سے امام احمد رضا کی مجددانہ شان کو آئینہ فرمادیا ہے۔ صاحبان ذوق اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں میں یہاں ان کی اسی کتاب میں شامل حضور محدث اعظم ہند علامہ شاہ محمد صاحب اشرفی محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ والرضوان کے ایک مضمون کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیوں کہ وہ خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کے نامور عالم دین، مایہ ناز محدث اور قابل فخر عارف و شیخ کامل تھے۔ وہ مجدد کی تلاش میں تصوراتی طور پر علمائے عرب کے یہاں پہنچ گئے اور ان کی تحریروں میں تلاش کر کے دکھایا کہ علمائے حجاز کی نظر بھی امام احمد رضا چودہویں صدی کے مجدد ہیں۔ مضمون کا انداز بڑا دلچسپ ہے۔ وہ اس مضمون میں لکھتے ہیں:

الحمد للہ کہ عرضی قبول ہوئی اور عقل سلیم کی طرف لے چلی، اور حرمین کریمین کے مفتیان کرام وائمہ حرمین عظام وجمیع علمائے اسلام کے قدموں پر ہمیں ڈال دیا ہم چپ ہیں صامت وساکت ہیں کہ تاب گویائی باقی نہیں ہے اتنا دیکھتے ہیں کہ ان علما کے دست اقدس میں کوئی معتمد و مستند رسالہ کوئی معتقد و منتقد (رسالہ اعلیحضرت) مجالہ ہے اور ان کے قلم وزبان کسی کی مداحی میں یوں زمزمہ سنج ہیں، مناقب علیہ کا اظہار ان لفظوں سے ہو رہا ہے:

اس کے بعد انہوں نے علمائے حجاز کی تحریر میں امام احمد رضا کے لئے استعمال کردہ القابات کی فہرست پیش کی ہے، جس سے یہ آئینہ ہوتا ہے کہ علمائے حرمین انہیں مرجع العلما اور مجدد وقت تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں:

> عالم، علامہ کامل، استاذ ماہر، مجاہد، معزز، باریکیوں کا خزانہ، برگزیدہ گنجینۂ، علوم کے مشکلات ظاہر و باطن کا کھولنے والا، دریائے فضائل، علمائے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، امام و پیشوا، اعدائے اسلام کے لئے تیغ براں، ہمارا سردار، جلیل القدر، بحر ذخار، بحر ناپیدا کنار، ہمارا مولا، منقبتوں اور فخروں والا، یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، علمائے مکہ ان کے فضائل پر گواہ، اس صدی کا مجدد، ان کے کمال کا بیان طاقت سے باہر، حاوی جمیع علوم، دین کا زندہ کرنے والا، وارث نبی، سید العلما، مایہ افتخار علما، خلاصہ علمائے راسخین۔

قارئین خط کشیدہ القابات خاص طور سے ملاحظہ فرمائیں کہ یہ ہمارے ادعا پر دلیل واثق ہے۔ ان مختصر حوالہ جات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امام احمد رضا کی فقاہت اور ان کی شان تجدید مستند و معتمد ہے۔ اب ذرا ان کے تصوف، عارفانہ مقام اور شان ولایت قطبیت کے حوالہ سے بھی عارفوں کے اقوال اور کاملین کے مشاہدات کا جلوہ دیکھ لیا جائے۔

کسی بھی شخصیت کی معرفت کے لئے دو ہی طریقے ہیں ایک یہ کہ ان کے ذاتی احوال معمولات و مشاغل اور کردار و گفتار و آثار کو ذریعہ بنایا جائے اور دوسرا یہ کہ اس عہد کے عارفین و کاملین کے تاثرات سے ان کی شخصیت کا عرفان حاصل کیا جائے۔ یہ صورت زیادہ آسان اور فہم کے زیادہ قریب ہے۔ احوال و آثار کے لئے

حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری
سیرت اعلیٰ حضرت	مولانا حسنین رضا خان بریلی شریف
امام احمد رضا اور تصوف	علامہ محمد احمد مصباحی
امام احمد رضا اور عرفان تصوف	مولانا عیسیٰ رضوی

کا مطالعہ کیا جائے۔ اور دوسری صورت کے حوالہ سے چند شواہد ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی کہ امام احمد رضا امام الاصفیا ہیں۔

سرکار اعلیحضرت کی ولادت سن ۱۸۵۶ء میں ہوئی، بزرگوں کے معمولات کے مطابق جد امجد علامہ شاہ رضا علی خان نے تعلیم کا آغاز کرایا اور سن ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۹ء میں جب کہ آپ کی عمر ۱۳ سال دس ماہ پانچ دن کی تھی کہ آپ نے مدارس میں مروج جملہ علوم وفنون سے فراغت حاصل کر لی، اور اسی دن رضاعت سے متعلق پہلا فتویٰ ایسا لکھا کہ عمر بھر کے لئے والد گرامی خاتم المحققین علامہ شاہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے قلمدان افتا آپ کے حوالہ کر دیا۔ فتویٰ نویسی کو تقریباً نو سال ہوئے ہوں گے کہ سن 1295ھ 1878ء میں والد گرامی کے ساتھ حضرت تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ والرضوان کے ہمراہ خاتم الاکابر حضور سیدنا شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں والد گرامی کے ساتھ مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ حضرت مرشد گرامی نے بیعت کے بعد بغیر کسی ریاضت کے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس خلاف معمول بیعت وخلافت پر حضور سیدی سرکار ابو الحسین نوری علیہ الرحمہ والرضوان کی طرف سے عرضی پیش ہوئی کہ حضور اپنے یہاں تو طویل عرصہ تک باشقت مجاہدات وریاضات کے بعد خلافت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی؟ تو حضرت نے ارشاد فرمایا "میاں صاحب! اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ کی ضرورت پڑتی ہے، یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے، ان کو صرف اتصال سند کی ضرورت تھی اور مرید ہوتے ہی پوری ہوگئی۔

جو حضرات سرکار اعلیٰ حضرت کو محض مولانا احمد رضا کہنے پر مصر ہیں اور انہیں صوفی ولی مرشد ماننے اور کہنے میں کسی قلبی آزار کا احساس ہوتا ہے انہیں حضور خاتم الاکابر کے مذکورہ جملے سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

سرکار شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمہ والرضوان خانوادہ مارہرہ کے بزرگ اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے استاذ بھی ہیں حضور خاتم الاکابر نے امام احمد رضا کو تربیت کے لئے آپ ہی

کے حوالہ کیا تھا، انھوں نے اپنے اس تلمیذ رشید کو کیسا پایا وہ ان کی تحریروں میں آج بھی موجود ہے آپ نے ''چشم و چراغ خاندان برکاتیہ'' کا خطاب بڑی محبت سے آپ کے نام کیا اور انکسار فرمایا'' میں اپنے سے زیادہ آپ کو اس کا اہل پاتا ہوں'' یہ فرمان صرف امام احمد رضا کی عظمت کے عرفان کے لئے تھا تا کہ لوگ انہیں صرف مولانا نہ سمجھیں یہ معرفت وطریقت کے بھی بحر ذخار ہیں۔ کیا ان شواہد کے بعد بھی ذہن سلیم اور عقل انصاف پسند امام احمد رضا کو عالم وفقیہ کے ساتھ عارف وصوفی اور ولی کامل ماننے میں تردد کرے گا؟

امام احمد رضا بزرگوں کی بارگاہوں کے ادب شناس تھے اور ان کی بارگاہوں میں حاضری کو سعادت سمجھتے تھے۔ ایک بار عین جوانی کے عالم میں آپ گنج مراد آباد حضرت شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے کمال محبت وشفقت سے آپ کو اپنا مہمان بنایا جب جانے لگے تو شاہ صاحب نے فرمایا جی چاہتا ہے کہ اپنی ٹوپی آپ کو اڑھاؤں اور آپ کی ٹوپی اپنے سر پہ رکھ لوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فرمایئے! آخر ایک نوجوان میں حضرت شاہ صاحب نے کیا دیکھا کہ ان کی ٹوپی اپنے سر پہ رکھی؟ عارف کو پہچاننے کے لئے عارف ہونا پڑتا ہے۔ جو لوگ کسی خاص نظریہ سے امام احمد رضا کو دیکھتے ہیں وہ دراصل اپنی پہچان چھوڑتے ہیں ورنہ کامل تو کامل کو پہچان ہی لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے پہلے سفر حج میں جب آپ حرم شریف میں مغرب کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے امام شافعیہ شیخ حسین صالح علیہ الرحمہ والرضوان (م 1302ھ 1884ء) بغیر کسی سابقہ تعارف کے امام احمد رضا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھر لے گئے اور فرط محبت سے دیر تک آپ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہنے کے بعد جوش عقیدت میں فرمایا:

انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین (۲) بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور محسوس کر رہا ہوں

واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ حسین بن صالح موصوف نے اسی ملاقات میں آپ کو صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ضیاء الدین احمد رکھا۔

بتایا جائے یہ کون سی نگاہ تھی جس نے بغیر کسی سابقہ ملاقات وتعارف کے انی لاجد نور اللہ من هذا الجبین کہلوایا۔ یقیناً یہ وہی کاملین کی نگاہ ہے جو فانہ ینظر بنور اللہ کی حامل ہوتی ہے اور کاملین کو پہچان لیتی ہے ———— یہ ایک تاثر نہیں علمائے حرمین کے تمام تاثرات میں امام احمد رضا کے علمی جاہ وجلال کے ساتھ ان کے باطنی کمالات کا بھی خوب خوب بیان ملتا ہے چند تاثرات سے یہ حقیقت اور بھی روشن ہوگی ملاحظہ فرمائیے

شیخ اسمٰعیل بن سید خلیل حافظ کتب الحرام علیہ الرحمہ: مکہ لکھتے ہیں:

واحمد اللہ تعالی علی ان قیض هذا العالم العامل والفاضل الکامل صاحب المناقب والمفاخر مظهر کم ترک الاول للاخر فرید الدهر وحید العصر مولینا الشیخ احمد رضا خان سلمه اللہ الرب المنان۔ کیف لا وقد شهد له عالم مکة بذلک ولو لم یکن بالمحل الارفع لما وقع منهم ذالک بل اقول لو قیل فی حقه انه مجدد هذا القرن لکان حقا وصدقا۔ (حسام الحرمین، ص 140 و 142)

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے عالم باعمل عالم فاضل صاحب مناقب ومفاخر جسکو دیکھ دیکھ کر یہ کہا جائے کہ ”اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے“ یکتائے روزگار وحید عصر مولینا شاہ احمد رضا خان کو مقرر فرمایا کیوں ایسا نہ ہو کہ علماء مکہ معظمہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہی دے رہے ہیں اگر وہ اس مقام رفیع پر متمکن نہ ہوتا تو علمائے مکہ معظمہ اس کے لئے یہ گواہی نہ دیتے ہاں ہاں میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو حق وصحیح ہے۔

شیخ علی بن حسین مالکی علیہ الرحمہ، مدرس مسجد الحرام۔ مکہ مکرمہ رقم طراز ہیں

لما من اللہ علی باستجلاء نور شمس العرفان من سماء صفاءه لمتزم

الاتقان من صار محمود فعله كشاف ایات فضله و کیف لا و هو مرکز دائرة المعارف الیوم و مطلع کواکب سماء العلوم فی دار القوم عضد الموحدین و عصام المهتدین القاطع بصارم البراهین لسان المضلین الملحدین وا لرافع منار الایمان حضرة المولی احمد رضا خان (حسام الحرمین ص 158)

جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور آسمان صفا کے آفتاب عرفان کی روشنی سے میرے قلب کو منور فرمایا وہ جس کے افعال حمیدہ اس کے فضل و کمال کو عالم آشکار کرتے ہیں ایسا کیوں نہ ہو آج وہ دائرہ معارف کا مرکز ہے (اس کا وجود مسعود) ملت اسلامیہ کے گھر میں آسمان علم و عرفان کے جھلملاتے تاروں کا مطلع ہے وہ مسلمانوں کا یار و مددگار ہے ہدیت یابوں کا نگہبان و نگران گمراہوں اور ملحدوں کی زبانوں کو اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے کاٹ پھینکتا ہے ایمان کے مینارے کو بلند سے بلند تر کرتا ہے (کون؟) ہمارے آقا احمد رضا خان۔

شیخ کریم اللہ مہاجر مدنی، کا بھی تاثر ملاحظہ کریں وہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:

انی مقیم بالمدینة الامدیة منذ سنین و یاتیها من الهند الوف من العلمین فیهم علماء و صلحاء و اتقیاء رایتهم یدورون فی سکک البلد لایلتفت الیهم من اهله احد و اری العلماء و الکبار العظماء الیه مهرعین باجلالہ مسرعین ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم (حامد رضا خان: الاجازات المتینة ص 7)

میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں ہندوستان سے ہزاروں صاحب علم آتے ہیں ان میں علماء صلحاء اور اتقیا سب ہی ہوتے ہیں میں

نے دیکھا کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں کوئی بھی ان کو مڑ کر نہیں دیکھتا لیکن (فاضل بریلوی کی عجیب شان ہے) یہاں کے علماء اور بزرگ سب ہی ان کی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں اور ان کی تعظیم وتکریم میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔

شیخ عبد الرحمان دھان مکی، امام احمد رضا کو اپنی جائے پناہ قرار دیتے ہیں:

الذی شھد له علماء البلد الحرام بانه السید الفرد الامام سیدی وملاذی الشیخ احمد رضا خان البریلوی متعنا الله بحیاته والمسلمین ومنحنی ھدیه فان ھدیه ھدی سید المرسلین (حسام الحرمین، ص176)

وہ جس کے متعلق مکہ معظمہ کے علمائے کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا ویگانہ ہے امام وقت میرے سردار میری جائے پناہ حضرت احمد رضا خان بریلوی اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے اور مجھے اس کی روش نصیب کرے کہ اس کی روش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روش ہے

شیخ محمد سعید بن محمد یمانی علیہ الرحمہ، مدرس مسجد حرام، مکہ معظمہ: تو امام احمد رضا کو اسلاف کی یادگار زاہدوں اور کاملوں میں یکتا و منفرد سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

فان من جلائل النعم التی لاتثبت فی ساحة شکرھا ان قیض الشیخ الامام والبحر الھمام برکة الانام وبقیة السلف الکرام واحد الائمة الزھاد والکاملین العباد احمد رضا خان۔ (حسام الحرمین، ص192)

بیشک یہ اللہ کی ان عظیم نعمتوں میں سے ہے جس کا شکر ادا کرنے سے ہم عاجز و قاصر ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت، امام دریائے بلند ہمت، تمام عالم کے لئے برکت و رحمت، یادگار سلف، زاہدوں اور کاملوں میں یکتا و یگانہ یعنی احمد رضا خان (کو بھیجا)

آخر میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کے اسی مضمون (مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت جلد ۳) میں علمائے حجاز کی زبان وقلم سے امام احمد رضا کی ولایت صحیحہ کی تصدیق کے حوالے سے ان کے القابات بھی دیکھ لیں کہ علمائے حرمین تصوف و معرفت میں امام احمد رضا کو کس پایہ کا سمجھتے ہیں۔ وہ یوں شمار کراتے ہیں

آفتاب معرفت، کثیر الاحسان، کریم النفس، دریائے معارف، مستحبات وسنن وواجبات وفرائض پر محافظ، محمود سیرت، صاحب عدل، عالم باعمل، نادر روزگار، خلاصہ لیل ونہار، اللہ کا خاص بندہ، عابد، دنیا سے بے رغبتی والا، عرفان ومعرفت والا۔

یہ ان شخصیات کے تاثرات ہیں جو خود نادر روزگار، یادگار سلف اور مایہ افتخار ہیں۔ ان کے تاثرات استنادی حیثیتوں کے حامل ہیں جن سے امام احمد رضا کا عارفانہ کمال آئینہ ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ آخر میں یہاں دنیائے تصوف کی ایک معروف شخصیت درگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے صاحب سجادہ محترم خواجہ حسن نظامی کے ایک بے باکہ تاثر کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ خانقاہی دنیا پر یہ منکشف ہو سکے کہ سلسلہ چشتیہ کے ایک باوزن اور معروف صاحب سجادہ نے امام احمد رضا کو کن آنکھوں سے دیکھا اور دنیا کو کیا سمجھایا۔ وہ اپنے ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

”بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں در حقیقت طبقہ صوفیائے کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں اور جن کے

مقالاً جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب جو کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہئے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور وہ بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیا علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔"

امام احمد رضا اور شاہ خواجہ حسن نظامی کے درمیان سجدہ تحیت کے جواز وعدم جواز پر شدید علمی اختلافات بھی تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے "طبقہ صوفیائے کرام میں منصب مجدد کے مستحق" فرمایا۔ اس سے صوفیہ کی حق گوئی اور امام احمد رضا کی عظمت دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ صوفیہ اپنے دل میں کسی کے لئے منفی جذبہ نہیں رکھتے ان کی صاف دلی صاف گوئی کا ذریعہ ہوتی ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ آج بھی اگر یہ صوفیہ کا یہی منہج رائج ہو جائے تو علماء وصوفیہ کے درمیان کی کھائیاں پٹ جائیں اور صوفیہ کے درمیان فروغ پانے والے تناقض کا خاتمہ ہو جائے۔

امام احمد رضا علماء وصوفیہ کے مقبول ومحبوب تھے یہی وجہ ہے کہ انہیں ایک دو نہیں ۱۳ سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت حاصل تھی، یہ کثرت طرق ان کی عظمت دال اور صاحب فضل وکمال ہونے کی بین دلیل ہے جامع حالات حضرت ملک العلماء نے اس کی

تفصیل ''حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم'' میں میں دی ہے اجمال یہ ہے:

(۱) قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲) قادریہ آبائیہ قدیمہ (۳) قادریہ اھدلیہ (۴) قادریہ رزاقیہ (۵) قادریہ منوریہ (۶) چشتیہ نظامیہ قدیمہ (۷) چشتیہ محبوبیہ جدیدہ (۸) سہروردیہ واحدیہ (۹) سہروردیہ فضیلہ (۱۰) نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ (۱۱) نقشبندیہ علائیہ علویہ (۱۲) بدیعیہ (۱۳) علویہ منامیہ وغیرہ وغیرہ۔

ان سلاسل کے علاوہ امام احمد رضا کو:

(۱) مصافحة الجنيه

(۲) مصافحة الخضريه

(۳) مصافحة المعمريه

(۴) مصافحة المناميه

کی سندات بھی حاصل تھیں جو ان کی کاملیت کی دلیل ہے۔ اب اس کے بعد بھی کوئی بضد ہو کہ وہ مولانا ہے صوفی نہیں تو ''بریں عقل و دانش بباید گریست'' کے علاوہ کیا کہا جائے۔

سلسلہ قادریہ اور امام احمد رضا:

جیسا کہ عرض کیا گیا امام احمد رضا ۱۳ ر واسطوں سے اجازت وخلافت حاصل تھی مگر آپ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت فرماتے تھے۔ اس سلسلہ سے انہیں عشق تھا۔ آپ اس سلسلہ کے شیخ اکبر، قطب الاقطاب حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق میں فنا تھے اس لئے نثر و نظم دونوں میں آپ نے ان کا تذکرہ مبارک فرمایا۔ فارسی اور اردو زبان میں ان کی کہی گئی گرانقدر منقبتیں لاثانی کیفیت کی حامل ہیں اردو مناقب میں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

اور دوسری منقبت ؎

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا

تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

نے روحانی مجالس میں دھوم مچائے رکھا ہے جبکہ فارسی مناقب میں قصیدہ ''اکسیر اعظم'' اور ''نظم معطر'' کا تو واقعی جواب ہی نہیں۔ اکسیر اعظم کا مطلع اور دو شعر دیکھیں ؎

پیر پیراں میر میراں اے شہ جیلاں توئی

انس جان قدسیاں و غوث انس و جاں توئی

سر توئی سرور توئی سر را سر و ساماں توئی

جاں توئی جاناں توئی جاں را قرار جاں توئی

مقطع میں فرمایا ؎

قادری بودن رضا را مفت باغ خلد داد

من نمی گفتم کہ آقا مایہ غفراں توئی

نظم معطر میں اعلیٰ حضرت نے فن شاعری کی کئی صنعتیں استعمال فرمائی ہیں مگر اس سے گریز کرتے ہوئے اس نظم کی صرف ایک رباعی ملاحظہ کریں ؎

بارو ز خدا بر جد عبد القادر

محمود خدا حامد عبد القادر

باران درودے کہ چکیدہ زر خش

بارو بسر سید عبد القادر

ان مناقب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا علوم تصوف کے ہر پیچ و خم سے واقف تھے اور اس راہ میں وہ برسوں سے سفر کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو اجازت و خلافت تو ۱۲۹۵ھ میں مل گئی تھی مگر آپ ادباً خود مرید کرنے کے بجائے اپنی طرف آنے والے افراد کو حضور نوری میاں قبلہ قدس سرہ العزیز یا حضرت تاج

الفحول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے۔ مگر ایک بار مرشد گرامی نے خواب میں بیعت کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

آپ سلسلہ کا دائرہ کیوں تنگ کرتے ہیں کیوں نہیں مرید کرتے

[حیات اعلیٰ حضرت: جلد ۳ ص ۱۸]

اس اشارہ غیبی کے بعد آپ نے بیعت کی طرف توجہ فرمائی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں افراد دامن کرم سے وابستہ ہو گئے اور "رضوی" کے لاحقے سے معروف ہوئے۔ آج کروروں کی تعداد میں رضوی حضرات کا پوری دنیا میں پایا جانا حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہری قدس سرہ کے اشارہ باطنی کا اعجاز ہے۔ ان کا فرمان "آپ سلسلہ کا دائرہ کیوں تنگ کرتے ہیں" ان کی نگاہ کرامت کی دلیل ہے ان کی نگاہ مبارک ملاحظہ فرما رہی تھی کہ اس سلسلہ رضویہ برکاتیہ سے فیض کا سلسلہ پوری دنیا میں عام ہوگا اور وہ ہو کر رہا۔

یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہے کہ امام احمد رضا کا بیعت کرنا جمع مال کے لئے نہیں اصلاح حال مسلمین اور تزکیہ نفس مریدین کے لئے تھا جامع حالات حضرت ملک العلما لکھتے ہیں:

بیعت سے مقصود صرف مریدین کی تعداد بڑھانی نہ تھا، بلکہ اصلاح عقائد و اعمال و تزکیہ نفس، اسی لئے مرید ہونے کے بعد اصلاح عقائد و اعمال کی چند نصیحتیں فرماتے اور چند اعمال کی ترغیب دیتے۔ شجرہ مبارکہ ایک مرتبہ روزانہ پڑھنے اور بزرگان سلاسل کو فاتحہ بخشنے کی ضرور تاکید فرماتے اور اس کا اس قدر خیال رکھتے کہ شجرہ شریف کے آخر میں اس کو چھاپ کر شائع فرما دیا۔ پھر روزمرہ کی ضروری و مفید دعائیں ماقل و کفی من ادعیۃ المصطفی بنام تاریخی الوظیفۃ الکریمہ مریدین کے روزمرہ پڑھنے کے لئے شائع فرما دیا"

[حیات اعلیٰ حضرت: جلد سوم، ص ۲۲]

امام احمد رضا کے خلفائے عظام:

امام احمد رضا مرجع علما، مرکز انام، منبع فضائل اور مجموعہ خصائل تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے وقت کے جید و سید علما بھی آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور برکت کے لئے اجازت و خلافت حاصل کی۔ آپ کے پہلے سفر حج میں علمائے حرمین کس طرح آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور اجازت و خلافت طلب فرمائی، اس کا اندازہ الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ کے مطالعہ سے عیاں ہوگا اور اس کتاب کو عنوان بنا کر ماہر رضویات محترم ڈاکٹر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی کتاب "فاضل بریلوی اور علمائے حجاز" سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی۔

آپ کے غیر منقسم ہندوستان کے خلفا کی تعداد ۹۲ ہے۔ یہ سارے خلفا علم و عمل، خشیت زہد و تقویٰ کے ہر اعتبار سے ممتاز اور معروف ہیں۔ ان کے احوال و آثار پہ کئی کتابیں منظر عام پہ آئی ہیں ان میں:

خلفائے محدث بریلوی	پروفیسر مسعود احمد مظہری
تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت	ڈاکٹر مجید اللہ قادری
	مولانا صادق حسین قصوری
تذکرہ خلفائے امام احمد رضا	علامہ عبد الحکیم شرف قادری
امام احمد رضا اور علمائے مکہ	بہاء الدین شاہ
تجلیات خلفائے امام احمد رضا	مولانا شاہد القادری

خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

امام احمد رضا کے خلفائے بہار

بہار سے امام احمد رضا کا تعلق کئی جہتوں سے ہے جو ایمان افروز بھی ہے اور تفصیل کا متقاضی بھی۔ امام احمد رضا تقریباً تین بار بہار تشریف لائے اور ہر بار کے سفر نے ایک نئی تاریخ مرتب کی۔ اس موضوع پر ایک کتاب "امام احمد رضا اور بہار" زیر ترتیب ہے ان شاء اللہ اس سے پورے احوال اس دور کے حالات اور مشائخ بہار سے امام احمد رضا کے

پاکیزہ تعلقات سامنے آئیں گے۔ ایک کتاب ''دربار حق وہدایت'' مرتبہ خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ منظر عام پہ اسی عرس رضوی (۲۰۲۲ء) میں آرہی ہے اس کے مقدمہ میں اس کی تھوڑی تفصیل بیان کردی گئی ہے جو افادہ سے خالی نہیں۔ یہاں ضمناً امام احمد رضا کے بہار کے خلفا کے اسما ملاحظہ کریں اور ان کی تفصیل مولانا شاہد القادری کی کتاب ''تجلیات خلفائے امام احمد رضا میں ملاحظہ کریں:

ملک العلما علامہ شاہ مفتی ظفرالدین قادری رضوی بہاری

حضرت علامہ شاہ سید سلیمان اشرف بہاری

علامہ سید عبدالرشید عظیم آبادی۔

حضرت مولانا قاضی عبدالوحید عظیم آبادی

حضرت علامہ سید عبدالرحمٰن بیتھوی

حضرت علامہ خلیل الرحمٰن بہاری

حضرت مفتی رحیم بخش آروی

حضرت مفتی رحیم بخش مظفر پوری

یہ ساری وہ شخصیات ہیں جو اپنے وقت کی آفتاب و ماہتاب ہیں مگر ہاں قدر و منزلت یہ حضرات امام احمد رضا سے بھی اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے یہ باتیں دل بینا کے لئے چشم کشا ہیں اور ساحل سمندر کھڑے افراد کے لئے دعوت رغبت ومحبت۔

منظوم شجرہ رضویہ

امام احمد رضا نے سلسلہ بیعت شروع کرنے کے بعد اپنے مریدین کے لئے حسب روایت مشائخ اپنا بھی شجرہ مرتب فرمایا جو درود کے ساتھ اردو اشعار اور صبح وشام کے اوراد و وظائف پر مشتمل ہے۔ یہ شجرہ ایک صدی سے شائع ہو رہا ہے اور مریدین اسے حرز جاں بنائے رکھتے ہیں اس کا منظوم شجرہ کا مطلع ہے

یاالٰہی رحم فرما مصطفٰے کے واسطے

یارسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے

اس شجرہ کی علمی وادبی خصوصیت بھی ہے جس سے اردو کے روحانی برکتوں کے ساتھ بعض منظوم شجرے خالی نظر آتے ہیں۔ عام طور پر منظوم شجروں میں بزرگوں کے نام کی شمولیت تو کی جاتی ہے مگر ناموں کی مناسبت کا خیال بالعموم نہیں رکھا جاتا مگر شجرہ رضویہ کا ہر شعر بلکہ ہر مصرع ان محاسن سے پر نظر آتا ہے۔ بزرگوں کے نام کی مناسبت سے کوئی چیز رب سے طلب کی گئی ہے۔ یا نام کو بطور صیغہ صفت استعمال کیا گیا ہے نمونہ کے طور پہ یہ شعر ملاحظہ کریں

مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے
کربلائیں رد شہید کربلا کے واسطے

اس میں سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشکل کشا ہونے کو وسیلہ بناتے ہوئے مشکلیں حل کرنے کی دعا مانگی گئی ہے اور شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت سے بلاؤں کے رد کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ ایک اور شعر دیکھیں ؎

سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ ہمیں
علم حق دے باقر علم ہدیٰ کے واسطے

اس میں سجاد کی مناسبت سے ساجد رکھ اور باقر بمعنی وسیع العلم کی مناسبت سے علم حق دے کتنا بامعنی ہے اہل علم وادب سمجھ سکتے ہیں۔ حضور سیدنا غوث اعظم کا نام نامی عبدالقادر ہے اس میں نام کے لغوی مادہ "قدر" کو سامنے رکھتے ہوئے کیسے اسے استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ کیجئے ؎

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اٹھا
قدر عبدالقادر قدرت نما کے واسطے

آپ کے پیرومرشد گرامی کا اسم مبارک آل رسول ہے۔ امام احمد رضا اس نام سے کیسے برکات سمیٹتے ہیں دیکھئے ؎

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر

حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے

غرض یہ مکمل منظوم شجرہ مبارکہ روحانی علمی ادبی ہر زاویے سے دل میں گھر کرتا اور برکتوں سے مالامال کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی برکتوں میں مستغرق رکھے۔

اعلیٰ حضرت نے حضرت سید اسمٰعیل حسن مارہروی علیہ الرحمہ کی فرمائش پر آپ نے ایک شجرہ درودیہ بھی ۲۱ رمحرم الحرام ۱۳۰۵ھ میں قلم بند فرمایا جس سے امام احمد رضا کی عربی زبان پہ مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس درود پاک کا کمال یہ ہے کہ اس میں سلسلہ کے بزرگوں کا نام اس طرح لیا گیا ہے کہ وہ درود پاک کا حصہ بن گیا ہے عوام اس سے روحانی فائدے اٹھا سکتے ہیں مگر اہل علم وخواص روحانی فیوض کے ساتھ زبان وادب سے حظ وافر بھی۔ حضرت ملک العلما نے اس درود کے کچھ حصے حیات اعلیٰ حضرت میں نقل فرمائیں آپ بھی محظوظ ہوں:

اللھم صل وسلم وبارك على سيدنا ومالانا محمد المصطفىٰ رفيع المكان المرتضى على الشان، الذى رجيل من المتاخرين رجال السالفين، وحسين من زمرته احسن من كذا وكذا من السابقين، السيد السجاد بن العابدين، باقر علوم الانبياء والمرسلين، ساقى كوثر ما لك تسنيم وجعفر، الذى يطلب موسى الكليم مرضاة ربه بالصلاة عليه ويذهب ابراهيم الخليل لطلب معروف جوده اليه، السرى السارى سره فى ذرات الاكوان، الغالب جنيد من جنوده على جيوش الجور والعدوان، .... ولكل اسد من اسد الله شبلى، الاحد الماجد، عبد الواحد، اخو الحزان فى عشقه، ابو الفرح من لطفه ورفقه الايمان حسن، وهو الابو الحسن، اذ منه دشأو به ظهر والمومن سعيد، وهو ابو سعيد، اذهو الذى ربى وهداه فبر، واقر الابدى قادر اليدين، عبد القادر غوث الثقلين، عبد الرزاق قاسم الارزاق، ....

اس طرح یہ سلسلہ حضرت خاتم الاکابر حضور سیدنا آل رسول احمدی مارہروی تک پہنچا ہے آخر میں لکھا گیا ہے

اللھم وعلی اصحابہ العظام ومشائخنا الکرام وعلینا معھم یاذالجلال والاکرام مارھرہ اقمار الیقین فی مجمعہ صدور العارفین آمین آمین یاارحم الراحمین اللھم ومن انشأ ھذہ الصیغۃ المبارکۃ فاغفر لہ یاعظیم وارض عنہ حبیبک احمدرضا المولیٰ العفو الکریم

[حیات اعلیٰ حضرت: جلد ۳ ص ۴۸]

شجرہ مسدسہ

اعلیٰ حضرت نے ایک شجرہ مسدسہ بھی تحریر فرمایا ہے جس کے چھٹے مصرعے میں درود پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اتنی چھوٹی بحر میں اتنی سلاست وروانی کے ساتھ شجرہ منظوم کرنا امام احمد رضا کا خاصہ ہی کہا جا سکتا ہے اس کے چند بند ملاحظہ کیجیے:

آل رسول وآل احمد
سید حمزہ آل محمد
شہ برکات اکرم وامجد
شہ فضل اللہ احمد ارشد
صلی اللہ علیہ وسلم

شاہ محمد عین عنایت
ماہ جمال اہل ولایت
قاضی شرع ضیائے ملت
شاہ بھکاری کان سخاوت
آئینہ ہائے ماہ رسالت
صلی اللہ علیہ وسلم

سید ابراہیم مکرم
شاہ بہاء الدین معظم
احمد جیلاں شاہ حسن ہم
موسیٰ پاک وعلی مغنم
ہم برکات نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم
شاہ محمد الدین معلی
سید ابوصالح شہ والا
عبدالرزاق حسن الآلہ
غوث الاعظم از ہمہ بالا
ابن رسول اللہ تعالیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم

اس کا مقطع امام احمد رضا نے نہیں کہا تھا تو احباب کی فرمائش پر سرکار مفتی اعظم ہند نے اسی رنگ میں مقطع کا اضافہ فرمایا فرماتے ہیں

زین وضیائے دین وملت
ناصر سنت کاسر بدعت
شیخ طریقت اعلیٰ حضرت
محو رضائے حضرت عزت
پرتو عکس مہر نبوت
صلی اللہ علیہ وسلم

حاصل کلام:

امام احمد رضا: امام الاصفیا کے حوالہ سے چند جملوں میں جو حقائق پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا شریعت وطریقت کے جامع اور بحر

حقیقت و معرفت کے غواص ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی بارگاہ میں رہنے والے حضرات اور ان کی صحبت کے چند لمحات پانے والے اولیائے کاملین بھی انہیں:

آفتاب معرفت

دریائے معارف

مستحبات و سنن و واجبات و فرائض پر محافظ

عالم باعمل

نادر روزگار

اللہ کا خاص بندہ

دنیا سے بے رغبتی والا

عرفان و معرفت والا

سمجھتے ہیں۔ اپنی بات خلیفہ امام احمد رضا مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار پہ کرتا ہوں جو ہماری تمام تحریروں پہ بھاری اور حقیقت کا برملا اظہار ہے فرماتے ہیں

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو
حرم والوں نے مانا تم کا اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیل جملہ اولیا تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو
علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

کچھ کتاب کے بارے میں:

کتاب ''امام احمد رضا امام الاصفیا'' بنیادی طور پر گیا میں منعقدہ اعلیٰ حضرت صدی سیمینار کے مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ سیمینار اعلیٰ حضرت صدی تقریبات کا ایک حصہ تھا جسے مفکر ملت حضرت علامہ سید اقبال احمد حسنی نور اللہ مرقدہ اور محب مخلص مفتی محمد مظفر حسین رضوی اور مولانا تبارک حسین رضوی صاحبان نے مشترکہ کوششوں سے منعقد کیا تھا۔ کتاب کی اشاعت کا مرحلہ آتے آتے حضرت مفکر ملت رحلت فرما گئے اور اشاعت کا معاملہ التوا میں چلا گیا پھر حضرت مفتی صاحب کے جوش جنوں نے اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور فیضان رضا سے وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں جن جن حضرات کا تعاون انہیں حاصل رہا اس کا اظہار ان کی تحریر میں موجود ہے۔

امام احمد رضا کے تصوف ومعرفت کے حوالہ سے اس میں اتنے شواہد جمع ہو گئے ہیں کہ واقعی امام احمد رضا امام الاصفیا کی حیثیت سے مسلمہ شخصیت کے مالک ہیں یہ آئینہ ہو گیا ہے۔ خاص کر فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی صاحب قبلہ کا مقالہ ''امام احمد رضا جامع شریعت وطریقت'' علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ کا مقالہ ''تصوف روح اسلام'' خاصہ کی چیز ہے۔ اسی کے ساتھ اس کتاب میں بہار کے کئی خانقاہوں کے ذمہ داران ووابستگان کی تحریریں شامل ہیں جن سے بہار کے علماو مشائخ سے امام احمد رضا کے رابطہ قلبی کے ساتھ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان سلاسل وابستہ حضرات نے بھی امام احمد رضا کو ولی صوفی جامع شریعت وطریقت اور عارف حق تسلیم کیا ہے لکھا ہے اور اسے ثابت کیا ہے۔ قارئین اس کے مطالعہ یقینا شادکام ہوں گے۔ ان حضرات میں:

حضرت ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی خانقاہ صوفیہ اسلام پور بہار

حضرت سید شاہ علقمہ شبلی قادری	خانقاہ مظہریہ ابوالعلائیہ کراپ شریف
حضرت مولانا سید شاہ صباح الدین صبا	خانقاہ منعمہ رام ساگر گیا
ڈاکٹر حسین الحق صاحب	خانقاہ سہسرام بہار
مولانا سید شاہ ریان ابوالعلائی	خانقاہ سجادیہ داناپور

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی میں ایک مضمون خانقاہ عمادیہ اور امام احمد رضا کے حوالے سے بھی ہے جو مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ ان مضامین میں امام احمد رضا کے تصوف کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے اقتباسات یہاں نقل کرنے تھے تاکہ اک نگاہ میں مشائخ بہار اور امام احمد رضا کے پاکیزہ تعلقات کی خوشبوئیں ہمارے مشام جاں کو معطر کردیں، مگر قلت وقت کے باعث یہ کام رہ گیا مگر اب یہ کام کسی کے لئے بھی آسان ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے وقت بار بار حضرت علامہ سید اقبال احمد حسنی برکاتی یاد آئے بلکہ حواس پہ چھائے رہے۔ سیمینار کے انعقاد کے سلسلہ میں ان کے جذبات نے جس طرح ہم خواجہ تاشان رضویت کو اپنا اسیر بنایا تھا اسے بھلایا نہیں جاسکتا ان کی کمی کا احساس ہر محاذ پہ ہوتا ہے اور یہ زخم بھرنے کا بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی خدمات کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔

کتاب کی اشاعت میں حضرت مفتی مظفر حسین رضوی کی قربانیاں اور ان کے جذبات ہمارے سامنے ہیں۔ علم کے ساتھ عمل کے ساتھ اخلاص بڑی پونجی ہے محترم ان اوصاف سے متصف ہیں یہ ہمارے قابل رشک ہے اللہ تعالیٰ انہیں سلامت باکرامت رکھے اور ان سے دین وسنیت کا خوب خوب کام لے۔

کتاب کی ترتیب میں بہت ساری خامیاں ہوں گی کہ اشاعت کا وقت قریب آتے آتے کئی نئے مضامین موصول ہوئے اور ان کی شمولیت ضروری سمجھی گئی اس لئے سارے مضامین پہ گہری نگاہ نہیں ڈالی جاسکی تاہم کوشش کی گئی ہے کہ اغلاط کم سے کم ہوں اور اس کے لئے ہم نے جماعت اہل سنت کے معتمد و معتبر علمائے کرام کی خدمات حاصل کیں جن میں:

حضرت مولانا قمر الزماں مصباحی مظفر پوری

حضرت مولانا نثار احمد رضوی مصباحی

حضرت مفتی مظفر حسین رضوی مصباحی

حضرت مولانا غلام سرور قادری مصباحی

خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مرکزی ادارہ شرعیہ کی لائبریری میں علما کا یہ دستہ صبح سے رات کے ۹/بجے تک حروف چینی کا کام انجام دیتا رہا۔ یہ لمحات واقعی علمی بھی تھے اور بڑے

پر لطف بھی۔ توفیق ہوتو علما کو مہینہ دو مہینہ میں ایسی علمی نشستیں ضرور کرنی چاہئیں۔

میں اپنے ان تمام کرم فرما حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں صرف اعلیٰ حضرت قبلہ کی محبت میں اپنی مصروفیات اس کام پہ قربان کیں اور اس کام کے لئے تشریف لائے۔ جزاک اللہ خیرا لجزا۔

کتاب کی خامیوں کے سلسلہ میں پہلے ہی معذرت خواہ ہوں بلکہ توبہ واستغفار بھی کہ ہمارے کرمفرماؤں کا ایک ٹولہ اسی کام پہ مامور ہے کہ خامی پہ چڑھ دوڑو، نہ ملے تو تلاش کرو، خود سے نہ ہوتو پوری ٹیم لگادو، مگر خامی نکالو ضرور، تاکہ ہنگامہ آرائی کا موقع ملے۔ ان حرکتوں کو دیکھ کر مجھے بھی کبھی کبھی اپنے بڑے ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا؟ کہ لوگ میرے کاموں کے میں خود کو مستغرق کرلیں۔ میں اپنے ایسے کرم فرماؤں کا ممنوں ہوں جو مجھے بقول شاد بیچ بیچ کے چلنے کی تاکید کرتے ہیں۔

دل سے ممنون ہوں میں شاد نکتہ چینوں کا
بتادیا مجھے بیچ بیچ کے راستہ چلنا

خداوند قدوس اس کتاب کو قبول عام کا درجہ عطا فرمائے اور قارئین کو اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے فیضان سے مالامال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم الی یوم الدین

محمد امجد رضا امجدؔ
خادم مرکزی دارالقضا ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ
۹۸۳۵۲۳۴۳۴

باب اول
تصوف: ماہیت، حقیقت اور ضرورت

علامہ محمد احمد مصباحی
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

تصوف: روح اسلام

صوفیہ اہل اسلام کی اس پاکیزہ جماعت کا نام ہے جس نے رب کی معرفت، رسول کی پیروی، خلق کی ہدایت اور بندگان خدا کی خدمت میں وہ مقام حاصل کیا جو دوسروں کو حاصل نہ ہوا۔ اکناف عالم میں اسلام کی اشاعت ان ہی کی بلند کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان کی صاف دلی، سلامت روی اور بلند اخلاقی سے اپنے تو اپنے غیر بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ خود برصغیر ہند و پاک میں آج اسلام و سنت کی جو روشنی نظر آرہی ہے، اس میں سلاطین کی تگ و دو سے زیادہ صوفیائے کرام کی مساعی جمیلہ کا حصہ ہے۔

صوفیائے کرام کی عظمت سے متعلق چند اہم شہادتیں:

(۱) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۰ھ۔۵۰۵ھ) وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جنھوں نے رسمی علوم اور فنون بھی حاصل کیے۔ اور "تہافت الفلاسفہ" لکھ کر اسلام کی وہ عظیم خدمت انجام دی کہ فلسفیوں کا تعمیر کردہ صدیوں کا محل منہدم ہو گیا۔ کوئی باطل فرقہ نہ ہوگا جس کی بیخ کنی میں انھوں نے اپنی کوشش و ہمت صرف نہ کی ہو۔ اکابر علما ان کی تعظیم کرتے، اہم منصب اور عزت و شوکت انھیں حاصل تھی۔ مگر یہ اچھے سے اچھے مقام اور حقیقی و غیر متزلزل یقین کے طالب تھے مدتوں نظر و خوض کے بعد انھیں اپنی حالت سے بے رغبتی بڑھتی گئی اور اعلیٰ کی طلب میں نکلے، بڑی جانچ پڑتال کے بعد ان پر یہی منکشف ہوا کہ صوفیہ کا طریقہ ہی سب سے افضل و اعلیٰ ہے اس لیے اس کو اختیار کیا اور اسی پر وفات پائی۔

المنقذ من الضلال میں خود فرماتے ہیں:

مجھے اس بات کا علم قطعی و یقینی حاصل ہو گیا کہ صرف صوفیہ ہی وہ ہیں جو راہ خدا پر گامزن

ہیں، ان کا راستہ سب سے زیادہ صحیح اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ اگر تمام عقلا کی عقل، حکما کی حکمت اور اسرار شریعت سے آگاہ علما کا علم جمع ہو کر بھی ان کے اخلاق و کردار اور سیرت و روش کو بدلنے اور اس سے بہتر بنانے کی سعی کرے تو نہ ہو سکے، اس لیے کہ ان کی ظاہری و باطنی ہر روش اور ہر حرکت و سکون مشکاۃ نبوت کے نور سے حاصل شدہ ہے اور روے زمین پر نور نبوت کے سوا کوئی ایسا نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

کہنے والا اس طریقے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے جس کی پہلی شرط یہ ہے کہ قلب کو پورے طور پر ماسوی اللہ سے پاک کیا جائے اور نماز کی کلید تکبیر تحریمہ کی طرح اس مشرب کی کلید یہ ہے کہ دل یاد الٰہی میں مستغرق ہو اور آخری درجہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں بالکلیہ فنا ہو جائے۔ یہ مقام تمام اختیاری درجات کی بہ نسبت سب سے اعلیٰ واقویٰ ہے۔

(۲) امام یافعی عبد اللہ بن اسعد یمنی فرماتے ہیں:

"اہل طریقت پر ان نادانوں کا اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھر کسی پہاڑ پر بار بار پھونک مارے اور یہ چاہے کہ اس کے اس پھونکنے سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔" (الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر، ص:۹)

(۳) مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں:

"کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنی نظر قاصر کی رو سے صوفیائے کرام پر نکیر و اعتراض روا رکھے اس لیے کہ وہ فہم و کشف میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اہل تصوف میں کسی سے متعلق ہمیں یہ خبر نہ ملی کہ انھوں نے کسی ایسی بات کا حکم دیا ہو جو دین سے متصادم ہو، نہ ہی یہ کہ انھوں نے کسی کو وضو سے یا نماز سے روکا ہو یا ان کے علاوہ فرائض اسلام یا مستحبات سے منع کیا ہو۔" (یواقیت، ص:۱۲)

(۴) شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں:

"کسی عالم کے لیے صوفیہ پر اعتراض روا نہیں جب تک کہ ان کی راہ پر نہ چلے یا ان کے افعال و اقوال کو کتاب و سنت کے خلاف نہ پائے۔ اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ صوفیہ پر

اعتراض کی ہمت کرنے سے پہلے ستر باتوں سے آگاہ ہونا شرط ہے پھر کہیں معترض کے لیے اعتراض کی اجازت ہوگی۔ان باتوں کے تحت لکھتے ہیں:

(الف) رسولوں کے اختلاف درجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے معجزات اور اولیا کے درجات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کرامات کی معرفت میں غواصی کرے اور ان پر ایمان لائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اولیا تمام معجزات میں انبیا کے وارث ہیں مگر وہ جو مستثنی ہیں۔

(ب) تفسیر وتاویل کی کتابوں اور ان کے شرائط سے آگاہ ہو، زبان عرب کی معرفت میں تبحر رکھتا ہو، مجازات واستعارات سے آشنائی میں درجۂ انتہا کو پہنچ چکا ہو۔

(ج) صفات باری سے متعلق آیات واخبار میں سلف وخلف کے مقامات سے خوب آشنا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس نے ظاہر کو لیا، کس نے تاویل کی، کس کی دلیل زیادہ راجح ہے۔

(د) اہل اصول کے علم میں تبحر اور ائمہ کلام کے منشاے کلام کا عارف ہو۔

(ہ) سب سے اہم شرط یہ ہے کہ صوفیہ کی اصطلاحات سے آگاہ ہو، تجلی ذاتی، تجلی صوری، ذات، ذات الذات، حضرات اسما وصفات، حضرات ودرجات کے فرق، احدی ووحدانیت، واحدیت کے فرق سے آشنا ہو، ظہور وبطون، ازل وابد، عالم غیب وکون وشہادت، شئون، علم ماہیت وہویت، شکر ومحبت وغیرہ اصطلاحات کے معانی جانتا ہو اور یہ بھی معرفت رکھتا ہو کہ کون شکر میں سچا اور قابل درگزر ہے، کون جھوٹا اور قابل گرفت ہے۔یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو شخص ان حضرات کی مرادوں سے بے خبر ہو وہ ان کا کلام کس طرح حل کر سکے گا۔ ہوگا یہ کہ ایسا معنی لے کر ان پر اعتراض کر بیٹھے گا جو ان کی مراد نہیں۔ انتہی۔(یواقیت)

آج کے غیر مقلدین اصطلاحات صوفیہ کو کیا جانیں، انھیں تو ظاہری اور مروج علوم کی اصطلاحات اور ان کے معانی واسرار کا بھی پتہ نہیں۔علامہ ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ) جیسے عظیم محدث وفقیہ اور ماہر کامل کا قصہ سنیے انھوں نے حضرت ابن الفارض کے قصیدۂ تائیہ کے کچھ اشعار کی شرح لکھی اور شیخ مدین رحمۃ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اجازت لکھنے کے لیے پیش کیا انھوں نے اوپر یہ لکھا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

سارت مشرقة و سرت مغربا
شتان بین مشرق و مغرب

وہ مشرق کی سمت گئی اور میں مغرب کو چلا۔ مشرق ومغرب میں کتنا بڑا فاصلہ ہے۔

یہ لکھ کر انھوں نے علامہ ابن حجر کے پاس بھیج دیا۔ جسے دیکھنے کے بعد انھیں اس بات پر انتباہ ہوا جو پہلے ان کی نظر سے اوجھل رہ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے صوفیہ کی محبت اور حضرت سیدی مدین کی رفاقت اختیار کرلی اور اسی طریق پر دم واپسیں آیا۔ (یواقیت، ص: ۱۲)

(۵) امام جلیل محی الدین ابوزکریا نووی (م: ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

کسی عاقل کے لیے اولیاء اللہ کے متعلق سوے ظن روا نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ ان کے اقوال وافعال کی تاویل کرے جب تک کہ ان کے درجہ کو نہ پہنچ جائے۔ اس سے عاجز وہی ہوگا جو کم توفیق ہو۔

شرح مہذب میں فرماتے ہیں: تاویل ہو تو ستر وجہوں تک ان کے کلام کی تاویل کی جائے۔ لیکن اس کے بعد اگر ہم ایک تاویل بھی قبول نہ کریں تو یہ محض بے جا تشدد ہوگا۔ (یواقیت، ص: ۹)

(۶) شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م: ۶۶۰ھ) جن کی جلالت شان محتاج بیان نہیں اپنے وقت میں مصر کے سلطان العلما تھے۔ وہ اپنی تصنیف" کتاب الرعایۃ" میں فرماتے ہیں:

سارے لوگ تو شریعت کے رسوم ونشانات پر ٹھہرے ہوئے ہیں مگر صوفیہ کرام شریعت کی ان بنیادوں پر قرار پذیر ہیں جو غیر متزلزل ہیں، اس کی تائید ان کرامات وخوارق سے بھی ہوتی ہے جو صوفیہ کے ہاتھوں پر رونما ہوتے ہیں اور کبھی کسی عالم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتے اگرچہ علم کی بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ چکا ہو مگر یہ کہ وہ بھی ان کی راہ پر گامزن ہو۔

شیخ عزالدین پہلے یہ کہتے تھے کہ "ہمارے ہاتھوں میں جو شریعت کے منقولات موجود ہیں کیا ان کے علاوہ بھی شریعت کا کوئی راستہ ہے؟ جو یہ دعویٰ کرے کہ شریعت کا کوئی علم باطن

بھی ہے وہ باطنی قریب بہ زندیق ہے مگر جب مصر میں شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان سے تحصیل علم کی تو صوفیہ کے مداح ہو گئے اور فرمانے لگے ان کا مسلک وہ ہے جو تمام اخلاق مرسلین کا جامع ہے۔" (یواقیت، ج:۲،ص:۹۲)

(۷) ابن ایمن نے اپنے رسالے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (م:۲۴۱) سے متعلق نقل کیا ہے کہ" وہ شروع شروع میں اپنے فرزند کو صوفیہ کے پاس بیٹھنے سے منع کرتے تھے ایک بار ان کے پاس رات کے وقت فضا سے ایک جماعت اتری ان لوگوں نے امام احمد سے شرعی مسائل پوچھنا شروع کیا۔ جن کے جواب میں امام عاجزی رہے پھر وہ ہوا میں پرواز کر گئے اس وقت سے اپنے فرزند کو تاکید فرمانے لگے کہ صوفیہ کی ہم نشینی اختیار کرو اس لیے کہ انھیں خدا کی خشیت اور شریعت کے وہ اسرار حاصل ہیں جو ہمیں حاصل نہیں، جب کسی مسئلہ کے حل سے قاصر ہو جاتے تو شیخ ابوحمزہ بغدادی سے فرماتے: اے اصوفی اس مسئلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ وہ جو بتاتے امام احمد اسے اختیار کر لیتے۔ (یواقیت، ص:۹۴)

شیخ محی الدین ابن عربی (م:۶۳۸ھ)

منکرین سب سے زیادہ سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو اپنے تیر ستم کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کے بارے میں نہ معلوم کیا کچھ کہہ جاتے ہیں لیکن اسلام کی مستند شخصیات اور امت کے اکابر علمانے ان کے بارے میں کیا فرمایا؟ امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب "الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر" سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) شام کے شیخ الاسلام حضرت سراج الدین مخزومی فرماتے ہیں:

شیخ محی الدین کے کسی کلام پر انکار سے بچو اس لیے کہ اولیا کے گوشت زہر آلود ہوتے ہیں۔ (ان کی شان میں غیبت و بدگوئی مہلک ہے) ان سے بغض رکھنے والے کے دین کی بربادی یقینی ہے، جو ان کا دشمن ہوا اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا، نصرانی ہو گیا اور اسی پر مر گیا، جس نے بدگوئی سے ان کے بارے میں زبان درازی کی خدا نے اس کو مردہ دلی کی بلا میں ڈال دیا۔

حضرت عبداللہ قرشی فرماتے تھے: جو خدا کے کسی ولی کی تحقیر کرتا ہے اس کے دل میں

ایک زہر آلود تیر مارا جاتا ہے اور مرنے سے پہلے اس کا عقیدہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس کا خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔
ابو تراب بخشی فرماتے تھے: جب دل میں خدا سے روگردانی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اولیا کی شان میں بدگوئی لگ جاتی ہے۔

(۲۔۳) شیخ کمال الدین زملکانی شام کے اجلۂ علما سے تھے یہ حضرت ابن عربی کے مداح ہیں۔ شیخ قطب الدین حموی جب شام سے اپنے ملک واپس آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کیسا پایا؟ انھوں نے فرمایا: "میں نے علم و زہد اور معارف میں انھیں ایسا تلاطم خیز سمندر پایا جس کا ساحل نہیں۔"

(۴) حافظ ابو عبد اللہ ذہبی ابن تیمیہ کے شاگرد جو صوفیہ سے مخالفت رکھتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم کے بارے میں کہا ہے کہ انھوں نے اسے بارگاہ نبوت سے اذن پا کر ہی تصنیف کیا اس دعویٰ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حافظ ذہبی نے فرمایا: "میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ محی الدین ابن عربی جیسا بزرگ بھی جھوٹ بولے گا۔"

(۵) شیخ صلاح الدین صفدی نے تاریخ علمائے مصر میں ان کی مدح کی اور فرمایا ہے: "جو علوم لدنیہ والوں کا کلام دیکھنا چاہے اسے شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابیں دیکھنا چاہیے۔"

(۶) شیخ قطب الدین شیرازی فرماتے ہیں: "شیخ محی الدین شریعت و طریقت کے علوم میں رتبۂ کمال پر فائز تھے ان پر وہی اعتراض کرے گا جو ان کا کلام سمجھنے سے قاصر ہو اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس سے ان کی شان میں کوئی خلل نہیں آتا جیسے کفار نے انبیائے کرام کی جانب جنون و سحر کی نسبت کی تو اس سے انبیا کے کمال میں کوئی خلل نہ آیا۔

(۷) امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں "شیخ محی الدین عظیم ولی تھے۔"

(۸) مجد الدین فیروز آبادی قاموس میں فرماتے ہیں:

شیخ محی الدین ایک بحر ناپیدا کنار ہیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اس وقت شہر مبارک میں علما و محدثین جمع تھے اور ان کے درمیان جس علم میں بھی گفتگو ہوتی شیخ ہی سب کا مرجع ہوتے، تمام علما ان کی مجلس کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے آتے ان کے سامنے حاضری باعث برکت جانتے ان کی تصانیف کا ان سے درس لیتے۔ مکہ کے کتب خانوں میں آج بھی ان کی تصانیف کا موجود ہونا میری بات کا سب سے زیادہ سچا گواہ ہے۔ وہ مکہ میں زیادہ تر حدیث پاک کے سننے، سنانے میں مشغول رہتے۔ وہیں انھوں نے اپنے شاگرد بدرالدین حبشی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کتابوں کی مراجعت کے بغیر فتوحات مکیہ تصنیف فرمائی، بعد تصنیف اسے ایک سال تک کعبہ معظمہ کی چھت پر رکھا پھر اتار کر دیکھا تو جیسی رکھا تھا ویسی ہی پایا، نہ اس کا کوئی ورق بھیگا، نہ ہواؤں سے چاک ہوا۔ جب کہ مکہ میں بارش بہت ہوئی اور آندھیاں کثرت سے چلیں۔ اس مقبولیت کا تجربہ کر لینے کے بعد ہی انھوں نے فتوحات مکیہ کی کتابت و قراءت کی اجازت دی۔

(۹) تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

"شیخ محی الدین ابن عربی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ فضل و کمال نے ان کے زمانے میں اپنی ساری کنجیاں ان کے سپرد کر دی تھیں اور کہہ دیا تھا آپ کے سوا کسی سے آشنا نہیں۔"

(۱۰) شیخ سراج الدین بلقینی سے حضرت ابن عربی کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: "شیخ محی الدین کی کسی بات پر اعتراض و انکار سے بچو۔ اس لیے کہ جب وہ معرفت اور تحقیق حقائق کے سمندروں میں غوطہ زن ہوئے تو آخر میں فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، تنزلات موصلی وغیرہ اپنی تصانیف میں وہ عبارات تحریر فرمائیں جو ان کے ہم رتبہ اہل اشارات پر مخفی نہیں۔

ان کے بعد کچھ ایسے لوگ آئے جو ان کے مسلک سے اندھے اور بے خبر تھے۔ انھوں نے اسے غلط ٹھہرایا بلکہ ان عبارات کی وجہ سے شیخ کو کافر کہا۔ یہ لوگ نہ تو شیخ کی اصلاح سے خود آشنا تھے نہ اس راہ کے سالکین سے دریافت کیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ شیخ کے کلام میں کچھ ایسے رموز و اشارات، روابط وضوابط اور حذف مضافات ہیں جو ان کے اور ان کے ہم رتبہ حضرات کے علم میں معلوم ہیں اور جاہلوں کے نزدیک مجہول ہیں۔ اگر یہ لوگ ان کے کلمات کو ان کے دلائل وتطبیقات کے ساتھ دیکھتے اور ان کے نتائج اور مقدمات سے آگاہ ہوتے تو وہ ثمرات پاتے جو مقصود ہیں اور ان کا اعتقاد بھی شیخ کے اعتقاد کے برخلاف نہ ہوتا۔ ع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ہر دور میں یہ ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی شخصیت بلند مرتبہ ہوئی تو کوئی کمینہ دشمن ان کی مخالفت پر اتر آیا مثلاً:

(۱) حضرت آدم کا دشمن ابلیس۔

(۲) حضرت نوح کا دشمن حام وغیرہ۔

(۳) حضرت داؤد کا جالوت اور اس کے ہم نوا۔

(۴) حضرت سلیمان کا صخر۔

(۵) حضرت عیسیٰ کا ان کی پہلی زندگی میں بخت نصر اور دوسرے دور میں دجال۔

(۶) حضرت ابراہیم کا نمرود۔

(۷) حضرت موسیٰ کا فرعون۔

(۸) اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ لگا رہا ان کا دشمن ابو جہل ہوا۔

(۹) حضرت ابن عمر کا بھی ایک دشمن تھا جب وہ اس کے پاس گزرتے وہ مذاق کرتا۔

(۱۰) کچھ مخالفین نے حضرت عبداللہ بن زبیر پر نماز میں ریا ونفاق کا بہتان لگایا۔ ایک بار نماز میں ان کے سر پر کھولتا پانی ڈالا جس سے ان کا چہرہ اور سر جل گیا، اور انھیں پتہ نہ چلا، نماز

سے سلام پھیرا تو احساس ہوا۔ فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے قصہ بتایا، فرمایا: حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ایک مدت تک چہرے اور سر کے درد سے پریشان رہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباس کا دشمن نافع ابن رزاق تھا وہ انھیں سخت اذیت پہنچاتا اور کہتا یہ بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔

(۱۲) کوفہ کے کچھ جاہل حضرت سعد بن ابی وقاص کی عداوت پر کمر بستہ تھے، فاروق اعظم کے پاس ان کی شکایت لائے اور کہا یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، جب کہ حضرت سعد ان دس حضرات میں سے تھے جن کے لیے سرکار نے جنت کی شہادت وبشارت دی ہے۔

ان کے بعد ائمہ مجتہدین کو دیکھیے:

(۱۳) امام اعظم ابوحنیفہ نے خلفا وسلاطین کی جانب سے جو مصائب جھیلے وہ مخفی نہیں۔

(۱۴) امام مالک اس قدر پریشان ہوئے کہ پچیس سال تک روپوش رہے، جمعہ وجماعت کے لیے بھی باہر نہ آتے۔

(۱۵) امام شافعی نے اہل عراق اور اہل مصر کی سختیاں جھیلیں۔

(۱۶) امام احمد بن حنبل نے زدوکوب اور قید وبند کی مصیبتیں اٹھائیں۔

(۱۷) امام بخاری کو اس قدر تنگ کیا گیا کہ انھیں بخارا سے خرتنگ جانا پڑا۔

(۱۸) شیخ عبدالرحمٰن سلمی، احمد بن خاکان، شیخ عبدالغفار قوصی اور ایسے ہی دیگر ثقات نے بیان کیا ہے کہ دشمنوں نے حضرت بایزید بسطامی کو سات بار بسطام سے شہر بدر کیا۔ اس کی تحریک وہاں کے علما کی ایک جماعت کرتی تھی۔

(۱۹) حضرت ذوالنون مصری کو بیڑی اور زنجیر ڈال کر مصر سے بغداد لے گئے۔ ان کے ساتھ اہل مصر انھیں زندیق کہتے ہوئے بغداد تک گئے۔

(۲۰) حضرت سہل بن عبداللہ تستری کو ان کے شہر سے بصرہ کی طرف نکالا، ان پر بہت سی بری باتوں الزام لگایا اور انھیں کافر کہا۔ جب کہ ان کی امامت وجلالت شان مسلم ہے۔ تستر سے نکلنے کے بعد تا حیات وہ بصرہ ہی میں رہے، وہیں وفات پائی۔ اسی طرح اور بہت سی

حضرت ابن عربی کے دفاع میں بھی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام یہ ہے: "تنبیہ الغبی فی تبرئۃ ابن عربی" (حضرت ابن عربی کی برات پر نادان کو تنبیہ) دوسری کتاب حضرت ابن الفارض کے دفاع میں ہے، جس کا نام ہے "قمع المعارض فی نصرۃ ابن الفارض" (حضرت ابن الفارض کی حمایت اور مخالف کی بیخ کنی)

(یواقیت ملخصا)

ان بیانات سے قارئین کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ اہل حق اور ارباب فضل و کمال کی عداوت اور ان کی تحقیر و تنقیص کوئی نئی چیز نہیں خدا کے احبا و اولیا اس طرح کے مصائب ہمیشہ جھیلتے آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ ہر دور میں اہل انصاف کی بھی ایک جماعت رہی جس نے اہل کمال کے کمالات تسلیم کیے اور ان کے فضل و کمال کی کھلی گواہی دی اور ان کے مخالفین کا رد بھی کیا خصوصاً صوفیہ اور عرفا کی ہر دور میں اگر کچھ قاصرین نے مخالفت کی ہے تو بہت سے کاملین نے ان کی مدح سرائی بھی کی ہے۔ مخالفین تو گوشۂ گمنامی میں مر کھپ گئے لیکن ان اولیاء اللہ اور ان کے حامیوں کی جلالت شان کا ڈنکا آج بھی بج رہا ہے۔ چند لا مذہبوں کے شور و شغب سے صوفیہ و عرفا کی عظمت، معرفت کا آفتاب کبھی دھندلا نہیں ہوتا۔ فرقہ لا مذہبیاں کو اس قعر مذلت و سفاہت اور حال عناد و عداوت میں چھوڑیے اور آئیے ارباب حقیقت و معرفت کی عظمت کا کچھ تذکرہ کر دیجئے۔

تصوف اور صوفیہ کرام:

کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف یا طریقت، شریعت سے کوئی جدا راہ ہے۔ اس خیال کو ان غلط کار متصوفوں نے بھی شہرت دی جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت راہ ہے اور طریقت منزل، جو منزل تک پہنچ گیا اسے راہ کی کیا ضرورت؟ وہ اپنے کو تمام احکام و فرائض سے آزاد سمجھتے ہیں، در حقیقت یہ زندقہ ہے، صوفیہ نے کبھی یہ معنی بیان نہ کیے نہ ہی وہ طریقت کو شریعت سے بے نیاز سمجھتے ہیں، نہ ہی تصوف کو کتاب و سنت کی تعلیم سے الگ شمار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طریق کو شریعت رد کر دے وہ الحاد و زندقہ ہے، جو کشف معیار شرع پر پورا نہ اترے مکر شیطان ہے۔

تصوف کے تعارف میں تعبیرات بہت آئی ہیں مگر سب کا حاصل اور مآل ایک ہی ہے،

یہاں دو تین کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ عارف باللہ امام عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

"التصوف إنما هو زبدة عمل العبد بأحکام الشریعة" تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ص: ۴)

ابوعبد اللہ محمد بن خفیف قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التصوف تصفیة القلب، واتباع النبی ﷺ فی الشریعة" تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (الطبقات الکبریٰ امام الشعرانی، ص: ۱۸)

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التصوف عبارة عن تجرد القلب لله تعالیٰ، واستحقار ما سوی اللہ وحاصله یرجع إلی عمل القلب والجوارح، ومهما فسد العمل فات الأصل۔"

(إحیاء علوم الدین، ج: ۲، ص: ۲۴۹، باب فوائد السفر وفضلہ وحیتہ)

تصوف اس کا نام ہے کہ دل خدا کے لیے خالی ہو اور ماسوی اللہ کو خاطر میں نہ لائے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب اور اعضا سے متعلق اعمال و افعال درست ہوں۔ جب عمل فاسد ہوگا تو اصل ہی فوت ہو جائے گی۔

صوفیائے کرام شریعت پر مضبوطی سے استقامت ہی کو خدا تک رسائی کا سب سے قریب ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

"أقرب الطرق إلی اللہ لزوم قانون العبودیة والاستمساک بعروة الشریعة"

اللہ عزوجل کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔ (بہجۃ الأسرار للعلامۃ أبی الحسن علی الشطنوفی، ص: ۵۰)

شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر و باطن دونوں احکام الٰہی کے پابند ہوں، باطن اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہو اور ظاہر اوصاف حمیدہ سے آراستہ، صرف چند فرائض و واجبات کی ادائیگی اور چند ممنوعات و حرام سے پرہیز کر لینے سے شریعت کی

پابندی کسی فقیہ کی نظر میں بھی کامل نہیں ہوتی کسی عارف کے نزدیک کیا ہوگی؟ کچھ اوصاف ذمیمہ کو دیکھیے جن سے بچنا اہل ظاہر کے نزدیک بھی ضروری ہے مگر کتنے ہیں جو اس پر پورے اترتے ہیں، بلکہ کتنے ہیں جو ان کے نام بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔

اوصاف ذمیمہ:

(۱) ریا (۲) عجب (۳) حسد (۴) کینہ (۵) تکبر (۶) حب مدح (۷) حب جاہ (۸) محبت دنیا (۹) حب شہرت (۱۰) تعظیم امرا (۱۱) تحقیر مساکین (۱۲) اتباع شہوات (۱۳) مداہنت (۱۴) کفران نعم (۱۵) حرص (۱۶) بخل (۱۷) طول امید (۱۸) سوے ظن (۱۹) عناد حق (۲۰) اصرار باطل (۲۱) مکر (۲۲) غدر (۲۳) خیانت (۲۴) غفلت (۲۵) قسوت (۲۶) طمع (۲۷) تملق (۲۸) اعتماد خلق (۲۹) نسیان خالق (۳۰) نسیان موت (۳۱) جرأت علی اللہ (۳۲) نفاق (۳۳) اتباع شیطان (۳۴) بندگی نفس (۳۵) رغبت بطالت (۳۶) کراہت عمل (۳۷) قلت خشیت (۳۸) جزع (۳۹) عدم خشوع (۴۰) غضب للنفس (۴۱) تساہل فی اللہ وغیرہا۔

ان اوصاف ذمیمہ سے باطن کو پاک کرنا اور پاک رکھنا ضروری ہے۔ صوفیہ اس کا اپنے نفس سے ہر وقت محاسبہ کرتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کسی چور دروازے اس طرح کا کوئی عیب تو نہیں در آیا۔ جس شخص میں باطن کا احتساب اور ہر لمحہ اس کی نگرانی نہ ہوا کثر ان آفات کا شکار ہو کر ان کا عادی بن جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اب بھی متقی و صاحب فلاح ہوں جب کہ وہ اپنے تقویٰ کا سونا بہت پہلے کھو چکا، یہ زر خالص کبھی اس کے ہاتھ ہی نہ آیا مگر یہاں پر اہل تصوف کی گرفت بہت زیادہ مضبوط ہوتی ہے جو محاسبہ و مراقبہ کا ثمرہ ہے۔

اب دیکھیے کہ اہل تصوف طالب سلوک کو کن اخلاق حمیدہ سے آراستگی کی تاکید کرتے ہیں۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ (م ۱۰۱۷ھ) فرماتے ہیں:

"طالب صادق کو چاہیے کہ مکارمِ اخلاق حاصل کرے اور مقامات و احوال کی مشق کرے۔"

اخلاق حمیدہ: (۱) رافت (۲) محبت (۳) شجاعت (۴) چشم پوشی (۵) پردہ پوشی (۶) درگزر (۷) صبر (۸) رضا (۹) بشارت (۱۰) حلم (۱۱) تواضع (۱۲) خیر خواہی (۱۳) شفقت (۱۴) تحمل (۱۵) موافقت (۱۶) احسان (۱۷) مدارات (۱۸) ایثار (۱۹) خدمت (۲۰)

الفت (۲۱) بشاشت (۲۲) کرم (۲۳) فتوت (۲۴) بذل جاه (۲۵) مروت (۲۶) کشادہ روئی (۲۷) تودد (۲۸) عفو (۲۹) صلح (۳۰) سخا (۳۱) جود (۳۲) وفا (۳۳) حلاطف (۳۵) خوش روئی (۳۶) آہستگی (۳۷) سکینت (۳۸) وقار (۳۹) ثنا (۴۰) حسن ظن (۴۱) تصغیر نفس (۴۲) توقیر اخوان (۴۳) تعظیم مشائخ (۴۴) چھوٹے بڑے پر رحم (۴۵) اپنے سلوک و احسان کو حقیر سمجھنا (۴۶) اپنے ساتھ کیے گئے سلوک کو عظیم سمجھنا۔

اہل تصوف کے اخلاق وہ نہیں جن کا جھوٹے دعویدار اظہار کرتے ہیں، طمع کو زیارت، بے ادبی و گستاخی کو اخلاص، حق سے باہر ہونے کو شطح کہتے ہیں۔ یعنی زبان درازی و بے باکی سے ایسی بات بولنا جو دین سے نکل جانے کا سبب ہو۔ خواہش کی پیروی کو ابتلا، بد خلقی کو ہیبت، بادشاہوں سے تقرب کو مسلمانوں کی سفارش تصور کرتے ہیں۔ بخل کو دانائی سمجھتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو اہل معرفت کی راہ وروش سے دور ہیں۔

مقامات کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں بندہ یہ تصور رکھے کہ میرا قیام خدائے تعالیٰ کے سامنے ہے۔ مقامات کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱) انتباہ: خواب غفلت سے بیداری۔

(۲) توبہ: گناہوں کو چھوڑ کر دوام ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب رجوع اور کثرت استغفار۔

(۳) انابت: غفلت سے ذکر کی جانب واپسی، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حق سے خوف کا نام توبہ اور حق کی جانب شوق کا نام انابت ہے۔

(۴) ورع: ایسی چیز کو ترک کر دینا جس کی حلت میں شبہہ ہو۔

(۵) محاسبہ نفس: نفس کے سود و زیاں اور زیادتی و کمی میں فکر و غم۔

(۶) ارادت: راحت ترک کر کے طاعت و عبادت میں دائمی محنت۔

(۷) زہد: دنیا کی حلال شہوات سے باز رہنا۔

(۸) فقر: املاک نہ رکھنا اور جو کچھ ہاتھ میں نہ ہو اس سے دل خالی رکھنا۔

(۹) صدق: ظاہر و باطن کا یکساں ہونا۔
(۱۰) تصبر: نفس سے وہ باتیں برداشت کرانا جو اسے ناگوار ہوں اور اسے بہ جبر تلخیوں کا جام پلانا۔
(۱۱) صبر: شکایت ترک کر دینا۔
(۱۲) رضا: بلا میں لذت پانا۔
(۱۳) اخلاص: حق سبحانہ تعالیٰ کے معاملات سے خلق کو باہر رکھنا۔
(۱۴) توکل: حق تعالیٰ کی رزاقی پر بھروسہ اور غیر سے قطع طمع۔
احوال: یہ دلوں کے معاملات کا نام ہے یعنی ذکر کی صفائی سے دلوں میں جو واردات آتے ہیں وہ احوال ہیں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں: حال ایک وارد ہونے والی کیفیت ہے جو دل پر اترتی ہے اور ہمیشہ نہیں رہتی۔ کچھ احوال یہ ہیں:
(۱) مراقبہ: صفائے یقین کے باعث پس غیب کی چیزوں کو دیکھنا۔
(۲) قرب: خدا کے سامنے ماسوا سے ہمت جمع رکھنا۔
(۳) محبت: محبوب کے پسند و ناپسند میں اس کی موافقت۔
(۴) رجا: حق نے جو وعدہ کیا ہے اس بارے میں اس کی تصدیق۔
(۵) خوف: اللہ کی سطوت و عقوبت کے تعلق سے دلوں کا مطالعہ۔
(۶) حیا: انبساط سے دل کو روکنا۔
(۷) شوق: محبوب کی یاد کے وقت قلب کا ہیجان۔
(۸) انس: خدا کی جانب سکون پذیر ہونا اور تمام امور میں عاجزی و مسکنت برتنا۔
(۹) طمانیت: قضا و قدر کے تحت جو بھی جاری ہے اس بارے میں خدا کی جانب سکون پذیر ہونا۔
(۱۰) یقین: شک دور ہونے کے ساتھ تصدیق۔
(۱۱) مشاہدہ: یہ رویت یقین اور رویت عین کے درمیان فاصلہ کا نام ہے کیوں کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: خدا کی عبادت اس طرح بجالا کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ مشاہدہ آخری حال ہے۔

طالب صادق کو چاہیے کہ ان تمام اخلاق، مقامات اور احوال کی مشق وعادت ڈالے تا کہ رفتہ رفتہ یہ سب اسے حاصل ہو جائیں اور مرید حقیقی بن جائے۔ اس کے بعد کچھ اور خوشبوئیں تابشیں بخششیں ہوتی ہیں جن کے بیان سے عبارت قاصر ہے۔ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ (سبع سنابل، ص: ۵۳ تا ۵۵)

یہ ان امور کا اجمالی بیان ہے جن کی پابندی کی ہدایت وتربیت صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ غور کیجیے ان میں کون ایسا امر ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو یا جن سے اعتقاد میں کوئی خرابی آتی ہے۔ لیکن برا ہو صوفیہ سے عداوت کا کہ تصوف کو زندقہ اور صوفیہ کو زنادقہ کے نام سے شہرت دینے کی سعی مذموم جاری ہے۔ حالاں کہ یہ حضرات جس شدت واستقامت کے ساتھ اسلامی عقائد واحکام کے پابند ہوتے ہیں، اور ان کے افکار واخلاق کی جو بلندی ہوتی ہے اہل ظاہر کے یہاں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا مگر جب دل سے حق وانصاف رخصت ہو چکا ہو اور قلب میں بغض وعناد کی ظلمت گھر کر چکی ہو تو اس کا کیا علاج؟

تعلیم صوفیہ کا ایک نمونہ:

کتاب وسنت کے ارشادات میں جو جامعیت اور گہرائی ہے اس کی تہہ تک پہنچنا اہل اللہ ہی کا حصہ ہے۔ مثلاً ریا کی مذمت قرآن میں بھی ہے، حدیث میں بھی ہے، مگر اس کی صورتیں اور قسمیں کیا کیا ہیں؟ یہ کس کس طرح اعمال کو فاسد وناقص کرتی ہے؟ اہل ظاہر اس کی تفصیلات کتاب وحدیث میں دکھانے سے قاصر ہیں۔ مگر صوفیہ انھیں بسط کے ساتھ بتاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں جو ان کے فہم قرآن وحدیث اور نظر غائر کا بین ثبوت ہے۔ مزید توضیح کے لیے یہاں حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ کی کتاب "احیاء العلوم" باب ریا کے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ تا کہ ارباب تصوف کے مدارک ومراتب کا قدرے اندازہ ہو سکے اور اہل باطن واہل ظاہر کے فہم ونظر کا کچھ فرق سمجھ میں آ سکے۔

سے متعلق آیات واحادیث پھر آثار وواقعات بیان کرتے ہیں۔

امام موصوف پہلے ریا سے متعلق آیات واحادیث پھر آثار وواقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہاں بھی نقل کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر کا خطرہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا وہ ریا ہے۔ اللہ عزوجل روز قیامت جب بندوں ان کے اعمال کی جزا دے گا اس وقت ریاکاروں سے فرمائے گا تم دنیا میں جن کو دکھاتے تھے ان کے پاس جاؤ، دیکھو ان کے یہاں تم کو کچھ جزا ملتی ہے؟ (مسند احمد، شعب الایمان، بیہقی، بروایت محمود بن لبید)

ریا کی حقیقت اور ریاکاری کے ذرائع:

ریا رویت سے اور سمعہ سماع سے مشتق ہے۔ ریا کی اصل یہ ہے لوگوں کو خیر کی خصلتیں دکھا کر ان کے دلوں میں اپنی منزلت پیدا کرنا مقصود ہو۔ جاہ ومنزلت کی طلب عبادات کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور غیر عبادات سے بھی۔ مگر عرفاً عبادات اور ان کے اظہار کے ذریعہ طلب منزلت کو ریا کہا جاتا ہے اس لیے ریا کی تعریف یہ ہے: "اللہ کی طاعت سے بندوں کو مقصود بنانا۔" یہاں چند چیزیں ہیں:

(۱) ریاکار جو عبادت گزار ہے۔

(۲) وہ لوگ جن کو دکھانا اور ان کے ذریعہ دلوں میں اپنی قدر ومنزلت پیدا کرنا مقصود ہے۔

(۳) وہ خصلتیں جن کا اظہار مقصود ہے۔

(۴) ریا یعنی قصد اظہار۔

ریا کے ذرائع بہت ہیں مگر وہ پانچ اقسام میں سمٹ آتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے ذریعہ بندہ لوگوں کے سامنے آراستہ ہوتا ہے: (۱) بدن۔ (۲) لباس۔ (۳) قول۔ (۴) عمل۔ (۵) توابع اور خارجی چیزیں۔ اہل دنیا بھی ریا میں ان ہی ذرائع سے کام لیتے ہیں۔ مگر طاعات کے ذریعہ ریاکاری کی بہ نسبت اس ریا کی خرابی کم ہے جو ایسے اعمال کے ذریعہ ہو جن کا طاعت وعبادت میں شمار نہیں۔

(۱) بدن کے ذریعہ ریا: دین میں اس کی مثال لاغری وزردی کا اظہار تا کہ اس

سے اپنی سخت محنت، امر دین پر اپنے حزن عظیم اور خوف آخرت کے غلبے کا خیال دلائے مگر دنیا کی ریا بدن کی فربہی، رنگ کی صفائی، قد وقامت کے اعتدال، چہرے کے حسن، بدن کی نظافت اور اعضا کی طاقت وتناسب کے اظہار سے ہوتی ہے۔

(۲) ہیئت ولباس کے ذریعہ ریا: مثلاً سر کے بال پراگندہ رکھنا، چلنے میں سر جھکائے رکھنا، چہرے پر سجدے کا اثر باقی رکھنا، موٹے جھوٹے کپڑے پہننا، ازار یا پاجامہ پنڈلی تک رکھنا اس طرح کہ ان امور سے پیروی سنت کی نمائش مقصود ہو اور اہل زہد و صلاح کے دلوں میں اپنی وقعت بٹھانی مطلوب ہو۔ اور اگر صالحین اور امرا و وزرا کی نظر میں قدر و منزلت کا ارادہ ہو تو ایسے کپڑے بنانا جو دونوں کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔

(۳) کلام کے ذریعہ ریا: اس قسم کے تحت اہل دین کی ریاکاری کے ذرائع یہ ہیں: وعظ ونصیحت، حکیمانہ باتیں، اخبار و آثار یاد کرنا تاکہ بات چیت کے وقت سنا کر وسعت علم کا اظہار ہو، لوگوں کے سامنے ذکر کرتے ہوئے لبوں کو حرکت دینا، اگر آدمیوں کا مجمع ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، برائیوں پر غضب، لوگوں کے ارتکاب معاصی پر رنج کا اظہار، حفظ حدیث ولقائے شیوخ کا دعویٰ بیان کرنے والے کی گرفت تاکہ اپنے علم و بصیرت کا اظہار ہو اور اہل دنیا کی ریاکاری اشعار و امثال کے حفظ، چرب زبانی، عبارت کی دل کشی وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

(۴) عمل کے ذریعہ ریا: مثلاً نمازی کا قیام اور رکوع وسجود کو لمبا کرنا، وقار وسکون کی نمائش کرنا، اسی طرح روزہ، صدقہ، حج وغیرہ اعمال میں طرح طرح کے تکلف برتنا، ریاکار کی حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ اپنے کام میں بڑی تیزی سے جا رہا تھا کسی دین دار کو دیکھ لیا تو سر جھکا کر آہستہ چلنے لگا کہ کہیں وہ اسے جلد باز اور کم وقار نہ سمجھے، وہ نظر سے غائب ہوا تو پھر اپنی عادت پر آ گیا پھر کوئی ایسا شخص نظر آ گیا تو پھر وقار وسکون اختیار کر لیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنہائی میں بھی وقار سے چلنے، رہنے، اٹھنے، بیٹھنے کی عادت بنا لیتا ہے تاکہ کوئی باخبر یہ نہ کہہ سکے کہ تنہائی میں اس کا حال اور ہے مجمع میں اور، اس عادت کے بعد وہ بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ ریا

ہے۔ خدا سے حیا و خوف کی وجہ سے نہیں ہے۔

اور اہل دنیا کی ریاکاری ناز و انداز سے چلنے، چھوٹے چھوٹے قدم رکھنے، دامن یا ازار کے کنارے پکڑ کر چلنے، شانوں کو گردش دینے وغیرہ سے ہوتی ہے تاکہ جاہ و حشمت کی نمائش ہو۔

(۵) دوستوں اور ملاقاتیوں کے ذریعہ ریا:

مثلاً اس بات کی کوشش کہ کوئی عالم یا عابد و وزیر و امیر اس سے ملنے کے لیے آئے تاکہ لوگوں میں اس کی عظمت اور بڑے افراد کے اس کی جانب رجوع کا چرچا ہو، یا شیوخ واکابر کا کثرت سے تذکرہ کرے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اسے کثیر بزرگوں اور عظیم لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اس قسم کے تحت اور بہت سی صورتیں ہیں۔

ریا کے ارکان و درجات:

ریا کے تین ارکان ہیں: (۱) ذریعہ ریا۔ (۲) مقصود ریا۔ (۳) خود قصد ریا۔ پھر ان تینوں کے مختلف درجات و مراتب ہیں:

قصد ریا:---------اس کے چار درجات ہیں:

اول: یہ سب سے برا ہے۔ وہ یہ کہ عمل سے ثواب بالکل مقصود نہ ہو جیسے وہ شخص جو لوگوں کے درمیان ہو تو نماز پڑھ لے، اکیلا ہو تو نہ پڑھے۔ مجمع ہو تو خیرات کرے، تنہائی ہو تو نہ کرے۔

دوم: ثواب کا قصد تو ہو مگر ضعیف، وہ اس طرح کہ لوگوں کے سامنے ہے تو ثواب کا خیال آیا اور عمل بجالایا لیکن تنہائی میں ثواب کا خیال آیا تو نہ کیا، یہ درجہ بھی اوپر والے درجہ سے قریب ہی ہے۔

سوم: ثواب اور ریاکاری دونوں کا ارادہ برابر برابر ہو، وہ اس طرح کہ دونوں جمع ہوئے اس کے لیے محرک بنے، اگر صرف ایک امر ہوتا تو اس عمل کی انگیخت نہ ہوتی۔ یہ شخص بھی غضب سے سلامت رہنے والا نہیں۔

چہارم: صرف ثواب کا قصد رکھتا ہے لیکن اگر لوگوں کے سامنے ہے یا ان کے آگاہ

ہونے کا موقع ہے تو عمل کے لیے قوت ونشاط ہے اور اگر ایسا موقع نہیں تب بھی اپنی عادت کے مطابق وہ عمل کی بجا آوری کرتا ہے اور تنہا ریا کے ارادے سے یہ عمل نہیں کرتا۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسے شخص کا عمل برباد نہ ہوگا مگر اس میں نقص ضرور آجائے گا ایسے قصد ثواب کے بقدر ثواب اور قصد ریا کے بقدر عتاب ہوگا۔ اور حدیث پاک: "أنا أغنى الأغنياء من الشرك" اس صورت پر محمول ہے جب دونوں قصد مساوی ہوں یا قصد ریا راجح ہو۔

ذریعہ ریا: یہ طاعات ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عبادات میں ریا کاری۔ (۲) عبادات کے اوصاف میں ریا کاری۔ اولؔ زیادہ سخت ہے اس کے تین درجات ہیں:

اول: اظہار ایمان میں ریا کاری، ایسا شخص منافق ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور ریا کا یہ باب سب سے بدتر ہے۔

دوم: فرائض میں ریا کاری، یہ بھی بری ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کا مال دوسرے کے ہاتھ میں ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ اس سے زکوۃ نکال دیتا مگر خدا جانتا ہے کہ وہی مال خود اس کے ہاتھ میں ہوتا تو زکوۃ نہ دیتا یا خلوت میں ترک نماز کا عادی ہے مگر مجمع میں رہتا ہے تو ادا کرلیتا ہے، لوگوں کے ساتھ ہے تو روزہ رکھ لیا مگر منتظر ہے کہ تنہائی پائے تو روزہ توڑ دے۔

سوم: ایمان وفرائض میں ریا کار نہیں مگر نوافل وسنن میں ریا کار ہے مثلاً تنہا ہے تو تہجد نہیں پڑھتا ہے لوگوں کے ساتھ ہے تو پڑھ لیتا ہے ایسے ہی عرفہ وعاشورا کا روزہ جسے مذمت سے بچنے یا مدح وستائش ملنے کی غرض سے ادا کرلیتا ہے۔

اوصاف عبادت میں بھی ریا کاری کے تین درجے ہیں:

اول: براہ ریا کاری ایسا عمل بجالائے جسے نہ کرتا تو عبادات میں نقص وخلل آتا مثلاً اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو بغیر تعدیل کے جلدی جلدی رکوع سجدہ کرلیا، لوگوں کے سامنے ہے تو تعدیل کے ساتھ سب ارکان ادا کر رہا ہے، اسی طرح کوئی شخص زکوۃ میں خراب سکے دینے کا عادی ہے لیکن اگر لوگوں کے سامنے دیا تو عمدہ سکے دیے۔ روزہ سے ہے تو مخلوق کی مذمت کے

خوف سے غیبت و بے ہودہ گوئی سے بچتا ہے۔ تکمیل عبادت مقصود نہیں۔

دوم: براہ ریاکاری ایسا کام کرے جسے نہ کرتا تو عبادت ناقص نہ ہوتی اور کیا تو اس کی حیثیت تکملہ و تتمہ کی ہے۔ جیسے حد تعدیل سے زیادہ طویل رکوع و سجود کرنا، عادت سے زیادہ لمبی قراءت کرنا، روزۂ رمضان میں زیادہ تر خلوت میں رہنا، زکوٰۃ میں عمدہ کی جگہ زیادہ عمدہ دینا مگر جب کہ تنہائی اور لوگوں کے عدم اطلاع کی جگہ ہو تو ان امور کی رعایت نہ کرے۔

سوم: نوافل سے خارج کچھ زائد باتوں کی رعایت کرنا، مثلاً لوگوں سے پہلے جماعت میں پہنچنا، پہلی صف کا قصد کرنا، جب کہ خدا جانتا ہے کہ لوگوں کی اطلاع کا موقع نہ ہوتا تو یہ ان امور کی پروانہ کرتا۔

مقصود ریا: ریاکار کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا مال یا جاہ یا کچھ اور۔ اس لحاظ سے اس کے بھی تین درجات ہیں:

اول: سب سے زیادہ قبیح و شدید۔ وہ یہ ہے کہ عبادت کی نمائش، ورع و تقویٰ کے اظہار اور نوافل کی کثرت سے کسی گناہ کا ارتکاب اور اس کا موقع پانا مقصود ہو، مثلاً یہ کہ اس کے تقویٰ سے متاثر ہو کر اسے قضا کا عہدہ، اوقاف کی تولیت، مال یتیم کی سرپرستی وغیرہ حاصل ہو جائے۔ اور بے دریغ تصرف کر سکے، یا لباس صالحین، ہیئت صلحا، وعظ و تذکیر سے کسی خوبرو عورت یا لڑکے کا دام فجور میں لانا مقصود ہو۔

دوم: ریاکاری سے کوئی جائز حظ نفس یا مال دنیا حاصل کرنا مقصود ہو جیسے کسی خوب صورت یا معزز خاتون سے نکاح تک رسائی چاہتا ہو، یا وعظ میں گریہ وزاری اور جذبات کی انگیخت کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں سے نذرانہ و ہدیہ زیادہ وصول ہو۔

سوم: کسی حظ نفس یا مال دنیا کی طمع نہ ہو مگر اس خوف سے عبادت کی نمائش کرے کہ کہیں خاص زاہدین سے الگ نہ شمار ہو۔ لوگ اسے بنگاہ نقص نہ دیکھیں۔

ریائے خفی جو چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہے:

ایک ریائے جلی ہے دوسری ریائے خفی:

(۱) جلی یہ ہے کہ ثواب بھی مقصود ہو مگر عمل پر برانگیختہ کرنے والی چیز جذبۂ نمائش ہے۔

(۲) اس سے کچھ خفی۔ وہ یہ ہے کہ عمل کے لیے ریا تنہا محرک تو نہ ہو مگر باعث تخفیف ہو جیسے وہ شخص جو تہجد کا عادی ہو مگر ادائیگی میں گرانی ودشواری محسوس کرتا ہو اور اگر کوئی مہمان آ گیا تو وہی عمل بڑے نشاط اور چستی سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسے اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض مہمانوں کے لیے نماز نہ پڑھتا۔

(۳) اس سے بھی زیادہ خفی۔ جذبۂ نمائش نہ محرک ہے نہ باعث آسانی مگر دل میں چھپا ہوا بیٹھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ لوگ اس کی عبادت گزاری سے مطلع ہو گئے تو سارا احساس مشقت جاتا رہا اور مسرت وراحت محسوس کرنے لگا۔

(۴) خفیہ طور پر عبادت کرے کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو اسے خوشی نہ ہو مگر اس کے دل کی آرزو یہ ہو کہ لوگ اسے پہلے سلام کریں، اس کی تعظیم وتوقیر کریں، اگر اس میں کسی سے کوتاہی ہو تو اس کے دل پر گراں گزرے کہ اس قدر عبادت اور اخلاص کے باوجود میرا اعزاز نہیں۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ لوگوں کی آگاہی سے جو مسرت ہوتی ہے اس میں کون سی محمود ہے اور کون سی مذموم؟ اس کی پانچ صورتیں بتائیں ایک مذموم باقی محمود۔ پھر کون وہ ریا ہے جس سے عمل برباد ہو جاتا ہے اور کس سے بالکل برباد نہیں ہوتا۔ پھر ریا کا علاج کیا ہے اور اس بارے میں قلب کی اصلاح کیسے ہوگی ساری تفصیلات ہیں۔ (احیاء العلوم)

یہ دقائق وحقائق ان علوم کا ثمرہ ہیں جو ان علمائے ربانی کے قلوب میں موجزن ہیں، کیوں کہ جو کچھ سینوں میں تھا کتابوں میں منتقل نہ ہوا اور بہت علوم تو وہ ہیں جو محض دل ہی سے تعلق رکھتے ہیں تحریر کی گرفت میں نہیں آتے۔

بتائیے یہ معارف صوفیہ واولیا کے سوا کسی ظاہری وغیر مقلد کے یہاں بھی دستیاب ہو سکتے ہیں؟ انھیں تو ان سب کی ہوا بھی نہ لگی، اگر کچھ بیان بھی کرتے ہیں تو وہ ان ہی علما سے سرقہ ہوتا ہے، یہ بھی غور کیجیے کہ کیا ان باتوں میں سے کوئی بات ایسی بھی ہے جو کتاب وسنت سے متصادم

اور قابل رد و انکار ہو؟ ہرگز نہیں۔ وہ حضرات جو کچھ فرماتے ہیں کتاب وسنت میں ان کے طویل غور وفکر اور رب کی خاص نوازشات کا نتیجہ ہوتا ہے، کتاب وسنت میں ان امور کا ذکر ایجاز و اجمال کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہر عالم کو اس کی بسط وشرح تک رسائی نہیں ہوتی: مثلاً حدیث میں ہے: "فی الریاء شوائب اخفی من دبیب النمل" (احمد، طبرانی بروایت ابو موسیٰ اشعری) ریا میں ایسی آمیزشیں ہوتی ہیں جو چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہوتی ہیں یا فرمایا: "اتقوا ھذا الشرک فانہ اخفی من دبیب النمل" اس شرک سے بچو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے۔ (ابن حبان فی الضعفاء بروایت صدیق اکبر دار قطنی)

یہ بہت مجمل کلام ہے جس کی کچھ تفصیلات وہ ہیں جو امام غزالی کی کتاب مبارک سے نقل ہوئیں اگر یہ علمائے ربانیین نہ ہوں تو ان مصائب ومکائد کی شرح کون کرے اور بندوں کو دام شیطان ونفس سے کون بچائے، وہ لوگ جہل مرکب کا شکار ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب وسنت میں جو کچھ صاف وصریح طور پر بیان ہوا اس سے کچھ اور علوم کے چشمے نہیں نکلتے اور ان پر فکر و تدبر کے نتیجے میں علم باطن کے ہزاروں اسرار ورموز نہیں کھلتے یا علم باطن کوئی چیز نہیں، یا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ کتاب وسنت نے کھول کر بیان کر دیا ہوتا۔

نادانو! کتاب وسنت میں صریح بیان کے ساتھ فکر و تدبر کی دعوت بھی تو ہے، اہل ذکر سے پوچھنے کی تاکید بھی تو ہے، اہل استنباط کی جانب رجوع کا حکم بھی تو ہے وہ کیوں ہے؟ اگر سب کچھ بیان ہی ہو چکا ہے اور سب پر عیاں وآشکارا ہی ہو چکا ہے تو فکر و تدبر کی دعوت کیوں؟ اہل استنباط کی جانب رجوع کی حاجت کیا؟ اہل ذکر سے پوچھنے کا فائدہ کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ جو امور تعلیم خدا اور رسول کے بغیر بندوں کی دسترس سے باہر تھے یا دسترس کے باوجود مقام دعوت وارشاد میں ان کا اعلان واظہار ضروری تھا وہ ضرور بیان کر دیے گئے، اور ان ہی کو اساس قرار دے کر ان سے استخراج کے لیے دعوت وتاکید فرما دی گئی تاکہ امت کو فکر و تدبر کا ثواب بھی حاصل ہو اور معارف وعطایا کے لحاظ سے بندوں کے رتبہ ومقام کا فرق بھی ظاہر ہو، رب جلیل کی حکمتیں بیان وشمار سے باہر ہیں۔

پروفیسر قمرالہدیٰ فریدی
شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Mob: 9997544607

تصوف کی تعلیم کی ضرورت ومعنویت

اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی عزوشرف کا حصول دو بنیادوں پر قائم ہے؛ شرعی احکام جن کا تعلق آدمی کے ظاہری اعمال سے ہے، اور اخلاقی تعلیمات جن کا مقصد انسان کے باطن کو درست کرنا ہے۔ اول الذکر کو شریعت اور موخر الذکر کو طریقت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ گویا شرع کی پابندی کے ساتھ تزکیۂ نفس کا نام تصوف ہے۔ تصوف کی تمام اہم کتابوں میں شریعت وطریقت کے اس رشتے پر زور دیا گیا ہے۔

اہل تصوف نے جابہ جا اس موقف کا اظہار کیا ہے کہ نفس کو عمدہ خصائل سے آراستہ اور رذائل سے پاک کیے بغیر انسان خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نفس کو رذائل سے پاک کیسے کیا جائے۔ صوفیائے عظام نے اس کے لیے شرعی احکام کی بجا آوری کو شرط اول قرار دیا ہے۔ ظاہری طہارت حاصل ہونے کے بعد ہی باطنی طہارت حاصل ہو سکتی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ) فرماتے ہیں:

> "اخلاق کی اصلاح اس وقت ہوتی ہے جب تزکیۂ نفس ہو۔ اور نفس کا تزکیہ اس وقت ہوتا ہے جب شریعت کی قیادت تسلیم کی جائے۔" (عوارف المعارف)

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی (متوفی ۷۲۵ھ) کا قول ہے کہ "پیر ایسا ہو جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام سے اچھی طرح آگاہ ہو۔ ایسی صورت میں وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دے گا جو شریعت کے خلاف ہو۔" (فوائد الفواد۔ جلد

چہارم۔مجلس بست ودوم)

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (متوفی ۷۸۲ھ) ظاہری اور باطنی طہارت کی نوعیت، اہمیت اور مدارج پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

"پہلے چاہیے کہ لباس، بدن، لقمہ سب حلال اور پاک ہو۔ اس کے بعد حواسِ خمسہ نافرمانیوں سے پاک وصاف ہونا چاہیے۔ پھر دل کا برے خصائل یعنی صفاتِ ذمیمہ جیسے بخل، حقد، حسد سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے۔ جب پہلی طہارت حاصل ہوگئی یعنی جامہ، تن، لقمہ پاک وصاف ہوگیا تو مرید ایک قدم دین کی راہ میں چلا اور جب دوسری طہارت حاصل ہوئی یعنی حواسِ خمسہ معصیت وخلافِ شرع سے پاک وصفا ہوگئے تو مرید دین کی راہ میں دو قدم چلا۔ اور جب تیسری طہارت حاصل ہوئی یعنی دل اوصاف ذمیمہ سے پاک ہوگیا تو مرید دین کی راہ میں تین قدم چلا۔ اس مقام میں توبہ کی حقیقت ظاہر ہوئی اور مرید حقیقی تائب ہوجاتا ہے۔"

(مکتوباتِ دوصدی، مکتوب۔۱۹۔ بنام قاضی شمس الدین)

ان اقتباسات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ تصوف شریعت مخالف کوئی رویہ نہیں ہے بلکہ ایمان وعقاید کی درستی اور اصلاحِ قلب کی ایک صورت ہے جس کے لیے اہلِ تصوف بعض مخصوص افعال واعمال پر زور دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ذہن نشیں ہونی چاہیے کہ تصوف زندگی کے تقاضوں سے چشم پوشی یا سماجی ذمہ داریوں سے فرار کا نام نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں انھیں حضرت نظام الدین سلطان الاولیا کے درج ذیل ارشاد پر نظر ڈال کر اپنی غلط فہمی کو دور کرلینا چاہیے۔ فرماتے ہیں:

"ترکِ دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا رکھے اور لنگوٹی

باندھ کر بیٹھ جائے۔ بلکہ ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی
اور جائز شے کو روا بھی رکھے لیکن اس کے جمع کرنے کی خواہش نہ کرے
اور دل کو اس سے نہ لگائے۔"

(حسن علا سجزی: فوائد الفواد۔ جلد اول۔ مجلس ششم)

مکتوباتِ دو صدی میں دنیا و آخرت کے حوالے سے صراحتاً مذکور ہے کہ: "جس قدر ضروری ہے، اگرچہ صورتاً وہ دنیا ہے مگر معناً آخرت ہے۔۔۔۔ جتنا ضروری ہے اس کا ترک جائز نہیں ہے۔ اور اگر یہ پوچھو کہ دنیا ہے کیا؟ بزرگوں نے کہا، کل قیامت کے دن جو کام نہ آئے وہ سب دنیا ہے اگرچہ نماز، روزہ، علم، تلاوتِ قرآن ہی کیوں نہ ہو۔" (مکتوب ۱۵۵۔ بہ نام جمال الدین)

عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ اسی لیے بدنیتی یا بے دلی سے کیا گیا بہ ظاہر نیک عمل بھی صوفیا کے نزدیک بے ثمر ہے اور نیک مقاصد کے تحت جائز طریقے سے حاصل کی گئی دولت بھی توشۂ آخرت ہے۔

یہ صحیح ہے کہ صوفیا بالعموم دنیا کے بکھیڑوں سے خود کو دور رکھتے ہیں۔ لیکن یہ وہ طرزِ عمل ہے جو انھوں نے اپنے لیے اختیار کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام خلقِ خدا سارے کام چھوڑ کر گوشہ نشیں ہو جائے۔ حدود اللہ کا خیال رکھتے ہوئے، رضائے الٰہی کی خاطر اپنی ذمے داریوں سے بہ طریقِ احسن عہدہ برآ ہونا بھی عبادت ہے۔

"نقل ہے، خواجہ بشر حافی سے لوگوں نے کہا، فلاں بادشاہ تمام
رات نماز میں کھڑا رہتا ہے اور روزانہ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ فرمایا، اس
نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے اور دوسروں کے کاموں کو اختیار کیا ہے۔
لوگوں نے کہا، اسے ذرا تفصیل سے کہا جائے۔ فرمایا، اس کا کام بھوکوں
کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑے پہنانا اور حاجت روائی کرنا ہے۔ رات
بھر نماز اور ہر روز روزہ، یہ دوسروں کا کام ہے، اس

کا نہیں۔" (مکتوباتِ دوصدی۔ مکتوب ۷۲۔ بہ نام ملک خضر)

سوال یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے تو تعلیماتِ تصوف کے مطالعے سے مجموعی طور پر ایسا کیوں لگتا ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی کی تلقین کی جارہی ہے اور خود صوفیائے کرام کے حالات زندگی سے ایک طرح کی دنیا سے بیزاری کا تاثر کیوں ابھرتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ دنیا سے بیزاری نہیں، بے رغبتی کا اظہار ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ دنیا کی حقیقت کے عرفان کا قولی اور عملی اظہار ہے جس کی روشنی میں یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیا کی آلائشوں سے کس طرح دور رہا جا سکتا ہے۔ اہلِ تصوف حبِّ الٰہی، اطاعتِ رسول، رضائے حق، صفائے قلب، اخلاصِ نیت، اخلاقِ حمیدہ، خدمتِ خلق، صبر و شکر، توکل، عبادت و ریاضت وغیرہ پر اس لیے بھی زور دیتے ہیں کہ حرص و ہوس کی اس دنیا میں، اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کو نظر انداز کرنے والوں کی کثرت ہے۔ مرض جس قدر جان لیوا اور جتنا عام ہوگا، اس کے علاج کی کوشش بھی اتنی ہی شدید اور ہمہ گیر ہوگی۔ چنانچہ روحانی طبیب کی حیثیت سے صوفیا نے ان اُمور پر زیادہ زور دیا جو قلبی امراض کے سدِّ باب کے لیے ضروری تھے۔ اس لحاظ سے تعلیماتِ تصوف کی اہمیت و معنویت دو چند ہو جاتی ہے۔

برسبیلِ تذکرہ، دنیائے تصوف کی ایک مشہور تمثیل کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ کہتے ہیں حضرت ابو بکر شبلی نے ایک طبیب سے دریافت کیا، گناہوں کے مرض کی بھی کوئی دوا آپ کے پاس ہے؟ سامنے میدان میں تنکے چنتے ہوئے ایک شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا۔ اس مرض سے شفایابی کا نسخہ میرے پاس ہے۔ حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت کے پتے، ادب کی چھال، حُسنِ اخلاق کے بیج، یہ سب لے کر ریاضت کے ہاون دستے میں کوٹ کر اور اشکِ ندامت کا عرق ملا کر، دل کی دیگچی میں ڈال کر شوق کے چولھے پر پکاؤ۔ پھر صفائے قلب کی صافی سے چھان کر، شیریں زبانی کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دو۔ بعد ازاں اسے خوفِ خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرو۔

تہذیبِ نفس کا یہ وہ مجرب نسخہ ہے جو ہر دور میں انسانیت کے کام آتا رہا ہے۔ کہنے کو یہ

ایک تمثیل ہے مگر سچ پوچھیے تو ان جملوں میں تصوف کے معاشرتی پہلو کا عطر سمٹ آیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے موضوع کی مناسبت سے صوفیاے کرام کی بعض تعلیمات پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فرماتے ہیں:

"پہلی منزل اس راہ کی توبۂ نصوح ہے۔ یعنی توبۂ خالص وتوبۂ خاص الخاص۔ یہ توبہ علیٰ قدرِ مراتب ہوتی ہے۔۔۔۔ کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے۔ عاصیوں پر معصیت سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے۔ محسنوں پر فرض ہے کہ افعالِ حسن سے اَحسن کا قصد کریں۔ واقفانِ راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں، روشِ سالکانہ اختیار کریں۔۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھہرنا گناہ ہے۔ اس مقام سے اس کو توبہ کرنا چاہیے اور آگے قدم بڑھانا چاہیے۔ توبوا الی اللہ کا ترجمہ، جمیعاً ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون کی تفسیر یہی ہے۔"

(ترجمہ مکتوباتِ صدی۔ مکتوب ۲۔ بیانِ توبہ)

توبہ کی تعریف یہ ہے کہ بندہ گناہ سے اس طرح تائب ہو جائے کہ دوبارہ اُس کی طرف پلٹ کر نہ جائے۔ صحتِ توبہ کی تین شرطیں ہیں: اپنی لغزش پر نادم ہونا، منہیاتِ شرعیہ سے فوری طور پر کنارہ کشی کرنا اور دوبارہ گناہ میں ملوث نہ ہونے کا پختہ ارادہ کرنا۔

بعض صوفیا نے یہ تاکید بھی کی ہے کہ توبہ کی ندامت ہمیشہ برقرار رہنی چاہیے۔ "اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بہت سے عملِ صالح تم سے ہوں گے تو عُجب پیدا نہ ہوگا۔" (ترجمہ مکتوباتِ صدی۔ مکتوب ۲۔ بیانِ توبہ)

نفس بار بار برائیوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نفس کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہو۔ اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ انسان کا نفس ایک منہ زور گھوڑے کی مانند ہے۔ اگر اسے کھلی چھوٹ مل جائے تو تہذیب کی ساری حدیں ٹوٹ

جائیں گی۔ اس لیے نفس کو حدود الٰہی کا پابند بنانے کی ضرورت ہے۔ صوفیا نفس کا ازالہ نہیں، امالہ چاہتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ "اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تمھیں باطل میں مشغول کر دے گا۔"

صوفیا نے نفس کو سرکشی سے باز رکھنے اور اس کے زور کو توڑنے کے لیے تین باتوں کی تلقین کی ہے: "ایک یہ کہ نفس کو خواہشوں اور لذتوں سے روک دو۔۔۔۔۔۔ دوسرے یہ کہ عبادت کا بھاری بوجھ اس پر لاد دو۔۔۔۔۔ تیسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ سے امداد مانگو اور اس کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈو۔۔۔۔ اگر ان تینوں چیزوں پر قائم رہو گے تو تمھارا نفسِ سرکش تمھارا فرماں بردار ہو جائے گا اور لگام قبول کر لے گا۔ جب ایسی حالت دیکھو تو جلدی کرو اور تقویٰ کی لگام اس کے منہ میں ڈال دو۔" (ترجمہ مکتوباتِ صدی۔ مکتوب۔ ۸۳۔ نفس کی ریاضت کے بیان میں)

تقویٰ کے لفظی معنی ہیں پرہیزگاری۔ ارشادِ ربانی ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ بے شک اللہ کے یہاں، تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

تصوف میں تقویٰ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔: "جانو کہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں، ایک جائز اور دوسرے افضل۔ جائز کو حکمِ شریعت اور افضل کو حکمِ تقویٰ کہتے ہیں۔" (ترجمہ مکتوباتِ صدی۔ مکتوب ۸۴)

جانے اَن جانے میں، ہم اپنی خواہشات کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ اہلِ تصوف دنیوی لذتوں کی غلامی سے آزادی کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ ترکِ خواہشات کا عمل زہد ہے اور اسبابِ دنیا سے بے نیازی فقر ہے۔

نعمتوں کا شکر اور مصائب و آلام پر صبر بھی لازم ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک: "آزمائش دو طرح پر ہے۔ یا نعمت کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ یا یہ آزمائش رنج و محن میں ڈال کر ہوتی ہے۔ جب نعمت میں مبتلا کرتے ہیں تو شکر کا مطالبہ ہوتا ہے اور جب رنج و مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں تو صبر کا مطالبہ فرماتے ہیں۔" (مکتوباتِ دو صدی۔ مکتوب ۱۴۴)

اظہارِ تشکر زبان سے ہونا چاہیے اور عمل سے بھی۔ شکرِ عملی یہ ہے کہ بندہ نعمت کے حصول

پر مغرور اور غافل نہ ہو بلکہ اطاعت اور فرماں برداری کا اظہار کرے اور عطا کی گئی نعمت کے ذریعے کسی ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب نہ کرے۔

کڑوے گھونٹ کو خاموشی سے پی جانا صبر ہے۔ زندگی ہمیشہ ایک سی نہیں گزرتی، کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ کمالِ بندگی یہی ہے کہ حالات کتنے ہی ناقابلِ برداشت کیوں نہ ہوں، پائے استقامت ڈگمگانے نہ پائے۔

تلخی کام و دہن کی آزمایش سے گزرنے کے بعد تسلیم و رضا کی وہ منزل آتی ہے جب بندہ اللہ کی رضا کو اپنی مرضی بنالیتا ہے۔ ہر حال میں شاداں و فرحاں، جینے کا ایک سلیقہ یہ بھی ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں اپنے تمام معاملات کو اللہ پر چھوڑ دینے کا نام توکل ہے اور ہر کام کو خالص اللہ کے لیے کرنا اخلاص ہے۔ عبادت و ریاضت ہو یا زندگی کے دوسرے معاملات، اعمال کی کسوٹی خلوصِ نیت ہے، اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔

یہ وہ تعلیمات ہیں جن سے باطنی اور روحانی فوائد کے علاوہ ایک بہتر معاشرے کی تشکیل میں بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ ان کے علاوہ اہلِ تصوف نے غرور، غصہ، حسد، کینہ، بخل، نمود و نمایش وغیرہ کے مضر اثرات پر روشنی ڈال کر خلقِ خدا کو ان سے بچنے کی تلقین کی اور انسان دوستی، رواداری، دل داری اور خدمتِ خلق کا احساس دلا کر امن و سلامتی اور بھائی چارے کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے اس حدیث کو ہمیشہ پیشِ نگاہ رکھا کہ: ''تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب تر مخلوق وہ ہے جو اس کی عیال کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔'' (مشکوٰۃ شریف، باب الشَّفقۃِ وَ الرَّحمۃِ عَلَی الخَلقِ)

خدمتِ خلق کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فرماتے ہیں: ''ایک بزرگ سے پوچھا گیا، خدا تک پہنچنے کے لیے کتنے راستے ہیں۔ جواب دیا کہ موجوداتِ عالم کا ہر ذرہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلقِ خدا کو راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔'' (ترجمہ مکتوباتِ صدی۔ مکتوب ۷۱۔ خدمت کے بیان میں)

خدمت صرف یہی نہیں ہے کہ ضرورت مندوں کی مالی طور پر مدد کی جائے بلکہ غم کے ماروں کے دکھ درد میں شریک ہونا، اُن کی باتیں سننا، انھیں تسلی دینا، اہلِ دنیا کے ذہن و دل میں محبت کی شمع روشن کرنا اور انھیں نیکی کی طرف راغب کرنا بھی خدمتِ خلق ہے۔ صاحبان تصوف نے خدمت کے ان تمام پہلوؤں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے خود بھی خلقِ خدا کی راحت کا سامان فرمایا اور دوسروں کو بھی ہدایت کی کہ: ’’اس اندھیری دنیا میں اپنے قلم، زبان، مال اور مرتبے سے جہاں تک ہو سکے ضرورت مندوں کو راحت پہنچاؤ۔۔۔۔۔ لوگوں کے دلوں کو راحت اور آرام پہنچانے سے زیادہ فائدہ مند کام اور کوئی نہیں۔‘‘ (مکتوباتِ دوصدی۔ مکتوب ۷۴۔ بہ نام ملک خضر)

انھوں نے یہ ذہن بھی دیا کہ وہی آزاد ہے جسے نفس کی غلامی سے آزادی ملی۔ وہی دولت مند ہے جسے دل کی دولت نصیب ہوئی۔ وہی دانا ہے جس نے جان لیا کہ لالچ، جان کا عذاب ہے۔ وہی طاقتور ہے جس نے اپنے نفس کی تسخیر کی اور اپنی انا کو ریزہ ریزہ کر کے قدموں تلے روند دیا۔ وہی دانش مند ہے جس نے لوگوں کی تحسین اور تنقید دونوں کو اپنے لیے برابر جانا۔ جو کہا، دل سے کہا۔ جو کیا، دل سے کیا۔ نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا۔ اگر یہی مسلکِ بندگانِ راہِ خدا ہے تو ہمیں کہنے دیجیے کہ خود غرضی، جاہ طلبی، مکر و فریب، انسانی رشتوں کے فقدان، اخلاقی قدروں کے زوال اور صارفیت کے اس دور میں صوفیا کی تعلیمات کو گھر گھر پہنچانا اور ذہنوں میں اتارنا تصوف کی ہی نہیں، انسانیت کی بھی ایک بڑی خدمت ہے۔

☆☆☆

باب دوم

امام احمد رضا اور تصوف

مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری
الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرائے گنج قنوج یوپی
9956027182

امام احمد رضا اور علوم تصوف

شیخ الاسلام والمسلمین مجدد دین وملت عظیم البرکت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو جملہ علوم اسلامیہ پر کامل مہارت ودسترس حاصل تھی، ان کی حیات اقدس کا لمحہ لمحہ علوم دینیہ کی اشاعت وخدمات میں گزرا، ان کی زندگی شریعت وطریقت کی آبیاری میں بسر ہوئی، دین وسنت کی ترویج وتشہیر ان کا نصب العین اور مقصد حیات تھا، فروغ مذہب اور بقائے ملت کے لیے انہوں نے بے مثال قربانیاں پیش کیں، اسلامی افکار ونظریات کی روشنی میں دینی وملی امور ومعاملات کو استحکام بخشا، مراسم اسلامیہ کو استدلال کی زبان عطا فرمائی، قومی عروج وفلاح کے لیے عملی استقامت کے ساتھ علمی توانائیاں صرف کیں، ان کے فیض وبرکت سے اسلامیان ہند کے فکر واعتقاد کی انجمن بارونق وپربہار ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ بزم علماء کے صدر نشیں تھے وہیں وہ محفل صوفیہ کے لیے روشن چراغ اور منارۂ نور رہتے۔ وہ نابغۂ روزگار وجود عبقریت وہمہ گیریت کا حامل وامین تھا دنیائے علم وادب ان کے محاسن وکمالات کی آج بھی معترف ومداح ہے، ان کے علمی جاہ وجلال اور ان کی ذکاوت وذہانت کو دیکھ کر علمائے عرب وعجم حیران وششدر رہ گئے۔

پچھلی کئی دہائیوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پر بہت کچھ لکھا گیا علماء وافاضل اور محققین ودانشوران ملت نے ان کی علمی تحقیقات وباقیات پر مختلف جہات سے نوع بنوع موضوعات پر لکھا، تاہنوز لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ماضی کے اجالے میں مستقبل میں بھی لکھا جاتا رہے گا۔ میری معلومات کے مطابق اتنا لکھا گیا کہ کسی ایک اسلامی شخصیت پر آج تک اتنا نہیں لکھا گیا یہ کوئی مبالغہ آرائی اور جزاف نہیں بلکہ دیانت وسچائی کی تحقیق یہی ہے۔ مگر مختصر سی عمر میں انہوں نے جتنی خدمات دینی انجام دیں اور جو علمی

اثاثہ چھوڑا اسے سمیٹتے ہوئے محققین کو معلوم نہیں اور کتنا عرصہ لے گا وہ علوم و معارف کے بحر بیکراں اور زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔

امام احمد رضا بریلوی کو پچاس سے زیادہ فنون پر عبور و دستگاہ حاصل تھی ان فنون پر ان کی تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار ہیں لیکن مجھے یہاں پر امام احمد رضا بریلوی کے مختلف علوم وفنون پر تبصرہ یا ان کا جائزہ لینا مقصود نہیں اور نہ اس مختصر سے مقالے میں اس کی گنجائش ہے بلکہ علوم تصوف اور تعلیمات تصوف کے تعلق سے ان کی جو قلمی خدمات و کارنامے ہیں ان پر گفتگو کرنی ہے مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ امام احمد رضا بریلوی کے علوم تصوف پر خامہ فرسائی سے پہلے تصوف کے حقائق و معارف اور اس کے آغاز و ارتقاء پر اجمالی حیثیت سے بحث کی جائے تاکہ ان کے صوفیانہ افکار و خیالات اور عارفانہ تحقیقات و نظریات سمجھنے کے لیے قلوب واذہان قریب تر ہو جائیں۔

تصوف کا ضابطہ اور قانون دیرینہ ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں اس پر پیغمبروں اور صدیقوں کا عمل رہا ہے، تصوف دین و ایمان کی جان ہے، اہل طریقت کے یہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مشتبہ

(۱) صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے، خواہشات نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائق موجودات کا ماہر ہے۔

(۲) متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں اس لیے سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کر سکے اور قدم بہ قدم ان کی راہ چل کر اپنے معاملات ان کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔

(۳) اور مشتبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورۃً صوفیوں کے تو اکثر عادات ہوں مگر مقصد نہیں، روزہ، نماز، درود، وظائف، ذکر و اشغال یا اور کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ملے بلکہ ان تمام آرائشوں کا مقصد جاہ طلبی اور خطوط نفسانی ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

اگر تصوف کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام ہی کے وقت سے پاؤ گے

اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا پھر احیاء اور اصطفا کے مقام پر پہنچایا، خلافت عطا فرمائی پھر صوفی بنایا۔ ان خاص معاملات کو اشارہ کے طور پر سنو کہ کس طرح صوفی بنائے گئے مرید کو آغاز ارادت میں چلہ کرنا پڑتا ہے اول اول طائف ومکہ کے درمیان میں چلہ کیا۔

خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحاً

میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا۔

جب یہ تجرید کا چلہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہ نے اس میں روح عنایت فرمائی اور عقل ودانش کا چراغ اس کے دل میں روشن کر دیا۔ پھر کیا، دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منہ سے انوار واسرار کے پھول جھڑنے لگے۔ جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو خوشی میں جھوم گئے خدا کا شکر واحسان بجالائے۔

حضور سرکار دو عالم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا

من اخلص للہ اربعین صباحاً اظہر اللہ ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ

جس نے خلوص قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لیے خاص کر دیے اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمہ جاری فرمائے گا۔

پھر آپ نے بجاوری شکر واحسان کے بعد آسمان کا قصد کیا اور پہلے ہی جلوس میں ملائکہ کے سجود کی سلامی گزری، آپ کو اول خلافت میں یہ اعزاز مرحمت ہوئے پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسافروں کی طرح بہشت کا قصد کیا اور تمام بہشت کو دیکھا بھالا، یہاں کے رموز واسرار سے آگاہی حاصل کی۔ کہا گیا کہیں اپنے جی سے کوئی بات نہ کر لینا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، ذرا سنبھل کے چلنا، مرید کو خود کوئی اختیار نہیں آپ نے سب کچھ سن لیا مگر از خود رفتگی اور انبساط کے عالم میں روک ٹوک کے جرأت کر بیٹھے پھر کیا تھا غیب سے شمشیر عتاب کھینچی اور "عصیٰ آدم ربہ فغوی" اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔ (کنز الایمان، سورہ، طٰہٰ ۱۲۱) سننے کو ملا آپ چونک پڑے عرق ندامت میں ڈوب گئے۔ ابجز استغفار کے کوئی چارہ نہ تھا جان ودل سے اس کام میں لگ گئے "ربنا

ظلمنا انفسنا'' اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جو کچھ اسباب خواجگی مرحمت ہوا تھا سب چھین لیا گیا، خلعت خلافت اتار لیا گیا اب جسم ننگا بے ستر تھا اور زبان پر استغفار۔ کہا گیا اے آدم اس مفلسی کے ساتھ دنیا کا سفر کر، کیونکہ مرید کے لیے ضروری شرط ہے کہ جب اس سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہے تو اس کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت آدم نے تنہا دنیا کے سفر کا قصد کیا جسم ننگا تھا حکم ہوا اے آدم ہر ایک درخت سے ایک ایک پتہ مانگ، تین پتے آپ کو ملے ان کو سی کر گدڑی بنالی اسے پہن کر خود کو چھپا لیا اور اس خاکدان دنیا میں تشریف لائے مگر تین سو برس تک روتے رہے پھر دریائے رحمت خداوندی جوش میں آیا اور درجۂ اصطفا عطا کیا گیا۔ ان اللّٰہ اصطفٰی آدم، اب کیا تھا تصنیف کامل ہو گیا صوفی صافی بن گئے وہ مرقع جو دریوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا۔ آپ اس کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ آخر عمر میں وہ مرقع حضرت شیث علیہ السلام کو آپ نے پہنا دیا اور خلافت بھی سپرد کی چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔

صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں چنانچہ صوفی صافی اول حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت در انجمن کے لیے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی، دنیا میں پہلی خانقاہ کعبہ مکرم ہے اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی، پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک کمبل پر اکتفا کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہمیشہ وہی ایک کمبل رکھا جو پہلی ملاقات میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو عنایت فرمایا تھا۔

طریقت میں پیر کے لیے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مرید کو اپنا خرقہ پہنانے کے لیے لائق بنادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ جامۂ صوف پہنا کرتے تھے۔ خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی اسی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں جن میں عبادتیں کی جاتیں اور اسرار الٰہی کا جام پلائے جاتے۔ پھر جب دور مبارک حضور سید نا و نبینا سلطان الاولیا و الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آ پہنچا حضور

نے اسی طرح کا عمل اختیار کیا ملۃ ابیکم ابراہیم (تمہارے باپ ابراہیم کا یہی طریقہ رہا اور ان کی روش بھی یہی رہی) اور اس خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔ علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشے معین کر دیا۔ اصحاب میں وہ گروہ جو سالکان راہ طریقت بعنوان خاص تھا ان سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں ان میں بعض پیر تھے اور بعض جوان، جیسے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت معاذ و بلال و ابوذر و عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں آپ وہاں بٹھاتے اور اسرار الٰہی کی باتیں کرتے ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں کہ بڑے بڑے فصحائے عرب اور عام صحابہ اس کے مغز تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ اس خاص جماعت صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستر اشخاص تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابہ کی عزت و تکریم فرماتے تو ان کو ردائے مبارک یا اپنا پیراہن شریف عنایت فرماتے صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔

اب تم جان سکتے ہو کہ تصوف اور طریقت کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس کا تتمہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (مکتوبات صدی، مکتوب، ۲۲)

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالے میں لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود تک صحابہ کے لقب کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا لقب رائج ہوا۔ یہ زمانہ بھی ہو چکا تو بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد عبادت کا دعویٰ ہر فرقہ کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا اس لیے جو لوگ خاص اہلسنت و جماعت میں سے زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا۔ (رسالہ قشیریہ ذکر مشائخ طریقت)

صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم صوفی کو ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی تھی۔

امام قشیری نے ایک دوسرے موقع پر تصوف کی وجہ تسمیہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس لفظ کے اشتقاق کے متعلق تین رائیں ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ صحابہ میں سے جو لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے ان کی طرف نسبت ہے۔
بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا ہے
بعض کے نزدیک صف
یہ بھی احتمال ہو سکتا تھا کہ صوفی سے ماخوذ ہو جس کے معنی پشمینہ کے ہیں، لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی خصوصیت نہیں۔

یہ تو لفظی بحث تھی، تصوف کی حقیقت اور ماہیت میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے میں حقیقت تصوف سے متعلق مختلف اقوال صوفیا نقل کئے ہیں۔

صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کو پالیا ہے۔ (ذوالنون مصری)
جس کا جینا مرنا محض خدا پر ہو (جنید بغدادی)
تمام اخلاق حسنہ کا جامع اور تمام اخلاق ردیہ سے بری (ابو محمد جریری)
جو شخص کہ نہ اس کو کوئی پسند کرے نہ وہ کسی کو پسند کرے (منصور حلاج)
جو شخص اپنے آپ کو بالکل خدا کے ہاتھ میں دیدے (رویم)

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں اسی قسم کے بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی تعریف جامع و مانع نہیں، بلکہ ہر بزرگ نے اپنے مذاق کی بناء پر تصوف کے مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کی ہے اور بعض حضرات نے زہد، فقر، تصوف تینوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ تینوں تین مختلف چیزیں ہیں۔ تصوف در حقیقت زہد و فقر اور بعض اور اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف ابتدا میں صرف زہد و عبادت کا نام تھا۔ زہد جس قدر بڑھتا گیا روحانی اوصاف یعنی صبر و شکر، توکل و رضا، انس و محبت وغیرہ خود بخود پیدا ہوتے گئے، عبادت میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھا تو مجاہدہ اور مجاہدہ سے کشف والہام اور بعض قسم کے خرق عادت کا ظہور ہوا۔ غرض رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا۔ لیکن یہ امر صاف طور سے طے نہ ہوا کہ ان میں سے تصوف کا اصلی حصہ کس قدر ہے۔ اسی بناء پر متقدمین سے ہر شخص نے

تصوف کی نئی تعریف بیان کی یعنی مجموعہ میں سے صرف ایک حصہ کو لے لیا۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور علمی پیرائے میں جو کتاب لکھی گئی تھی، وہ امام ابوالقاسم قشیری کا رسالہ تھا تاہم اس رسالہ میں صرف ورع، تقویٰ، صبر و شکر وغیرہ کے عنوان قائم کئے گئے ہیں اور ہر ایک عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیتیں اور بزرگوں کی حکایتیں نقل کر دیں کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی مکاشفات اور روحانی ادراکات کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں۔ امام غزالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمی طور پر اس فن کو مرتب و مدون کیا۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا چنانچہ ورع اور اقتداء کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم اور فن بن گیا حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔

تصوف کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ علم و عمل، لیکن یہ فرق ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

انسان کو اشیاء کا جو ادراک ہوتا ہے اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ استنباط، استدلال، تعلم، تعلیم سے حاصل ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غور و فکر کے بغیر دفعۃً ایک شئی کا ادراک ہو جاتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے ہوا؟ کیونکر ہوا؟ اصطلاح تصوف میں اس کا نام الہام ہے۔

اس قسم کا ادراک صرف مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے ہوتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پہلے تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو یعنی اہل و عیال، دوست احباب، جاہ و دولت کسی چیز سے دل بستگی باقی نہ رہے اس کے بعد ایک گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی طرف اس طرح متوجہ ہو کر کسی چیز کا مطلقاً خیال نہ آنے پائے اس کے ساتھ زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے رفتہ رفتہ یہ عشق اس قدر بڑھے کہ زبان کو حرکت نہ ہو اور تینوں میں زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا جائے پھر صرف

۔۔۔۔۔۔۔ جمایا جائے کہ اللہ کا لفظ دل سے نکل رہا ہے یہ تصور اس حد تک پہنچائے کہ حرف وصوت کا خیال جاتا رہے اور اللہ کا تصور دل میں اس طرح اثر کر جائے کہ کسی وقت جدا نہ ہونے پائے جب یہ حالت پیدا ہو جائیگی تو مکاشفہ شروع ہوگا۔ ابتدا میں برق خاطف کی طرح آکر نکل جائیگا۔ پھر ترقی ہوتی جائیگی اور ثبات ودوام حاصل ہوگا۔

(احیاء العلوم جلد اول، بیان الفرق بین اول والتعلم)

صوفیائے کرام پر ایک مقام وہ آتا ہے کہ ان کے قلوب مجلی ومصفی ہو کر انوار وتجلیات ربانی کا جمہور وہ بن جاتے ہیں پھر انہیں ایسا مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے کہ اشیاء کے حقائق گویا ان کی آنکھوں کے مبالغے آجاتے ہیں۔ امام غزالی نے اس کو مثال میں یوں سمجھایا ہے۔

ایک دفعہ روم وچین کے نقاشوں میں مقابلہ ہوا دونوں اپنی اپنی فضیلت کے مدعی تھے بادشاہ وقت نے آمنے سامنے کی دو دیواریں دونوں گروہ کے لیے مقرر کر دیں کہ ہر ایک اپنے حصہ کی دیوار پہ اپنی صنعت کاری کا نمونہ دکھائے، بیچ میں پردہ ڈال دیا تاکہ ایک دوسرے کی نقل نہ اتارنے پائے چند روز کے بعد رومی مصور نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے، چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہو چکے، پردہ اٹھایا گیا دونوں میں سرمو فرق نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ رومیوں نے بجائے نقاشی کے صرف یہ کیا تھا کہ دیوار کو صیقل کر کے آئینہ بنا دیا تھا پردہ اٹھا تو سامنے کی دیوار کے تمام نقوش مناظر اس میں اتر آئے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ اس مثال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ صوفیہ کے علوم کی یہی مثال ہے وہ قلب کو اسقدر صاف اور مجلی کر دیتے ہیں کہ تمام معلومات خود اس میں منقش ہو جاتے ہیں۔

مولانا روم نے بھی مثنوی شریف میں قلوب صوفیہ کی یہی تمثیل پیش فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

رومیاں آں صوفیانند اے پسر ۔۔۔ نے زتکرار کتاب ونز ہنر
لیک صیقل کردہ اند آں سینہا ۔۔۔ پاک زآحرص وبخل کینہا

اے عزیز! رومی لوگ ان صوفیہ کی مانند ہیں جنہوں نے اپنے سینوں کو ایسا صاف وصیقل کیا ہے جو حرص ولالچ اور بخل وکینہ سے پاک ہیں، انہیں یہ صفائی قلب تکرار کتاب اور ہنرمندی

سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ وہ زہد و تقوی اور مجاہدۂ نفس کی بنیاد پر اس مقام بلند پر پہنچے ہیں۔

تصوف اگر چہ درحقیقت صرف ایک قسم کا علم ہے یعنی علم باطن لیکن اس کے مشائخ عجیب وغریب ہیں جو مقامات سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کے مدارج ومراتب میں اختلاف ہوتا ہے یعنی ہر شخص اپنے مذاق کے موافق کوئی خاص مقام اختیار کر لیتا ہے اور اس میں ترقی کرتا ہے مثلاً کسی پر توکل کی کیفیت طاری ہے، کوئی جہد کے مقام میں ہے، کوئی محو کے عالم میں ہے، کسی پر اثبات کا غلبہ ہے کوئی خدمت خلق اور علوم دینیہ کی ترویج وتشہیر کے لیے وقف ہے وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت تصوف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی تصنیف مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء میں لکھا ہے:

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

التصوف انما ھو زبدۃ عمل العبد باحکام الشریعۃ۔ (طبقات کبری للشعرانی جلد اول/ص ۴/البابی مصر)

تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خضیف ضبی قدس سرہ فرماتے ہیں

التصوف تصفیۃ القلوب واتباع النبی ﷺ فی الشریعۃ۔ (طبقات کبری للشعرانی جلد اول، ص ۱۲۱، البابی مصر)

تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی ﷺ کی پیروی ہو

تصوف طریقت ہی کو کہتے ہیں اور طریقت اس راستہ کا نام ہے جو خدا تک پہنچادے

حضور سید الاولیاء قطب الکونین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اقرب الطرق الی اللہ تعالیٰ لزوم قانون العبودیۃ والاستمساک بعروۃ الشریعۃ۔ (بہجۃ الاسرار، صفحہ ۵۰ مصر)

اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔

معلوم ہوا کہ طریقت کی اصل شریعت ہے، شریعت کے بغیر طریقت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی، سالک اور صوفی کے لیے قوانینِ شریعت کی پابندی لازم وضروری ہے اس کے بغیر منازلِ طریقت کا عرفان ممکن نہیں، شریعت سے ہٹ کر اصول طریقت کا خیال سراسر الحاد زندقہ ہے۔ صوفیائے کاملین کی تاریخ زندگی گواہ ہے کہ انہوں نے ہر قدم پر شریعت مطہرہ کا خیال رکھا، زندگی کے ہر موڑ پر احکام شرع پر عمل کرنے کو مقدم جانا اور دنیا کو بھی عملی استقامت کے ساتھ یہی درس دیا کہ شریعت پر عمل کے بغیر درجہ صوفیت کا حصول ممکن نہیں۔

مگر عہد حاضر کے بعض بے عمل صوفیا جو اہل طریقت اور خانقاہی کہلاتے ہیں وہ طریقت کو شریعت سے جدا اور الگ تصوف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علمائے کرام شریعت، والے ہیں اور ہم صوفیہ طریقت والے، شریعت کے جو احکام وقوانین ہیں وہ علماء ظاہر اور عوام کے لیے ہیں ہم تو اہل باطن ہیں ہم پر شریعت کی پابندی لازم نہیں (معاذ اللہ) ہم طریقت کی ایسی منزل پر قدم رکھ چکے ہیں جہاں پہنچنے کے بعد شرعیت کے احکام عائد نہیں ہوتے۔ عہد جدید کے صوفی بننے والے اپنی جہالت اور لاعلمی سے اس قسم کی خرافات وہفوات بکتے ہیں جو شرع مقدس سے مذاق واستہزا کے مترادف ہے۔ کم سے کم اگر وہ یہ سوچ لیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ حضور غوث اعظم اور جنید وشبلی وغیرہم اولیائے کرام سے بڑا ولی امت میں کون ہوسکتا ہے انہوں نے اپنی زندگیاں، عبادات وریاضات کے لیے وقف کردی تھیں، قدم قدم پر انہیں شریعت مطہرہ کی پابندی ملحوظ خاطر تھی۔ اور یہ کہ تاجدار عرب وعجم محبوب کبریا جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر دونوں جہان میں عالی رتبہ کون ہوسکتا ہے۔ آپ نے اپنی حیات اقدس میں پوری پوری رات عبادت الٰہی میں بسر فرمائی۔ مگر انہوں نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ ہم پر شریعت کے احکام ومسائل عائد نہیں ہوتے ہیں ہم طریقت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جبکہ ان کے قدموں کی برکت سے اہل دنیا کو شریعت وطریقت کا عرفان وشعور ملا اور حقیقت ومعرفت کی سوغات ملی آج کل کے جاہل صوفیوں کا یہ کہنا کہ ہم اہل طریقت ہیں شریعت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی وہ درست اور صحیح کہتے ہیں کیونکہ وہ درحقیقت شریعت

سے دور اور راہ حق سے بیگانہ الحاد و بے دینی کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔
دور حاضر کے اہل طریقت و صوفیہ اور خانقاہی حضرات کی اس قسم کی بدعنوانیوں کو امام احمد رضا بریلوی نے شدت سے محسوس کیا، تعلیمات صوفیہ سے انہیں قریب کرنے کی کوشش کی اور دلائل و شواہد کی روشنی میں ثابت فرمایا کہ شریعت و طریقت دو جدا جدا راہیں نہیں بلکہ دونوں ایک ہیں، دونوں کا منبع و سرچشمہ ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ شریعت ایک بھرتا ہوا کنار اور طریقت اس کے نکلی ہوئی ایک نہر ہے اگر طریقت کو شریعت سے الگ کر دیا جائے تو طریقت کی نہر بالکل معدوم اور خشک ہو جائے۔
شریعت و طریقت کے اتحاد و موافقت اور دونوں کے درمیان عدم فرق کو امام احمد رضا بریلوی نے انتہائی تحقیق و تدقیق سے فاضلانہ اور عارفانہ انداز میں اپنی ایک تصنیف میں وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ہم جہاں پر اس کے چند اقتباسات تسہیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں آپ فرماتے ہیں:
شریعت کے تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے۔ ولہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام کا تمام حقائق کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں عرض کرنا فرض ہے۔ اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و باطل۔ تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی کسوٹی اور معیار ہے۔
شریعت راہ کو کہتے ہیں، اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کا ترجمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ، یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص ہیں وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثابت و استقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ احدنا الصراط المستقیم، ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔ یہی وہ راہ جس کا منتہا الیہ ہے۔ قرآن عظیم میں فرمایا۔
ان ربی علی صراط مستقیم۔ اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔
قرآن عظیم نے فرمایا

وان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذٰلکم وصّٰکم بہ لعلکم تتقون ۔ (الانعام، ۱۵۳)

اے محبوب تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمہیں اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو۔

دیکھو قرآن مجید نے صاف فرمادیا کہ شریعت صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اور اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔

یہ کہنا کہ طریقت نام وصول الی اللہ کا، محض جنون و جہالت ہے، ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو شہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائیگی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا، لازمی ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے کہ اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے اس کا اس سے جدا ہونا محال و نا سزا ہے۔ جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے مگر ہرگز طریقت حقہ راہ ابلیس نہیں قطعاً راہ خدا ہے تو یقیناً وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

شریعت کو قطرہ طریقت کو دریا کہنا کسی مجنون پکے پاگل کا کام ہے کیونکہ شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے منبع سے پانی نکل کر دریا بنکر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں، نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت، مگر شریعت وہ منبع کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔ منبع سے اسکا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لیے مدد موقوف ہو جائے فی الحال جتنا پانی آپ کا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں باغات سینچنے کا کام دے، نہیں نہیں منبع سے اس کا تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائیگا، بوند تو بوند نمی کا بھی نام نظر نہ آیگا۔

نیز امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں،

اس کی روشنی بڑھتے بڑھتے صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ بہتر ترقی کی ہے جس سے حقائق اشیا کا انکشاف ہوتا اور نور حق تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے۔ تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ اختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔

حاصل یہ کہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ، کہ راہ جس قدر باریک استفد رہادی کی زیادہ حاجت، اس لیے حدیث میں آیا ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ج ۵، ص ۴۹ بیروت)

یعنی عبادت کی صحت کے لیے علم کی ضرورت ہے علم کے بغیر شریعت کی باریکیوں پر اطلاع ممکن نہیں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی (یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں) جاہل عابد اور عالم جو علانیہ بے باکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔

اے عزیز! شریعت عمارت ہے اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل، خیالی، پھر اعمال ظاہرہ دیواریں ہیں کہ اس بنیاد پر ہو اس میں چنے گئے۔ اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی، اور نہ صرف نیو کی بلکہ اعلیٰ حصہ اسفل کا بھی محتاج ہے، اگر دیوار نیچے سے خالی کر دی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی۔

احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گذر گئے ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے۔ بندے بے دیوار جدا کر لی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن مجید نے فرمایا کہ اس کی عمارت اسے لیکر جہنم میں ڈھے پڑی۔

اسی لیے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔

حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔(ترمذی جلد ۲، صفحہ ۹۳، ابواب العلم)

مطلب یہ ہے کہ بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے، منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔(مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء)

صوفی درحقیقت علم ظاہر و باطن کا سنگم و جامع ہوتا ہے اسی لیے وہ طریقت کو شریعت سے جدا راستہ نہیں سمجھتا تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ صوفیائے کرام کی ہر دور میں یہی تعلیم و تربیت رہی کہ شریعت و طریقت دونوں ایک ہی ان میں سے کوئی کسی سے جدا اور الگ نہیں ہے اولیائے کرام و اہل طریقت اور صوفیائے عظام کو شرعی قوانین، احکام اور ان کی باریکیوں کا اس قدر لحاظ و پاس تھا کہ ان کا کوئی قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہیں جاتا نہ وہ اپنے کو احکام شرع سے مستثنیٰ سمجھتے تھے۔ ان کا کردار، ان کی گفتار شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی تھی، ان کے اقوال و افعال اہل اسلام کے لیے آئینۂ عمل اور نجات کے ضامن ہیں۔

یہ امر بھی مسلم کہ علم طریقت، علم شریعت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، جو علم شریعت کے بغیر طریقت کو سمجھنے یا صوفی ہونے کا دعویٰ کرے وہ شیطان کا کھلونا ہے۔

سید السالکین مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک خاص مرید کے نام اپنے مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔

برادرم شمس الدین، اللہ تم کو طالبین کی بزرگی کا درجہ عطا فرمائے تم اس بات کا یقین کرو کہ جو شخص طریقت کا طلب گار ہو اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضروری ہے تا کہ قصبۂ شریعت سے شہر طریقت میں پہنچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہوا ملت حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا ہے وہ طریقت کو کیا پہچانے گا اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے اس لیے بے علم معرفت اور ناواقف شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں اگر اپنی خودرائی سے کوئی ایسا کرے گا تو وہ بھٹک کر رہ جائیگا اور اس کی چکر میں اس کی جان بھی چلی جائیگی، بالکل ناممکن ہے کہ وہ

منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ تم اس بات کا یقین کامل کر لو کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا ہے۔ یہ
مشائخ کا قول ہے اور قرآن شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

ولم یکن لہ ولی من الذل
کبھی نہیں بناتا (الاسراء، ۱۱۱)

خداوند جل وعلا جاہل کو دوست
حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے بڑھ کر کوئی چیز ذلیل نہیں، یہ ساری ذلتوں کی جڑ ہے اللہ
کی راہ میں قدم رکھنا دل لگی نہیں بزرگوں کا قول ہے کہ سالک کو جب بارہ چیزوں کا علم ہوتا ہے
وہ اس راہ کے لائق سمجھا جاتا ہے۔
علم توحید، علم معاملت، علم معرفت، علم حالت، علم مکاشفت، علم مشاہدت، علم خطاب، علم
سماع، علم وجد، علم معرفت روح، علم معرفت نفس، علم معرفت قلب۔
پھر ان علوم کے اصول وفروع کی واقفیت بھی ضروری ہے۔ تم بزرگان دین کو کیا سمجھتے
ہو۔ اپنی دستار فضیلت تہ کر کے رکھو۔ وہ اصحاب صاحب علم شریعت، صاحب علم طریقت،
صاحب علم حقیقت ہوتے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔
(مکتوبات صدی، مکتوب ۲۳)

شریعت وطریقت کے درمیان حقیقی فرق تو نہیں ہے البتہ جو ظاہری وباطنی اور اعتباری
فرق ہے اس کو مثالوں سے واضح کرتے ہوئے مخدوم جہاں حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں۔

شریعت دین کی ایک راہ کا نام ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے
قائم ہوئی ہے۔ لغت میں کشادہ راہ کو شارع کہتے ہیں راہ شریعت کو بھی
خدا نے ایسی کشادہ بنایا ہے کہ اس سے ہزاروں راستے نکلتے
ہیں طریقت کی راہ بھی شریعت ہی سے نکلی ہے۔ شریعت وطریقت میں
جو ظاہر وباطن کا فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں تم اس سے سمجھتے جاؤ۔

شریعت میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ اور دوسرے احکام شرائع
ومعاملات ضروری کا بیان ہے۔

طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو، ان مشروعات کی تہہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو، اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو جسے ریا کاری ہے، ہوائے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، شرک و کفر ہے وغیرہ وغیرہ۔

اچھا اس طرح نہ سمجھے تو یوں سمجھو۔

ش : ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے ہے وہ شریعت ہے۔

ط : تزکیہ باطن تصفیہ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔

ش : کپڑے دھو کر ایسا پاک بنالینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں یہ فعل شریعت ہے۔

ط : اور دل کو پاک رکھنا کدورت بشری سے یہ فعل طریقت ہے۔

ش: ہر نماز کے لیے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو۔

ط : اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔

ش : نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا شریعت ہے۔

ط : اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہونا طریقت ہے۔

ش : جو اس ظاہری سے جن معاملات دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت ہے۔

ط : اور جن معاملات دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا طریقت ہے۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا یہی معمول رہا کہ دین کا جو کام وہ خود کرتے ہیں وہی امت کو بھی حکم دیتے ہیں مگر بعض بعض اخلاق و اعمال ایسے مہتم بالشان و کوہ وقار ہیں کہ اگر امت پر ان کا بوجھ ڈال دیا جائے تو ضعیف الحال امت پس جائے اس لیے آسانی کے خیال سے امت کو ان کی تکلیف نہیں دیتے اپنا ورد خاص لیتے ہیں اور معمول کر لیتے ہیں جیسے نماز تہجد، صدقہ نہ لینا، سیر ہو کر نہ کھانا، دنیا سے اعراض کرنا، جس سے زندگی باقی رہے اتنے ہی کھانے پر قناعت کرنا، مکان ولباس بھی

محض بقدر ضرورت رکھنا وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جس امر کے لیے امت کو مکلف بنایا جائے وہ شریعت ہے اور جو کام ایسا ہے کہ تخفیف امت کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی ذات کو اس کا پابند کر لیں اور لزام احوال بنالیں وہ طریقت ہے۔

(مکتوبات صدی، مکتوب ۲۵)

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شریعت وطریقت کے درمیان کوئی تخالف وتضاد ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ جو فرق بیان کیا گیا وہ ظاہر وباطن کا فرق ہے ورنہ دونوں ایک اور متحد ہیں۔ مگر بعض لوگ جس طرح شریعت وطریقت کے درمیان فرق وامتیاز کے قائل ہیں یوں ہیں شریعت وحقیقت اور معرفت کے درمیان بھی تفریق وتخالف کے مدعی ہیں حالانکہ ان کے درمیان بھی کوئی تضاد وتغایر نہیں ہے۔ ان میں بھی اتحاد کی جلوہ فرمائی ہے۔ ایسے آزاد خیال لوگوں کی نسبت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ایک مقام پر اختصار کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں اصلاً کوئی تخالف نہیں اس کا مدعی، اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور سمجھ کر کہے تو گمراہ بد دین۔

شریعت حضور کے اقوال ہیں

طریقت حضور کے افعال

حقیقت حضور کے احوال

اور معرفت حضور کے علوم بے مثال، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

(فتاویٰ رضویہ قدیم، ج۹، ص۶۰ مطبع رضا اکیڈمی، بمبئی)

مجھے عرض یہ کرنی ہے کہ اسی مضمون کو سمجھانے کے لیے بعض صوفیہ نے کئی کئی صفحات صرف کیے ہیں پھر اپنے مافی الضمیر کو صفحۂ قرطاس پہ منتقل کیا ہے مگر امام احمد رضا بریلوی نے تصوف کی اس عظیم گتھی کو چند جملوں میں آسانی کے ساتھ سلجھا دیا ہے۔ ان کے تبحر علمی اور جلالت شان کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ان کی زندگی کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ احسان وتصوف اور احتیاط وتقویٰ کے باب میں بھی نمایاں حیثیت کے مالک

ہیں کیونکہ علم وعمل میں احکام شریعت کی پابندی اور اتباع سنت سے آپ کی پوری زندگی معمور ہے اور اکابر علماء اور ابرار وصالحین کے فیضان نظر سے آپ کا ہر گوشہ حیات پر نور ہے آپ کی تصانیف وفتاوے میں فکر واعتقاد اور علم وعمل سے متعلق مسائل تصوف اور رموز واسرار طریقت جا بجا ملتے ہیں دقائق تصوف کے حل میں آپ کے قلم کی جولانی اور فکر کی نکتہ بینی اس بڑے بڑے باکمال اصحاب تصوف کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔

افکار وقلوب کی تطہیر وتزکیہ کے لیے مزید ہم ان کی بعض تصانیف کے حوالے سے تعلیمات تصوف وسلوک کی چند خاص جھلکیاں پیش کر رہے ہیں جن میں اسرار طریقت وتصوف کے لطائف ونکات مضمر وپنہاں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ ارباب طریقت کے لیے سامان ذوق اور اہل تصوف وعرفان کے لیے تسکین قلب وروح کا باعث ہوگا۔ نماز کے اسرار ونکات سے متعلق امام احمد رضا بریلوی رقمطراز ہیں۔

نماز کے اکثر افعال واحکام ان اسرار وحکم پر مبنی ہیں جن کا مدار حقیقۃً صرف اہل قلوب کے روشن وبلند احوال پر ہے۔ عوام بھی صورت احکام میں ان کے شریک ہیں۔ مثلاً

دن والی نماز میں اخفا واجب ہوا اور رات والی میں جہر، کہ رات آیت لطف ہے اور اس کی توی وگرم، لہٰذا اعتدال وتعدیل کے لیے تجلی قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلی رکھی گئی اور تجلی لطفی کے ساتھ گرم۔

جمعہ وعیدین میں دن ہونے کے باوجود جہر کا حکم ہوا کہ بوجہ کثرت حاضرین انس حاصل اور دہشت زائل، اور قلب بوجہ شہود خلق شہود تجلی سے قدرے زائل (غافل) بھی ہوگا۔ ساتھ ہی ایک ہفتہ کی تقصیرات اسے گلا دے جیسے اطبا خطوط وقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادراً بغرض مشق وتمرین اسے علاج سمجھتے ہیں۔

نماز کسوف میں گر جماعت کثیر اور وقفہ طویل ہے پھر بھی اخفا ہی رہا کہ وقت تخویف وتجلی جلال ہے اور وقفہ طویل ہے جہر نہ ہو سکے گا۔ اسی لیے ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں اصلاً قرات نہیں کہ یہ ہیئت عظیم وتجلی جلال، تجلی شدید قرآنی سے جمع نہ ہو۔ اور جو قرآت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدت پر شدت بڑھ جائیگی۔

شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز، اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سنت الہیہ ہے
تجلی شیا فشیا وارد کرتے اور ہر ثانی میں اول سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلی گرم تمہاری، کے ساتھ چار
سے آگے تاب نہ آئیگی۔ اسی لیے ہر دو رکعت پر جلسہ مطولہ کا حکم ہوا کہ خوب آرام پالے۔ اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ضروری ہوئی کہ لطف جمال سے حظ اٹھالے۔ پچھلی رکعتوں میں قرأت
معاف کہ تجلیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو۔
منفرد پر جہر واجب نہیں کہ وجہ تنہائی دہشت وہیبت زیادہ ہوتی ہے عجب نہیں کہ تاب نہ
لائے تو اسے اس کے حال ووقت پر چھوڑنا مناسب۔
رکوع وسجود میں قرأت قرآن ممنوع ہوئی کہ ان کی تجلی، تجلی قیام سے اشد، دوسری تجلی
شدید قرأت مل کر افراط ہوگی۔
نیز قعود میں قرأت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کے لیے رکھا گیا تجلی قرآنی کی شدت مل
کر اسے مقصود سے خالی کردے گی۔
اسی لیے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلی قوی سے آرام لیکر تجلی وقوی کی طرف
جائے ورنہ تاب نہ لائے گا۔
اسی بناء پر بین السجدتین اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلی سجدۂ ثانیہ اور اشد واعظم
ہوگی۔ پے در پے اشد بر اشد آنے سے بنیان بشری نہ منہدم ہوجائے۔
عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی قدس سرہٗ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں نقل فرماتے ہیں
حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید نے سجدہ کیا جسم گھلنا شروع ہوا
یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شئی کا نشان نہ رہا۔ صرف ایک بوند پانی کی زمین پر
پڑی رہ گئی حضور غوث اعظم نے روئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کردی اور فرمایا
سبحان اللہ تجلی کے سبب اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

(رسالہ انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار۔ شمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۳ قدیم)

بندۂ مومن جب عبادت الٰہی اور عمل نیک کا قصد وارادہ کرتا ہے تو اس پر شیاطین کا حملہ
وپہرہ ہوتا ہے اور وہ وسوسوں میں گھر کر منزل مقصود سے دور ہوجاتا ہے۔ صوفیا نے دفع وساوس

کی مختلف تدابیر بتائی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے دل ودماغ سے وسوسوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔ مجھے اگر مقالے کی طوالت کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو میں دفع وساوس سے متعلق امام احمد رضا بریلوی کی ایک جامع اور پر اثر تحریر نقل کرتا جس سے یہ وضاحت ہو جاتی کہ واقعی امام احمد رضا بریلوی سراج الاصفیاء اور علوم تصوف کی اشاعت میں یکتائے روزگار ہیں۔ لیکن یہ بڑے المیہ کی بات ہے کہ ان کے تصوف پر بے اعتنائیوں کا پردہ پڑ گیا اور وہ صرف ایک فقیہ بے بدل اور عاشق رسول کی حیثیت سے مشہور ہو گئے حالانکہ سچائی یہ ہے کہ وہ بیک وقت عظیم مفسر، جلیل القدر محدث، نکتہ بیاں اس فقیہ، صاحب طرز مصنف، عبقری محقق، بے مثل مجدد، صاحب طریقت مرشد، اور اہل دل صوفی وغیرہ سب کچھ ہیں۔ ان کے جس وصف کو بھی ذکر کیا جائے اس میں وہ ممتاز ومنفرد دکھائی دیتے ہیں۔ کارگاہ ہستی میں ایسی ہستیاں کم جنم لیتی ہیں ایسی ہی شخصیات کے تذکرۂ جمیل سے تاریخ کی زلفیں سنواری گئیں اور ان کے نقوش زندگی سے تاریخ کے صفحات آج بھی روشن وفروزاں ہیں۔ سر دست یہاں پر صرف ادائے نماز میں دفع وسواس کے جو موثر طریقے ہیں ان میں ان کی تعلیمات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ جس وقت سونے سے اٹھے خیال کہ مجتمع تھا بجلی کی چال سے منتشر ہو جانا چاہتا ہے اگر پھیل گیا۔ تو سمٹنا مشکل ہو جاتا ہے معاً آنکھ کھلتے ہی پہلا کام یہ کرے کہ خیال کو روک کر تین مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھے یہ ابتدا اس کے خیال کی ہو گی تو دن بھر اس کی برکت اس کے خیال پر حاوی رہے گی۔

۲۔ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ بقوت باندھے جائیں۔ نفس کا معدن زیر ناف ہے اور یہاں سے وسوسے اُٹھتے ہیں۔ اور قلب کو جاتے ہیں اس لیے ائمہ شافعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قلب کے نیچے پیٹ پر ہاتھ باندھتے ہیں کہ دشمن کا راستہ روکیں اور ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ناف کے نیچے باندھتے ہیں کہ ابتدائے سرچشمہ کی بندش کریں۔ ہاتھ وقتاً فوقتاً ڈھیلے ہو جائیں گے انہیں کس لیا کریں۔

۳۔ نگاہ کے مواضع جو شریعت نے بتائے ہیں اس سے یہی مقصود ہے کہ خیال پریشان

نہ ہونے پائے اس کی پابندی ضرور ہے۔ قیام میں نگاہ جائے سجدہ پر رہے، رکوع میں پاؤں پر قعود میں گود پر سلام میں شانے پر۔

۴۔ کان اپنی آواز سے بھرے رہیں۔

۵۔ پڑھنے میں جلدی چاہئے کہ آہستہ ڈھیل کے ساتھ جو پڑھا جائے خیال کو انتشار کو میدان وسیع ملتا ہے اور جب جلد جلد الفاظ ادا کئے گئے اور صحت کا بھی لحاظ رہے تو خیال کو اس طرف سے فرصت ملے گی۔

۶۔ ایک بڑی اصل یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک ہر جوڑ، ہر رگ نرم اور ڈھیلا ہو اور تصور میں زمین کی طرف متوجہ رہے۔ ہاتھ کھینچے ہوئے نہ ہوں، مونڈھے اوپر کو نہ چڑھے ہوں اور پسلیاں سخت نہ ہوں، بدن کی یہ وضع بھی وقتاً فوقتاً بدل جائیگی، لحاظ رکھیں تبدل پاتے ہی فوراً ٹھیک کرلیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ قیام میں جھکا ہوا کھڑا ہو یا رکوع میں سر نیچا ہو، یا سجود میں کلائی یا بازو یا زانو خلاف وضع ہوں کہ یہ تو ممنوع ہے۔ بلکہ توجہ میں ہر عضو زمین کی طرف جھکا ہوا ہو، کھچے ہوئے نہ ہوں، نرم ہوں اور یہ تجربے سے ظاہر ہو جائیں گے جس طرح بتایا گیا سیدھا کھڑا ہو تھوڑی دیر میں دیکھے گا کہ جیسے سخت ہو گئے شانے اور پسلیاں اوپر کو چڑھتے ہوئے معلوم ہوئے اور تصور ٹھیک کرتے ہیں بغیر اس کے کہ بدن کو کوئی جنبش دے محسوس ہوگا کہ سب اعضاء تر آئے اور زمین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

۷۔ اگر اذکار نماز کے معنی معلوم ہیں فبہا۔ ورنہ اتنا تصور جمائے رہے کہ میں اپنے رب کے روبرو کھڑا عاجزی کر رہا ہوں اور اس پر معین ہوگا گڑگڑانے کی صورت منہ بنانا، جب یہ وضع بدلے فوراً متوجہ ہو کہ پھر بنالے معاً خیال صحیح ہو جائیگا۔

۸۔ وسوسے جو آئیں ان کے دفع کی کوشش نہ کرے اس سے لڑائی باندھنے میں بھی اس کا مطلب حاصل ہے کہ بہر حال نماز سے غافل ہو کر دوسرے کام میں مشغول ہوا بلکہ معاً ادھر سے خیال اپنے رب کے حضور عاجزی کی طرف متوجہ کردے اور وسوسے کو یہ سمجھ لے کہ کوئی دوسرا بک رہا ہے مجھ سے کچھ کام نہیں۔ اگر زیادہ ستائے تو اس عاجزی میں اپنے رب سے فریاد کرے۔ اس کا قاعدہ ہے کہ یاد الٰہی کرتے ہی بھاگ جاتا ہے۔

۹۔ بڑا گر یہ ہے کہ پیٹ نہ خالی ہو نہ بھرا، اتنا خالی کہ بھوک پریشان کرے یہ بھی مضر ہوگا۔ بھرے کے ضرر کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں افضل واولیٰ تہائی پیٹ ہے۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج ۳، ص ۸۸، ۸۹ مطبع بولٹن)

صوفیائے کرام اپنے مریدین ومتوسلین کی اصلاح وتربیت کا خاص خیال رکھتے وعظ وتذکیر کے ذریعہ ان کے احوال وقلوب کی درستگی فرماتے تھے ان کی تعلیمات سے نفوس پاکیزہ اور روحانیت مجلی ومصفی ہو جایا کرتی تھی۔ ہم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے صوفیانہ انداز اصلاح کا منظر پیش کرنا چاہتے ہیں اہل نظر اور اہل دل کو اسے دیکھ کر معلوم ہو جائیگا کہ یہ صرف فقیہ وعالم کے قلم کی جولانی ہے یا عارف باللہ وصوفی باکمال کی موثر بیانی؟

ایک شخص قیلولہ ایسے وقت کرتا کہ اس کی جماعت ظہر چھوٹ جاتی اور عذر یہ تھا کہ مجھے تہجد پڑھنا رہتا ہے جس کے لیے دن میں قیلولہ ضروری ہے، نہ کروں تو تہجد فوت ہو۔

ایسے شخص کے متعلق امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ایسے تہجد وقیلولہ کی طرف لایا جن سے جماعت فریضہ فوت ہو؟ کیا قرآن وحدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں؟ کیا سلف صالح نے ایسے ہی قیام لیل کیے ہیں؟ حاشا وکلا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

یا ھذا! سنت ادا کیا چاہتا ہے تو یوں بروجہ سنت ادا کر۔ یہ کیا کہ سنت کے لیے اور واجب فوت کیجئے ذرا بگوش ہوش سن! اگرچہ حق تلخ گزرے، وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیان زمانہ پر پیش کرے جس کا خیال ترغیبات تہجد کی طرف جائے تجھے تفویت جماعت کی اجازت دے، جس کی نظر تاکیدات جماعت پر جائے تجھے ترک تہجد کی مشورت دے۔ مگر حاشا خدام فقہ وحدیث بتوفیقہ عزوجل حقیقت امر سے آگاہ ہیں ان کے یہاں عقل سلیم ونظر قویم دو عادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد وجماعت میں تعارض نہیں۔ ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں بلکہ یہ ہوائے نفس شریر وسوئے طرز تدبیر سے ناشی ہوا۔

یاھذا: اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے جب تو صراحۃً گنہگار و تارک واجب اور عذر باطل میں کاذب ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ کر یہ فتنہ خواب کیونکر جاگا اور یہ فساد وحجاب کہاں سے پیدا ہوا؟ اس کی تدبیر کر۔

کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقت جماعت قریب ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا؟ یوں ہے تو اول وقت خواب کرا ولیائے کرام قدسنا اللہ باسرارہم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے۔ جس میں نماز و تلاوت نہیں یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف النہار تک ... وہ فرماتے ہیں کہ چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دو پہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے ظاہر ہے کہ جو پیش از ظہر اول بیدار ہو لیا اسے فوت جماعت کے کوئی معنی نہیں۔

کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ اچھا ٹھیک دو پہر کو سو مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے۔ اگر طول خواب سے خوف کرتا ہے۔

تکیہ نہ رکھ، بچھونا بچھا کر بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے۔

سوتے وقت دل کو خیال جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخارات طعام فرو ہو لیں اور طول منام کے باعث نہ ہوں۔

سب سے بہتر علاج تقلیل غذا ہے، پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا بانجھ سے بچہ مانگنا ہے۔ جو بہت کھائیگا بہت پئے گا جو بہت پئے گا بہت سوئے گا جو بہت سوئے گا آپ ہی خیرات و برکات کھوئے گا۔

یوں نہ گزرے تو قیام لیل میں تخفیف کر، دو رکعتیں خفیف و تمام بعد نماز عشاء ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی، اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا دس بجے اُٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تہجد ہو گیا۔

سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا اور اس پر بجا توکل، مولیٰ تبارک وتعالیٰ جب تیرا حسن نیت و صدق عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائیگا۔ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ

اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعین کر کہ وقت جماعت سے پہلے جگا دے۔

ان بیانوں، تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے انشاء اللہ تعالیٰ فوت جماعت سے محفوظی ہوگی۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۰ تا ۳۳۲ ملخصا، رضا اکیڈمی ممبئی)

امام احمد رضا بریلوی نے تہجد کے بہانے جماعت ظہر چھوڑنے والے سائل کو جس انداز سے انذار وتحذیر فرمائی اس کے پس منظر میں ہم صرف ارباب دین ہیں جنہیں اہل زبان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ اسلوب نگارش اور انداز تربیت عالمانہ ہے یا صوفیانہ؟ یہ فقیہ کے قلم کی جلوہ آرائیاں اور فتاویٰ کی زبان ہے یا صوفی کامل وعارف ربانی کے دل کی سچی آواز؟ اہل نظر کو یہ باور اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صرف محض محض یا عالم دین کے رشحات قلم کی رنگینیاں نہیں بلکہ یہ کسی ہادی شریعت وطریقت کے دردمند دل کا حقیقی پیغام ہے۔

اسی طرح کا ایک سوال امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ میں پیش ہوا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفلی صدقات وخیرات تو کرتے ہیں مگر فرض زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے۔ اس سوال کے جواب میں حکم شرعی کی وضاحت کرتے ہوئے اٹھارہ حدیثیں بیان فرمائیں پھر خالص صوفیانہ ومصلحانہ انداز میں ارشاد فرمایا۔ سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنی چاہیے کہ ضعیف انسان کی کیا جان اگر پہاڑوں پر ڈالے جائیں سرمہ ہو کر خاک میں مل جائیں۔ پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے۔ یہ شیطان کا بڑا دھوکہ ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے نادان سمجھتا ہی نہیں (سمجھتا ہے) نیک کام کر رہا ہوں اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے اسکے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود ہے۔

اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وہ قابل قبول ہوں گے؟ خصوصا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان وجہانیاں سے بے نیاز ہے۔

اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا یہ سب امور صحیح و

وقبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہو جانا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا، مقبول بارگاہ ہونا اور بات ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے نماز صحیح تو ہو گئی، فرض اتر گیا پر نہ قبول ہوگی نہ ثواب پائیگا بلکہ الٹا گنہگار ہوگا یہی حال اس شخص کا ہے۔

اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدو مبین ہے بالکل ہلاک کر دینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصد خیرات کا رہ گیا ہے جس سے فقراء کو تو نفع ہے اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سوجھائیگا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ؟ چلو اسے بھی دور کرو اور شیطان کی پوری بندگی بجالاؤ۔ مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے۔ تو وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمن ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل متمرد و سرکش بنایا۔ بلکہ تجھے وہ فکر کرنی تھی جس کے باعث عذاب سلطان سے بھی نجات ملتی اور آج تک کے یہ وقف و مسجد و خیرات بھی سب مقبول ہو جانے کی امید پڑتی۔

وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوۃ نہ دینے سے صدق دل سے توبہ کیجئے، آج تک کی جتنی زکوۃ گردن پر ہے فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کر دیجئے کہ شہنشاہ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔

مہربان مولی جس نے جان عطا کی، اعضا دیئے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں اس کے حضور منہ اجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو بشارت ہو، نوید ہو تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے، وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے ان سب کی بھی مقبولی کی امید ہو گئی کہ جس جرم کے باعث یہ قابل قبول نہ تھے جب وہ زائل ہو گیا انہیں بھی باذن اللہ شرف قبول حاصل ہو گیا۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۴ قدیم، ص ۴۳۸ رسالہ اعز الاکتناہ ملخصا، رضا اکیڈمی)

اس حکیمانہ بیان کے طرز نگارش سے امام احمد رضا بریلوی کی علوم تصوف پر مہارت و دسترس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا عرفان یہ تھا کہ انہوں نے حضور سرور

کونین ﷺ کے منصب نبوت ورسالت کا حقیقی مقام ومرتبہ سمجھا اور اس کی قرار واقعی حیثیت سے دنیا جہاں کے لوگوں کو آگاہ وآشنا کیا۔ جس نے شان رسالت میں ذرا بھی تنقیص یا توہین کی یا نازیبا کلمات کہے اس کے لیے تیغ برہنہ ثابت ہوئے۔ ایسا ایک حرف شکایت گوارا نہ کیا جو مقام نبوت کے خلاف تھا وہ بحر توحید میں غرق اور فنافی الرسول کے مقام بلند پر فائز ومتمکن تھے۔ انہوں نے مسلمانان عالم کے دلوں میں عشق رسالت کی ایسی شمع روشن وفروزاں کی جس کی پرنور شعاعوں سے انسانی ذہنوں کے ظلمت کدے منور وتابناک ہو گئے۔ ان کی علمی تحقیقی اور تجدیدی خدمات وکارناموں کے سرسری جائزے کا بھی یہ موقع نہیں ورنہ میں ان کی حیات اقدس کے کچھ اہم گوشوں پر نظر ڈالتا۔ یہاں مجھے صرف یہ باور کرانا ہے کہ انہوں نے قومی اصلاح وتربیت اور معاشرتی فلاح وترقی کا جو خوشگوار فریضہ انجام دیا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ان کی زندگی لائق تقلید اور وہ بذات خود اہلسنت وجماعت کے لیے سرمایہ عزت وافتخار ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پچاس سے زائد بلکہ جدید تحقیق کے مطابق ایک سو پانچ (۱۰۵) علوم وفنون پر کامل عبور اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان تمام فنون پر انہوں نے باضابطہ کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ ایک صوفی کامل کی حیثیت سے انہوں نے علوم تصوف پر بھی اپنی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ سلوک ومعارف کا قیمتی اثاثہ سالکین وعارفین کو عطا فرمایا علوم تصوف کے تعلق سے انہوں نے جو بھی لکھا وہ ایمان وعرفان کے اجالے میں لکھا، اہل دل کی مانند زنگ آلود دلوں کی اصلاح وتطہیر فرمائی۔ گم گشتگان راہ کو نشان منزل اور تلاش وجستجو کا حوصلہ بخشا۔ ان کے فتاوے وتصانیف میں جاری تصوف وسلوک، اسرار ورموز کا علمی مواد اور اصلاح وتربیت کا انوکھا پیغام ملتا ہے۔ تصوف کے ان منتشر صاحب مضامین کو بالاستعاب جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں بعض علماء نے یہ کاوش کی ہے اگرچہ وہ مختصر ہے مگر سراہنے کے لائق ہے۔

تصوف وسلوک پر امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف وحواشی میری معلومات کے مطابق یہ ہیں ان میں سے بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ۔

۱۔ کشف حقائق واسرار دقائق ۱۳۰۸ھ تصوف آمیز اشعار کی تشریح اور بعض سوالات تصوف کا جواب

۲۔ لوارق فلوح من حقیقۃ الروح ۱۳۱۱ھ روح کیا شئی ہے اس کی توضیح وتفصیل

۳۔ التلطف بجواب مسائل التصوف ۱۳۱۲ھ مسائل تصوف کا عارفانہ جواب

۴۔ نقاء السلافۃ فی البیعۃ والخلافۃ ۱۳۱۹ھ بیعت وخلافت کے احکام ومسائل کی تفصیل

۵۔ مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء ۱۳۲۷ھ طریقت، شریعت سے جدا نہیں اس پر احکام شرع اور عارفین کے اقوال

۶۔ ازھار الانوار من یم صلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ نماز غوثیہ کا ثبوت اور بہت سے اسرار و رموز کا بیان

۷۔ ازھار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ نماز کا توبہ کا طریقہ اور دیگر نکات ولطائف کا بیان

۸۔ الوظیفۃ الکریمہ دعائے ماثورہ اور شب وروز کے وظائف کا مجموعہ

۹۔ زہر الصلاۃ من شجرۃ اکارم الھداۃ ۱۳۰۵ھ دور میں شجرہ طیبہ کے اوراد

۱۰۔ عاقل وکفی من ادعیۃ المصطفے ۱۳۰۴ھ صبح وشام اور اوقات خاصہ کی کار آمد دعائیں

۱۱۔ الفوز بالآمال فی الاوفاق والدعاء ۱۳۲۶ھ اعمال ونقوش وتعویذات خاندانی وایجادی کا مجموعہ

۱۲۔ شرح الحقوق لطرح العقوق ۱۳۰۷ھ ابوین، زوجین اور استاذ وغیرہ کے حقوق کی تفصیل

۱۳۔ مشعلۃ الارشاد الی حقوق الاولاد ۱۳۰۹ھ اولاد کے پیدا ہونے سے لیکر بالغ ہونے تک کے حقوق

۱۴۔ اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوۃ ۱۳۰۹ھ زکوۃ نہ دیکر صدقہ کرنے والے کو عالمانہ وصوفیانہ تنبیہ

(۱۵)۔ الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ ۱۳۰۹ھ تصور برزخ کا جواز اور شیخ سے رابطہ قلبی کا فائدہ

(۱۶)۔ الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ ۱۳۰۶ھ قصیدۂ غوثیہ پر بعض جہال کے اعتراض کا رد

(۱۷)۔ اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد ۱۳۱۰ھ کن کن عمل کے سبب حقوق العباد سے نجات مل سکتی ہے۔

(۱۸)۔ ذیل المدعا لاحسن الدعاء ۱۳۰۶ھ دعا کے آداب، اوقات، مکانات اور اسباب

اجابت کا بیان

(۱۹) حاشیہ احیاء علوم الدین

(۲۰) حاشیہ بہجۃ الاسرار

(۲۱) حاشیہ حدیقہ ندیہ

(۲۲) حاشیہ مدخل

(۲۳) حاشیہ کتاب الابریز

(۲۴) حاشیہ کتاب الزواجر

علم جفر وتکسیر کا تعلق بھی علم تصوف سے ہے اور یہ مشائخ وصوفیہ اور اولیائے کرام کے خاص علوم سے ہیں ان فنون میں بھی امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف ملتی ہیں خاص طور سے علم تکسیر میں تو ایجاد کا درجہ رکھتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ امام احمد رضا کے مثل علم تکسیر کا جاننے والا کئی صدیوں میں پیدا نہیں ہوا تو بیجا نہ ہوگا۔ علم جفر وتکسیر چونکہ تصوف سے متعلق یا اس کا حصہ ہے لہٰذا ان دونوں فن میں ان کی جو تصانیف ہیں انہیں بھی تصانیف تصوف کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جفر وتکسیر میں ان کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ اطائب الاکسیر فی علم التکسیر ۱۲۹۶ھ

۲۔ الشواقب الرضویہ علی الکواکب الدریہ ۱۳۲۱ھ

۳۔ الجداول الرضویہ للمسائل اجفریہ، ۱۳۱۳ھ

۴۔ الاجوبۃ الرضویہ للمسائل الجفریہ، ۱۳۱۳ھ

۵۔ رسالہ در علم تکسیر

۶۔ ۱۱۵۲ مربعات

۷۔ حاشیہ الدر المکنون

۸۔ الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ

۹۔ مجتلی العروس ومراد النفوس ۱۳۲۸ھ مطبوعہ

۱۰۔ الجفر الجامع

۱۱۔ اسھل الکتب فی جمیع المنازل
۱۲۔ رسالہ فی علم الجفر
۱۳۔ سفر السفر عن الجفر بالجفر

فن تصوف میں امام احمد رضا بریلوی کی اتنی ڈھیر ساری تصانیف کو دیکھ کر دنیا کو اس سچائی کا اعتراف ویقین کرنا پڑے گا کہ وہ اس فن کے بھی امام ہیں اور کہنا پڑے گا کہ انہوں نے جس فن پر توجہ دی اسی میں یکتائے روزگار ہو گئے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی صرف ایک فقیہ اور عاشق رسول تھے وہ آئیں اور انصاف ودیانت کی آنکھوں سے ان تصنیفات کو دیکھیں ان تصانیف کو دیکھ کر انہیں اس بات کا احساس ہو جائیگا کہ واقعی وہ امام تصوف، غزالی عصر اور سرمایہ سلمان وابوذر تھے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ امام احمد رضا بریلوی نے دیگر فنون متروکہ کی طرح فن تصوف کی بھی نشاۃ ثانیہ فرمائی، تعلیم وتعلم کے ذریعہ اس کی اشاعت کی، اپنے حلقہ نشینوں اور ارادتمندوں میں تصوف وعرفان کی روح پھونکی، سالک کو صوفی بنایا ظاہر پرست کو حقیقت ومعرفت کا لذت آشنا کر دیا۔

حیرت انگیز پہلو اور افسوسناک بات یہ ہے کہ مخالفین ومعاندین نے ان پر جہاں اختراعی اور بے بنیاد الزامات لگائے وہیں ان کے محاسن، خوبیوں پر پردہ ڈالنے اور ان کی تحقیقات علمیہ کو بھی چھپانے کی لاحاصل کوششیں کیں۔ اپنوں کے جمود وتغافل اور کچھ بے توجہی کے سبب سے وہ اپنے ناپاک ومکروہ عزائم میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے مگر اب بحمدہ تعالیٰ کئی دہائیوں سے علمائے اہلسنت اور محققین ملت بیدار ہیں جنہوں نے علم وتحقیق کے حوالے سے حیات امام احمد رضا کا گوشہ گوشہ اور ان کی اکثر تصانیف وتحقیقات کا ورق ورق روشن ومنور کر دیا۔ یقین جانئے علماء ومحققین کی کدوکاوش اور حقانیت کی بدولت اغیار ومخالفین سر بگریباں ہو گئے ان کا ناطقہ بند ہو گیا۔

ہم یہاں پر ایک ایسے صاحب قلم کے قلبی تاثرات پیش کر رہے ہیں جن سے آپ کو یقین واذعان کے ساتھ معلوم ہو جائیگا کہ امام احمد رضا بریلوی فی الواقع تاج الاصفیاء اور جماعت صوفیا کے ممتاز فرد تھے۔ یہ وہ تاثرات ہیں جو ان کی زندگی میں شائع ہوئے جنہیں دنیا نے

اپنے سر کی نگاہوں سے دیکھا اور پڑھا۔ ملاحظہ فرمائیں ہفت روزہ ''خطیب'' دہلی کے شمارہ نمبر ۱۱ جلد نمبر ۱ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۱۵ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے متعلق خواجہ حسن نظامی کے تاثرات۔

بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں باعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھیں ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھیں اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگادیتے ہیں مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں ،جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے، ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیہ علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔

(بحوالہ، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں)

اہل علم سے یہ بات مخفی وپوشیدہ نہیں ہے کہ چند مسائل میں امام احمد رضا بریلوی کی خواجہ

حسن نظامی سے اختلاف تھا جیسے مسئلہ سماع اور مسئلہ سجدہ تحیت یعنی خواجہ حسن نظامی مزامیر کے ساتھ سماع اور مرشد طریقت کے لیے سجدہ تحیت و تعظیمی کے جواز و مشروعیت کے قائل تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سماع مع مزامیر اور غیر اللہ کے لیے سجدہ تحیت کو حرام و ناروا سمجھتے تھے۔ یہ اختلاف کوئی نظریاتی و اعتقادی نہ تھا جب کہ حکم شرع صادر کرنے میں حلت و حرمت کا فرق اور درست و نادرست کا اختلاف تھا۔ امام احمد رضا بریلوی کا طریقہ یہ تھا کہ حق کے خلاف اگر کوئی آواز اٹھتی تو وہ بے چین و مضطرب ہو جاتے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے اور اس آواز کو کچلنے کے لیے خرمن باطل پہ ان کا قلم برق خاطف بن کر گرتا۔ ان مسائل میں بھی انہوں نے آواز حق بلند کیا اور اصلاح و درستگی کی کوشش فرمائیں۔ ان مسائل کی تفصیل کے لیے امام احمد رضا بریلوی کے فتاوے اور یہ حوالے دیکھے جاسکتے ہیں ان میں دلائل شرعیہ، نصوص ائمہ اور اقوال اکابر سے مسئلہ دائرہ کو ثابت وواضح کیا گیا ہے۔

۱۔ مسائل سماع

۲۔ اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر ۱۳۲۰ھ

۳۔ الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ ۱۳۳۷ھ

مجھے عرض یہ کرنی ہے کہ بعض مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود خواجہ حسن نظامی کے نوک قلم سے امام احمد رضا بریلوی کے متعلق جو تاثرات ظاہر ہوئے وہ سو فیصد درست اور مبنی برحق ہیں۔

گہوارۂ علم و ادب مرکز اہلسنت بریلی شریف میں تشنگان علم و معرفت کی سیرابی کے لیے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ۱۳۲۲ھ میں جامعہ رضویہ منظر اسلام قائم فرمایا اس میں دیگر علوم کی تعلیم کے ساتھ تصوف و عرفان کی بھی تعلیم ہوتی تھی، تصوف کے عقدہائے لاینحل حل کیے جاتے بلکہ وعظ و نصیحت، ارشاد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ درس تصوف میں طلبہ کے علاوہ علماء بھی شریک جماعت ہوتے تھے۔ امام احمد رضا نے بذات خود بحر العلوم ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب رضوی بہاری مصنف، حیات اعلیٰ حضرت، کو بخاری شریف کا درس دے کر منظر اسلام کا تعلیمی افتتاح فرمایا۔

پھر دیگر درسی کتب کے ساتھ انہوں نے تصوف کی بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ مزید وضاحت کے لیے حیات اعلیٰ حضرت کا یہ اقتباس پیش ہے:

اعلیٰ حضرت سے انہوں (ملک العلما) نے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کر کے علم ہیئت، ریاضی، توقیت وتکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔ ان اسباق میں طلبہ کے علاوہ علماء کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول، ص ۵۹ مطبع ۔۔۔۔)

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رضا بریلوی نے علوم تصوف کے فروغ واشاعت میں بے پایاں حصہ لیا۔ اس کے تحفظ وبقا کے لیے علماء کی ایک جماعت تیار کی وہ جانتے تھے کہ علم وعمل سے خالی درخت کی مانند ہے۔ انہوں نے عمل بیداری کے لیے تصوف وروحانیت کی تعلیم کا انتظام کیا، علمائے ظاہر کو علم باطن سے بھی آراستہ کرایا۔

مشائخ رضویہ کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے حلقۂ ارادت میں آنے والوں کی اصلاح وتربیت کا خاص خیال رکھتے تھے وعظ وتذکیر اور پند ونصائح کے ذریعہ ان کے احوال وقلوب کی اصلاح وتطہیر کی جاتی تھی جو معتقدین ومتوسلین دور دراز مقامات کے ہوتے انہیں مکتوبات کے ذریعہ آگاہ کیا جاتا تھا۔ یہی مکتوبات ان کے لیے پیام عمل اور مشعل راہ ہوتے تھے۔ مکتوب نویسی کی تاریخ صدیوں پرانی ہے، مکتوب نگاری کے ذریعہ ہدایت وارشاد کا طریقہ زمانۂ قدیم سے رائج ہے۔ یوں ہی ملفوظات صوفیہ کی روایت بھی عرصہ دراز سے چلی آتی ہے۔ سالکین کی تعلیم وتربیت میں ملفوظات اسلاف کا بھی بڑا دخل ہے، مکتوبات سے زیادہ ملفوظات کی تالیف وتدوین پر توجہ دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا کی تاریخ میں ملفوظات کی تعداد خاصی ہے۔ بزرگوں کے مکتوبات بھی ذخیرۂ معلومات اور سرمایۂ تصوف ہے۔ جو مکتوبات معلوم اور دستیاب ہیں ان میں سے مکتوبات مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۷۸۲ھ کی مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی، مکتوبات بہشت وہشت، اور شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۳۴ھ کی مکتوبات ربانی اور منتخبات مکتوبات مشہور ومعروف ہیں۔

دستور کے مطابق امام احمد رضا بریلوی بھی اپنے ارادتمندوں کی مکتوبات وملفوظات کے ذریعہ نصیحت واصلاح فرماتے، دور دراز جگہوں کے وہ لوگ جو حاضر بارگاہ نہیں ہو سکتے تھے ان کی رہنمائی مکتوبات وخطوط کے ذریعہ ہوتی تھی۔ امام احمد رضا بریلوی چونکہ خطوط کا جواب پابندی کے ساتھ تحریر فرماتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کچھ علماء مخصوص کاموں کے لیے منتخب ومامور تھے جس کے ذمہ جو کام تھا وہ اسی کو انجام دیتا تھا۔ جوابات خطوط کے لیے بھی بعض علماء متعین تھے۔ جو خط جن باتوں کے متعلق ہوتا ویسے ہی شخص کو جواب لکھنے کے لیے دیا جاتا لہٰذا خط جس مضمون کا ہوتا اس سے متعلق شخص ہی اس کا جواب لکھتا یا جواب لکھوا دیا جاتا مگر جو خط خاص سلوک وتصوف کے متعلق ہوتا اس کا جواب بذات خود امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے تھے۔ حیات اعلیٰ حضرت کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت کو خطوط کے جواب کا بہت اہتمام تھا۔ اس خیال سے کہ خطوط ضائع نہ ہوں حاجی کفایت اللہ صاحب ساکن محلہ مہارکپور (بریلی شریف) خادم خاص اعلیٰ حضرت نے ایک خوبصورت بکس ٹین کا بنوا کر رنگ کرا آویزاں کر دیا جس میں ڈاکیہ خطوط پیکٹ وغیرہ ڈال دیا کرتا تھا۔ اس میں برابر تالا لگا رہتا کہ کوئی ان خطوط کو نکال نہ لے کنجی اس کی اعلیٰ حضرت کے پاس رہتی عصر کی نماز پڑھ کر جب باہر آ کر تشریف رکھتے تو کنجی مجھے عنایت فرماتے، بکس کھول کر اس روز کی ڈاک سب لا کر حاضر کر دیتا اور ایک ایک خط پڑھنا شروع کرتا اور خط تصوف کے متعلق ہوتا اعلیٰ حضرت خود رکھ لیتے اور اس کا جواب بہ نفس نفیس خود تحریر فرماتے۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، صفحہ ۱۹۳ مطبع بولٹن)

صوفیا کی زندگی ریاضت ومجاہدہ میں گذرتی ہے اس راہ میں انہیں محنت شاقہ کا سامنا ہوتا ہے۔ نفس کشی کی صبر آزما گھڑیوں میں جسے ثابت قدمی میسر ہوتی ہے۔ رب کائنات کی رحمت بے پایاں سے وہ نوازا جاتا ہے ورنہ اس خار دار وادی میں بڑے بڑے مجاہدہ کرنے والوں

اور جفاکشیوں کے قدم ڈگمگاتے ہیں۔ آزمائش وابتلا کا ایسا دور آتا ہے کہ وہ منزل مقصود سے بھٹک جاتا ہے۔ ہمیں امام احمد رضا بریلوی کی تعلیمات تصوف میں ریاضت ومجاہدے کی بھی تعلیم ملتی ہے وہ بذات خود تو مشغول مجاہدہ تھے ہی ان کے حلقۂ ارادت میں بھی اس کا اثر نمایاں تھا۔ ان کا زور قلم شریعت وطریقت کی گتھیاں سلجھانے میں صرف ہوا۔ جہاد بالقلم سے انہوں نے دشمنان دین کا سر قلم کر دیا۔ مجاہدہ سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مجاہدے کے لیے کم از کم اسی برس درکار ہوتے ہیں باقی طلب ضرور کی جائے۔ مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس عالم میں مسببات کو اسباب سے مربوط فرمایا گیا ہے۔ اس طریقہ پر اگر چھوڑیں اور جذب وعنایت ربانی بعید کو قریب نہ کر دے تو اس راہ کی قطع کو اسی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے اور صدق نیت کے ساتھ یہ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی ضرور کار فرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت، ۶۹)

وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم اور ان میں اپنے راستے دکھادینگے۔

عرض کیا گیا، یہ اگر اسی کا ہو کر رہے تو ہو سکتا ہے دنیوی ذرائع معاش اور دینی خدمات چھوڑنی پڑینگی۔ فرمایا، اس کے لیے یہی خدمات مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ۔

امام ابو اسحاق اسفرائنی جب انہیں مبتدعین کی بدعت کی اطلاع ہوئی پہاڑوں پر ان اکابر علماء کے پاس تشریف لے گئے جو ترک دنیا وما فیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو تم یہاں ہو اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتنوں میں ہے انہوں نے جواب دیا کہ امام یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے ہو نہیں سکتا۔ وہاں سے واپس آئے اور مبتدعین کے رد میں نہریں بہا ئیں۔ (الملفوظ حصہ اول، صفحہ ۷، ۸ بریلی شریف)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

> امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی ان کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا جنت عطا کی گئی علم کے سبب نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس

نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ بروقت بھونک بھونک کر پھیڑوں کو بھیڑیئے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں نہ مانیں یہ ان کا کام، سرکار نے فرمایا کہ بھونکے جاؤ بس اسقدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان، جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے، کسی ریاضت کی ضرورت نہیں (پھر فرمایا) اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے۔ جو عزلت نشیں ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو، اس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے اور چاروں طرف سے موصل کی عد پڑ رہی ہے۔

(الملفوظ حصہ سوم، ص ۳۰۸، مطبع بریلی شریف)

خدمت دین، اشاعت مذہب و ملت عظیم مجاہدہ ہے اس کے تناظر میں آپ حیات امام احمد رضا کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے پوری زندگی نصرت حق، حمایت مذہب و ملت، دین و سنت کی آبیاری اور امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح و تربیت میں ساری ذمہ داری سے گزاری کہ ان صعوبت انگیز راہوں سے وہ آسانیوں کے ساتھ اس طرح گزر گئے کہ آبلہ پائی کے شکار ہوئے نہ زبان و بیان کی شگفتگی میں کوئی فرق پڑا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی وفادارانہ نسبت غلامی حاصل تھی کہ ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت میں تن من دھن کی بازی لگادی، اسی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا۔ اس راہ میں نہ انہوں نے اپنوں کا خیال کیا نہ غیروں کی پرواہ، جس نے حدود شریعت سے باہر قدم نکالا یا شان اقدس میں گستاخی کی یا تنقیص و توہین آمیز کلمات کہے اسے تنبیہ کی اور اس کا ناطقہ بند کر دیا۔ ان کی مساعی جمیلہ اور مجاہدانہ کردار سے مسلمانوں کے فکر و اعتقاد میں ثبات و استحکام پیدا ہوا۔

یہی وہ عظیم مجاہدہ تھا کہ ان کے مرشد طریقت نے کسی اور ریاضت و تزکیہ کی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ داخل سلسلہ فرمانے کے بعد روز اول ہی انہیں خلافت و اجازت عطا فرمائی اور فخر و مسرت سے فرمایا کہ روز قیامت اگر احکم الحاکمین نے فرمایا آل رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں احمد رضا کو پیش کردوں گا۔ اس سبب کے باوجود امام احمد رضا بریلوی نے سلوک و طریقت کی تعلیم بھی باضابطہ حاصل فرمائی تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں:

جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا تعلیم طریقت حضور پر نور پیر ومرشد برحق سے حاصل کی۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد وسجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت وعلم تکسیر، علم جفر، وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے۔

(حیات اعلیٰ حضرت قدیم، جلد ۱، صفحہ ۴۴، ۴۵ بریلی شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ پیر ومرشد سید آل رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاحیات نہایت اہتمام وتوجہ کے ساتھ طریقت کی تعلیم دی اور بعد کے لیے اپنے ولی عہد کے حوالے کردیا اس لیے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے ایسے منازل سلوک ومعرفت بھی طے فرمائے جو مرشد کامل کی توجہ کے بغیر طے نہیں ہوتے۔

ہر ولی کے لیے صوفی کامل ہونا ضروری ہے اور ہر صوفی کامل درجۂ ولایت پر فائز وکامزن ہوتا ہے۔ کسی بھی ولی کو مدارج علیا حاصل کرنے کے لیے سلوک کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے خواہ سیر الی اللہ کی منزل ہو یا سیر فی اللہ کی، دونوں منزل کی سیر ولی کے لیے ناگزیر ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اختصار کے ساتھ ان مقامات ومدارج کی نشاندہی فرمائی ہے جو سالکین وواصلین کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتے ہیں۔

آپ سے عرض کیا گیا کہ جب طالب سلوک کی راہ چلتا ہے تو درجات فقر میں اول کونسا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر کونسا؟ فرمایا، صلحا، سالکین، قانتین، واصلین، اب ان واصلوں کے مراتب ہیں۔ نجباء، نقباء، ابدال، بدلا، اؤتا، امامین، غوث، صدیق، نبی، وصول، تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل۔

(الملفوظ حصہ چہارم، صفحہ ۲۲ قادری کتاب گھر بریلی)

مقالے کی طوالت پردامن کشاں ہے ورنہ میں امام احمد رضا بریلوی کی قدس سرہٗ کے تصوف اعتقادی اور تصوف عملی پر بھی گفتگو کرتا۔ یہاں پر ان کے تصوف علمی کی جو جھلکیاں پیش کی گئیں۔ وہ یہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کے علوم بیکراں کے سامنے یہ جھلکیاں دو چار قطروں کی مانند ہیں۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ علماء باطن، میری نظر میں عہد حاضر میں یہ تفریق تو کی جاسکتی ہے

کیونکہ موجودہ دور میں علمائے باطن کم پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن قرون اولیٰ میں یہ تفریق درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس خیر القرون میں علمائے ظاہر ہی علمائے باطن ہوا کرتے تھے ان کی زندگیاں عبادات و ریاضات اور مجاہدات شاقہ سے مالامال ہوتی تھیں۔ اس کے برخلاف عہد جدید میں علماء تو پیدا ہوتے ہیں مگر ان میں عبادات و مجاہدات کا رجحان نسبتاً کم ہوتا ہے۔ قرون سابقہ کے مثل علماء میں اگر جذبہ طاعت و بندگی پیدا ہو جائے تو آج بھی ہماری جماعت میں جنید و بایزید جیسے خدا رسیدہ افراد پیدا ہو سکتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کا وجود علم ظاہر و باطن دونوں کا سنگم تھا ان کے علم و عمل طہارت و تقویٰ ریاضت و مجاہدہ، زہد و پرہیزگاری، عشق و عرفان، خلوص و للّٰہیت، خوف و خشیت، صداقت و راستبازی اور قول و فعل کی یکسانیت کو دیکھ کر عہد ماضی کے صوفیا اور اسلاف اکابر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ آج کا ظاہر پرست انسان کل استقامت فی الدین اخلاص عمل کی بنیاد پر روحانیت کا پیکر ہو سکتا ہے کیونکہ صوفیائے کاملین میں جنید شبلی اور بایزید وغیرہ اولیائے کرام کوئی آسمان سے نہیں ٹپکے نہ زمین سے نکلے بلکہ ان وجود کو بھی انسانی خون سے نشو و نما ملا وہ بھی انسانی بستی میں پروان چڑھے، پلے بڑھے مگر یہ کہ وہ فنا فی اللہ ہو کر لافانی جلووں میں گم ہو گئے جس سے ان کو ثبات دوام حاصل ہوا کہ انکا نام جریدہ عالم پر نقش کالحجر ہو گیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی
صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۶۲

امام احمد رضا
تصوف قولی و عملی کی نادر مثال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عہد حاضر کے نابغۂ روزگار تھے۔ اُن کی عبقری شخصیت صرف برِّ صغیر ہی کے لئے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے لئے نمونہ تھی۔ وہ علم وفن کے بحرِ ذخار، فضل وکمال کے دُرِّ شاہکار، رُشد وہدایت کے تاجدار اور میدانِ تصنیف وتالیف کے شہ سوار تھے۔ مختلف علوم وفنون میں اُن کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ اُن کی ایک تصنیف ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' بارہ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے جس کی بعض جلدیں جہازی سائز کے ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اب ان جلدوں کو ترتیب جدید کے ساتھ تہذیب، تسہیل اور تخریج احادیث کے ذریعے شائع کیا جارہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اس کی صرف چار جلدیں بارہ جلدوں میں پھیل گئی ہیں اس طرح بلا شبہ اُن کا یہ کارنامہ فقۂ اسلامی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے۔

فاضلِ بریلوی کی عظیم شخصیت اور اُن کی گراں قدر خدمات کے تعلق سے دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف جہتوں سے کام ہو رہا ہے لیکن ہمارے محققین نے زیادہ تر اُن کی ادبی شخصیت ہی کو موضوعِ قلم بنایا ہے۔ کسی نے عربی، کسی نے فارسی اور کسی نے اردو زبان وادب کے تعلق سے جو اُن کی نگارشات ہیں اُن پر ریسرچ کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ ادب کے علاوہ اُن کی فقہی بصیرت پر بھی کام ہوا ہے۔ اس تعلق سے بھی چھوٹی بڑی کئی ایک تحقیقی نگارشات سامنے آئی ہیں۔ آج سے تقریباً بیس پچیس سال قبل اردو زبان وادب میں جو کام اُن کی شخصیت پر ہوا تھا اُس کی ایک فہرست تیار کی تھی اس وقت وہ فہرست بھی

تقریباً سو (۱۰۰) کے قریب پہنچ رہی تھی۔ اس بیس سال کے عرصے میں چونکہ مختلف جہتوں سے ارباب قلم نے اُن کی شخصیت کو موضوع قلم بنایا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ بیسویں صدی کے اختتام تک اس طرح کی ایک اور جامع فہرست اجمالی طور پر ہی کسی مرتب کی جائے تاکہ اُن کے معتقدین اور مداحوں نے اُن کی علمی، ادبی، سیاسی وسماجی خدمات اور دیگر زریں کارناموں کے تعلق سے جو کام کیا ہے وہ ایک نظر میں ارباب دین ودانش کے سامنے آسکے اور اس طرح ہم اپنا احتساب کرسکیں کہ اپنے اس رہنما کے تئیں جس کی بدولت ایمان کو نکھار اور عشق رسول کی دولتِ بیدار میسر ہوئی کتنے مخلص ہیں اور یہ بھی واضح ہوسکے کہ جن پہلوؤں پر بیسویں صدی میں کام نہیں ہوا ہے اکیسویں صدی میں انہیں عنوانِ قلم بنایا جائے تاکہ اس طرح اُن کی شخصیت اور کارناموں کا مکمل احاطہ کیا جاسکے۔

یہ دعویٰ تو بہ بانگِ دہل کیا جاتا ہے کہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے نوکِ قلم سے ایک ہزار سے زائد تصانیف منظرِ عام پر آئیں مگر کہیں یکجا طور پر اُن تصانیف کی فہرست بھی نہیں۔ اُن کے دورِ حیات ہی میں ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۶۲ء) نے ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کیا تھا جس میں صرف ۳۵۰ کتابوں کے اسماء درج تھے۔ اُس کے بعد اس قسم کی ایک کوشش ''المیزان'' بمبئی کے ''امام احمد رضا نمبر'' کی اشاعت کے وقت ہوئی۔ اس طویل فہرست میں فاضلِ بریلوی کی جتنی تصانیف کا اندراج تھا اُن کی تعداد ۵۴۸ تھی۔ ''انوار رضا'' نام سے وہی نمبر مکتبہ حنفیہ لمیٹڈ لاہور نے شائع کیا، بغیر کسی حذف واضافہ کے وہی فہرست اس میں بھی شائع کی گئی۔ اُس کے بعد فاضلِ بریلوی کی کئی ایک تصانیف جو بہ خطِ مصنف تھیں انہیں زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن ایسی کوئی فہرست ہمارے پاس نہیں ہے جسے اُن کے معاندین کے سامنے پیش کیا جاسکے اور فاضلِ بریلوی کی وہ کتب زمانہ کی دست برد کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔ رضا اکیڈمی بمبئی، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی اور دیگر اکیڈمیوں اور تنظیمی اداروں کی مدد سے یہ کام بہ حُسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

فاضلِ بریلوی نے خود کتنا کام کیا ہے، اس کے اعتراف میں دوسرے اہلِ قلم نے جو

اُن پر کام کیا ہے، ہم کو اس سے متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں، چاہئے تو تھا کہ ہم اپنے ماضی کا احتساب کرتے اور پھر اس کی روشنی میں مستقبل میں کام کے منصوبے اور لائحہ عمل بناتے مگر ایسا نہ کر کے ہم اپنی پرانی روِش پر گامزن ہیں اور تحریروں کے ڈھیر لگاتے چلے جا رہے ہیں۔ اُن کی شخصیت اور کارناموں کے تعلق سے جس قدر بھی کام ہوا ہے اُس کے معیار میں تو کلام ہو سکتا ہے مگر مقدار میں شاید ہی کسی کو کلام ہو۔ بشمول اقبالؔ و غالبؔ عہدِ حاضر کی کوئی ایسی شخصیت ہو جس پر اتنی کتابیں لکھی گئی ہوں مگر ان کے معتقدین کا حلقۂ اشاعت بھی ہے اور مخصوص بھی، اس لئے اقبال و غالب سے تو سب واقف ہیں اور فاضلِ بریلوی سے نہیں۔ اکیسویں صدی میں ان تمام پہلوؤں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی شخصیت اور کارناموں کے تعلق سے جتنا بھی کام ہوا ہے خواہ وہ کیسا ہی ہو ہم اس کی پذیرائی کرتے ہیں اور اس لئے اظہارِ مسرت کرتے ہیں کہ اُن کے معتقدین اور محبین کا جمود ٹوٹا اور وہ اس چیز کی طرف متوجہ ہوئے ہیں جو وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ فاضلِ بریلوی کی زندگی کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن پر باضابطہ کام کرنے کی ضرورت ہے اِس میں اُن کی شخصیت کا روحانی پہلو بھی ہے۔ رُشد و ہدایت سے متعلق اُن کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا اس لئے ضروری ہے کہ مادّیت پرستی کے اس دور میں ہر انسان ہوس پرستی اور ہوسنا کی کا شکار ہو کر اپنے معبود اور پالنہار سے بہت دور جا چکا ہے اور مادّیت ہی کو اس نے اپنی اصل سمجھ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے آج دنیا میں شر و فساد، مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کی گرم بازاری کے سبب ایک انسان دوسرے انسان ہی کو نہیں بلکہ ایک ملک دوسرے ملک کو اپنی ہوا و ہوس کا نشانہ بنانے پر تُلا ہوا ہے۔ ہر سال کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپیہ انسانی جانوں کو تباہ و برباد کرنے پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی تعلیمات اور اُن کا پیغامِ امن عام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ایک انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کے تئیں اخوت و بھائی چارہ اور میل و محبت کا جذبہ بیدار ہو سکے اور ملک و سماج دونوں فتنہ و فساد کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تعلق سے ایک بات جو سماج میں بری طرح پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی خانقاہوں میں جتنی غیر شائستہ اور غیر اسلامی حرکتیں ہورہی ہیں اس کے موجد وہی ہیں۔ اُن کی شخصیت پر یہ ایک ایسا بہتان ہے جس کا واقعیت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ آج کل جو کچھ خانقاہوں میں ہورہا ہے اسے تصوف کا نام دیا جارہا ہے یہی وجہ ہے ارباب دین ودانش کا ایک طبقہ تصوف سے بیزار ہے جس کے سبب خانقاہوں کی عظمت اور تعلیمات بزرگانِ دین کی اہمیت اُن کے دلوں سے نکل چکی ہے۔ شراب کی حرمت اپنی جگہ مسلّم ہے خواہ وہ میکدے میں پی جائے یا کسی مسجد میں، برا کام اچھی جگہ کرنے سے اس کی حرمت زائل نہیں ہوجاتی۔ جو غیر اسلامی حرکتیں خانقاہوں میں ہورہی ہیں اُن کا تعلق نہ اسلام سے ہے اور نہ ہی تصوف سے، جو کچھ تصوف ہے وہ سب کا سب اسلام ہے، اسلام سے اس کا کوئی تصادم نہیں۔ خانقاہوں کا موجودہ نظام اور اس میں جاری غیر اسلامی رسوم ورواج کو دیکھ کر جو لوگ تصوف اور اربابِ تصوف سے متنفر ہوتے ہیں اُس کی تمام تر ذمے داری خانقاہوں کے سجادہ نشین، متولیان اور منتظمین پر عائد ہوتی ہے جن کے ہاتھوں میں خانقاہوں کے نظم ونسق کی باگ ڈور ہے۔ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا قادری نے خانقاہی نظام کو درست کرنے کی صرف کوشش ہی نہیں کی بلکہ اس میں جاری غیر اسلامی رواج کا سدِّ باب کرنے کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔ قبر پر سجدہ حرام ہے، مزارات پر عورتوں کا جانا ہرگز جائز نہیں، ان موضوعات پر باضابطہ اُن کی تصانیف ہیں۔ اس واضح اور کھلی حقیقت کے باوجود بھی بعض کور باطن انہیں قبر پرستوں کا امام کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کے وہ افراد جو اپنے کو ملک کے اربابِ دین ودانش میں شمار کرتے ہیں انہوں نے براہِ راست اُن کی تصانیف کو نہیں پڑھا اور اگر پڑھا بھی ہے تو اُسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ جب بھی کسی کے نظریات کو دوسروں کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ یہی معاملہ کچھ امام احمد رضا اور اُن کے افکار ونظریات کے ساتھ ہوا۔ خانقاہی نظام سے متعلق یہاں صرف ایک مثال دے دوں تاکہ دعویٰ بغیر دلیل رہنے کا الزام راقم السطور کے ناتواں کاندھوں پر نہ آسکے۔

مزارات پر جتنے زائرین سجدہ کرتے ہیں اُن میں اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ اس غیر شرعی عمل سے وہ تو گنہگار ہوتے ہی ہیں مگر اُن سے زیادہ مجرم وہاں کے سجادہ نشین اور منتظمین ہیں جو انہیں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ یہی کیا اس کے علاوہ اور بھی غیر شرعی رسوم جو وہاں رائج ہیں اس کی بھی ذمّے داری انہیں پر عائد ہوتی ہے۔ اس تعلق سے جب کسی نے اُن سے چھیڑ چھاڑ کی تو کہتے ہوئے یہ سنا گیا کہ ہم خانقاہی مسلک کے پیروکار ہیں اس مسلک میں یہ سب جائز ہے۔ واضح رہے کہ جو لوگ اپنے کو خانقاہی مسلک کا پیروکار بتاتے ہیں وہ اصل میں دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی بڑی درگاہیں جہاں لوگ سجدہ بھی کرتے ہیں اور غیر شرعی رسوم وآداب کا ارتکاب بھی، اُن کے سجادہ نشین، متولیان، منتظمین اور ٹرسٹیز بھی لوگوں کا عقیدہ وہی ہے جو امام احمد رضا کے معاندین اور مخالفین کا ہے۔ خانقاہی نظام کا نام دے کر انہیں تو اپنا دھندہ چلانا ہے، بزرگانِ دین کا احترام اور اُن کے تقدس سے انہیں کیا لینا دینا۔ تقریب فہم کے لئے یہاں صرف ایک مثال کافی ہوگی۔

قبر پرستی کے موجد دیوبندی علما ہیں۔ امام احمد رضا اور اُن کے ہم نوا علما نے تو اس کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ قبر پرستی کی حرمت پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتاب ''الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ'' کے نام سے پاک وہند سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا ماحصل یہ ہے:

> ''مزارات کو سجدہ یا اُن کے سامنے زمین چومنا حرام اور حدِ رکوع تک جھکنا ممنوع ہے۔۔۔ مزار کو سجدہ درکنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو بھی سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔ مزارِ انور کو سجدہ تو قطعی حرام ہے۔ زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھایئے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کیجئے۔''
>
> (الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ۔ ص: ۵۱)

فاضل بریلوی نے اپنے اس موقف کو چالیس احادیث اور ایک سو دس نصوص فقیہ سے مزیّن کیا ہے۔ مزار کا طواف اور اس کی چوکھٹ کا بوسہ اور مزار شریف سے اُلٹے پاؤں

پھرنے کے تعلق سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنی تصنیف فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں فرماتے ہیں:

''مزار کا طواف محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانۂ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ نہ دینا چاہئے کہ علما اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور ادب اس میں زیادہ ہو۔ آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں مخالفت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی۔

قال اللہ ان الحکم الا للہ۔

ہاتھ باندھے اُلٹے پاؤں آنا طرزِ ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا ہو اس میں حرج نہیں ہاں مگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم۔ ص: ۸)

اس واضح موقف اور مومنانہ عقیدے کے بعد بھی اگر کوئی بغرضِ عناد انہیں قبر پرست یا قبر پرستی کا موجد کہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل تو اُس کی کور باطنی، متعصبانہ ذہنیت اور بغض کا سوائے اس کے کیا علاج ہے کہ اُسے کسی پاگل خانے میں پہنچا دیا جائے۔ مزارات کی قبر پرستی یہ اسی خانقاہی مسلک کی دین ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاضلِ بریلوی نے جب قبر پرستی کی بنیاد نہیں ڈالی تو انہیں گھناؤنے لفظ سے بدنام کرنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے؟ یہ سوال اگرچہ بہت مختصر ہے مگر اس کے جواب کے لئے دفتر درکار ہے۔ کسی حد تک اس سوال کا جواب راقم السطور کے اُس مقالے میں مل سکتا ہے جو ''امام احمد رضا اور خواجہ حسن نظامی کے نظریۂ سجدۂ تعظیمی کا تقابلی مطالعہ'' کے عنوان سے چھتیس صفحات پر مشتمل ''جہانِ رضا'' لاہور میں ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سازش علمائے دیوبند کی رچی ہوئی ہے اس لئے زیادہ بہتر جواب وہی دے سکتے ہیں۔ قبر پرستی کے موجد علمائے دیوبند ہیں اس اجمال کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے۔

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کے سجادہ نشین تھے۔ دہلی کی اس بڑی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی کی ساری تعلیم بقول ان کے لائق فرزند دہلی، "کاندھلہ" اور "گنگوہ" میں ہوئی۔ حضرت خواجہ حسن نظامی ثانی نے اپنے والد ماجد کی زندگی اور علمی، دینی وادبی کارناموں پر مشتمل "خواجہ حسن نظامی۔ حیات اور کارنامے" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۹۳ پر اپنے والد ماجد کی تعلیمی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "(والد ماجد کی) ابتدائی تعلیم بستی نظام الدین میں ہوئی۔ مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی، مولوی محمد میاں کاندھلوی، مولوی محمد یحیٰی کاندھلوی اور مولوی حکیم الہ الدین پنجابی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ انگریزی اسکول میں بھی ایک دن کے لئے گئے۔ گنگوہ کا بھی آپ نے تعلیمی سفر کیا اور وہاں آپ نے ڈیڑھ سال کی مدت تحصیل علم میں گذار دی۔"

خواجہ حسن نظامی کے جن اساتذہ کا ذکر سطور بالا میں ہوا اُن میں کوئی امام احمد رضا کا ہم خیال وہم عقیدہ نہیں، سب کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے۔ گنگوہ میں مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی کی علمی سرپرستی حاصل رہی۔ انہیں کی خدمت میں رہ کر ڈیڑھ سال تک اکتساب علم کیا۔ جہاں تک میرے علم میں ہے کاندھلہ اور بستی نظام الدین سُنّی اور صحیح العقیدہ جنہیں اب بریلوی کہا جاتا ہے ان کا نہ اُس وقت کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہی اب ہے۔ بستی نظام الدین میں خواجہ حسن نظامی ثانی صاحب نے جس مدرسہ کا ذکر کیا ہے شاید یہ وہی کاشف العلوم نامی مدرسہ ہے جو اِن دنوں تبلیغی جماعت کا اڈہ ہے۔

اب آپ خود بھی سوچئے جس نے ایک دن کے لئے بریلوی مکتب فکر کے اسکول اور مدرسے کا چہرہ نہ دیکھا ہو اور جس کی ساری تعلیم ابتدا سے لیکر انتہا تک دیوبندی مکتب فکر والے مدارس میں ہوئی ہو تو کیا جب وہ فارغ التحصیل ہو کر آئے گا تو بریلوی مکتب فکر کی نشر و اشاعت کرے گا۔ نہیں...... ہرگز ایسا نہیں کل اناء یترشح فیہ "کل شئی یترشح من الاناء"۔ (برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو برتن میں ہوتی ہے) واضح رہے کہ بریلوی مکتب فکر کا استعمال یہاں دیو

بندی مکتبِ فکر کے مقابلے میں کیا گیا ہے دراصل یہ وہی مسلک اربابِ حق ہے جس پر
صحابہ، تابعین اور بزرگانِ دین گامزن رہے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی زیورِ علم وفن سے آراستہ ہونے کے بعد کیا کیا گل کھلائے اس پر یہاں
تبصرہ مقصود نہیں، تمام تفصیلات سے قطع نظر انہوں نے "مرشد کو سجدۂ تعظیم" کے نام سے ایک
کتاب لکھی اور اپنے مریدین سے اس کا عملی تجربہ بھی کرایا۔ عقیدت کے تعلق سے یہ تحریک
اتنی کامیاب ہوئی عوام تو عوام کم پڑھے لکھے خواص بھی اس عقیدت میں اندھے ہوکر قبروں پر
اپنی پیشانی ٹیکنے لگے۔ چونکہ اسی عمل سے سجادگان کی مالی منفعت وابستہ ہوتی ہے اس لئے بسا
اوقات بادلِ ناخواستہ بھی یہ عمل بجالانا پڑتا ہے۔ بہرحال خواجہ حسن نظامی کی اسی کتاب کی
تردید میں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے "الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية" نامی
کتاب لکھی جس کے ماحصل کا سطورِ بالا میں ذکر ہوا۔ ایسے موقعوں کے لئے بولا جاتا ہے "الٹا
چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ خود دیوبندی مکتبِ فکر کے علماء نے خانقاہوں میں قبر پرستی کی بنیاد ڈالی
اور مسلم قوم کو اس میں ملوث کیا اور طعن وتشنیع کا نشانہ اُسے بنایا جارہا ہے جس نے اس کی تردید
کی اور قبر پرستی کے خلاف فتویٰ حرام صادر کیا۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے:

خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے

امام احمد رضا بلاشبہ عالم شریعت اور محرم رازِ طریقت تھے۔ شریعت اور طریقت ان دونوں
میں کوئی تصادم نہیں۔ اصل صوفی وہی ہے جس کی نظر قرآنِ حکیم اور احادیثِ شریفہ کے معانی و
مفاہیم پر ہو۔ لال پیلے کپڑے پہننے اور حدِ شرع سے لمبے سر کے بال بڑھا لینے سے کوئی صوفی
نہیں ہوجاتا۔ طریقت وہ کٹھن منزل ہے جس سے گذرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ حضرت
سیّدنا شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال و
الفضائل" ص:۷ پر حضرت سیّدنا شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالے سے لکھا ہے وہ ایک
سائل کے جواب میں فرمارہے تھے:

"اصول طريقتنا خمسة اشيا تقوى الله عز وجل في السر و
العلانية واتباع السنية في الا قوال والافعال والا عراض عن

الخلق فی الاقبال والادبار والرضا عن اللہ فی القلیل والکثیر والرجوع الی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی السراء والضراء۔

طریقت کی جن بنیادی باتوں کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے سالک طریقت کے لئے ضروری ہے کہ اسے اپنائے اور اگر وہ اِن بنیادی چیزوں سے عاری ہے تو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کو صوفی کہلائے۔"انوار الرحمٰن" کے مرتب مولوی نور اللہ نے حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کے حوالے سے تصوف کی آٹھ بنیادوں کا ذکر کیا ہے اور واضح لفظوں میں لکھا ہے انبیاء و مرسلین اور تمام سلف صالحین اِن فضائل کے جامع تھے۔انہوں نے پانچ بنیادی امر کی وضاحت اِن الفاظ میں کی ہے:

۱۔سخا۔ صوفیہ کی اصطلاح میں سخاوت ہر اُس مال و متاع کا خرچ کر دینا ہے جس کی لوگوں کی نظر میں عزت اور عظمت ہو اور اُس مال کا دریا کے پانی کی طرح بہا دینا آسان ہو۔

۲۔رضا۔ اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان اور احکام کی پیروی کے لئے خندہ پیشانی کے ساتھ ہمہ دم کمربستہ رہے۔

۳۔غربت۔ غربت یہ ہے کہ انیس سال کی عمر میں اپنے علاقے اور اپنے خاندان سے جدائی اختیار کر کے خانۂ خدا کو اپنا مسکن بنالے اور تمام عمر زمین پر بیٹھے،سوئے اور کبھی بھی اپنا پیر چارپائی اور تخت پر نہ رکھے اور بغیر کسی ضرورتِ شرعی کے مسجد سے قدم باہر نہ نکالے۔

۴۔فقر۔ فقر کی وضاحت حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس طرح کی ہے کہ فقیر وہ شخص ہے کہ اسے جس چیز کی ضرورت ہو وہ اُس کے پاس نہ ہو جب کہ آدمی کو جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے وہ غذا،مال اور دوسری چیزیں ہیں مگر اِن تمام چیزوں سے کوئی چیز اُس کے پاس نہیں ہے اس کے باوجود نیاز مندر ہے۔

اگر اِن اُصولوں پر کوئی سالک کاربند نہیں تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آداب

شریعت کی حفاظت کرے اور حرام اور شبہ کی چیزوں کی طرف ہاتھ نہ پھیلائے، چونکہ تصوف کی راہ انتہائی دشوار ہے اس لئے اس سے سالک کو بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اسے کامیابی اس میں ملتی ہے اور بسا اوقات نہیں اور اگر کامیابی مل گئی اور اس پر گامزن رہا تو بقول حضرت سیدنا شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

"اگر قائد توفیق ایزدی کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہے تو یقیناً اس کا دل جوہر ایمان اور نور معرفت سے منور ہو جائے گا۔"

(کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص:۱۱)

اس نور سے بہرہ ور کرنے کے لئے خانقاہوں میں پہلے سالکین طریقت کی تربیت کی جاتی تھی اور مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے انہیں اس قابل بنایا جاتا تھا کہ اُن کے دل میں تجلیات ربانی کی کرنیں اُتر سکیں۔ اس سلسلے میں اُن کے قلوب کو ہر قسم کی رغبت اور میلان سے خالی کیا جاتا تھا پھر انہیں اچھے اخلاق اور بہترین عادات سے مزین کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اصطلاح تصوف میں اس طریقۂ کار کو "تخلیہ" اور "تحلیہ" کہا جاتا ہے۔ سالک کو جن چار چیزوں سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی اُن میں دنیا، خلق، شیطان اور نفس شامل ہیں۔ اگر سالک ان چار محاذوں پر کامیاب رہا تو اس کا قدم کمال ہی کی طرف بڑھتا جائے گا۔

تصوف کے اِن بنیادی اُصولوں میں کہیں بھی لال پیلے کپڑے پہننے پر زور نہیں دیا گیا اور اگر کسی نے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایسے کپڑے اپنے اوپر لازم کر لینے سے تصوف کے ٹھیکیدار بن گئے جیسا کہ اس دور میں بعض نام نہاد صوفیا کا طریقہ ہے۔ جو لوگ سورۂ "مزمل" میں "یاایھا المزمل" سے عام لباس تصوف مراد لیتے ہیں یہ اُن کی نادانی ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے خرقہ پوشی کا ثبوت حاصل کیا ہے جو کسی حد تک قرین قیاس ہے۔ لغت عرب میں مزمل اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ تہجد کی نماز اور قرآن حکیم کی تلاوت کے واسطے رات کو اُٹھتے تھے تو ایک بڑا کشادہ کمبل اوڑھ لیتے تھے تاکہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور جس کمبل کو آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے وہ ایک روایت کے مطابق چودہ

ہاتھ کا لبا تھا جو خاص اسی کام کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چونکہ آپ کا کمبل اوڑھنا اس بات کی علامت تھی کہ اب آپ کا ہر لمحہ عبادت میں بسر ہوگا، آپ نمازیں پڑھیں گے اور تلاوت فرمائیں گے۔ اس لئے صاحب انوار العارفین نے لکھا ہے جو ایسا لباس (خرقہ) پہن لے اُس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان سات امور پر کاربند ہو جس کی طرف قرآنِ مجید میں اشارہ ملتا ہے:

۱۔ رات کو جاگنے میں بڑی کوشش کرنا۔

۲۔ ہر وقت دن کو اپنے مالک کی بندگی میں مشغول رہنا۔

۳۔ حق تعالیٰ کے ذکر کی مداومت کرنا۔

۴۔ تمام تعلقات سے الگ ہو کر تجرید حاصل کرنا۔

۵۔ خلقِ خدا کی ایذا کو سہنا۔

۶۔ اہلِ دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا۔

(انوار العارفین۔ ص: ۱۷۳)

مگر صورتِ حال یہ ہے کہ بعض نام نہاد خانقاہوں میں تصوف کے نام پر خرقہ پوشی بھی ہو جاتی ہے۔ لال پیلے ڈھیلے لباس بھی پہن لئے جاتے ہیں مگر اس کی جو شرائط ہیں اس کی انہیں ہوا بھی نہیں لگنے پاتی اور ملتِ اسلامیہ کے لئے اُن کی شخصیت مشعلِ راہ بننا تو کیا مسلم سماج اور کئی طرح کی دوسری برائیوں کا شکار ہو جاتے ہیں جس کا ذکر اعجاز الحق قدوسی صاحب نے "تذکرۂ صوفیائے پنجاب" میں اِن لفظوں میں کیا ہے:

> "آج کل جو برائیاں معاشرے میں مختلف انداز کی گھر آئی ہیں اُس کی واحد وجہ صوفیا کا صحیح راہنما نہ ہونا ہے۔ اطباء اور ڈاکٹروں کی طرح آج کل کے صوفیا بھی پریکٹس کر کے اپنی دُکان کو شبانہ روز فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ یہ تمام خود ساختہ پیر حقیقی تصوف سے نابلد اور ناآشنا ہوتے ہیں اسی وجہ سے روحِ تصوف کی انہیں خبر نہیں ہوتی اور اسی پر بس نہیں بلکہ وہ سلوک کی راہوں سے بھی

نابلد ہوتے ہیں اس لئے اسلامی معاشرہ تو دور کی چیز ہے اپنے
حلقۂ ارادت پر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتے۔"
(تذکرہ صوفیائے پنجاب۔ ص:۲۹)

جب تک صوفی اسلامی شریعت سے نابلد ہوتا ہے وہ تصوف کا حق نہیں ادا کرسکتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں یہ اُن کی صریح نادانی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صوفیا جن کا علم شریعت سے کوئی تعلق نہیں اور تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے کو مقرب الی اللہ گردانتے ہیں، اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوسوں دور ہوتے ہیں در اصل یہی لوگ اولیاء کے طاغوت ہیں۔ قرآن واحادیث میں ایسے ہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ اولیاء اللہ کے اقوال سے تو صاف ظاہر ہے کہ شریعت کی پیروی انسان پر ہر حالت میں فرض ہے اور طریقت وتصوف کو حاصل کرنے کے لئے علم شریعت بمنزلہ شرط ہے۔ چنانچہ "فتوح الغیب" میں لکھا ہے کہ جو طریقت وحقیقت، شریعت کے خلاف ہو وہ کفر والحاد ہے۔ یہ جاہل صوفی نہ تو اولیائے عظام کی پیروی کرتے ہیں اور نہ خدا اور رسول کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی، شریعت کے اسرار ورموز سے بھی بہرہ مند تھے اور طریقت ومعرفت کے بھی رمز آشنا تھے۔ وہ شریعت وطریقت کے ایسے سرچشمہ تھے جہاں سے عرفان وآگہی اور علوم وفنون کے دونوں دھارے ساتھ ساتھ بہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے حلقہ بگوشوں میں دنیائے طریقت ومعرفت کے تاجدار بھی تھے اور میدانِ علم وفن کے شہسوار بھی۔ اُن کی زندگی اربابِ تصوف اور صاحبانِ فکر ونظر سب کے لئے مینارۂ نور ہے۔ علم وادب کے تعلق سے تو لوگ اُن کی شخصیت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں مگر اُن کی زندگی کا روحانی پہلو اس بات کا متقاضی ہے کہ اربابِ قلم اس کی طرف متوجہ ہوں۔

باب سوم:

امام احمد رضا: اور سلاسل طریقت

امام احمد رضا کے سلاسل اجازت وطریقت

اعلیحضرت سرکار کے خلیفہ اجل ولد الاعز ملک العلما علامہ شاہ ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی وارث علوم اعلیٰ حضرت کی حیثیت سے مسلم ہیں۔ آپ کی لیاقت وصلاحیت سے دنیا آگاہ ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ کے حاضر باش رہے، ان کی زندگی کو بڑے قریب سے دیکھا تب ان پر تن من دھن سب نچھاور کیا۔ یہ اعزاز بھی آپ ہی کے نام ہے کہ آپ نے امام احمد رضا کی تمام کتابوں کے مسودہ کو مبیضہ کیا اور انہیں ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کی۔ اور یہ اعزاز بھی انہیں سے مختص ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کے سب سے پہلے اور سب سے مستند سوانح نگار ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے سلاسل طریقت کے اعتبار سے بھی جو آپ کی نوشتہ تاریخ ہے وہ علما کے یہاں مستند ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے سلاسل طریقت کو یہاں نقل کر دیا جائے۔ ذیل میں اسی غرض سے حضرت ملک العلما کی مؤلفہ "حیات اعلیٰ حضرت" سے ایک حصہ پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ کتنے واسطوں سے ان کے سلاسل کی جلوہ باری ہے۔ **ادارہ**

ا۔ سلسلہ عالیہ قادریہ جدیدہ و سلسلۃ الذہب

یہ سلسلہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک ۳۸ واسطوں سے پہنچا ہے۔

۱۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری بریلوی

۲۔ وارث العلم والفضل مولانا سید شاہ آل رسول احمدی

۳۔ حضرت سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب

۴۔ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب

۵۔ حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی

۶۔ حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی

۷۔ حضرت سید شاہ فضل اللہ کالپوی

۸۔ حضرت سید شاہ احمد کالپوی

۹۔ حضرت سید شاہ محمد کالپوی

۱۰۔ حضرت شاہ جمال الاولیاء کوڑا جہان آبادی

۱۱۔ حضرت شیخ ضیاء الدین معروف بقاضی جیا

۱۲۔ حضرت شیخ محمد معروف بہ شیخ بھکاری

۱۳۔ حضرت سید ابراہیم ایرجی

۱۴۔ حضرت شیخ بہاء الدین

۱۵۔ حضرت سید احمد الجیلانی

۱۶۔ حضرت سید حسن

۱۷۔ حضرت سید موسیٰ

۱۸۔ حضرت سید علی

۱۹۔ حضرت سید محی الدین ابونصر

۲۰۔ حضرت سید ابوصالح

۲۱۔ حضرت سید عبدالرزاق

۲۲۔ قطب الاقطاب حضور غوث الاعظم سید ابومحمد محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی

۲۳۔ حضرت شیخ ابوسعید مخزومی

۲۴۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہکاری

۲۵۔ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی

۲۶۔ حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی

۲۷۔ حضرت شیخ ابوبکر شبلی
۲۸۔ حضرت شیخ جنید بغدادی
۲۹۔ حضرت شیخ سری سقطی
۳۰۔ حضرت شیخ معروف کرخی
۳۱۔ حضرت امام علی رضا
۳۲۔ حضرت امام موسی کاظم
۳۳۔ حضرت امام جعفر صادق
۳۴۔ حضرت امام باقر
۳۵۔ حضرت امام زین العابدین
۳۶۔ حضرت سید الشہداء امام حسین
۳۷۔ حضرت امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین
۳۸۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبی محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وخلفاء وعلماء امتہ اجمعین۔ آمین

۲۔ سلسلہ قادریہ آبائیہ قدیمہ
یہ سلسلہ ۳۴ واسطوں سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک پہنچا ہے۔
۱ تا ۶۔ از اول تا شاہ برکت اللہ مثل سلسلہ اول
۷۔ حضرت شاہ اویس
۸۔ حضرت سید شاہ عبد الجلیل
۹۔ حضرت سید شاہ میر عبد الواحد بلگرامی
۱۰۔ حضرت سید شاہ مخدوم حسینین
۱۱۔ حضرت سید شاہ مخدوم صفی
۱۲۔ حضرت شیخ سعد بڑھن
۱۳۔ حضرت شیخ مینا لکھنوی

۱۴۔ حضرت شیخ سارنگ
۱۵۔ حضرت سید راجو قتال
۱۶۔ حضرت شیخ سید مخدوم جہانیاں
۱۷۔ حضرت شیخ نور الدین علی طواشی
۱۸۔ حضرت شیخ صالح مجذوب بردی
۱۹۔ حضرت شیخ کمال الدین کوفی
۲۰۔ حضرت شیخ سعد الدین بن الفتوح
۲۱۔ حضرت غوث الثقلین عبد القادر جیلانی
۲۲۔ حضرت شیخ اسود دینوری
۲۳۔ حضرت شیخ احمد اسود دینوری
۲۴۔ حضرت شیخ ممشاد علو دینوری
۲۵۔ حضرت شیخ ابو العباس نہاوندی
۲۶۔ حضرت شیخ عبد اللہ خفیف
۲۷۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی
۲۸۔ حضرت خواجہ سری سقطی
۲۹۔ حضرت خواجہ معروف کرخی
۳۰۔ حضرت خواجہ داؤد طائی
۳۱۔ حضرت خواجہ حبیب عجمی
۳۲۔ حضرت خواجہ حسن بصری
۳۳۔ حضرت امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین
۳۴۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

۳۔ سلسلہ قادریہ رزاقیہ اسمعیلیہ

اس سلسلہ میں امام احمد رضا بریلوی سے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہما تک ـــــــ ۲۴

واسطے ہیں۔

۱ تا ۴۔ از اول تا حضرت حمزہ مثل سلسلہ اول

۵۔ حضرت سید اسماعیل مولوی

۶۔ حضرت سید عبد الرزاق پانسوی

۷۔ حضرت سید عبد الصمد خدانما احمد آبادی

۸۔ حضرت سید ہدایت اللہ خدانما

۹۔ حضرت شیخ حسنین خدانما

۱۰۔ حضرت شیخ امان اللہ امانی

۱۱۔ حضرت ابراہیم شیخ بکری

۱۲۔ حضرت شیخ ابراہیم ملتانی

۱۳۔ حضرت میران بخش سید فرید بکری

۱۴۔ حضرت شیخ جلال الدین قادری

۱۵۔ حضرت سید محمد

۱۶۔ حضرت شیخ بہاء الدین

۱۷۔ حضرت شیخ ابو العباس

۱۸۔ حضرت سید حسن

۱۹۔ حضرت شیخ موسیٰ

۲۰۔ حضرت سید علی

۲۱۔ حضرت سید احمد براد سید محمد بغدادی

۲۲۔ حضرت سید محمد بن ابی الصالح

۲۳۔ حضرت سید عبد الرزاق

۲۴۔ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین الی آخر السلسلۃ

۳۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میرزاقیہ انواری

۱۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی
۲۔ حضرت سید شاہ آل رسول احمدی
۳۔ حضرت نور الحق معروف بہ مولانا نور
۴۔ حضرت شیخ انوار الحق معروف بہ مولانا انوار
۵۔ حضرت شیخ احمد عبد الحق
۶۔ حضرت شیخ عبد الرزاق بانسوی قدس سرہ الی آخر السلسلۃ الثانیۃ

۵ سلسلہ عالیہ قادریہ منوریہ معمریہ

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا قادری بریلوی
۲۔ حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری
۳۔ حضرت حافظ عارف علی حسین مراد آبادی
۴۔ حضرت شیخ ملا وریار خاں
۵۔ حضرت شیخ عبد الکریم
۶۔ حضرت شیخ شاہ منور
۷۔ حضرت شیخ شاہ دولہ
۸۔ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی
۹۔ حضرت شیخ ابو سعید مخزومی
۱۰۔ حضرت شیخ ابو الحسن ہکاری
۱۱۔ حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی
۱۲۔ حضرت عبد الواحد بن عبد العزیز تیمی
۱۳۔ حضرت شیخ شبلی
۱۴۔ حضرت شیخ جنید بغدادی
۱۵۔ حضرت امام حسن عسکری
۱۹۔ حضرت امام علی نقی

۱۷۔ حضرت امام محمد تقی

۱۸۔ حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین الی آخر السلسلۃ الاولیٰ وہذہ اقرب السلاسل

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب مارہروی قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ سلسلہ قریب ترین سلاسل عالیہ ہے اس لئے کہ حضرت شاہ دولہ قدس سرہ سے پانچ سو سال یا اس سے زیادہ عمر پائی اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت سے لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کل ۲۵ واسطے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ایک دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں دس ائمہ اطہار ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۶۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ قدیمہ

۱ تا ۱۶۔ از اول تا مخدوم جہانیاں مثل سلسلہ دوم

۱۷۔ حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلوی

۱۸۔ حضرت سید نظام الحق والدین بدایونی

۱۹۔ حضرت سید فرید الدین گنج شکر

۲۰۔ حضرت سید قطب الدین بختیار کاکی

۲۱۔ حضرت سید سلطان الہند خواجہ غریب نواز حبیب اللہ وارث النبی معین الحق سنجری اجمیری

۲۲۔ حضرت خواجہ محمد عثمان ہارونی

۲۳۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی

۲۴۔ حضرت سید مودود چشتی

۲۵۔ حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی

۲۶۔ حضرت محمد بن ابو احمد چشتی

۲۷۔ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی

۲۸۔ حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی

۲۹۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری

۳۰۔ حضرت خواجہ ہبیرہ بصری

۳۱۔ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی

۳۲۔ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم

۳۳۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض

۳۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید

۳۵۔ حضرت خواجہ حسن بصری

۳۶۔ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین

۳۷۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

۷۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ جدیدہ

۱تا۱۰۔ از اول تا شاہ جمال الاولیا مثل سلسلہ اولی۔

۱۱۔ حضرت سید جلال بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں

۱۲۔ حضرت شیخ بہاء الدین

۱۳۔ حضرت شیخ سالار بدہ

۱۴۔ حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری

۱۵۔ حضرت شیخ محمد عیسی

۱۶۔ حضرت شیخ فتح اللہ بدایونی

۱۷۔ حضرت شیخ صدر الدین

۱۸۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی

۱۹۔ حضرت محبوب الہی نظام الملۃ والدین

۲۰۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

۲۱۔ حضرت قطب الاولیا قطب الدین بختیار کاکی

۲۲۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی قدس سرہم الی آخر السلسلۃ۔

۸۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ قدیمہ

۱تا۱۶۔ از اول تا مخدوم جہانیاں مثل سلسلہ چشتیہ قدیمہ

۱۷۔ حضرت شیخ رکن الدین

۱۸۔ حضرت شیخ صدر الدین

۱۹۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

۲۰۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی

۲۱۔ حضرت شیخ ضیاء الدین عبد القاہر

۲۲۔ حضرت وجیہ الدین ابو حفص عمر

۲۳۔ حضرت خواجہ محمد معروف بہ خواجہ عمومیہ

۲۴۔ حضرت خواجہ ابو احمد اسود دینوری

۲۵۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری

۲۶۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی

۲۷۔ حضرت شیخ سری سقطی

۲۸۔ حضرت خواجہ معروف کرخی

۲۹۔ حضرت خواجہ داؤد طائی

۳۰۔ حضرت خواجہ حبیب عجمی

۳۱۔ حضرت خواجہ حسن بصری

۳۲۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

۳۳۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۹۔ سلسلہ عالیہ سہروردی جدیدہ

۱ تا ۱۰۔ از اول تا حضرت جمال الاولیا مثل سلسلہ چشتیہ جدیدہ

۱۱۔ حضرت شیخ قیام الدین

۱۲۔ حضرت شیخ قطب الدین

۱۳۔ حضرت شیخ آدھن جونپوری

۱۴۔ حضرت شیخ بہاء الدین

۱۵۔ حضرت شیخ علاؤالدین

۱۶۔ حضرت سید راجو قتال

۱۷۔ حضرت سید جلال بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں قدس اسرارہم الی آخر السلسلۃ العالیہ السہروردیۃ القدیمۃ

۱۰۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ صدیقیہ

۱ تا ۹۔ از اول تا سید محمد کالپوی مثل سلسلہ قادریہ جدیدہ

۱۰۔ حضرت شیخ ابو العلا اکبر آبادی

۱۱۔ حضرت شیخ عبداللہ

۱۲۔ حضرت سید محمدی

۱۳۔ حضرت خواجہ محمد عبدالحق

۱۴۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار

۱۵۔ حضرت خواجہ یعقوب چرخی

۱۶۔ حضرت خواجہ برہان الاصفیاء بہاء الدین نقشبندی

۱۷۔ حضرت خواجہ امیر کلال

۱۸۔ حضرت بابا محمد سماسی

۱۹۔ حضرت خواجہ علی رامیتی

۲۰۔ حضرت خواجہ محمود ابو الخیر فغنوی

۲۱۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری

۲۲۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی

۲۳۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی

۲۴۔ حضرت شیخ ابو علی طوسی فارمدی

۲۵۔ حضرت خواجہ ابو القاسم گرگانی

۲۶۔ حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی

۲۷۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی

۲۸۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق

۲۹۔ حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق

۳۰۔ حضرت سید سلمان فارسی

۳۱۔ حضرت افضل الاولیاء العالمین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

۳۲۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۱۔ سلسلہ عالیہ نقشبندی علوم صدیقیہ

۱ تا ۲۸۔ از اول تا امام جعفر صادق

۲۹۔ حضرت امام سیدنا محمد باقر

۳۲۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

۳۳۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۲۔ سلسلہ عالیہ بدیعیہ مداریہ

۱ تا ۱۰۔ از اول تا حضرت جمال الاولیا مثل سلسلہ قادریہ جدیدہ

۱۱۔ حضرت شیخ قیام الدین

۱۲۔ حضرت شیخ قطب الدین

۱۳۔ حضرت سید جلال عبد القادر

۱۴۔ حضرت سید مبارک

۱۵۔ حضرت سید اجمل

۱۶۔ حضرت عارف اجل بدیع الدین مدار مکن پوری

۱۷۔ حضرت شیخ عبد اللہ شامی

۱۸۔ حضرت شیخ عبد الاول

۱۹۔ حضرت شیخ امین الدین

۲۰۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

۲۱۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۱۳۔ سلسلہ عالیہ علویہ مناسبیہ

یہ طریقہ تمام طریقوں سے قریب تر ہے

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا قادری بریلوی

۲۔ وارث الفضل والعلم سید شاہ آل رسول مارہروی

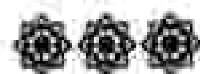
۳۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی

۴۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۵۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری معروف بہ نوری میاں صاحب مارہروی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی قدس سرہ خواب میں زیارت مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مشرف ہوئے اور درخواست کی کہ مجھے شرف بیعت سے مشرف فرمایا جائے، مولائے کائنات نے دست مبارک پھیلایا اور ان کو بیعت سے مشرف فرمایا۔ اس واقعہ کو مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے ایک مستقل رسالہ میں بہت ہی مفصل تحریر فرمایا ہے۔

فقیر (مولانا ظفر الدین بہاری) کہتا ہے کہ یہ طریقہ مناسبہ سب طریقوں سے قریب سے قریب تر ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوتے ہیں **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**۔ طریقہ تمام طریقوں سے قریب تر ہے (حیات اعلیٰ حضرت سوم، ص: ۶۱ تا ۸۱۔ ادارہ اشاعت مسجد نور الاسلام بولٹن)



: سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی،
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ برکاتیہ نوریہ امیریہ، مارہرہ مطہرہ

امام احمد رضا اور مشائخ مارہرہ مطہرہ

سادات مارہرہ نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کو اتنا لوٹ کر چاہا کہ انھیں چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب عطا فرمایا اور یہیں سے بریلی شریف کے عقیدت مندوں کے دلوں میں یہ تاثر گھر کر گیا کہ مارہرہ کو اپنی شہرت اور مقبولیت کے لیے بریلی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کچھ حضرات تو یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے کہ مارہرہ کو سارا فیض بریلی سے ملا ہے۔ جو لوگ مارہرہ اور بریلی کے رشتوں کی ماہیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دونام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ نہ بریلی مارہرہ سے الگ ہے، نہ مارہرہ بریلی سے الگ ہے۔

بریلی کے معزز پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئے، احمد رضا علم و فضل کے جملہ لوازمات سے لیس ہونے کے بعد نسبت کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت ہند میں کتنے ہی ایسے گھرانے تھے جن کے پاس علم و فضل بھی تھا اور نام و نسب بھی۔ کچھوچھہ شریف، دلی، مرادآباد، بدایوں، پھپھوند، حیدرآباد، اجمیر شریف کتنے ہی گھرانے تھے جو روحانیت کے آسمان پر سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ احمد رضا کہیں سے بھی فیض حاصل کر سکتے تھے۔ مگر ان کی دوربیں نگاہوں نے ضلع ایٹہ کے ایک چھوٹے سے قصبے کا انتخاب کیا جہاں درویش صفت نبی زادے اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو سنبھالے حجرہ نشین تھے۔ تھے بھی وہ آل رسول اور نام بھی تھا اُن کا آل رسول۔ یہ وہ قادری مسند تھی جہاں بغدادی و اجمیری دو آتشہ چھن رہی تھی۔ مارہرہ کے سادات کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ان کا عالی نسب جو حسینی خاندان کے سونے کی کڑیوں سے جڑا ہوا تھا۔ جس میں سونے کے علاوہ کسی اور دھات کا ٹانکا نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت کو معلوم تھا کہ یہ وہ خاندان ہے جس نے اپنے شجرۂ نسب کو ہر قسم کی ملاوٹ سے اب تک محفوظ

رکھا ہے۔ جو اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کی شادی صرف انھی خاندانوں میں کرتے ہیں جو انھی کی طرح مضبوط اور مسلسل نسب نامہ رکھتے ہیں۔ مارہرہ کا خاندان نجیب الطرفین سادات کا خاندان ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سادات مارہرہ کے طریقتی شجرے کو بھی بڑے غور سے دیکھا تھا۔ سبحان اللہ! چشتیت ایسی کھری کہ ان کے جد اعلیٰ کو قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے براہ راست ملی۔ قادریت ایسی انمول کہ ایک طرف پیر سے مرید کو بخشا ہوا سلسلہ دوسری طرف باپ سے بیٹے کو عطا کیا ہوا سلسلہ۔ گویا سونے پر سہاگہ!

اعلیٰ حضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ سادات مارہرہ کا یہ وہ مقدس گھرانہ ہے جسے سرکار بغداد غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے یہ بشارت دی گئی ہے: یہی پیام یہی رسالہ، کہیو برکات مارہرہ والا۔ ساتھ ہی حضور تاج دار جیلاں رضی اللہ عنہ نے اپنی تسبیح کے سات منکے (دانے) حضرت بوعلی شاہ قلندر کی معرفت تاج دار مارہرہ حضور شاہ برکت اللہ قدس سرہ کو بھجوائے اور سات منکوں کی صورت میں سات اقطاب کی بشارت دی۔ ان اقطاب میں پانچ اقطاب سے اعلیٰ حضرت اچھی طرح واقف تھے یعنی حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ آل محمد سرکار کلاں قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ۔ اور اعلیٰ حضرت کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ سرکار بغداد کی بشارت پوری ہو کر رہے گی اور اسی خاندان میں دو قطب اور ہوں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خاتم الاکابر حضور سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ اور حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے اس سلسلے کو پورا کیا۔ آج دنیائے طریقت میں مارہرہ شریف غالباً وہ واحد آستانہ ہے جہاں ایک ہی چھت کے نیچے سات اقطاب آرام فرما ہیں۔ فللہ الحمد!

اس طرح ہم نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نے اپنا سودا کرنے کے لیے ایک ایسی نورانی دوکان کو منتخب فرمایا جہاں کا بھاؤ اس وقت دنیائے سنیت میں سب سے اونچا تھا۔ جس وقت اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد حضرت مولینا نقی علی خاں کے ہمراہ حضور اچھے میاں قدس سرہ کے مکان سجادگی کے حجرۂ سجادگی میں داخل ہوئے اور تخت احمدی پر براجمان تاج دار مارہرہ شاہ آل رسول احمدی کے سامنے دو

زانو ہو کر بیٹھے، اس وقت کسے خبر تھی کہ جو نو جوان آج بیعت کی غرض سے حاضر ہوا ہے وہ بیعت کے علاوہ اور بہت کچھ لے کر اس حجرہ سے نکلے گا۔ بیعت کے بعد کے واقعات میں اکثر غلو کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ آل رسول نے اعلیٰ حضرت کو بیعت کرنے کے بعد فرمایا: مجھے بہت دنوں سے اپنی نجات کی فکر دامن گیر تھی۔ الحمد للہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ گویا بریلی کے مولانا احمد رضا خاں قطب مارہرہ شاہ آل رسول احمدی کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے تھے۔ اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ حضور خاتم الاکابر نے انھیں خاندان کی تمام خلافتوں، اجازتوں اور وظائف و اوراد سے بھی نواز دیا۔ جب حضور خاتم الاکابر کے بھتیجے اور خلیفہ حضور سید شاہ حسین حیدر کو معلوم ہوا تو انھوں نے دبی زبان سے پوچھا: ہمارے خاندان کا تو یہ وطیرہ رہا ہے کہ خلافت دینے سے پہلے سالہا سال مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور جب طالب ریاضت و مجاہدے کی بھٹی میں تپ کر کندن بن کر نکلتا ہے تب اس کے سر پر خلافت کا تاج رکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے بریلی کے ان صاحب زادے کو کسی بھی طرح کے مجاہدے کے بغیر ساری خلافتیں اور اجازتیں عطا کر دیں! خاتم الاکابر مسکرائے اور فرمایا: اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت و مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی و مزکّٰی قلب لے کر آئے: انھیں ریاضت و مجاہدے کی کیا ضرورت تھی؟ انھیں صرف نسبت کی ضرورت تھی، سو وہ ہم نے دے دی۔ اس کے بعد حضور خاتم الاکابر نے وہ مشہور و معروف جملہ ارشاد فرمایا: "ایک عرصے سے یہ فکر لاحق تھی کہ بروزِ حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول تو ہمارے لیے کیا لایا تو میں کیا پیش کروں گا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اب حشر میں رب پوچھے گا: اے آلِ رسول! ہمارے لیے کیا لایا تو کہہ دوں گا: احمد رضا کو لایا۔" ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ روایتوں کے تضاد نے اصل واقعہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

حضور خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول احمدی نے اپنے ولی عہد سید شاہ ابو الحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ کو اس موقع پر ایک وصیت فرمائی جس سے ۲۲ سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی جملہ علوم و فنون میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "دیکھو اب ہمارے خاندان کے اکابر کی جو

کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولینا احمد رضا اور مولینا عبد القادر بدایونی) کو دکھائی جائیں اور یہ جیسی اصلاح کریں قبول کی جائے پھر اشاعت ہو۔"

حجرۂ سجادگی میں بیعت ہونے کے بعد جب اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے تو خانقاہ کے خدام انھیں دیکھ کر بے اختیار اسم ذات اللہ کا نعرہ لگا بیٹھے۔ خانقاہ کی روایت کے مطابق خدام یہ نعرہ صرف صاحب سجادہ کو دیکھ کر لگاتے تھے۔ آج یہ کیا ہوا کہ بریلی کے نوجوان کو دیکھ خدام خانقاہ اپنی روایت فراموش کر بیٹھے۔ بات یہ تھی کہ جس وقت اعلیٰ حضرت حجرہ سے باہر آئے ان کی شکل وشباہت ہو بہو شاہ آل رسول کی جیسی تھی، اسی لیے خدام بارگاہ مرید پر شیخ کا دھوکہ کھا گئے اور بے ساختہ اسم جلالت بلند کر بیٹھے۔ سبحان اللہ! شاہ آل رسول نے علم وفضل سے مالامال اپنے مرید کو اپنی ایسی نسبت عطا فرمائی کہ رات دن خدمت میں حاضر رہنے والے نمک خوار ایک لمحہ کے لیے پہچان نہ سکے کہ کون آقا ہے اور کون غلام!

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے کہ حجرۂ سجادگی میں اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد ساتھ ساتھ داخل ہوئے تھے۔ شاہ آل رسول احمدی نے دونوں کو ایک ساتھ ہی بیعت کیا تھا مگر خلافت کا شرف صرف احمد رضا کو ملا جبکہ والد مولینا نقی علی خاں بھی علم وفضل کے آسمان پر سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ دراصل شاہ آل رسول احمدی کی دوررس نگاہوں نے اپنی مومنانہ فراست سے یہ دیکھ لیا تھا کہ بریلی کا یہ نوجوان کل دنیائے سنّیت کا مجدد اور علوم ظاہری وباطنی کا امام بن کر چمکے گا اور اس کے سر پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت کا تاج رکھا جائے گا۔

امام احمد رضا نے دنیا میں اعلیٰ حضرت خطاب پایا۔

میں آج بھی یہی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مولینا احمد رضا خاں محقق بریلوی کو کیسا غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ فلسفہ، ریاضی وہیئت، فقہ، اصول فقہ، فن رجال، تفسیر، تصوف، کلام، منطق، تاریخ وسیر، قرآن وحدیث تقریباً ۵۴ علوم میں اتنا کچھ سرمایہ عطا کیا کہ دنیا انھیں علوم ظاہر وباطن کا امام ماننے پر مجبور ہوگئی۔ اپنے تو اپنے، غیروں

نے بھی اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ایک تحقیقی فتوے کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کے ایک جلیل القدر عالم مولینا سید اسماعیل بن سید خلیل آفندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) نے فرمایا تھا:

(ترجمہ) خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ بے شک ان علمی جواہر پاروں کو اگر امام اعظم قدس سرہ دیکھتے تو ضرور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کے مؤلف کو اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل فرمالیتے۔

برِصغیر کے روحانی دانش وروں میں امام احمد رضا کا نام سرفہرست آتا ہے۔ مسند افتاء پر جلوہ افروز ہیں۔ سامنے فتویٰ نویس بیٹھے ہیں۔ بیک وقت کئی کاتبوں کو مختلف زمروں کے فتوے املا کرا رہے ہیں۔ دائیں بازو پر بیٹھے کاتب کو میراث کے فتوے کا ایک پیراگراف لکھاتے ہیں، پھر بائیں طرف بیٹھے ہوئے کاتب کی طرف مخاطب ہوتے ہیں اور اسے حلال وحرام کے فتوے کا ایک پیراگراف لکھواتے ہیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے کاتب کو طلاق کے مسئلے پر ایک پیراگراف املا کرتے ہیں۔ ایک اور کاتب کو عقیدے کا کوئی مسئلہ لکھواتے ہیں۔ پھر پہلے کاتب کی طرف لوٹتے ہیں اور وہیں سے املا شروع کرا دیتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔ اسی طرح باری باری ہر کاتب کو املا کراتے ہیں۔ مضمون کا تسلسل وہی، کہیں ذرہ برابر کنفیوژن نہیں۔ مکان کے باہر بیٹھک میں متوسلین کا ہجوم ہے۔ لوگ دور دور سے آئے ہیں اور اپنے ساتھ طرح طرح کے مسائل لائے ہیں۔ مگر سوداگران محلہ کا یہ درویش سب کی تسلی کر رہا ہے۔ مصلیٰ بچھا ہوا ہے، عبادت میں مصروف ہیں۔ مرشد کے آستانے سے جو اجازتیں عطا ہوئی ہیں، انھیں وظیفے کے روپ میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کبھی مراقبے میں چلے جاتے ہیں تو مارہرہ شریف ہو کر مدینہ پہنچ جاتے ہیں۔ عبادت سے فارغ ہو کر زمینداری پر توجہ دیتے ہیں۔ کہیں زمین کا مقدمہ ہے، کہیں کھیت کا، کہیں لگان کا، کہیں چک بندی کا، سب کچھ انھی کو دیکھنا ہے۔ ان سارے کاموں کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں سے بھی نپٹنا ہے، ان کی دشنام طرازیوں اور بہتان تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینا ہے۔ یہ کیسا دماغ ہے کہ ایک ساتھ اتنے بہت سے کام کر رہا ہے اور وہ بھی نہایت نظم و ضبط کے ساتھ۔

اعلیٰ حضرت نے دس ہزار صفحات پر مشتمل فتوے لکھے جنھیں دنیائے سنّیت میں فتاویٰ رضویہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان فتاویٰ کے علاوہ ایک ہزار سے زیادہ کتابیں اور رسائل لکھے۔ ان فتاویٰ اور کتابوں میں اعلیٰ حضرت نے حوالہ کے لیے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان کی تعداد کم و بیش پانچ ہزار ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کتابوں کو حوالہ کے روپ میں پیش کر رہے ہیں ان کا مطالعہ بھی ضرور کیا ہوگا اور ان کی عبارتیں ذہن میں محفوظ بھی رکھی ہوں گی۔ اتنی مصروفیات کے بعد وہ کون سا وقت رہا ہوگا جب اعلیٰ حضرت نے عشقِ رسول میں ڈوبی اپنی شاعری کی ہوگی۔ شاعری بھی کیسی کہ اپنے وقت کے استاد حضرت داغ دہلوی کو کہنا پڑا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم ۔۔۔۔ جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

اعلیٰ حضرت نے ہندستان میں اردو شاعری کو ایک نیا سلیقہ، ایک نیا آہنگ، ایک نیا رنگ، ایک نیا روپ عطا کیا۔ انھوں نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو اپنے شہوار قلم کی جولانیوں کے لیے بطور میدان منتخب کیا۔ انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدی شیرازی اور اردو میں جوش کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائق بخشش کے اوراق اُلٹیے، زبان و ادب کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی نعتیہ شاعری میں جس رنگ و آہنگ کو پیش کیا وہ دوسروں کے نصیب میں اس لیے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے پیچ و خم میں پھنسے رہ گئے یا غلو و مبالغہ کی دلدل میں دھنسے رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال کی روشنی میں لکھا۔ خود فرماتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔۔۔۔ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ۔۔۔۔ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت کا لکھا ہوا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس کا نام ہے "الامن و العلی"۔ اس میں انھوں نے ساٹھ قرآنی آیتوں اور تین سو سے زیادہ احادیث کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ بلاؤں کو دفع کرنے والے ہیں۔ آج تقریباً ایک صدی ہونے کو آئی، مخالفین میں سے کسی ایک کو بھی اس رسالے کے مشتملات کا رد کرنے کی جرأت نہیں

ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے مبتدعین زمانہ کے محاسبے اور ان کے سرغنوں کی سرکوبی کے لیے پانچ سو کتابیں لکھیں جن میں سے ایک کا بھی جواب مخالفین سے نہیں بن پایا۔ اعلیٰ حضرت کو جن علوم پر مہارت حاصل تھی، ان میں درجنوں وہ علوم ہیں جنھیں آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا۔ کتنے ہی علوم وہ ہیں جنھیں اساتذہ کی مدد کے بنا محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر سیکھا تھا۔ کثیر تعداد ان علوم کی ہے جن پر آپ نے اپنی بصیرت ومہارت سے اضافے فرمائے۔ چند علوم وہ ہیں جو پہلے فنی طور پر مدوّن نہیں تھے، آپ نے انھیں مدوّن فرمایا۔ ان میں وہ علوم آتے ہیں جو مٹ چکے تھے، آپ نے ان کا احیا فرمایا۔ کچھ علوم ایسے ہیں جنھیں آپ نے خود ایجاد فرمایا۔ اگر یہاں ان تمام علوم کی مثالیں الگ الگ پیش کرنے بیٹھے تو اس کے لیے ایک الگ کتاب ہی لکھنی پڑے گی۔ حضرت مفتی شریف الحق رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے صفحات کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ ہے اور بعض محققین کے مطابق یہ تعداد سولہ لاکھ تک پہنچتی ہے۔

آج بہت سے نام کے سیدزادے اعلیٰ حضرت کا نام سن کرناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ کچھ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میلادِ مصطفیٰ کی محفلوں میں اعلیٰ حضرت زندہ باد کے نعرے کیوں لگائے جاتے ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی دہائی کیوں دی جاتی ہے۔ یہ لوگ اعلیٰ حضرت کے نام سے بدکتے ہیں مگر جب کبھی وہابی اور دیوبندی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے ہی مدد لینی پڑتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سنّیوں کو دین کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے ہر قسم کا ہتھیار عطا کیا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کو بہت کم الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس طرح ہوگا:

''جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمھارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اسے اپنے اندر سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینک دو۔'' (وصایا شریف)

مارہرہ شریف کے مشائخین کرام کو اعلیٰ حضرت سے ایک عجیب سا لگاؤ تھا اور اعلیٰ حضرت

کو اپنے پیر خانے کے ایک ایک فرد سے عشق تھا۔ ان کا یہ شعر صرف اور صرف مارہرہ شریف کے سادات کے متعلق ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ　　بول بالے میری سرکاروں کے

اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے کا اتنا ادب کرتے تھے کہ مارہرہ شریف کے ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی اپنی جوتیاں اتار کر ہاتھ میں لے لیتے۔ نظمی کہتا ہے:

کبھی مرشد کے در پر پاؤں میں جوتا نہیں پہنا　　مرید باصفا ہونا یہ شان اعلیٰ حضرت ہے

اعلیٰ حضرت کو تاج دار مارہرہ حضور سید شاہ مہدی میاں صاحب سے بڑا لگاؤ تھا۔ اکثر مارہرہ شریف تشریف لاتے تو حضرت مہدی میاں صاحب کے دولت کدے پر ہی مہمان ہوتے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضور مہدی میاں صاحب کو بادی اور بواسیر کی تکلیف لاحق ہوئی۔ آپ کے ایک مرید جو حج کر کے لوٹے تھے، مارہرہ آئے تو مرشد کی تکلیف معلوم ہوئی۔ انھوں نے تانبے کا ایک چھلّہ حضور مہدی میاں صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: سرکار، یہ چھلّہ میں نے وادیِ اُحد میں سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانے پر حاضری کے وقت حاصل کیا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس چھلّے کے پہننے سے بواسیر، سفرہ اور بادی جیسی ساری تکلیفوں میں راحت ملتی ہے۔ حضور مہدی میاں کو اس وقت اتنی شدید تکلیف تھی کہ فوراً وہ چھلّہ لے کر ہاتھ کی انگلی میں پہن لیا۔ اتفاقاً انہی دنوں اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف تشریف لائے اور حضور مہدی میاں کے دولت کدے پر قیام کیا۔ اعلیٰ حضرت کی نظر حضور مہدی میاں کی انگلی پر پڑی تو دیکھا کہ تانبے کا چھلّہ پہنے ہوئے ہیں۔ مرشد زادے کا معاملہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے حسنِ تدبیر سے کام لیا۔ حضور مہدی میاں سے عرض کیا: حضور کچھ دنوں سے مجھے بادی کی شکایت ہے اگر آپ کوئی دوا تجویز کر سکیں تو عنایت فرمائیں۔ حضور مہدی میاں نے اپنی انگلی سے تانبے کا چھلّہ نکالا اور اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: ایک صاحب نے مدینہ منورہ سے یہ چھلّہ ہمیں اسی مرض کی دوا کے لیے لا کر دیا ہے۔ آپ اسے پہن لیجیے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑے ادب سے وہ چھلّہ لے لیا اور اس وقت محض دکھانے کے لیے انگلی میں ڈال لیا۔ یہ اعلیٰ حضرت ہی کا کمال تھا کہ اپنے مرشد

زمرے کو ایک شرعی قباحت سے آزادی بھی دلائی اور انھیں احساس بھی نہیں ہونے دیا۔ اعلیٰ حضرت کا کہنا تھا کہ اہلِ بیت رسول سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی سید زادے کی کوئی غلطی دیکھے تو اسے گناہ نہ سمجھے، بلکہ یوں سمجھے گویا سید زادے کے دامن پر تھوڑی سی غلاظت لگی ہوئی ہے، جسے دھو کر صاف کیا جاسکتا ہے۔

میرے دادا پیر مجدد برکاتیت حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن صاحب علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت سے خصوصی محبت تھی۔ خاندانِ برکات کے مؤرخ حضور تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہ اپنے والد ماجد کا ایک واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

بریلی کے رہنے والے ایک صاحب جو خود کو حضرت نانا صاحب قبلہ و کعبہ سید شاہ اسمٰعیل نوری میاں صاحب قدس سرہ کا مرید بتاتے اور جب ۱۳۴۳ھ میں حضرت قدس سرہ کے مبارک عرس کی شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے اور اب حالت ان کی یہ تھی کہ وہ وہابی ہوگئے اور اسی بنا پر اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کو برا کہتے اور ابن سعود نجدی کی بہت تعریفیں کرتے اور شریف حسین مرحوم کے سخت دشمن اور ان کو گالیاں دیتے تھے۔ ان کے اسی ادعاے بیعت و نیاز مندی کے دھوکے میں پڑ کر ہمارے حضرت قدس سرہ کے ایک قریبی عزیز نے، جن سے متعدد قرابتوں کے علاوہ ساتھ رہنے سہنے اور میل جول کے قدیم تعلقات مودت و محبت بھی تھے، ان بریلوی صاحب کو ایام عرس میں اپنے مکان میں ٹھہرایا۔ جب حضرت قدس سرہ کو اس پر اطلاع ہوئی اور وہ عزیز حضرت سے ملے تو حضرت نے اس ٹھہرانے پر اپنی ناراضگی و ناگواری بہت صفائی سے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے اور مجھ سے کم از بیش پچاس برس اتفاق رہا۔ اب ایسی کارروائیوں سے افتراق کی صورت نظر آتی ہے۔ محمد میاں سلمہ بھی اگر دین میں مداہنت کرے تو میں اس سے بھی ایسے ہی علیحدہ ہو جاؤں۔

حضور تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ حضرت سے محبت اپنے والد گرامی مجدد برکاتیت سید شاہ محمد اسماعیل حسن قدس سرہ سے ورثے میں ملی تھی۔ حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک تقریر میں حضور تاج العلما کے تاثرات کچھ اس طرح پیش کیے ہیں:

میرے خال محترم نے لکھا اپنے تذکرۂ خاندانِ برکات میں:

"گو کہ مجھے رسمی طور پر مولینا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے تلمذ حاصل نہیں ہے لیکن میں ان کو اپنے بہت سے اساتذہ کے مقابلے میں اپنے حق میں بہتر و برتر مانتا ہوں۔" اور اس کی وجہ لکھی: "اس لیے کہ میں ان کا طریقہ تحریر و تقریر میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق پاتا ہوں۔"

مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کا قیام مسجد برکاتی کے سامنے مدرسہ نام کی عمارت کے دالان میں رہتا۔ ایک بار اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف تشریف لائے۔ ان دنوں میرے والد ماجد حضور سید العلما علیہ الرحمۃ کا بچپنہ تھا۔ اعلیٰ حضرت درگاہ شریف کی حاضری کو گئے ہوئے تھے۔ اس دوران حضور سید العلما باہر آئے اور اس بستر پر لیٹ گئے جو اعلیٰ حضرت کے لیے بچھایا گیا تھا۔ درگاہ شریف کی حاضری کے بعد جب اعلیٰ حضرت خانقاہ میں لوٹے تو دیکھا کہ سید میاں ان کے بستر پر براجمان ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کچھ کہا نہیں، بس پائنتی ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ اس بیچ سید میاں کے نانا اور پیر و مرشد حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن عرف شاہجی میاں رحمۃ اللہ علیہ وہاں آ پہنچے، دیکھا کہ ان کا نواسہ بستر پر براجمان ہے اور سُنّیوں کا پیشوا احمد رضا دست بستہ کھڑا ہے۔ نانا جان نے سید میاں کے پاس جا کر انھیں بستر سے ہٹانا چاہا۔ مگر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: صاحب زادے کو یوں ہی رہنے دیں حضور، اس غلام کے مرتبے بڑھ رہے ہیں۔

حضور سید میاں علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی مسلکِ اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت، ترویج و ترقی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ مسلکِ برکاتیت کی نشر و اشاعت اور فکر اعلیٰ حضرت کی ترویج و ترقی کے لیے سید میاں نے اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا اور ممبئی کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ ملک بھر میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دورہ کر کے عوام اہل سنّت تک دین حنیف کا پیغام پہنچایا۔ ان کا یہ شعر کافی مشہور ہوا:

یاالٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے

حضور احسن العلما سید شاہ حسن میاں قدس سرہ فرماتے تھے: "میرا کوئی مرید مسلکِ

اعلیٰ حضرت سے اِدھر سے اُدھر ہو جائے تو وہ خود بخود میری بیعت سے نکل جائے گا۔" حضور احسن العلما اعلیٰ حضرت پر اتھارٹی تھے۔ حدائقِ بخشش پڑھنے اور سمجھانے کا انھی کا حصہ تھا۔ مسجد برکاتی، مارہرہ مطہرہ میں ہر جمعہ کو خطبے سے پہلے آدھا گھنٹہ تقریر کرتے اور اس میں ضروری مسائل سمجھاتے اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی باریکیاں مارہرہ کے عوام کے سامنے پیش کرتے۔ اعراس کی تقاریب میں بھی ان کی زبان سے زیادہ تر اعلیٰ حضرت کا ہی تذکرہ سننے کو ملتا۔ الحمد للہ! مارہرہ کے اس سید گھرانے کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں جتنا ذکر امام احمد رضا کا ہوتا ہے، اتنا شاید اعلیٰ حضرت کے اپنے خاندان میں نہیں ہوتا ہوگا۔

میرے برادرِ نسبتی پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم القادری الجیلانی لکھتے ہیں:

"ہمارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کی کسوٹی تھی اتباعِ شریعت اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ انھیں خانقاہِ برکاتیہ اس کسوٹی پر خوب جچی اس لیے کسبِ فیض کے لیے پاپیادہ حاضر ہوگئے اور ایک ہی ملاقات میں اپنے مرشدِ برحق خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ سے وہ کچھ پالیا جس کے بعد وہ مجددِ دین وملت اور امامِ عصر کے منصب پر فائز ہوگئے۔ ہمارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیر خانہ میں علم کی دولت نظر آئی جس کے بغیر اتباعِ شریعت کا اہتمام کسی طرح ممکن نہیں۔"

(اہلِ سنّت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء، صفحہ ۲)

کچھ لوگ ساداتِ مارہرہ کی اعلیٰ حضرت کے ساتھ والہانہ محبت کو یہ کہہ کر سمجھانے لگے ہیں کہ مارہرہ کی برکاتیت اپنی بقا کے لیے اعلیٰ حضرت کی بیساکھی کا سہارا لے رہی ہے۔ بیساکھی کا سہارا تو معذور شخص لیتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ساداتِ مارہرہ اپنی جسمانی اور روحانی حیثیت سے پورے طور سے صحت مند اور چاق و چوبند ہیں۔ بریلی سنّیت کا مرکز تھی، وہ آج بھی اس نسبت کا محتاج ہے جو شاہ آلِ رسول احمدی نے برسوں پہلے امام احمد رضا کی جھولی میں ڈالی تھی اور بعد میں انھی کے جانشین شاہ نوری میاں صاحب نے اعلیٰ حضرت کو چشم و چراغِ خاندانِ برکات کا لقب عطا کیا تھا۔

ایک دو سال کا عرصہ ہوا پورے سوراشٹر میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ نظمی اعلیٰ حضرت کے دشمنوں سے مل گیا ہے اور نظمی اور اس کا بیٹا اعلیٰ حضرت کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اعلیٰ حضرت آج موجود ہوں تو ہم انھیں خاموش کرا دیں۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ نظمی تو نظمی اس کے آباواجداد کی کیا مجال کہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں ایسی بات کہہ سکیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کا پیر خانہ ہی ان کا دشمن ہو گیا تو پھر ان کا دوست کون رہے گا؟ نظمی نے اپنے ایک مقطع میں اس فتنے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

نظمی کو جو رضا کا مخالف کہے، مرتے دم اس کے لب پر نہ کلمہ رہے

ہمہ دانی کا دعویٰ ہے جس شخص کو وہ منافق ہے، جھوٹا، دغا باز ہے

نظمی نے اعلیٰ حضرت کو اپنی روزی روٹی کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ نا ڈائی مولوی نے اعلیٰ حضرت کے جن دشمنوں سے نظمی کے مل جانے کا ذکر کیا ان کے ہاتھ پاؤں خود وہی مولوی چومتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نظمی کل بھی اعلیٰ حضرت کے گن گاتا تھا آج بھی گاتا ہے:

یہ فیضِ کلکِ رضا ہے کہ شعر کہتا ہوں   وگرنہ نعت کہاں اور کہاں قلم میرا



مولانا ارشاد عالم نعمانی:
مقام و پوسٹ سرسی ناپور سیتامڑھی

امام احمد رضا اور مارہرہ مطہرہ

ہندوستان میں مارہرہ اور بریلی اہل سنت و جماعت کے دو عالم گیر شہرت یافتہ مراکز ہیں۔ مارہرہ اہل سنت و جماعت کے روحانی مرکز جب کہ بریلی علمی و اعتقادی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہے۔ دونوں خانوادوں کی علمی و ادبی، قومی و ملی، مذہبی و مسلکی، روحانی و تہذیبی اور اصلاحی و تبلیغی خدمات کا دائرہ صدیوں پر محیط ہے۔ دونوں خانوادے اہل سنت و جماعت کے لیے سرمۂ بصیرت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ برکاتی اور رضوی نسبت برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی خوش عقیدگی کا علامتی نشان ہے۔

خاندانِ برکات کی علمی، دینی، تبلیغی، اصلاحی، قومی، ملی، روحانی و عرفانی، اعتقادی اور تعمیری خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ خاندانِ برکات کے مورث اعلیٰ سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی سے لے کر موجودہ صاحب سجادہ امین ملت مخدوم گرامی پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی تک خاندانِ برکات کے اعاظم رجال و اساطین روحانیت کے ماہ و نجوم کا ایک درخشاں قافلہ ہے جن میں کا ہر فرد اپنی جگہ علم و روحانیت اور فکر و بصیرت کا تاجدار نظر آتا ہے اور جن کی خدمات، افکار اور تعلیمات کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

خاندانِ برکات کے مشائخ عظام ہر دور میں روحانی کمالات کے جامع رہے اور داعیانِ حق و صداقت اس باعظمت خاندان میں پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے عہد میں اسلام، سنیت، مسلک اہل سنت و جماعت، دعوت و ارشاد، تبلیغ و ہدایت، تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب کی لازوال خدمات انجام دیتے رہے اور ہر عہد میں خلق خدا اپنی روحانی سیرابی کے لیے اس بافیض خاندان کے مرشدانِ طریقت کی طرف رجوع کرتی رہی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر

ہے کہ مارہرہ مطہرہ برصغیر کی ایسی منفرد خانقاہ ہے جہاں سات سات اقطاب بیک وقت ایک ہی چھت کے نیچے آرام فرما ہیں۔ ذیل میں اس خاندان کے اساطین علم وفضل پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈال لیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ کس طرح رب تعالیٰ نے اپنے انعام واکرام سے ہر عہد میں اس خانوادے کو سرفراز فرمایا ہے۔

(۱) صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی (ولادت ۲۶ ر جمادی الاخرہ ۱۰۷۰ھ، وصال ۱۰ ر محرم الحرام ۱۱۴۲ھ) (۲) قطب الواصلین حضرت سید شاہ آل محمد برکاتی مارہروی (۱۱ ر رمضان ۱۱۱۱ھ، وفات ۱۶ ر رمضان المبارک ۱۱۶۴ھ) (۳) اسد العارفین حضرت سید شاہ حمزہ برکاتی مارہروی (۱۴ ر ربیع الاخر ۱۱۳۱ھ۔ ۵ ر مارچ ۱۷۱۹ء/ ۱۴ ر محرم الحرام ۱۱۹۸ھ/ ۱۰ ر دسمبر ۱۷۸۳ء) (۴) نزہۃ الکاملین حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں برکاتی مارہروی (۱۰ رجب ۱۱۶۳ھ۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ) (۵) زبدۃ الکاملین حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم برکاتی مارہروی (۱۲۲۳ھ۔ ۵ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ) (۶) نور رحمۃ للعالمین حضرت سید شاہ اولاد رسول برکاتی مارہروی (ولادت ۵ ر شعبان ۱۲۱۲ھ۔ وصال ۲۶ ربیع الاخر ۱۲۸۶ھ) (۷) خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمد برکاتی مارہروی (ولادت رجب المرجب ۱۲۰۹ھ۔ وصال ۱۸ ر ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ) (۸) ممتاز الصادقین حضرت سید شاہ محمد صادق برکاتی مارہروی، ۷ ر رمضان ۱۲۴۸ھ۔ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۲۶ھ) (۹) سراج السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری برکاتی مارہروی (ولادت ۱۹ ر شوال المکرم ۱۲۵۵ھ۔ وصال ۱۱ ر رجب المرجب ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) (۱۰) قمر العابدین حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں برکاتی مارہروی (ولادت ۳ ر محرم الحرام ۱۲۷۲ھ۔ وصال ۱۳۴۱ھ) (۱۱) تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں اولاد رسول برکاتی مارہروی (ولادت ۲۳ ر رمضان ۱۳۰۹ھ۔ وصال ۱۳۵۷ھ) (۱۲) سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفی اولاد حیدر قادری برکاتی (ولادت ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء۔ وفات ۱۳۹۴ھ۔ ۱۹۷۴ء) (۱۳) احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفی حیدر حسن میاں قادری برکاتی (ولادت۔ ۱۰ ر شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ/ ۱۳ ر فروری ۱۹۲۷ء۔ وفات

۱۵ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ ۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۹۵ء)

خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے یہ وہ پاکان امت اور اساطین روحانیت تھا جن کے روحانی فیضان اور فیوض و برکات سے خاک ہند کا چپہ چپہ شاداب و سیراب ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند باتیں خانقاہ برکاتیہ کے امتیازات اور تعلیمات پر بھی سپرد قرطاس کر دی جائیں تا کہ قارئین اسے اپنے لیے حرز جان بنائیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا سامان فراہم کر سکیں۔

برکاتی مفتی، شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) شرف ملت حضرت سید شاہ محمد اشرف قادری (چیف انکم ٹیکس کمشنر کولکاتا) کے ایک سوال کے جواب میں خانقاہ برکاتیہ کے امتیازات بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) یہ حضرات تحقیقی طور پر سید ہیں جس میں نہ کہیں داغ ہے اور نہ کہیں لوچ اور اس کی دلیل اس خانقاہ کے افراد کے وہ اخلاق ہیں جو اخلاق نبوی کے مانند ہیں۔

(۲) صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کے پورے طور سے پابند ہیں جس میں کوئی مداہنت اور پلپلا پن نہیں۔

(۳) ان کا سلسلہ بلا شبہ متصل اور بیعت و ارشاد کے اصول کے عین مطابق ہے جس میں کہیں کوئی خلا نہیں، ان کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے۔

(۴) شریعت کے کما حقہ متبع ہیں خلاف شرع کسی بات کو گوارا نہیں کرتے۔

(۵) استقامت علی الحق اور حق کی اعانت و نصرت اور باطل کی تردید ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ (سیدین نمبر ص ۱۶)

اتباع شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا نصب العین ہے اور یہی اس کا سرمدی پیغام ہے جس کی ترسیل و اشاعت ہر دور میں اس خانقاہ کے مشائخ نے اپنے وابستگان، مستفیدین اور مسترشدین کو عطا فرمائے۔

ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم برکاتی (سابق صدر شعبہ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

)تحریر فرماتے ہیں:

''خانقاہِ برکاتیہ کا نصب العین اتباع شریعت ہے۔ سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی نے جو حضور صاحب البرکات کے جد امجد ہیں، اس نصب العین کا تعین ان الفاظ میں فرمایا:

''بندہ غفلت سے جب رہائی پاتا ہے کہ جو خدا اور رسول کے حکم ہیں ان کے بجالانے میں مشغول رہے۔ اور جن سے منع فرمایا ہے دور رہے اور اپنے نفس سے ہمیشہ محاسبہ (امر و نہی کی تعمیل کی جانچ و پڑتال) کرتا رہے''

سند المحققین نے مزید فرمایا کہ:

''مخالفت نفس باتباع شریعت ہی کرنا لازم ہے۔ جو مخالفت بغیر اتباع شریعت ہو وہ حقیقتاً مخالفت نہیں بلکہ نفس کی موافقت ہے اگر چہ بظاہر مخالفت معلوم دے اس لیے کہ اہل طریقت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ جس طریقت کو شریعت رد کر دے پس وہ زندقہ (بے دینی) ہے اور ان کا یہ اجماع اس وجہ سے ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اعرف و اکمل ہیں اور ان کا دین سب دینوں اور راہوں سے زیادہ مضبوط اور اتم ہے اور سب دین اس کے آگے منسوخ و باطل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے کا شرف ہر زمانہ میں مذکور اور سب کتابوں میں مسطور تھا۔''

(خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف: اہل سنت کا قدیم دینی اور روحانی مرکز مشمولہ ماہ نامہ حجاز جدید دہلی نومبر ۱۹۸۹ء خصوصی شمارہ ''شاہ برکت اللہ مارہروی'' ص ۱۴)

اسی مضمون میں آگے سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ کی تعلیمات کا خلاصہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

- خدائے تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں
- اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے کسی حاکم سے رجوع نہ کریں۔
- ان لوگوں کے گھر ہرگز ہرگز نہ جائیں جو دنیا کے لہو ولعب میں لگے رہتے ہیں۔
- ان لوگوں سے ضرور ضرور ملیں جن کا ظاہر دین و دنیا سے آراستہ ہو۔
- زیارت قبور کے لیے حاضری ضروری ہے۔

● جہادِ اکبر یہ ہے کہ نفس کے ساتھ لڑتے رہیں، مخلوق کے محتاج نہ ہوں، دستِ طلب ہمیشہ خالقِ کائنات کی بارگاہ میں دراز کریں۔

● علم و عمل کو اولیت دیں اور ان پر کبھی غور نہ کریں۔

● مخلوقِ الٰہی کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں۔

● ہمیشہ یہ تمنا کریں کہ علم خالص اللہ تعالیٰ کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض سے ملے گا۔ (ایضاً)

حضرت خاتم الاکابر کے چند اہم ارشادات عالیہ حسب ذیل ہیں:

(۱) راہِ سلوک میں ادب و محبت اور ترکِ رعونت ایک لازمی امر ہے۔

(۲) علما، فقرا، اور مساکین کی تعظیم پوری سعی سے کرتے رہو اور جو کچھ بھی میسر ہو پوری تواضع کے ساتھ سامنے رکھ دو، قبول کریں تو بہتر ہے۔ نہ کریں تو تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

(۳) نیاز و فاتحہ میں ہرگز تکلف نہ برتیں کہ شرع میں تکلف روا نہیں اور صرف سوا پاؤ بتاشوں پر فاتحہ دلانے پر اکتفا کریں۔

(۴) درویش کا ظاہر تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مانند ہونا چاہیے اور باطن حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا ہونا چاہیے۔

(۵) ہر حالت میں دل بلند و قوی اور امید صادق رکھنی چاہیے تاکہ ظہور دولت اس جگہ سے ہو جہاں عقلمندوں کی عقلوں کی بھی رسائی نہیں۔ (بحوالہ امام احمد رضا اور نور جہاں عطر مجموعہ آلِ رسول از مولانا مبارک حسین مصباحی مشمولہ سید ین نمبر ص ۲۷۱)

(۶) اولیائے کرام کے مزار سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھنا چاہیے، ایصال ثواب کرے قبلہ کی طرف پیٹھ اور مزار کی طرف منہ کر کے ان کے چہرے کے مقابل پالتی مار کر یا پھر دو زانوں ہو کر آنکھ بند کر کے بیٹھے اور دل کو ان بزرگوں کی روحا کے جو آفتاب کی طرح روشن ہے سامنے کر دے اور یہ خیال کرے کہ میرا دل ان بزرگ کی روح کے نیچے ہے۔ اس سے روحانی فیض کے فوارے یا سورج کی کرنوں یا بارش کے قطروں یا نسیم سحر کے جھونکوں کی شکل میں منتقل ہو کر میرے دل میں آ رہا ہے اور میرا دل اس

روح کی ذاتی صفت لے رہا ہے۔

یہ تصور کر کے خاموش بیٹھ جائے۔ اب شروع ریاضت میں خاموشی کے وقت وسوسے زیادہ آئیں گے تو انہیں دور کرنے کی نیت سے دل کو اللہ اللہ کے شغل میں مصروف رکھے، اب کچھ دیر بعد دل میں وہی کیفیت پیدا ہو جائے گی جس کا برزخ شیخ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر وہ روح کسی صاحب نسبت بزرگ کی ہے تو اس کے فیض سے اللہ جل جلالہ کا ذوق وشوق دل کا بھر آنا اور سکون پیدا ہوگا۔ اگر ان بزرگ کی زندگی میں دیکھ چکا ہے تو دل کو روح سے ربط دیتے وقت اسی برزخ انسانی کا تصور کرے اور اس کے بعد باقی ترکیب بدستور پوری کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فیض حاصل ہوگا۔ اس کا بہترین وقت عصر اور مغرب کا درمیانی وقت ہے۔ یا پھر نماز فجر سے اشراق تک ورنہ جو وقت بھی میسر آئے۔

(ص ۱۳۸ حیات آل رسول احمدی مارہروی تالیف مفتی محمود احمد رفاقتی ۔۱۹۹۱ء)

وقت رحلت حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہ سے لوگوں نے استدعا کی کہ حضور کچھ وصیت فرمادیں تو آپ نے فرمایا ہمارا وصیت نامہ یہ ہے:

اطیعو اللہ و اطیعو الرسول (اللہ اور اس کے رسول کی اتباع وپیروی کرو)

بس یہی کافی ہے اور اس میں دین ودنیا کی فلاح ہے۔

(ماہنامہ حجاز جدید دہلی، نومبر ۱۹۸۹ء، ص ۴۲)

تاجدار خاندانِ برکات، نور العارفین، سرکار نور حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

آپ اپنی معروف کتاب سراج العوارف میں اہل سنت وجماعت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اول یہ ہے کہ ایمان واسلام کے قبول کے بعد اہل سنت وجماعت کے مذہب پر مضبوطی سے قائم رہیں، مسلک حنفی اور مشرب قادری پر اپنے ظاہر اور باطن کو طریقت علیا کے موافق رکھیں یعنی ظاہر کو

شریعت غرا اور باطن کو طریقت علیا کے موافق رکھیں۔ شریعت میں امام اعظم ابو حنیفہ کوفی اور طریقت میں حضرت غوث پاک جیلانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کریں۔ اسلام کے سارے احکام کی پابندی اور فرماں برداری اپنے اوپر لازم کرلیں، علمائے دین اور فقرائے مخلصین کا ادب کرنے کی کوشش کریں، درگاہ وخانقاہ کی خدمت بجالائیں اور نماز باجماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہوں، والدین، مرشد اور علوم دین کے اساتذہ اور ان کی اولاد کا نہایت ادب کریں، اپنے پیر کو اپنے حق میں زمانے کے سارے شیوخ طریقت سے بڑھ کر جانیں اور اپنے آپ کو تمام مخلوق خدا میں سب سے زیادہ کمتر اور حقیر جانیں، ہمیشہ خاکساری اور انکساری کے ساتھ رہیں"۔

(سراج العوارف ص ۲۷،۲۸ ترجمہ ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی، مطبوعہ کولکاتا)

خانوادۂ رضا بریلی کی دینی و علمی، قومی و ملی، روحانی و اعتقادی اور سیاسی سماجی خدمات کا دائرہ دو سو سال سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ اس درمیان ہم جس جہت سے بھی اس خانوادے کی خدمات، ان کی قربانیاں اور لازوال علمی و تجدیدی کارنامے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہر جہت سے یہ خانوادہ برصغیر کے ممتاز دینی و علمی خانوادوں کے درمیان اپنی ایک منفرد شناخت کے ساتھ جلوہ فگن نظر آتا ہے اور اب تو اس خانوادے کی خدمات کا دائرہ ہر جہت سے اس قدر بے مثال ہے کہ برصغیر میں خوش عقیدگی کی پہچان کے طور پر خانوادۂ رضا خصوصاً امام اہل سنت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا نام پیش کیا جاتا ہے۔

امت کی رشد و ہدایت کے تعلق سے بلاشبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنے آبا و اجداد کے میراث اور اپنے مرشد برحق خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی سے نسبت قادریت کی امانت کو جس قدر بلند پیمانے پر قوم کے سامنے پیش فرمایا صدی دو صدی کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اعلیٰ حضرت کے بعد خانوادے کے افراد نے بھی جس بلند حوصلے اور بیدار مغزی کے ساتھ قوم کی رہنمائی کا قابل فخر کارنامہ

انجام دیا ہے وہ آج بھی بساطِ سنیت پر مہر تاباں بن کر چمک رہا ہے۔ ذیل میں خانوادۂ رضا کے اسلاف واخلاف کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ کیجیے جس سے بخوبی اجاگر ہو جائے گا کہ خانوادۂ رضا میں تسلسل کے ساتھ کیسے کیسے آفتاب وماہتاب خاکدانِ گیتی پر طلوع ہوتے رہے اور اپنی علمی ودینی اور روحانی بصیرت وبصارت اور فیضان سے امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

(۱) حضرت مولانا حافظ محمد کاظم علی خاں (۲) امام العلما حضرت مولانا مفتی محمد رضا علی خاں (ولادت ۱۲۲۴ھ۔ ۱۸۰۹ء۔ وفات ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ) (۳) خاتم المحققین حضرت مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی (ولادت رجب المرجب ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۲۹ء۔ وصال ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ۔ ۱۸۹۷ء) (۴) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء۔ وفات ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) (۵) حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خاں قادری برکاتی (ولادت ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۹۲ء۔ وصال ۱۷/ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ/ ۲۳/ مئی ۱۹۴۳ء) (۶) مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفی رضا خاں قادری برکاتی (ولادت ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷/ جولائی ۱۸۹۳ء۔ وصال ۱۴/ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۳/ نومبر ۱۹۸۱ء) (۷) استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۲۲/ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ/ ۱۹/ اکتوبر ۱۸۵۹ء) (۸) حضرت مولانا مفتی محمد رضا خاں قادری (۹) مفسر اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۶ء۔ وصال ۱۱/ صفر ۱۳۸۵ھ/ ۱۲/ جون ۱۹۶۵ء) (۱۰) علامہ حماد رضا خاں نعمانی میاں (ولادت ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء۔ وصال ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء) (۱۱) حضرت مولانا حسنین رضا خاں (ولادت ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء۔ وصال ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) (۱۲) محدث بریلی حضرت مولانا تحسین رضا خاں بریلوی (ولادت ۱۹۰۳ء۔ وصال ۲۸ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ/ ۳/ اگست ۲۰۰۷ء) (۱۳) ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خاں رحمانی میاں قادری (ولادت ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۳۴ء۔ ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)

خانوادۂ رضا کے یہ وہ اعاظم رجال ہیں جنھوں نے امت مسلمہ کی فکری و اعتقادی، روحانی و عرفانی، قومی و ملی، دعوتی و تبلیغی اور اصلاحی و تجدیدی ہر میدان میں امت مسلمہ کی رہنمائی کا ناقابل فراموش فریضہ انجام دیا ہے اور سیدھے سادے، بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو تقدیس الوہیت، عشق و عقیدت رسول، محبت و احترام سادات کے جذبات سے سرشار رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر سنی اپنے اعتقاد و افکار اور معمولات و معاملات میں اپنے اس مسلکی مرکز سے عشق کی حد تک پیار کرتا ہے اور اس کی ہر آواز کو اپنے لیے حرف آخر تصور کرتا ہے۔

مشائخ بریلی کی تعلیمات کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

(۱) فاضل بریلوی اور امور بدعت

(۲) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات

(۳) تعلیمات اعلیٰ حضرت

(۴) ارشادات اعلیٰ حضرت

(۵) فیضان اعلیٰ حضرت وغیرہ

بریلی و مارہرہ سے روابط و تعلقات اور روحانی رشتے کی تاریخ ایک صدی سے بھی زائد عرصے پر محیط ہے۔ مارہرہ کے روحانی رشتے کا آغاز اس وقت ہوا جب خاتم المحققین حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی اپنے صاحبزادۂ گرامی مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں بیعت کے ارادے سے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور اس وقت کے صاحب سجادہ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ سے منسلک ہوئے۔

واقعہ بیعت و خلافت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ کے برادر زادے اور داماد حضرت مولانا حسنین رضا قادری لکھتے ہیں:

"ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ کسی خیال میں روتے روتے دوپہر کو سو گئے، اس لیے کہ قیلولہ (دوپہر کو لیٹنا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے) اس خاندان میں اب تک رائج ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بھی اس سنت پر مدت العمر عامل رہے۔ خواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ

کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب تشریف لائے اور فرمایا: وہ شخص عنقریب آنے والا ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کرے گا۔ چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے، ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہیں سے یہ تینوں حضرات مارہرہ شریف کو چل پڑے۔

جب یہ حضرات مارہرہ شریف پہنچے اور آستانہ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحب سجادہ حضرت سیدنا و مولانا آل رسول سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے والد ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے:

"آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد بیعت ہوئے اور مرشد برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاج خلافت اعلیٰ حضرت کے سر اپنے دست کرم سے رکھا، پھر اس حالت میں انہوں نے نہا دھو کر کپڑے پہنے اور سب خانقاہ برکاتیہ میں حاضر ہوئے اور فقیر ہی کے مکان موسوم بہ "مدرسہ" جو درگاہ معلّیٰ برکاتیہ کے دروازہ کے سامنے تھا اور اس وقت ٹوٹا پڑا ہے۔ میں فروکش ہوئے۔ فقیر کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق صاحب اور حضرت سید شاہ ابوالحسین احمدی نوری میاں صاحب قدس سرہ بھی ان دنوں مارہرہ ہی میں تشریف فرما تھے اسی دن ظہر کے وقت مولانا بدایونی، مولانا نقی علی صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مرزا عبدالقادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر، حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ فقیر کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق اور میاں صاحب بھی ہمراہ ہو گئے۔ پھر مولانا خاتم الاکابر نے مولانا نقی علی خاں صاحب، پھر مولانا احمد رضا خاں صاحب، پھر مرزا عبدالقادر بیگ صاحب کو داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ فرمایا اور اسی حلیہ میں حضرت نے خلافت و اجازت قادریہ برکاتیہ سے بھی مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مشرف فرمایا۔ بیعت و خلافت کے بعد ان سب حضرات نے کچھ عرصہ تک فقیر کے مکان پر قیام فرمایا اور رکھ دیا۔ یوں یہ خلش جس کے لیے اعلیٰ حضرت روتے تھے، رب

الحفیظ لانہ نکال دی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ شریعت وطریقت دونوں کے امام ہو گئے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات)

حضرت سید شاہ ابو القاسم مولانا اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی فرماتے ہیں کہ:

مولانا بدایونی کے ہمراہ مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مارہرہ شریف حاضر ہوئے تھے یہ لوگ تجدید غسل اور کپڑے بدلنے کے لیے پہلے مارہرہ میں سرائے میں جا کر فروکش ہوئے۔ مگر سرائے کے راستے میں یکہ سواری کا الٹ گیا اور مولانا نقی علی خاں صاحب کو چوٹ لگ گئی، اسی دوران میں مولانا تاج الفحول بدایونی نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا حضرت سے بیعت ہو جانا، ان کے لیے بھی اچھا ہوا اور میرے لیے بھی اچھا ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری ترتیب جدید، مفتی مطیع الرحمن رضوی، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۲۲،۱۲۱)

یہ وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے دونوں خانوادے (مارہرہ و بریلی) کے درمیان باضابطہ محبت والفت اور عقیدت و نیاز مندی کا آغاز ہوا پھر اس کے بعد دونوں خانوادے کے درمیان محبت آمیز تعلقات اور عقیدت مندانہ وابستگی کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو خوشگوار در خوشگوار ہوتا چلا گیا۔ مشائخ مارہرہ نے دل کھول کر اپنے روحانی فیضان سے خانوادۂ رضا کو فیض یاب کیا تو خانوادۂ رضا نے بھی پوری سعادت و نیاز مندی کے ساتھ اپنے بزرگان مارہرہ کے روحانی فیضان کو جذب کیا اور ان کے فیضان کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کیا۔ چنانچہ مشکوۃ مارہرہ سے امام احمد رضا کو جو روشنی حاصل ہوئی اس کے نتیجے میں خاندان رضا کا ہر ہر فرد آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگا اٹھا یہاں تک کہ پورے برصغیر کی مذہبی دنیا میں خاندان رضا کا نام اور کام آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا۔

مشکوۃ مارہرہ سے خانوادۂ رضا خصوصاً امام احمد رضا قادری برکاتی کی حصول نورانیت و فیض یابی کا تذکرہ رقم کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''حضرت سیدنا شاہ آل رسول علیہ الرحمہ (ولادت ۱۲۰۹ھ/ وصال ۱۲۹۶ھ) ہی نے بریلی کے مولانا اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب کو کندن بنایا۔ اپنی آنچ بخش کر اکسیر بنایا اور ہاتھوں میں ہاتھ لے کر انہیں ایسی روشنی عطا کی کہ وہ زمانے کی روشنی بن گئے اور آج مسلک اعلیٰ حضرت اہل اسلام اور سنیت کی پہچان بن گیا ہے۔''

(یقین کے دو ماہ مبین از ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مشمولہ سیدین نمبر ص ۳۷۲)

یہاں یہ پہلو بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ مرشد امام احمد رضا خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ نے اپنے خاندانی معمولات خلافت کے برخلاف امام احمد رضا کو جملہ اوراد و وظائف اور تمام سلاسل کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمادیا۔

خاتم الاکابر نے اپنے وصال ۱۲۹۶ھ/ ۱۹۷۹ء سے امام احمد رضا کو اپنے ابن الابن (پوتے) سرکار نور حضرت شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں کے سپرد فرمادیا۔ حضرت نوری میاں نے بھی اعلیٰ حضرت کو خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ اعلیٰ حضرت کو نوری میاں کے سپرد کرتے ہوئے آپ کے مرشد گرامی حضرت خاتم الاکابر نے فرمایا:

''دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولانا احمد رضا خاں اور مولانا عبد القادر بدایونی کو دکھائی جائیں اور یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے اور پھر اشاعت ہو''۔

(امام احمد رضا اور تصوف، علامہ محمد احمد مصباحی، المجمع الاسلامی مبارک پور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو سرکار نور سے خلافت کے ساتھ شرف تلمذ بھی حاصل تھا: امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا کے عہد میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ میں ایک ایسی ہستی جلوہ گر تھی جو نہ ''پدرم سلطان بود'' کے ذہن میں مخمور تھی نہ ''تاج بے سلطانی'' زیب فرق کے نشے میں چور تھی بلکہ مست مئے الست اور بادۂ عرفان کے کیف و نشاط سے مسرور الٰہی تجلیات سے معمور تھی۔ امام احمد رضا کی طرف اس مرد خدا کی نگاہ

اٹھی اور الطاف رحمانی کی بارش شروع ہوگئی (انہوں نے امام احمد رضا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا) آپ کو علم جفر کا ایک قاعدہ "بدوح یلن" کی تلقین کرتا ہوں آپ اس میں محنت و ریاضت کریں تو ان شاء المولیٰ حقائق و معارف کے خزانے اُبلنے لگ جائیں گے۔

فاضلِ بریلوی کو قاعدۂ بدوح یلن" کی تلقین کرنے والی شخصیت غوث العالم حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کے مرشد حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کی تھی۔

امام احمد رضا نے حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کے فیضان کے مطابق اس علم کے حصول میں کوشش شروع کی تو رازہائے سربستہ کے پردے وا ہونے لگے اور یکے بعد دیگرے پیچ و خم سلجھتے گئے۔ مزید دستگاہ حاصل کرنے کے لیے فاضل بریلوی نے اس فن کی بہت سی کتابیں جمع کیں"۔

(تحقیقات امام علم وفن ص ۱۲۸ مرتبہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی۔ ۲۰۱۱ء)

حضرت نوری میاں نے اعلیٰ حضرت سے علم جفر کی تعلیم ۱۲۹۴ھ میں پائی (حیات اعلیٰ جلد ا ص ۳۰۵ مطبوعہ ممبئی)

حضرت نوری میاں کو امام احمد رضا پر کس درجہ اعتماد تھا نیز امام احمد رضا کو اپنے مرشد ثانی حضرت نوری میاں سے کتنی محبت تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل تحریرات سے لگایا جاسکتا ہے:

● نوری میاں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو اپنے ایک خاندانی اعزاز" چشم چراغ خاندان برکات" کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا اعلیٰ حضرت کے نام اپنے ایک مکتوب میں نوری میاں تحریر فرماتے ہیں:

"چشم و چراغ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دام عمرہم و علمہم از ابو الحسین بعد دعائے فقیر مقبولیت محررہ القاب سطر بالا"۔

"واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو دیا تھا باوجود یہ کہ میں

لائق اس کے نہ تھا تحریر فرمایا کرتے تھے، چوں کہ اب میں بہ ظاہر اسباب انواع انواع امراض میں ایسا مبتلا ہوں کہ مصداق اس مصرع کا ہو گیا ہوں: ع

اگر ماند شبے دیگر نمی ماند

اور مولانا عبد القادر صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا۔ لہٰذا میں نے یہ خطاب آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا۔ بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا اور میں نے بطیب خاطر بلا جبر واکراہ بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا یہی خط اس کی سند میں باضابطہ ہے۔ فقط ابوالحسین" (اہل سنت کی آواز (قصیدہ نور کا) از مارہرہ، ص:۱۸۵)

سرکار نوری میاں کے اس مکتوب گرامی سے اس بات کا انکشاف تام ہوتا ہے کہ آپ بھی امام احمد رضا قدس سرہ کے مرشد اعظم کی طرح آپ سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے اور آپ پر کامل اعتماد رکھتے تھے مرشد و مسترشد کی محبتوں کا یہ رشتہ اس قدر محکم و مضبوط تھا کہ سرکار نوری میاں نے بایمائے غیبی آپ کو یہ خطاب بخشا خانوادۂ برکاتیہ سے محبت کے اس صلہ میں امام احمد رضا کو اس خانوادہ سے جو عظیم انعام ملا وہ کسی کے حصہ میں نہ آیا۔ (سال نامہ اہلسنت کی آواز، جلد ۲۱، خصوصی شمارہ "خلفائے خاندانِ برکات"، دار الاشاعت برکاتی، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۴ء، ص ۳۶۱)

● ملک العلما؟ اعلیٰ حضرت کی نوری میاں سے عقیدت و سرشاری اور نوری میاں کی اعلیٰ پر نوازشات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(اعلیٰ حضرت نے) ۱۳۱۵ھ میں اردو میں دو قصیدہ تحریر فرمایا ایک تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز کی مدح و صفت میں جس کا نام تاریخی "چراغ انس" (۱۳۱۵ھ) رکھا اس کا مطلع یہ ہے ؎

اے امام الہدیٰ محب رسول ۔۔۔ دین کے مقتدیٰ محب رسول

دوسرا قصیدہ حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ کی مدح و ثنا میں، اس کا تاریخی نام "مشرقستان قدس" (۱۳۱۵ھ) رکھا اس کا مطلع یہ ہے ؎

ماہ سیما ہے احمد نوری　　　　　　مہر جلوہ ہے احمد نوری

اور مقطع یہ ہے:

کیوں رضا تم ملول ہوتے ہو　　　　　　ہاں تمہارا ہے احمد نوری

اس قصیدہ کو استماع فرما کر حضرت ممدوح نے اعلیٰ حضرت قدست اسرارہما کو ایک نہایت ہی نفیس، معطر و معنبر عمامہ عطا فرمایا اور اپنے دست اقدس سے اعلیٰ حضرت کے سر پر باندھا۔ حاضرین جلسہ سے حضرت مولانا عبدالمقتدر مطیع الرسول صاحب قادری برکاتی عثمانی بدایونی نے فی البدیہہ اس عطیہ ہبیہ کی تاریخ ''تاج الفخر'' (۱۳۱۵ھ) نکالی۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم، مطبوعہ گجرات، ص ۲۵۲)

● حضرت نوری میاں سے آپ کو اس قدر قلبی لگاؤ اور آپ کے پاس ادب کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ نے پیرومرشد سے اجازت وخلافت کے باوجود عرصۂ دراز تک کسی کو مرید نہیں کیا بلکہ اس سلسلے میں آپ کا معمول ایک زمانہ تک بقول ملک العلما یہ رہا کہ:

''جب حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب مارہروی بریلی شریف تشریف لاتے تو (اعلیٰ حضرت) سب لوگوں کو انھیں سے مرید ہونے کی تلقین کرتے اور اس میں فقط اہل شہر یا دوسرے حضرات کی خصوصیت نہ تھی بلکہ اپنے اعزہ و اقارب حتی کہ اپنے صاحبزادوں کو حضرت میاں صاحب قبلہ سے بیعت کرایا لیکن جب لوگوں کا شوق غالب ہوا اور بعض حضرات نے اصرار کیا کہ مجھے تو حضور ہی سے اعتقاد ہے، میں تو حضور ہی سے مرید ہوں گا اور حضرت میاں صاحب نے بھی بہت مجبور کیا کہ جب حضرت پیرومرشد نے اجازت وخلافت عطا فرمائی ہے تو اس کا مقصد یہی ہے کہ آپ سلسلہ کو پھیلائیں اور لوگوں کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں منسلک کریں۔　　(ایضاً ص ۲۱۳)

● اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو جملہ سلاسل طریقت کی اجازت تھی لیکن اجرائے سلسلہ کے لئے آپ نے جس سلسلۂ طریقت کو اختیار فرمایا وہ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ہے۔ ملک العلما لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قبلہ کو اپنے پیرومرشد برحق قدس سرہ سے اجازت وخلافت جملہ

طرق کی حاصل تھی اور سب طریقوں میں بیعت کے مجاز تھے مگر حضور کو سب سے زیادہ پسندیدہ طریقہ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ تھا۔ عام طور پر اسی میں بیعت کرتے۔"

(حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم، مطبوعہ گجرات، ص ۱۴۳)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ بھی بارگاہِ خاتم الاکابر سے فیضان قادریت کی حصولیابی پر زندگی بھر نازاں اور فخر کناں رہے۔ آپ کے دل میں سرزمین مارہرہ اور بزرگان ومشائخ مارہرہ کی جو عقیدت، محبت اور فنائیت حاصل تھی وہ آج کے طالبین طریقت کے لیے بہترین آئیڈیل اور نمونہ عمل ہے۔ جس طرح آپ کے مرشدان گرامی نے آپ پر روحانی اور باطنی فیضان کی برسات میں کوئی کمی نہیں کی اور دل کھول کر آپ کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرمایا اسی طرح آپ نے بھی تا زندگی اپنے مشائخ کی بارگاہ میں جبین نیاز خم کیے رکھا اور ان کی روحانی عظمت و رفعت کا اعتراف و اظہار فرمایا، یہاں چند اشارے اور واقعات قارئین کے استفادے کے لیے نقل کیے جا رہے ہیں:

- حضرت امین ملت فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت اپنے مرشدانِ عظام کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ کے اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا پیدل تشریف لاتے تھے اور مارہرہ جب حجام خط یا پیام لے کر بریلی جاتا تو "حجام شریف" فرماتے اور اس کے لیے کھانے کا خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتے۔

(ماہنامہ قاری دہلی، امام احمد رضا نمبر، ص ۳۳۶)

- ماہ محرم الحرام ۱۳۰۶ھ میں اپنے مرشد کے آستانے پر حاضری کے لیے مارہرہ مطہرہ پہنچے تو آپ کے مرشد ثانی، سراج السالکین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے عربی زبان میں "شجرۂ قادریہ برکاتیہ" لکھنے کا حکم فرمایا۔ اسی کو حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"شجرۂ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف جسے امام احمد رضا نے اپنے مرشد (حضرت نوری میاں صاحب قبلہ) کی فرمائش پر صیغۂ درود شریف قلم برداشتہ (عربی زبان میں) تحریر فرمایا۔ فقیر برکاتی سید مصطفیٰ حیدر حسن برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ لشد۔ (ص ۶۲ ماہ

نامہ قاری دہلی، امام احمد رضا نمبر)

یہ شجرۂ مبارکہ آپ کی جودتِ طبع اور عشق و محبت کا شاہ کار ہے۔ آپ نے اسمائے مشائخ کرام کو حسین انداز میں حضور نبی کریم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات پر محمول فرماتے ہوئے ایک سلک گوہر میں پرودیا ہے۔.......... مشائخ عظام کے اسمائے طیبہ کے جھرمٹ میں "مارہرہ" کا نام بھی نہایت معنی خیز انداز میں لایا گیا ہے۔ یعنی لفظ "مارہرہ" کو عربی زبان کا لفظ قرار دے کر یوں استعمال فرمایا:

اللھم صل و سلم و بارک علی سیدنا و مولانا محمد ن المصطفیٰ رفیع المکان۔

اللھم وعلی اصحابہ العظام و مشائخنا الکرام و علینا یا ذو الجلال والاکرام

مَازَهَرَةَ اَقْمَارُ الْيَقِيْنِ فِيْ مَهَمَهِ صُدُوْرِ الْعَارِفِيْنَ

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد صحابہ عظام اور مشائخ کرام کے ساتھ اپنے لیے درود و سلام ہے اور پھر نزول رحمت کی دعا کی فوقیت اور مدت بیان فرماتے ہوئے لفظ "مارہرہ" کو یوں بیان فرمایا: مَازَهَرَةَ اَقْمَارُ الْيَقِيْنِ فِيْ مَهَمَهِ صُدُوْرِ الْعَارِفِيْنَ۔

یعنی جب تک عارفین کے کشادہ سینوں میں یقین کے چاند درخشندہ ہیں۔ یہاں "مَازَهَرَةَ" میں لفظِ "مَا" بمعنی "مادام" ہے اور "زَهَرَةَ" رباعی مجرد فعل ماضی "اقمار الیقین" اس کا فاعل۔ (سالنامہ اہل سنت کی آواز (جلد ۲۱) خصوصی شمارہ "خلفائے خاندانِ برکات" دارالاشاعت برکاتی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ۔ ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۴ء، ص ۱۰۶، ۱۰۷)

ملک العلما نے حیات اعلیٰ حضرت میں اس مبارک سفر کی تاریخ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ تحریر کی ہے (جلد ۱ ص ۲۵۹ مطبوعہ ممبئی)

● مرشد گرامی حضرت خاتم الاکابر سے انعامات ظاہری و باطنی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک جگہ اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں:

"ہاں! ہاں! بیادبیٔ خاک بوسی آستان رفیع، غلامانِ منیع، بندگانِ بارگاہِ عرفاں پناہ اقدس،

حضرت آقائے نعمت، دریائے رحمت، اعرف العرفاء الکرام، مرجع الاولیاء العظام، السحاب الهامر بفیض القادر، والعباب الزاجر بالفضل الباہر، ذوالقرب الزاہر، والعدو الظاہر، والنسب الطاہر، ملحق الاصاغر بالحلة الاکابر، معدن البرکات، مخزن الحسنات من آلِ محمد سید الکائنات علیہ وعلیہم أفضل الصلوٰة، وارث النجدات من حمزہ الحمزات، القمر المتبین، بالنور المبین، من شمس الدین، ابی الفضل العظیم والشرف الکریم، سیدنا ومولانا وملجانا وماونا، شیخی ومرشدی کنزی وذخری، لیومی وغدی، اعلیٰ حضرت سیدنا السید الشاہ آلِ رسول الاحمدی، فاطمی حسینی، قادری برکاتی، واسطی بلجرامی، مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واجزل واعظم قربہ منہ، وأشرق علینا من نورہ التام، وأفاض علینا من بحرہ الطام وجعلنا من خدمہ فی دار السلام بفضل رحمتہ علیہ وعلی آبائہ الکرام والحمدللہ ابد الابدین۔

عہد ما با لب شیریں دہناں بست خدائے
ما ہمہ بندہ وایں قوم خداوندانند

(خدا نے شیریں دہنوں کے لبوں سے ہمارا عہد باندھ دیا ہم سب بندے ہیں اور یہ لوگ ہمارے آقا ہیں) (فتاویٰ رضویہ طبع جدید جلد ۵ ص ۱۶۵)

● اعلیٰ حضرت نے اپنا شجرۂ طریقت اردو میں بھی نظم کیا ہے۔ شجرۂ طریقت کو جس خوبصورتی اور حسن نظم کے ساتھ آپ نے مرتب کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہاں حصول برکت کے لیے آپ بھی اردو نظم سے برکاتی کڑی کا مطالعہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

دین ودنیا کی ہمیں برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقیِ انتما کے واسطے
حب اہل بیت دے آل محمد کے لیے
کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پرنور کر
ستھرے پیارے نور حق شمس الضحیٰ کے واسطے
مجھ کو اولاد رسول باصفا کا رکھ غلام
شاہ اولاد رسول باصفا کے واسطے
قول وفعل وحال سب میں مجھ کو تو سچا ہی رکھ
شہ محمد صادق مرد خدا کے واسطے
میر قسمت کی برائی نیکی سے کردے بدل
حضرت ابوالقاسم خیر وہدیٰ کے واسطے

ان کے علاوہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے عربی شجرۂ مبارکہ، اردو میں شجرۂ مسدر اور فارسی میں شجرۂ موسومہ "شجرۂ سلسلۃ الذہب نافحۃ الارب" میں بڑی خوبصورتی اور کمال مہارت کے ساتھ اپنے جملہ مشائخ برکاتیہ مارہرویہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد دوم ص ۳۱۹ تا ص ۳۵۰ مطبوعہ گجرات)

● اعلیٰ حضرت بالعموم وعظ وخطابت سے دل چسپی نہیں رکھتے تھے لیکن اپنے مشائخ کا وہ اس طرح احترام فرماتے تھے کہ ان کے حکم واصرار پر کئی پروگرام میں آپ نے خطاب فرمایا۔ ملک العلما نقل فرماتے ہیں کہ:

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا یہ بیان ہے کہ حضرت جدامجد سیدنا شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا عرس شریف ایک زمانہ میں میرے والد ماجد صاحب قدس سرہ نہایت اہتمام اور اعلیٰ پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ اس میں بارہا حضرت مولانا بھی تشریف لائے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا۔ مگر اس طرح کہ حاضرین مجلس سے فرماتے: میں ابھی نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا دوسروں کو وعظ کے لائق ہوں؟ آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں۔ ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا، چونکہ بعد سوال اسے ظاہر کر دینا حکم شریعت ہے، میں ظاہر کر دوں گا۔ فقیر قادری غفرلہ عرض کرتا ہے اتنا سن کر حاضرین سے کوئی صاحب حسب حال سوال کر دیتے حضور پر نور اپنی تقریر دل پذیر سے

ایک موثر بیان اس مسئلہ پر فرما دیتے۔

حضرت سید صاحب موصوف قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ایک بار میرے اصرار سے مولانا نے مزار صاحب البرکات قدس سرہ پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مولفہ مولود شریف "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" بھی پڑھا ہے۔

(ص ۱۵۰ و ۱۴۹، حیات اعلیٰ حضرت جلد اوّل، مطبوعہ ممبئی)

● تصوف وسلوک کا یہ ضابطہ ہے کہ مرید کو چاہئے کہ وہ بارگاہ مرشد میں اپنے آپ کو سپرد کردے، مشائخ کی رائے کا احترام کرے۔ مرشد کی بارگاہ میں خود سپردگی ہی تصوف کی اصل روح ہے۔ اس سلسلے میں اپنے مرشدان گرامی کی رائے کے آگے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ ادب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ ملک العلما نقل فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز کا بیان ہے کہ ایک بار ان دونوں حضرات (تاج الفحول اور اعلیٰ حضرت) میں مسئلہ عینیت وغیریت صفات باری تعالیٰ پر بحث ہوئی۔ مولانا عبد القادر صاحب فرماتے کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے۔ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اس فرق کے ماننے میں اپنا تامل ظاہر فرماتے تھے۔ آخر یہ ٹھہری کہ سیتاپور چلئے اور وہاں حضور جدامجد سیدنا شاہ اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مولفہ کتاب "آئین احمدی" کی جلد عقائد میرے کتب خانہ میں ہے اور دیگر کتب صوفیہ بھی موجود ہیں، ان میں فرق کو دیکھ لیجئے۔ دونوں حضرات تشریف لائے اور اولاً "آئین احمدی" کی جلد عقائد سے کتاب "زبدۃ العقائد" مولفہ حضرت احمد صاحب کالپوی قدس سرہ جو ہمارے پیران سلسلہ سے ہیں، مولانا عبد القادر صاحب نے نکال کر دکھائی۔ اسے دیکھ کر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کیے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے۔ اس لیے کہ میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا ہے۔ لیکن چوں کہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں۔ اس لئے

اپنے مرشدانِ عظام کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کیے دیتا ہوں۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول ص ۱۴۸ مطبوعہ ممبئی)

● مولوی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم بدایوں کا بیان ہے کہ حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکارِ کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں جب بریلی آتا، تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسبِ دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا:۔ حضرت صاحبزادہ صاحب! انگوٹھی اور چھلے مجھے دیدیجئے۔ تو میں نے اتار کر دے دیا۔ اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ شریف واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا! بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا، جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے۔ (یہ دونوں طلائی تھے) اور والا نامہ میں مذکور تھا شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں۔ (ایضاً، ص ۱۴۹)

اس طرح کثیر واقعات و روایات ہیں جن سے اعلیٰ حضرت کی اپنے مرشدانِ گرامی سے سچی عقیدت و والہانہ وابستگی کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادگان، صاحبزادۂ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا قادری برکاتی بریلوی اور صاحبزادۂ اصغر مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی علیہما الرحمۃ کو سرکارِ نور سے خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔ ان دونوں صاحبانِ علم و فضل کی اپنے مرشدِ طریقت سے کس قدر والہانہ عقیدت و نیازمندی اور نوری میاں کو ان حضرات سے کس قدر الفت و محبت تھی۔ اس کا مختصراً تذکرہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

سرکارِ نور حضرت سید شاہ ابو الحسین نوری میاں کی حجۃ الاسلام پر نوازشات کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری تحریر کرتے ہیں:

"حضرت شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں کی سرپرستی انہیں ہر طرح حاصل رہی۔ انہیں کے حکم سے امام احمد رضا نے اپنے عزیز تر صاحبزادے حجۃ الاسلام کو تمام سلاسلِ عالیہ و علوم

وفنون، اذکار واشغال اور اوراد واعمال کی اجازت مرحمت فرمائی۔"

(ص ۲۷۵۔ تذکرۂ جمیل (سوانح حضرت حجۃ الاسلام) مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی، سنی رضوی اکاڈمی، ماریشس ڈربن افریقہ ۱۴۱۲ھ)

باجازت نوری میاں حجۃ الاسلام کو خلافت واجازت دیے جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سند مسند نشینی میں خود فرماتے ہیں:

وقد کنت اجزت ولدی الاعز محمد المعروف بالمولوی حامد رضا خاں سلمہ الرحمن عن طوارق الحدثان ونوازع الشیطان وجعلہ خیر خلف بسلفہ الصالحین ووفقہ مدۃ عمرہ لحمایۃ الدین ونکایۃ المفسدین وانہ ولی ذلک وخیر مالک والحمد للہ رب العالمین، بجمیع السلاسل والعلوم والاذکار والاشغال والاوراد والاعمال وسائر ما وصلت الی اجازتہ من مشائخی الاجلاء اولی الافضال۔ وکان ذلک بامر شیخہ نور الکاملین، خلاصۃ الواصلین سیدنا السید الشاہ ابی الحسین احمد النوری میاں صاحب المارھروی قدس سرہ النوری۔

بلاشک میں اپنے بیٹے محمد معروف بمولوی حامد رضا خاں کو (اللہ تعالیٰ اسے اچانک حادثوں، شیطان کے کوچوں سے محفوظ رکھے۔ اور مولائے کریم اسے سلف صالحین کا بہترین جانشین بنائے اور تمام عمر اسے حمایت دین ورد مفسدین کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہی مولیٰ تعالیٰ اس کا مددگار اور بہتر مالک ہے۔ پروردگار عالم ہی کے لئے حمد ہے۔) تمام سلسلوں اور تمام علوم اور سارے اذکار واشغال اور اوراد واعمال کی اور اس چیز کی جس کی مجھے میرے مشائخ کرام سے اجازت پہنچی۔ اجازت دے چکا تھا اور میرا اجازت دینا اس کے مرشد برحق شیخ طریقت نور الکاملین، خلاصۃ الواصلین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ النوری کے حکم سے تھا۔"

(سند مسند نشینی مرتبہ عنایت محمد خان نوری ص ۶، ۸ بحوالہ تذکرہ جمیل ص ۲۷۶)

حجۃ الاسلام کو اپنے مرشد روحانی سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ حجۃ الاسلام کی مندرجہ ذیل تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ حجۃ الاسلام اپنے ایک مرید وخلیفہ مولانا ریاض الحسن شاہ صاحب جودھپوری (مفتی اعظم حیدرآباد سندھ پاکستان) کو ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں اپنی جانب سے جاری کردہ خلافت نامے میں لکھتے ہیں:

''امابعد امی گوید فقیر ناسزا سرگریباں فکر جز احمد رضا المدعو بحامد رضا عفا اللہ عنہ ماجنی کہ حضور پرنور، دریائے رحمت، آفتاب نعمت، قدوۃ الواصلین، سراج السالکین، نورالعارفین حضرت سیدنا مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ وکعبہ افاض اللہ علینا من شابیب فیضہ النوری۔

ونیز اشارت سراپا بشارت حضور ممدوح، حضرت سیدی والدی واستاذی وملاذی امام اہل سنت، مجدد المأۃ الحاضرہ، مؤید الملۃ الطاہرہ سیدنا ومولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ وکعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بالرضا السرمدی، ایں نااہل سراپا ظلم وجہل را ماذون ومجاز ساخت (نقل خلافت مشمولہ تذکرہ جمیل ص ۲۷۷)

درج بالا خلافت نامے میں مرشد روحانی کے ذکر میں حجۃ الاسلام نے جن القاب وخطابات کا ذکر کیا ہے وہ ان کی کمال عقیدت ونیازمندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سرکار نور کے علاوہ دیگر اکابر ومشائخ مارہرہ سے بھی حجۃ الاسلام کی عقیدت ووارفتگی اور محبت ونیازمندی پر ان کی مختلف تحریریں شاہد ہیں۔ آپ کی شاعری کے ایک انتخاب مشمولہ تجلیات حجۃ الاسلام مؤلفہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی وتذکرہ جمیل میں خاتم الاکابر کی شان میں کثیر اشعار پر مشتمل تین طویل مناقب بھی راقم الحروف کے پیش نظر سے گزرے جو سب کی سب خاتم الاکابر کی شان میں کہے گئے ہیں۔ چند بند آپ بھی ملاحظہ کیجئے: حجۃ الاسلام فرماتے ہیں۔

ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم مارہرہ
دل کی کلیاں آل رسول
بھینی بھینی سی مست خوشبو ہے
دل کی کلیاں بسائے آل رسول

ہے بریلی میں آج مارہرہ
اعلیٰ حضرت ہے جائے آل رسول
قادریوں کا ہے لگا میلہ
ہے تماشا ضیائے آل رسول
نوری مسند پہ نوری پتلا ہے
اچھا ستھرا رضائے آل رسول

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہ سرکار نور حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہ کے خاتم الخلفا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سرکار نور کی آپ پر نوازشات وعنایات کا تذکرہ امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی اس طرح فرماتے ہیں:

"تاریخ وحالات پر مشتمل کتابیں گواہ ہیں کہ تاجدار اہلسنت، سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے پیر ومرشد (سیدنا آل رسول احمدی مارہروی) کے "میکدۂ گنج اولیاء" "مارہرہ مطہر" حاضر تھے۔ رات کا تین چوتھائی حصہ گزر چکا تھا۔ ساری کائنات محو استراحت تھی۔ امام احمد رضا آخر شب کی لذت سے ہمکنار ہونے کے لئے اپنے محمول کے مطابق مسجد کی طرف رہے تھے، اسے اتفاق بلکہ حسن اتفاق کہئے کہ راہ میں "قطب ربانی" حضرت شیخ ابوالحسن نوری میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ جو خود بھی اپنی ہزار شان بندگی کے ساتھ مسجد کی جانب جارہے تھے۔

دوبارہ نور کے تصادم نگاہی نے تیسرے نور کے جنم کا ایک دوسرے کو پیغام دیا۔ یعنی ہر ایک نے آنکھوں آنکھوں اپنے رویائے صادقہ کی سرگزشتہ بیان فرمائی۔ اس عطر النورین کا حاصل یہ تھا کہ امام احمد رضا کے دولت سرائے اقبال میں ایک چاند سے بچے کا تولد ہوا ہے۔ ولی کی بات ولی جانے، لیکن حاضرین نے دیکھا کہ نماز فجر کے بعد قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے وہیں اسی حال میں اسی نوزائیدہ بچے کی بیعت لی اور غائبانہ طور پر

خلعت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

کیا حضرت نوری میاں صاحب حال کے جھروکے سے مستقبل کو جھانک رہے تھے؟ گو یہ بات اس وقت صیغۂ راز میں رہی لیکن آنے والے حالات وواقعات نے اس راز کو راز رہنے نہیں دیا۔ اور پھر اسی دن بعد نماز عصر مجلس خاص میں حاضرین کے سامنے خواب کے جزئیات بیان کئے گئے اور آپ کا نام ''آل رحمن'' تجویز کیا گیا۔

دن ہفتوں میں اور ہفتوں مہینے میں بدلتے گئے تا آنکہ جب ماہتاب چھٹی بار ہلال کی صورت میں نمودار ہوا تو قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے بہ نفس نفیس بریلی شریف تشریف لاکر بیعت وخلافت کے مراسم کی تجدید فرمائی۔

باب اجابت کو چومنے والی پیشن گوئی پر مشتمل پدر بزرگوار کی دُعا اور ہزاروں میں خام کو کندن بنانے والی پیر ومرشد کی نگاہ نے عہد طفلی ہی میں بچے کو بسطامی شمائل اور جنیدی خصائل کا جامع بنا دیا۔

(مضمون، حضرت مفتی اعظم ہند بحیثیت شیخ طریقت مشمولہ ''تحقیقات امام علم وفن'' ناشر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۲۵۷)

سرکار نورے حضرت مفتی اعظم کی عقیدت ومحبت کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا کے صاحبزادۂ اصغر حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو اپنے مرشد برحق سرکار نوری میاں سے بے پایاں عقیدت ومحبت تھی۔ انہوں نے حضور نوری میاں کے تخلص پر اپنا بھی تخلص نوری رکھا تھا۔ وہ فنافی المرشد تھے اور یہ فیض تھا مرشد ہی کا۔

مفتیِ اعظم فنافی الشیخ ہونے کی اپنی اس تمنا کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

فقط نسبت کا جیسا ہوں حقیقی نوری ہو جاؤں

مجھے جو دیکھے کہہ اٹھے میاں نوری میاں تم ہو

(سیدین نمبر، ص ۲۷۴)

اپنے پیر خانہ خانقاہ برکاتیہ میں آپ کی عظمت ومقبولیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا

جانشین تاج العلما آپ اپنے عہد میں خانقاہ برکاتیہ کے منتخب مفتی تھے۔ مشائخ مارہرہ نے آپ کو اعلیٰ حضرت کے بعد اپنا مفتی بنایا تھا۔ احسن العلما قدس سرہ فرماتے ہیں:

”انسان کے لئے لازم ہے کہ جس طرح چھان بین کے بعد اپنے معالج کا انتخاب کرتا ہے، اسی طرح غور و فکر اور تحقیق کے بعد کسی کو اپنے مفتی بنائے۔ مفتی اعظم ہند کے بعد بہت سوچ سمجھ کر ہم نے نائب مفتی اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی کو اپنا مفتی بنایا ہے، یہ برکاتی مفتی ہیں۔ (معارف شارح بخاری، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

حضرت نوری میاں کے بعد خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی سجادگی وتولیت حضرت سید مہدی میاں، حضرت سید محمد اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں اور حضرت تاج العلما سے ہوتی ہوئی سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفی قادری برکاتی اور احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفی حیدر حسن میاں کے پاس آئی۔

حضرت سید مہدی میاں قدس سرہٗ سے اعلیٰ حضرت کی عقیدت و محبت اور نیاز مندی کے کئی ایک واقعات ہیں جو سادات کرام کی بارگاہ میں اعلیٰ حضرت کی کمال نیاز مندی کا مظہر ہے وہیں عام لوگوں کے لئے بھی درس عمل ہے۔ واقعات کے ذکر میں حیات اعلیٰ حضرت کے حوالے سے اس تعلق سے بعض واقعات کا ذکر ما قبل میں کیا جا چکا ہے۔ حضرت مہدی میاں کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی جس پر آپ کے مکاتیب شاہد ہیں۔ اسی طرح مجددیت برکاتیت حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں کو اعلیٰ حضرت سے کس درجہ غایت محبت تھی اس کا اندازہ محبددیت برکاتیت کی تصانیف و مکتوبات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کے صاحبزادۂ گرامی تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے اس قدر محبت تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت تاج العلما قدس سرہٗ فرماتے ہیں

> اور فقیر کو اگر چہ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ تلمذ کی حاصل نہیں، بہتر و برتر اپنا استاد جانتا ہے۔ ان کی تقریرات و تحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی و علمی حاصل ہوئے اور چونکہ تحریر و تقریر میں ان کا طریقہ بے لوث اور مواخذات صوری اور معنوی، شرعی اور عرفی سے منزہ

وسیرہ ثابت و محقق ہوا۔ لہٰذا فقیر بھی تا بہ وسعت ان کے طریقہ کار کا اتباع کرنا پسند کرتا ہے۔" (تاریخ خاندان برکات، ص ۷۶)

حضرات سیدین (حضرت سید العلما و حضرت احسن العلما) نے اعلیٰ حضرت اور ان کے فکر و مشن سے جذباتی وابستگی اور محبت رضا کی جو شمع خانوادۂ برکات اور وابستگان و متعلقین سلسلہ میں جلائی، وہ مثالی اور تاریخی ہے۔ ایک دل لگتی بات کہی جائے تو یہ ذکر کرنا مناسب نہیں ہوگا کہ ان دونوں حضرات نے مختلف بلاد و امصار میں امام احمد رضا اور ان کے فکر و مشن کے استحکام و ترقی میں جو تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اسے رہتی دنیا تک بھلایا نہ جا سکے گا۔

سید العلما کی اعلیٰ حضرت سے والہانہ محبت و عقیدت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت سید ملت سید آل رسول حسنین میاں نظمی لکھتے ہیں:

"میرے والد ماجد سید العلما مولانا مفتی حافظ قاری الحاج سید آل مصطفیٰ سید میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ والرضوان اعلیٰ حضرت کے سچے عاشق تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے علمائے متقدمین و فقہا و محدثین کا اجتہاد اور ان کی عظمت و فضیلت سر آنکھوں پر؟ مجھے تو اپنے اعلیٰ حضرت ہی کافی ہیں۔"

امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری لکھتے ہیں:

عم محترم حضور سید العلما نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے لیے وقف فرما دی۔ خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت کا شیدائی ہے۔ ہماری نجی مجالس ہوں یا عوامی جلسے ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ و اشاعت ہی ہم لوگوں کا نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے۔ اس ضمن میں اپنے عم محترم حضور سید العلما قدس سرہ کا یہ شعر مجھے بار بار یاد آ رہا ہے۔

حفظ ناموسِ رسالت کا جو ذمہ دار ہے
یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد

(سیدین نمبر)

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی سید العلما کی خانوادۂ رضویہ سے بے پناہ محبت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"یوں تو آپ (سید العلما) کو ہر سنی خانقاہ و علمی خانوادے اور ہر عالم اہل سنت اور سنی ادارے سے محبت تھی اور آپ اصاغر علما یہاں تک کہ علما میں اپنے مریدین اور طلبہ مدارس سے بھی بہت محبت رکھتے تھے اور انہیں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے لیکن بریلی شریف اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے ہر ہر فرد یہاں تک کہ وہاں کے خدام سے بھی آپ بڑی محبت و احترام سے پیش آتے۔ آپ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کے پیرزادے تھے مگر مفتی اعظم اور خانوادۂ رضا کے دوسرے افراد سے آپ کا والہانہ پن دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ حضرات خود آپ کے پیرزادے ہوں۔ دراصل یہ تو آپ کے خاندان کی ریت ہے کہ سدا نیاز کیشوں اور غلاموں کو نوازا جاتا رہا ہے۔ جس طرح حضرت خاتم الاکابر سیدنا آل رسول احمدی اور حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہم نے امام احمد رضا اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہم کو نوازا اسی طرح آپ (سید العلما) نے امام احمد رضا کے بچوں کو نوازا۔ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو تو آپ کو از حد عقیدت و محبت تھی اور قریب قریب ہر سال دار العلوم مظہر اسلام کے جلسۂ دستار فضیلت میں آپ تشریف لاتے اور خصوصی تقریر فرماتے۔

نبیرزادہ امام احمد رضا ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ بڑی محبت کرتے تھے اور انہیں مثل اولاد سمجھتے اور مانتے۔ انہیں آپ پیار سے "رحمانی" اور "بیٹے رحمانی" کہا کرتے تھے۔" (سیدین نمبر ص ۸۷۳ و ۷۹)

احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ کی اعلیٰ حضرت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت سے محبت جگ ظاہر ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کے بعد حضرت سید العلما اور احسن العلما ہی تھے جنہوں نے خانوادۂ رضویہ کی روحانی سرپرستی کے ساتھ ان کے خاندانی اور خانگی امور و معاملات میں فیصل تھے۔

حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کے بعد کی پیڑھی میں خاندانِ رضا کی معروف شخصیات میں تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی شاہ محمد اختر رضا خاں قادری کو اپنے مرشد بیعت و اجازت حضور مفتی اعظم کے علاوہ مشائخ مارہرہ میں سید العلما اور احسن العلما دونوں سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ اسی طرح شہزادگان مارہرہ میں حضرت امین ملت کو اپنے والد گرامی احسن العلما

کے علاوہ حضرت مفتی اعظم ہند سے بھی خلافت واجازت حاصل ہے۔شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری فرماتے ہیں:

حضرت امین میاں قبلہ کو ان کے والد ماجد حضرت سید احسن العلما علیہ الرحمہ نے اپنا سجادہ نشینی کے دن یعنی ۱۹۵۶ء میں سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا۔ بعدہٗ عرس رضوی کے موقع پر حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے حضرت امین میاں صاحب قبلہ کو اپنے دولت کدے پر ڈیوڑھی میں اور پھر منبر رسول پر ایک ہی دن میں تین بار خلافت عطا فرمائی۔ اور لاکھوں مجمع کے سامنے وہ جملہ کہا جو مشہور زمانہ ہو گیا:

"جو کچھ مجھے سرکار مارہرہ مطہرہ سے ملا وہی سب کا سب آپ کو پیش کر رہا ہوں۔"

بعدہٗ حضور مفتی اعظم ہند نے اپنا جبہ،عمامہ اور تحریری مہر شدہ خلافت نامہ عنایت فرمایا۔ اس عرس رضوی میں حاضر ہونے والے حضرات آج بھی اس منظر کو یاد کر کے ایک عجیب روحانی انبساط کی کیفیت میں خود کو گرفتار پاتے ہیں۔(یاد حسن،سید محمد اشرف قادری دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء،ص ۹۱،۹۲)

موجودہ مشائخ بریلی میں جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ ازہری میاں کی مارہرہ مطہرہ سے والہانہ عقیدت ومحبت کو بتاتے ہوئے آپ کے ایک باکمال خلیفہ حضرت مولانا ناظم علی رضوی مصباحی لکھتے ہیں:

"حضرت تاج الشریعہ امام احمد رضا قدس سرہ ومفتی اعظم قدس سرہ کی طرح مارہرہ مقدسہ کی سرزمین پر والہانہ عقیدت ومحبت کے ساتھ گلشن برکات کی مشک بار خوشبوؤں سے مشام جاں کو معطر کرنے کے لیے کمال ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوتے اور مارہرہ مقدسہ کے ذرہ ذرہ کا ادب احترام بجالاتے اور خانوادۂ برکاتیہ کے اکابر ومشائخ اپنی عنایتوں اور نوازشوں کا حظ وافر عطا فرماتے اور رشتۂ محبت قوی فرمانے کے لیے بریلی شریف تشریف لاتے اور گلہائے محبت نچھاور فرماتے،رونق اسٹیج ہو کر خطابت کے گوہر آبشار لٹاتے،امام احمد رضا قدس سرہ اور مفتی اعظم کی بلندیوں کا برملا اظہار کرتے۔مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت،تائید وحمایت اور اس پر مضبوطی سے قائم رکھنے کی تاکید فرماتے،اعلیٰ حضرت کو

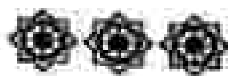
بیرے اعلیٰ حضرت فرماتے اپنی نیک دعاؤں سے نوازتے۔'' (سالنامہ اہلسنت کی آواز جلد ۲۱، خلفائے خاندانِ برکات، ص ۳۶۲)

شیخ طریقت حضرت سبحانی میاں زیب سجادہ خانقاہ رضوی بریلی شریف کی خانقاہ مارہرہ مطہرہ سے وابستگی کو بتاتے ہوئے بارگاہ سبحانی کے مقرب ومعتمد عالم دین مولانا اعجاز انجم لطیفی (استاذ شعبہ عربی دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف) رقم طراز ہیں:

''حضور صاحب سجادہ حضرت سبحانی میاں قبلہ خانقاہ برکاتیہ سے ہمیشہ سچا لگاؤ رکھتے ہیں اور وہاں کے تمام افراد سے عقیدت ومحبت کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ یہ صاحب سجادہ کے حسن عقیدت ہی کی بات ہے کہ آپ نے احسن العلما کے وصال کے بعد حضرت امین ملت سے اپنے دونوں شہزادوں کو مرید کرایا اور ان کی غلامی میں پیش کیا۔

یہ حسن عقیدت ہی ہے کہ حضور صاحب سجادہ نے اپنے مرشد اجازت حضور احسن العلما حضرت علامہ سید مصطفی حیدر حسن علیہ الرحمہ کو ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' کا سرپرست روحانی منتخب فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ ہر سال عرس رضوی کے موقع پر خانقاہ برکاتیہ کے صاحب سجادہ کو عرس رضوی میں شرکت کے لیے خصوصی دعوت نامہ پیش کیا جاتا ہے۔ دعوت نامہ صاحب سجادہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے آپ یا آپ کا ولی عہد حضرت مولانا محمد احسن رضا خاں صاحب قبلہ جامعہ کے اساتذہ کو لے کر مارہرہ شریف حاضر ہوتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۸۰)

موجودہ مشائخ مارہرہ بھی خانوادہ رضویہ سے اپنے اسلاف کی روش پر چلتے ہوئے بے حد پیار کرتے ہیں۔ اُن کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔



مولانا ڈاکٹر شفیق اجمل قادری
چیف ایڈیٹر: تجلیات زینت: بنارس

سلسلہ قادریہ کے فروغ میں امام احمد رضا کا کردار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ۱۰ ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ / ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو شہر بریلی کے ایک علمی گھرانے مولانا نقی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں کے یہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے جید عالم، ولی کامل، ریاضت وعبادت گزار اور متقی وپرہیزگار بزرگ تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کو علماے عرب وعجم نے اتفاق رائے سے چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا ہے۔ آپ کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، زور قلم، فقہی بصیرت، ذوق شعر وادب اور دینی فراست کا عرب وعجم معترف رہا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے سیکڑوں علوم وفنون پر مشتمل ہزار کے قریب کتابیں تحریر فرما کر امت مسلمہ کی رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ایک طرف آپ نے جہاں بندگان خدا کی علمی پیاس بجھائی وہیں دوسری جانب آپ نے انھیں روحانیت کے جام سے بھی سرشار کیا۔ سلسلۂ قادریہ سے آپ کو خوب عقیدت ومحبت تھی اور خود کو سلسلۂ قادریہ سے وابستہ کر کے اسے برصغیر میں خوب فروغ بخشا۔ لاکھوں لاکھ بندگان خدا اس سلسلہ میں آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے اور آپ کی ذات کے سبب یہ سلسلہ "سلسلۂ قادریہ رضویہ" اور "خانقاہ رضویہ" کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہوا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے چونکہ دین وسنیت کی بے مثال خدمت انجام دی اور ہمیشہ معمولات اہل سنت، عقائد اہل سنت اور صوفیہ کے مسلک کو مدلل ومبرہن کرنے کے لیے پوری زندگی اپنی زبان وقلم کا بحسن وخوبی استعمال کرتے رہے۔ یوں تو رشد وہدایت، بیعت وارشاد اور خانقاہی رسوم کی ادائیگی کا سلسلہ آپ کے جد امجد حضرت مولانا رضا

علی خاں علیہ الرحمہ (م ۱۸۶۹) کے زمانے سے باقاعدگی کے ساتھ جاری وساری تھا، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے دینی ومذہبی بے مثال کارناموں کی وجہ سے پوری دنیائے سنیت سے علما ومشائخ اور عوام وخواص آپ کی بارگاہ میں پروانہ وار کشاں کشاں آنے لگے۔ جس کی وجہ سے اس خانقاہ کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ برصغیر میں سلسلہ قادریہ کو فروغ دینے والی ایک عظیم خانقاہ ہے۔ جس تناسب سے سلسلہ قادریہ کا فروغ اس خانقاہ عالیہ کے ذریعہ ہوا اور ہو رہا ہے، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ خانوادۂ رضویہ تقریباً دو سو سال سے امت مسلمہ کی قیادت وسیادت کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی بلاشبہ ایک عبقری شخصیت تھے آپ جس دور میں تشریف لائے وہ بڑا ہی پر فتن دور تھا۔ تصوف ومعرفت پر ہر چہار جانب سے حملے ہو رہے تھے۔ بدعت کا عام رواج ہو گیا تھا۔ شریعت مطہرہ کی پامالی کی جا رہی تھی۔ بدمذہبیت کے خطرناک جراثیم مومن صادق کے ایمان کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قول وفعل سے بنی نوع انسان کے عقیدہ وعمل کی اصلاح وفلاح کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ اطاعت رسول میں گزار کر تمام مسلمانان عالم کو سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کا شعور بخشا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کو جب معرفت کی منزل طے کرنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہوئی تو ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں آپ اپنے والد ماجد مولانا شاہ محمد نقی علی خاں اور تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی کے ہمراہ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کی خدمت بابرکت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں انہیں سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی اجازت وخلافت کی دولت سے بھی سرفراز ہوئے۔

خانقاہ مارہرہ کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ بیعت کے بعد مریدین کو ریاضت ومجاہدہ کے دشوار گزار مراحل سے گزارا جاتا اور ان کے میلے کچیلے دل کو ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ مصفّٰی ومجلّٰی بنایا جاتا، پھر اگر وہ شیخ کے معیار پر کامل اترتا تو اسے خلافت کی عظیم دولت سے سرفراز کیا جاتا، لیکن جب امام احمد رضا محدث بریلوی بیعت وارادت سے مشرف ہوئے تو ساتھ ہی

آپ کو اجازت وخلافت بھی دی گئی اس پر حضرت سید شاہ ابو الحسین نوری میاں نے حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے دریافت کیا:

"حضور آپ کے یہاں تو طویل و باشقت مجاہدات و ریاضت کے بعد خلافت و اجازت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں (امام احمد رضا اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی قدس سرہما) کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی۔ تو حضرت نے ارشاد فرمایا میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے مجاہدات طویلہ اور ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے تو ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی۔ اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہو گئی"۔ ۱

آپ کو اپنے مرشد کی بارگاہ سے بیعت وخلافت کی دولت ملنے کے ساتھ ہی ساتھ تمام سلاسل طریقت (جن کی تعداد تیرہ بتائی جاتی ہے) اور تمام موروثی اوراد و وظائف کی اجازت بھی عطا ہوئی۔ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول نے سلسلۂ قادریہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے بیعت ہونے کے بعد آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:

"آج وہ فکر میرے خیال سے دور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو عرض کروں گا کہ اے الٰہی! میں تیرے لیے "احمد رضا" کو لایا ہوں"۔ ۲

امام احمد رضا محدث بریلوی نے شیخ کے وصال کے بعد امام الاولیاء شاہ سیدنا ابو الحسین احمد نوری (م ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) سے علوم باطنی کا اکتساب فرمایا۔ سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہوتے ہی آپ نے اسے خوب فروغ دیا۔ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے فرزندان نے اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کی اشاعت میں ہمہ وقت کوشاں رہے۔ خانقاہ رضویہ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے بعد عالم اسلام کو جو مشائخ دیے ہیں ان میں سے چند مشاہیر

مشائخ عظام کے اسمائے گرامی یہ ہیں حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں (ولادت ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفی رضا خاں (ولادت ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء وفات ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) مفسر اعظم حضرت مولانا شاہ ابراہیم رضا خاں (ولادت ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء وفات ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) اور تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ اختر رضا خاں قادری ازہری (ولادت ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء وفات ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء) نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اور ساتھ ہی ساتھ سلسلۂ قادریہ رضویہ کے فروغ اور اس کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

خانقاہ رضویہ کے مشائخ عظام روحانی کمالات کے جامع تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی سے لے کر آج تک پورے تسلسل کے ساتھ ارباب فضل وکمال، اساطین عشق و عرفان اور داعیان حق وصداقت اس خانقاہ میں پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے عہد میں دعوت وارشاد، تبلیغ وہدایت، تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب کے آفاقی خدمات انجام دیتے رہے اور ہر دور میں طالبان حق ومعرفت اس خانقاہ میں حاضر ہو کر اپنی پیاس بجھاتے رہے۔

آج سلسلہ قادریہ رضویہ کے فروغ کی ایک بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ اس سلسلہ میں بنیادی حقیقت ایمان کی پختگی اور شریعت وسنت کی اتباع کا سب سے پہلے درس دیا جاتا ہے اوراد ووظائف کا اس کے بعد کیونکہ اوراد ووظائف بھی اپنا اثر اسی وقت دکھاتے ہیں جب سالک کا ایمان درست ہو اور عقیدہ پختہ، ورنہ سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی اوراد ووظائف کی بھی اجازت اسی وقت دیتے ہیں کہ جب بندہ فرائض وواجبات کو مکمل طور پر ادا کرے۔ اس سلسلہ میں آپ ''الوظیفۃ الکریمۃ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اذکار واشغال میں مشغولی سے پہلے اگر قضا نمازیں یا روزے ہوں ان کا ادا کرنا جس قدر ممکن ہو نہایت ضروری ہے جس پر فرض باقی ہو اس کے نفل واعمال مستحبہ کام نہیں دیتے بلکہ قبول نہیں ہوتے جب تک فرض ادا نہ کرے''۔[۳]

امام احمد رضا محدث بریلوی سلسلہ قادریہ کی ایک اہم کڑی ہیں۔ مشائخ قادریہ رضویہ میں

سے سیدنا موسیٰ کاظم (م ۱۸۲ھ) سے لے کر سیدنا احمد الجیلانی (م ۸۵۳ھ) تک سید علی رضا (م ۸۴۲ھ) کے علاوہ بھی حضرات کی زندگیاں بغداد میں گزریں اور بعد وصال ان کے مزارات بغداد مقدس میں ہیں۔ شیخ بہاء الدین (م ۹۲۱ھ) مدفون دولت آباد کے واسطے سے "سلسلہ عالیہ قادریہ" کی اشاعت ہندوستان میں ہوئی۔ دہلی، کاکوری، لکھنؤ، جہان آباد، کالپی، مارہرہ اور بریلی کے مقامات اس اعتبار سے بابرکت ہیں کہ ان میں مشائخ قادریہ نے علم وعرفان کی شمع روشن کیں اور مخلوق خدا کو واصل خدا کیا۔ ان حضرات میں ہر ایک بزرگ خواجہ ومقتدر زمانہ تھا۔ مگر جو عزت وشہرت امام احمد رضا محدث بریلوی کو عطا ہوئی وہ سب سے منفرد تھی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال تھی۔ طریقت وسلوک کی راہیں آپ نے خاندان مارہرہ کی رہنمائی میں طے کرتے ہوئے دنیا کو رشد وہدایت کا پیغام دیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کے تربیت یافتہ خلفا کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی۔ جنہوں نے تبلیغی، تدریسی، صحافتی، تصنیفی اور سیاسی غرض کہ بھی میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے خلفا کی ایک لمبی فہرست ہے جو عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلفاء ومتوسلین نے نہ صرف برصغیر میں بلکہ اقوام عالم میں علم وعرفان کی دنیا آباد کی۔ مسلم دنیا کی اکثر آبادی میں آپ کے انوار ہدایت پھیلے ہیں۔ آپ کے چند مشاہیر خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا قادری (خلف اکبر) (م ۱۹۴۳ء)
۲۔ مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری (خلف اصغر) (م ۱۹۸۱ء)
۳۔ صدر الشریعہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء)
۴۔ صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۹۴۸ء)
۵۔ ملک العلماء مولانا شاہ ظفر الدین قادری (م ۱۹۶۲ء)
۶۔ مولانا شاہ احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی (م ۱۹۲۵ء)
۷۔ شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی الوری (م ۱۹۳۴ء)
۸۔ مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (م ۱۹۵۴ء)

۹۔ قطب مدینہ مولانا شاہ ضیاء الدین مدنی (م ۱۹۸۱ء)
۱۰۔ حضرت مولانا عبدالسلام جبل پوری (م ۱۹۴۴ء)
۱۱۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف قادری (م ۱۹۵۹ء)
۱۲۔ حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری (م ۱۹۸۵ء)
۱۳۔ حضرت مولانا تقدس علی خان بریلوی (م ۱۹۸۸ء)

امام احمد رضا محدث بریلوی کو قرآن وسنت اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں ملکہ حاصل تھا۔ اسی لیے وہ تصوف کے اسرار ورموز سے بھی مکمل طور پر واقف تھے۔ طریقت ومعرفت کے دقیق مسائل میں ارباب طریقت ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ فن تصوف میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں:

(۱) کشف حقائق واسرار دقائق
(۲) التلطف بجواب مسائل التصوف
(۳) نقاء السلافة فی احکام البیعة والخلافة
(۴) الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة
(۵) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما وغیرہ

یہ وہ تصانیف ہیں جن میں تصوف کے اسرار ورموز اور حقیقت ومعرفت کا بحر ذخار نظر آتا ہے۔ علم تصوف کے ساتھ ساتھ امام موصوف تصوف کے عملیاتی میدان کے بھی شہسوار ہیں ایسا نہیں کہ علوم تصوف کے دریا تو بہائے مگر خود کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ تصوف کے وہ تمام مراحل جن سے گزر کر ایک صوفی درحقیقت صوفی بنتا ہے وہ سب کے سب امام احمد رضا محدث بریلوی نے طے کیے تھے۔ حال ووقت، مقام وتمکین، محاضرہ ومکاشفہ، قبض وبسط، انس وہیبت، قہر ولطف نفی واثبات، مسامرہ ومحادثہ، علم الیقین، حق الیقین، علم ومعرفت اور شریعت وطریقت کے وہ کون سے منازل ہیں جن کو آپ نے سر نہ کیا ہو۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے علوم تصوف کو نہ کسی درسگاہ میں حاصل کیا اور نہ ہی کسی خانقاہ میں تزکیہ نفس کے لیے برسوں ریاضتیں کیں۔ لیکن کتاب وسنت اور دینی علوم کی روشنی

سے تصوف کے اسرار ورموز آپ پر آشکار ہو گئے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے عرفان کے حوالے سے خود رقمطراز ہیں:

''علم تصوف کہ اس کی انتہائی حد اگرچہ احاطۂ عقل میں آنے سے وریٰ ہے اور واصل الی اللہ ہونے کے بغیر وہاں تک نہیں پہنچا جا سکتا لیکن تعلیم ظاہری کی بدولت یا نظر وفکر میں کوشش کرنے کے سبب یا حسن تدبیر اور صحیح سوچ بچار کے ذریعہ جتنا تصوف حاصل ہو سکتا ہے اتنا ہے۔'' [۳]

امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے نظریۂ تصوف میں متقدمین صوفیہ کے دوش بدوش نظر آتے ہیں اور ہر ایک منزل پر شریعت کا لحاظ کامل طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینہ میں دیکھنے اور پرکھنے کا اعلیٰ شعور رکھتے تھے۔ راہ سلوک کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے تصوف کے منازل مرشد کامل کے بغیر طے نہیں کیے جا سکتے۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت، حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سے سب سے زیادہ ظاہر وآسان مسائل شریعت ہیں۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین ان کی شرح نہ فرماتے تو علما کچھ نہ سمجھتے اور علمائے کرام اقوال ائمہ مجتہدین کی تشریح وتوضیح نہ کرتے تو ہم لوگ ارشاد ائمہ کے سمجھنے سے بھی عاجز رہتے۔ جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن ہے کہ دقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے۔ بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا۔ تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے۔ ائمہ فرماتے ہیں آدمی اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم، عامل، زاہد، کامل ہو اس پر واجب ہے

کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے۔ بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں۔"۵

امام احمد رضا محدث بریلوی نے نام نہاد صوفی پیروں سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک ضابطہ بیان کیا تا کہ جاہل پیر بھولے بھالے مریدوں کو احکام شرعیہ سے نہ بہکا سکیں آپ نے ایک ایسا خط کھینچا جس سے یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے چند شرطیں رقم کیں کہ پیر کو کیسا ہونا چاہیے۔

"(۱) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے سے اتصال ناممکن (۲) سنی صحیح العقیدہ ہو بد مذہب نہ ہو (۳) عالم ہو۔ علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف، کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔ (۴) فاسق معلن نہ ہو۔

مذکورہ بالا تمام شرطیں ایک کسوٹی ہیں۔ لگتا ہے امام احمد رضا نے اپنی عرفانی نگاہوں سے بارگاہ رسالت کو اس طرح دیکھا اور ایسی حاضری دی ہے جس سے بند دلوں کی کشود ہوتی ہے۔ پیر و مرشد کا تعلق اپنے مرید سے استاد گیرا اور نرالا ہوتا ہے جہاں سے رضائے الٰہی کے زینے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر شیخ علم سے کورہ و بے بہرہ ہو گا تو اس کا پورا اثر مرید پر نمایاں ہو گا کیونکہ مرید پیر کا مظہر ہوتا ہے۔ یہ ساری کی ساری شرطیں ایک مرشد کامل کے لیے آئینہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شیخ جب کامل ہوتا ہے تو مرید میں بھی کمال ہوتا ہے۔"۶

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تصوف کے میدان میں پیدا شدہ تمام غلط روشوں کی سرکوبی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور ان کو اصل تصوف کا رنگ دینے کی بھرپور کوشش کی۔ تصوف اور اس کے اغراض و مقاصد کا صحیح تصور آپ نے پیش کیا۔ نام نہاد صوفیہ جن کی غلط روی اور بدکاری کے سبب تصوف کے دامن سے بدنما داغ کو مٹانے کے لیے پوری زندگی جہاد بالقلم کرتے رہے۔ بزرگان دین کے نام پر جو لوٹ کھسوٹ مزارات پر مچی ہوئی تھی اسے آپ نے صرف منع ہی نہیں فرمایا بلکہ سختی سے اس کی مخالفت کی۔ قبر پر سجدہ کرنے کو حرام لکھا اور اس کے تعلق سے "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے خانقاہوں اور صاحب خانقاہ کے تقدس کی خاطر اپنی پوری زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ آپ نے خانقاہی نظام کو درست کرنے کا اصول ضابطۂ حیات عطا فرمایا۔ یقیناً خانقاہوں پر امام احمد رضا کا ایک عظیم احسان ہے آج اگر خانقاہیں محفوظ ہیں مقابر کی عظمت کو برقرار رکھا گیا۔ آثار مقدسہ کی حفاظت کو ملحوظ رکھا گیا تو یہ کاوش اور ثمرہ ہے امام احمد رضا محدث بریلوی کی عظیم خدمات کا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تصوف کے اسرار و رموز کو ہر طرح بیان فرمایا وہ طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینہ میں دیکھتے تھے۔ آپ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ تصوف کے راستے پر شریعت کے اصول کی خلاف ورزی کر کے چلنا ممکن نہیں ہے۔ امام احمد رضا نظری تصوف سے کہیں زیادہ عملی تصوف کے پیکر تھے۔ اس لیے ان کی تحریروں میں صوفیانہ افکار و خیالات جا بجا جلوہ گر نظر آتے ہیں اور یہی "سلسلہ قادریہ رضویہ" کی اشاعت اور اس کے فروغ کی بنیادی اساس بھی ہے۔

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء میں جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا وصال ہو گیا تو آپ کی وصیت کے مطابق اس وقت کے جلیل القدر علما، مشائخ، خلفائے اعلیٰ حضرت، سجادگان اور بالخصوص بزرگان مارہرہ مطہرہ نے متفقہ طور پر آپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری کو خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کا سجادہ نشین اور سرکار اعلیٰ حضرت کا جانشین منتخب فرما کر مسند سجادگی پر متمکن کر دیا۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری کی ولادت ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں ہوئی۔ علم و عمل میں آپ اپنے والد ماجد امام احمد رضا محدث بریلوی کے نقش قدم پر تھے۔ ہر چہار جانب آپ کے علم و عمل کا شہرہ تھا۔ عربی زبان و ادب میں کمال کا دسترس تھا۔ اہل عرب سے گفتگو کرنے میں آپ کسی قسم کا تکلف نہیں محسوس کرتے تھے۔ علوم شرعیہ میں ہر ایک فن پر آپ کو مہارت تامہ تھی۔

والد ماجد نے آپ کو نور العارفین حضرت مولانا شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں مارہروی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں لے جا کر مرید کرا دیا۔ حضرت نور العارفین نے آپ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا اور ساتھ ہی والد ماجد امام احمد رضا محدث بریلوی سے بھی

سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں اجازت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ آپ بندگان خدا کو اسی سلسلہ میں مرید کیا کرتے تھے۔ حجۃ الاسلام نے سلسلہ قادریہ رضویہ کا دائرہ کافی وسیع کیا۔ بکثرت لوگوں نے آپ کے دست اقدس پر توبہ کی اور جوق در جوق خدمت میں حاضر ہوکر سلسلہ میں داخل ہوتے رہے۔ نور العارفین حضرت مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری سے آپ کو طریقت ومعرفت کے تیرہ سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔

حضور حجۃ الاسلام نے پوری زندگی خدمت دین، تحفظ سنیت وشریعت، اشاعت مذہب حنفیہ میں صرف فرمائی اور اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ قادریہ کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے ملک و بیرون ملک کے مختلف صوبوں اور شہروں کا دورہ کیا اور بندگان الٰہی کو حصول فیضان کا موقع بخشا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقمطراز ہیں:

"میواڑ راجستھان کے علاقوں اودے پور، چتوڑ گڑھ، بھیل واڑہ وغیرہ کے بیشتر سنی حجۃ الاسلام ہی کے حلقہ ارادت میں شامل تھے اودے پور کے مشہور نعت گو اور آرکیٹیکٹ جناب قمر انجم صاحب جو ۱۹۴۷ء کے بعد کراچی پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ بارہ سال کی عمر میں اودے پور ہی میں حجۃ الاسلام سے بیعت ہو گئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ تقسیم ہند سے قبل اودے پور میں ایک بھی وہابی ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پاتا تھا اور یہ سب حضرت حجۃ الاسلام کے قدموں کی برکت تھی۔

حضرت حجۃ الاسلام نے لاہور کے متعدد اسفار کیے تھے لاہور میں آپ کا قیام عام طور سے حضرت شاہ محمد غوث قادری علیہ الرحمۃ کے مزار پر ہوتا۔ یہاں علما اور عوام وخواص آپ سے خوب استفادہ کرتے، لوگ جوق در جوق داخل سلسلہ ہوتے۔

بنارس میں آپ کے مریدین اور معتقدین کی ایک کثیر تعداد تھی۔ شیر بیشہ اہل سنت علامہ حشمت علی خاں کے خانوادہ کے افراد سے

خصوصی تعلق تھا، ان کے صاحبزادہ مولانا وزارت رسول حجۃ الاسلام کے خاص مرید وخلیفہ اور تلمیذ تھے۔ ان سے آپ کو بہت محبت تھی۔

مدھیہ پردیش میں گوالیار میں حضرت حجۃ الاسلام کے مریدوں کی اچھی خاصی تعداد تھی اور ان شہروں کا اکثر دورہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ شہر راجاؤں کے شہر تھے، راجگان بھی آپ کے دیدار کے لیے بیتاب رہا کرتے تھے۔ آپ جب ان مقامات میں سے کسی مقام پر جاتے تو کسی نہ کسی بہانے سے راجگان آپ کا دیدار کر لیتے۔'' [۷]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کی بدولت بہت سارے لوگوں کو سلسلہ قادریہ میں دخول کا موقع ملا۔ اس طرح برصغیر میں سلسلۂ قادریہ رضویہ کو آپ کی ذات ستودہ صفات سے خوب فروغ حاصل ہوا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے بہت سی شخصیات کو اجازت وخلافت عطا فرمائی جنہوں نے ہندو پاک اور دنیا کے دوسرے ممالک میں سلسلہ کا کام کیا، آپ کے نامور خلفا کی تعداد بہت ہے ان میں بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں (م ۱۹۶۵)
۲۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد فیصل آباد (م ۱۹۶۲)
۳۔ شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیت (م ۱۹۶۰)
۴۔ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن دھام نگر، اڑیسہ (م ۱۹۸۱)
۵۔ امین شریعت مفتی محمد رفاقت حسین، کانپور (م ۱۹۸۳)
۶۔ محدث جلیل مولانا محمد احسان علی بہاری (م ۱۹۸۲)
۷۔ نبیرہ حجۃ الاسلام مولانا ریحان رضا خاں (م ۱۹۸۵)
۸۔ شیخ الحدیث مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی (م ۱۹۸۶) وغیرہم

۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء ستر برس کی عمر میں حضرت حجۃ الاسلام کا وصال ہوا اور گنبد رضا میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی نشر و اشاعت میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قادری علیہ الرحمۃ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آپ کی ولادت ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ حضور مفتی اعظم ہند کی عمر ابھی چھ ماہ کی تھی کہ مرشد کامل نور العارفین حضرت مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی علیہ الرحمۃ سے والد ماجد نے بیعت کرادیا۔ مرشد کامل نے بیعت کرنے کے بعد جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ والد ماجد امام احمد رضا محدث بریلوی سے بھی آپ کو اجازت وخلافت تھی۔

حضور مفتی اعظم ہند کی ذات ستودہ صفات سے سلسلہ قادریہ کو جتنا فروغ ہوا اور بندگان خدا کے دلوں میں جو آپ کی عقیدت ومحبت پیدا ہوئی اس کی نظیر ماضی قریب میں کم ہی ملتی ہے۔ آپ نے ایک طویل عرصے تک بیعت وارادت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہند وپاک کے علاوہ حجاز مقدس، مصر، عراق، برطانیہ، افریقہ، امریکہ، ترکستان، افغانستان وغیرہ ممالک کے بڑے بڑے علما، مشائخ بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کے مریدوں کی تعداد ایک کروڑ سے بھی متجاوز تھی۔ اس سلسلہ میں مشہور محقق مولانا یٰسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

> ”بیعت وارشاد کے سلسلے میں تو اپنے دور میں آپ بے مثیل و بے نظیر تھے اور ایسا عارف کامل ومرد مومن جن کی نگاہ حق میں شریعت و طریقت کے اسرار ورموز اوران کی تہہ تک فوراً پہنچ جائے اور جس کے دامن کرم سے وابستہ مریدوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد اور دلوں پر اس کی سلطانی وحکمرانی مسلم ہو اس کی مثال عالم اسلام میں ہمیں کہیں نظر نہیں آئی۔“ [8]

حضور مفتی اعظم ہند کو قبولیت عامہ حاصل تھی۔ اسی وجہ سے خلق خدا آپ کی طرف رجوع کرتی اور سلسلہ قادریہ رضویہ میں داخل ہوتی۔ آپ کی محبوبیت کو بیان کرتے ہوئے شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ایک شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لیے پوری دنیائے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے۔ جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ''محبوبیت عظمیٰ'' کے اس عظیم منصب پر مسند نشین ہیں جن کی محبت وعقیدت ہر سنی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔''[9]

حضور مفتی اعظم ہند نے سلسلہ قادریہ رضویہ کی اجازت وخلافت سے جن ارباب فضل و کمال کو سرفراز فرمایا ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ آپ کے خلفا ومجازین کے حالات اور دینی خدمات سے متعلق کتاب بعنوان ''مفتی اعظم ہند اوران کے خلفا'' مصنفہ مولانا شہاب الدین رضوی، رضا اکیڈمی ممبئی سے شائع ہو چکی ہے۔ آپ کے خلفا نے بھی سلسلہ کے دائرہ کو کافی وسیع کیا۔ اور پوری دنیا میں سلسلۂ قادریہ رضویہ کی اشاعت فرمائی۔

شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت میں آپ کو بصیرت اور گہرائی وگیرائی حاصل تھی۔ آپ شریعت وطریقت کے حسین سنگم تھے۔ علمائے ربانیین نے آپ کو قطب عالم اور نائب غوث اعظم جیسے اہم القاب وخطاب سے نوازا ہے۔ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔ لاکھوں مریدین اور عقیدت مندوں کے ہجوم میں جنازہ کی نماز ادا کی گئی اور بریلی شریف میں والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مفسر اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں کی ولادت ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۵ء کو بریلی شریف میں ہوئی۔ آپ کے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے چار سال کی عمر میں آپ کو بیعت کیا اور ان سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی جو اعلیٰ حضرت کو اپنے مشائخ عظام سے ملی تھی۔ ننھی سی عمر میں سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ اور دوسرے سلاسل کی اجازت وخلافت کا تفویض ہونا یقیناً تعجب کی بات تھی اسی وقت اعلیٰ حضرت نے حضور مفسر اعظم کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میرا یہ پوتا ایک دن میری زبان بنے گا۔ بعد میں لوگوں نے اس بات کا مشاہدہ کر لیا کہ حضرت جیلانی میاں نہ صرف مفسر ومحدث اور مرشد وواعظ ہیں بلکہ واقعی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث

بریلوی کی زبان فیض ترجمان ہیں۔ والد ماجد حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند نے بھی آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ قطب مدینہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین مہاجر مدنی اور دیگر مشائخ مکہ و مدینہ، شام والجزائر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے مختلف طرق معرفت وروحانیت سے سرفراز فرمایا۔

اس طرح آپ تمام سلاسل تقویٰ وطہارت، طریقت ومعرفت سے آراستہ ہو کر اور شرعی علوم وفنون سے پیراستہ ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے اس مسند ارشاد و ہدایت پر جلوہ بار ہوئے جس کی زیب وزینت مسلسل بائیس سالوں تک حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ تھے۔ مسند رشد و ہدایت پر رونق افروز ہونے کے بعد آپ نے سلسلۂ قادریہ رضویہ کا فیضان عام کیا اور ہزار ہا افراد اس سلسلے میں آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر ماریشس آپ کے بیعت وارادت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''حضرت حجۃ الاسلام جامع الکمالات بزرگ تھے۔ آپ کے مریدین اور خلفا غیر منقسم ہندوستان کے ہر علاقے میں پائے جاتے تھے۔ آپ کا سلسلہ آپ کے خلف اکبر مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں کے خلفا اور صاحبزادگان سے یورپ و افریقہ کے علاوہ ماریشس میں بھی خوب پھیلا۔''[10]

مفسر اعظم کے تبلیغی سفر اور سلسلہ قادریہ رضویہ کے فروغ کے سلسلہ میں مفتی عبدالواجد صاحب ہالینڈ حیات مفسر اعظم میں رقم طراز ہیں:

''کلکتہ، دلی، یوپی، بہار، پنجاب، گجرات، راجستھان اور ترائی نیپال جہاں جہاں آپ گئے علم وفن اور وقار رضویت کا سکہ بٹھا دیا۔ آپ کی اس ہندوستان گیر سیاحت کی وجہ سے دار العلوم منظر اسلام اور سلسلہ رضویہ قادریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔''[11]

ایک دوسرے مقام پر مزید تحریر فرماتے ہیں:

''سلطان پور، فیض آباد، رائے بریلی، غازی پور، کھیری، پیلی

بھیت، بنارس، نینی تال، مظفر پور، سیتا مڑھی، دربھنگہ، پالی، مارواڑ، جے پور، ادے پور، ترائی نیپال، ہوڑہ، کلکتہ، بمبئی، راجستھان، چتوڑ گڑھ، احمد آباد، گجرات اور آسام وغیرہ صوبہ جات و مقامات میں ہزاروں ہزار آپ کے مریدین و معتقدین کا حلقہ پھیل گیا۔ مریدین میں بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو وہابیت و دیوبندیت اور تبلیغی جماعتوں سے توبہ کر کے حلقہ ارادت میں آئے تھے۔"[12]

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور مفسر اعظم کے مریدین کی ایک بڑی تعداد تھی جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی سلسلہ قادریہ رضویہ کے فروغ میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ نے بہت ساری شخصیتوں کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا، جنہوں نے سلسلہ کے کام کو مزید پھیلایا۔ چند مشاہیر خلفا کے اسما یہ ہیں:

۱۔ ریحان ملت حضرت مولانا شاہ ریحان رضا خاں ریحانی میاں بریلی شریف
۲۔ تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ محمد اختر رضا خاں قادری بریلی شریف
۳۔ شیخ المعلمین حضرت شیخ جمال الملیل مکی
۴۔ پیر طریقت حضرت مولانا شاہ حمید الرحمن رحمانی حامدی پوکھریروی
۵۔ حضرت الحاج حافظ عبد الاحد رضوی علیم آبادی
۶۔ امین شریعت حضرت مفتی عبد الواجد قادری ہالینڈ
۷۔ حضرت مولانا سید آفاق احمد قادری اسلام پوری پورنیہ

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں بریلی شریف میں آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ میں کافی ہجوم تھا اور گنبد رضا میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضور مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد جانشین مفتی اعظم حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ نے سلسلہ قادریہ رضویہ کے فیضان کو خوب عام کیا۔ آپ کی ولادت ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو سرزمین بریلی شریف میں ہوئی۔ حضور تاج الشریعہ کو بچپن ہی میں حضور مفتی اعظم ہند نے بیعت کر لیا تھا حضور مفتی اعظم نے آپ کو اجازت

خلافت بھی عطا فرمائی۔ حضور مفتی اعظم ہند نے اپنے آخری ایام میں اپنی جانشینی کے متعلق ایک تحریر خود لکھی جس میں حضور تاج الشریعہ کو اپنا جانشین اور قائم ومقام نامزد کر دیا۔ آپ مجمع البحرین تھے۔ ایک طرف آپ جہاں حضور مفتی اعظم کے جانشین تھے وہیں دوسری جانب والد ماجد حضور مفسر اعظم جیلانی میاں نے اپنی حیات میں ہی اپنا جانشین اور قائم مقام اعلیٰ حضرت منتخب فرمایا اور اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا جو انہیں اپنے والد ماجد حضور حجۃ الاسلام سے ملی تھی۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خاں قادری تحریر فرماتے ہیں:

"بوجہ علالت (حضور مفسر اعظم ہند) یہ توقع نہیں کہ اب زیادہ زندگی ہو بنا بریں ضرورت تھی کہ دوسرا قائم مقام ہو لہٰذا اختر رضا سلمہ کو قائم مقام وجانشین اعلیٰ حضرت بنا دیا گیا۔ جانشینی کا عمامہ باندھا گیا، عبا پہنائی گئی۔ یہ دستار اور عبا اور طلبہ کی دستار اور عبا اہل بنارس کی طرف سے ملی۔" [۱۳]

گویا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے دو نہریں جاری ہوئیں ایک حضور حجۃ الاسلام کی صورت میں اور دوسری حضور مفتی اعظم کی شکل میں۔ یہ دونوں نہریں حضور تاج الشریعہ کی ذات ستودہ صفات میں جمع ہو گئیں۔ بلاشبہ حضور تاج الشریعہ وارث علوم امام احمد رضا ہیں جانشین اعلیٰ حضرت ہیں اور فیضان اعلیٰ حضرت ہیں۔

خانوادۂ رضویہ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ اس خانوادے کا جو مسند نشین ہوتا ہے وہ علم وعرفان کا شہنشاہ ہوتا ہے اور مرجع علماء وعوام بن کر چمکتا ہے ان میں ایک حضور تاج الشریعہ کی ذات بابرکات ہے۔ علم تصوف میں حضور مفتی اعظم ہند نے آپ کو وہ سب کچھ عطا فرما دیا جو آپ کے پیرومرشد حضور نور العارفین حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ اور والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ملے تھے۔ جس طرح حضور مفتی اعظم ہند شریعت کے دائرے میں رہ کر طریقت کے راہی بنے اس طرح حضور تاج الشریعہ انہیں کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو بے شمار علمی، دینی اور فنی کمالات سے سرفراز فرمایا تھا

وہیں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کو عالمی سطح پر فروغ دینے کا شرف عالی بھی عطا فرمایا۔

حضور تاج الشریعہ کا طریقۂ بیعت موجودہ کاروباری پیری مریدی سا کبھی نہیں رہا بلکہ سنت قائمہ کے دائرے کے اندر سلوک میں تزکیہ نفس اور تربیت کا تھا۔ آپ کے تبلیغ اسفار کا مقصد سلسلہ طریقہ کی ترویج واشاعت اور مسلک اہلسنت کی آبیاری ہوتا تھا۔ حضور تاج الشریعہ اتباع شریعت اور تقویٰ شعاری کا عملی نمونہ تھے اور اسی کا نام تو تصوف ہے۔ تصوف نہ شریعت سے الگ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ طریقت کو شریعت سے جدا سمجھنے والے خود ہی جاہل ہیں۔ علم تصوف اور حقیقت تصوف جس سے بندۂ مومن کو معرفت ربانی حاصل ہوتی ہے۔ تصوف میں قدم قدم پر شریعت اور سنت مصطفیٰ ﷺ کا اتباع لازم ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں حضور تاج الشریعہ کی ذات ستودہ صفات کامل واکمل نظر آتی ہے ان کی پوری زندگی شریعت مطہرہ کا آئینہ دار تھی۔ آپ کے فعل وعمل میں صدق واخلاص، توکل ورضا، خوف وزہد شامل ہوتا تھا۔ جنہیں دیکھ کر صوفیائے امت اور مشائخ اہل سنت کی یادوں کے نقوش تازہ ہو جاتے تھے۔

حضور تاج الشریعہ کی ذات گرامی عوام وخواص اہل سنت کے لیے بہت بڑی سعادت تھی۔ حضور تاج الشریعہ نے سلسلۂ بیعت وارشاد کا جو فریضہ انجام دیا ہے وہ یقیناً وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ پروردگار عالم نے آپ کو غیر معمولی شہرت عطا فرمائی تھی۔ آپ علما، مشائخ، فقہا، محدثین، مفسرین اور متکلمین کے مرجع تھے۔ ایسی پاکیزہ جماعت بڑی تعداد میں آپ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھی۔ کروڑوں کی تعداد میں عرب وعجم افریقہ، یورپ وایشیا اور امریکہ میں آپ کے دامان کرم سے وابستہ افراد نظر آتے ہیں۔ آپ کے مریدوں میں انسانوں کے علاوہ غیر مرئی مخلوق بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر ساحل سہسرامی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

"عرب وعجم، بلاد افریقہ ویورپ کے لاکھوں سادات، مشائخ، علما، فضلا، ماہرین کی آپ کے دامان کرم سے وابستگی یونہی نہیں ہے۔ آپ کے حلقۂ بگوشوں میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ اللہ کی بہت ساری غیر مرئی مخلوقات بھی ہیں ایک اہل نظر نے صادق لب ولہجے میں مجھ سے بیان کیا کہ حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ کے دو لاکھ سے

زیادہ جنات مرید ہیں۔"[14]
حضور تاج الشریعہ کے مریدین کی تعداد کروڑوں سے متجاوز تھی جو پوری دنیا میں نظر آتے ہیں۔ مفتی عاشق حسین کشمیری تحریر فرماتے ہیں:

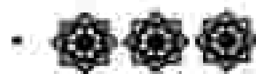
"حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہندوستانی شہروں کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک کے تبلیغی دورے فرمائے، جن میں بے شمار لوگ آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ چنانچہ ہندوستان، پاکستان، نیپال، بنگلہ دیش، سری لنکا، موریشس، زمبابوے، زامبیہ، سوازی لینڈ، موزمبیک، جنوبی افریقہ، ملاوی، دارالسلام نائجیریا، برطانیہ، ہالینڈ، فرانس، جرمنی، امریکہ، کناڈا، مصر، شام، بغداد شریف، کویت، عرب امارات، جدہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آپ کے مریدین اور معتقدین کروڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے علما، مشائخ اور اسکالرز بھی شامل ہیں۔"[15]

حضور تاج الشریعہ کے خلفا کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جو ملک و بیرون ملک میں سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء میں بریلی شریف میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے جنازے کے موقع پر لاکھوں کی تعداد میں اہل عقیدت نے حاضری دی۔ شہر بریلی کے تمام کوچے، سڑکیں اور میدان بھرے ہوئے تھے۔ بعض نے جنازے میں حاضرین کی تعداد کروڑ تک بتائی ہے اور بعض نے یہ کہا کہ صحیح تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ البتہ یہ بات حقیقت ہے کہ برصغیر کی تاریخ میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کسی دوسرے کے جنازے میں اب تک دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی۔ آپ کا روحانی فیضان اب آپ کے فرزند اور سچے جانشین حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی کی ذات بابرکات سے جاری و ساری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، المجمع المصباحی مبارک پور ص ۳۹۹

۲۔سیرت امام احمد رضا عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری رضوی کتاب گھر دہلی ص ۴
۳۔الوظیفۃ الکریمہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اسلامک پبلیشر دہلی ص ۲۵
۴۔الاجازت المتینہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۵۱
۵۔نقاء السلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضا اکیڈمی ممبئی ص ۹
۶۔تاریخ مشائخ قادریہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کتب خانہ امجدیہ دہلی ص ۳۹۰
۷۔رضا بک ریویو حجۃ الاسلام نمبر القلم فاؤنڈیشن پٹنہ ۲۰۱۷ء ص ۳۸۸، ۳۸۹
۸۔تاجدار اہل سنت مجلہ، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۷ھ، ص ۲۵۲
۹۔جہان مفتی اعظم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۷ء ص ۳۳۹
۱۰۔تذکرہ جمیل، مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی، مکتبہ برکات مدینہ کراچی ۲۰۱۲ء ص ۱۸۶
۱۱۔حیات مفسر اعظم، مفتی عبد الواجد قادری، القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ ۲۰۰۳ء ص ۱۲۰
۱۲۔ایضاً، ص ۱۹۱
۱۳۔ماہنامہ سنی دنیا، نقوش تاج الشریعہ بریلی ۲۰۱۸ء ص ۹۹
۱۴۔مجلہ معارف تاج الشریعہ، الجامعۃ الرضویہ پٹنہ ۲۰۱۸ء ص ۳۸۳
۱۵۔ماہنامہ سنی دنیا، نقوش تاج الشریعہ، ص ۹۹



سید شاہ محمد عارف شبلی قادری ابوالعلائی
زیب سجادہ مظہریہ ابوالعلائیہ کراپ شریف بہار

مشائخ چشت اور امام احمد رضا

قرنہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
دورہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

قدوۃ الابرار، عمدۃ الاخیار، زبدۃ الفضلا مہر سپہر فضل و شرافت، پایہ فراز علوم و فضیلت، پردہ کشائے رزہا حقیقت، کوہ تمکین آیت تقویٰ، نور نگین ملت بیضاء، عین الاعیان درس اکابر، فرد زماں، مولائے مفاخر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کا وجود شریعت و طریقت کا وہ حسین سنگم ہے جس کے توازن و اعتدال، علم و عمل و مجاہدہ و زہد و ورع، عشق و عرفان، خلوص وللّٰہیت، اقوال و افعال کی یکسانیت کو، ایوان مذہب و ملت کا استحکام اساسی کہیے۔ امام احمد رضا وہ قلزم علوم و فنون و چشمہ حکمت ہیں کہ آپ کے علمی و عملی جاہ جلال کو دیکھ کر علمائے عجم و عرب حیران ہی نہیں معترف ہی نہیں بلکہ بمصداق "من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے"

آپ وہ شمع روحانیت ہیں، آپ پر خواجہ کل خواجگان، سر پناہ بیکساں، سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کی ایسی نگاہ عنایت ہے کہ جس کی برکت و فیض نظر سے ہزار بار ذرہائے خاک کیمیا ہیں۔ آپ کے سینہ سوزاں کی تپش نے ہزاروں کے قلوب و اذہان کو محبت نبوی و عشق اولیاء کرام کا گنجینہ بنادیا۔ آپ نے چراغ عشق مصطفوی کی لو سے ہزارہا تاریک و تند قلوب کو منور و مجلّی فرما کر حق نگر بنادیا اور حق سے ملادیا۔

بہرکیف! ارکان "اعلیٰ حضرت صدی مجلہ" نے مجھ جیسے بے بضاعت اور نحیف وناتواں شخص کو "مشائخ چشت اور امام احمد رضا" برائے مقالہ عنوان دیا۔ یہ امر دراصل ذرے کو آفتاب بنانے کی روایتی شان رہی ہے کہ مترادف ہے۔ بہرکیف، میں اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود، اس امر پر جتنا ناز کروں کم ہے کیونکہ اس بہانے بارگاہ امام اہلسنت میں اظہار عقیدت و محبت کا شرف تو حاصل ہوا اور ہاں اپھر کیوں نہ ہو میں تو اس کے مصداق ہوں۔

چوں غلام آفتابم ہم ز آفتاب گویم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آسماں پر اڑنے والے مہر و انجم سے آنکھ لڑانے والے شہباز کا ذکر زمین پر رینگنے والا کیڑا کہاں تک، کب اور کیسے کرسکتا ہے اور پھر اپنی علمی کم مائیگی، بس یہ کہ و ما ادراک ماھو۔ میرا منہ اور قلم کہاں ویسا۔

دیدہ را ترک ہوسہائے غنون ہنر است

ورنہ ایں جا رگ خواب از عشرہ نزدیک تر است

حضرات!

<u>اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ:</u>

مشربا قادری بزرگ ہیں۔ آپکے ملفوظات عارفانہ ومکتوبات ناصحانہ اور انداز صوفیانہ ایسے دل پزیر اور سرمایہ رشد وھدایت ہیں، ہم تہی دامنوں کے لئے کہ، کیا کہنے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ امام احمد رضا نے خانوادہ چشت یا سرکار غریب نواز کی شان والا مرتبت پر کچھ نہیں لکھا یا کہا۔ وہ آئیں اور اعلیٰ حضرت کا سرکار غریب نواز سے عشق اور ان سے عقیدت کو دیانت کی آنکھوں سے دیکھیں۔ ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں:

"سرکار غریب نواز حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز ہیں"

دوسری جگہ پھر امام احمد رضا کے قلم کا تیور دیکھئے۔ اس سائل کے تعلق سے جو اجمیر شریف نہ بول کر صرف "اجمیر" بولے، یا غلام معین الدین نہ لکھ کر صرف معین الدین لکھے یا بولے اس

کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

جواب:۔ اجمیر شریف کے نام کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کاالتزام نہ کرنا اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی جلوہ افروزی، حیات ظاہری ومزار پر انوار کو (جسکے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ (عدو اللہ ہے)

اور اگر یہ ناپاک التزام بر بنائے کسل وکوتا قلمی ہے، تو سخت بے برکتی و فضل عظیم وخیر جسیم سے محرومی ہے۔ اور اگر اسکا مبنیٰ وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے اور اپنے نام سے غلام کا حذف اس بنا پر ہے کہ حضور خواجہ حناجگاں کا غلام بننے سے انکار واستکبار رکھتا ہے تو بدستور گمراہ اور بحکم حدیث عدو اللہ ہے۔ اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد چہارم)

دیکھئے کسی کی تعریف وتوصیف کے جوز رائع ہیں وہ یا تو قدم سے ہیں یا قلم سے۔ نظم سے ہیں یا نثر سے۔ امام اہلسنت احمد رضا سیدنا غریب نواز کو خواجہ کل خواجگان سلطان الہند جیسے اتنے عظیم اور باوقار القاب سے ملقب فرمارہے ہیں یہ انداز تکریمانہ ملحوظ رہے اور پھر وہ مقامات مقدسہ جہاں دعائیں مقبول بارگاہ الہی ہوتی ہیں ان مقامات میں اعلیٰحضرت نے ۳۹ رنمبر پر حضرت سیدنا امام العارفین خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے روضہ انور کو شمار فرمایا۔ فرماتے ہیں

بہر پایت خواجہ ہند آں شہ کیواں جناب

بل علیٰ عینی وراسی گوید آں حناقاں توئی

سی ونہم: مرقد مبارک حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین چشتی قدس سرہ

سبحان اللہ! امام احمد رضا کے اس اسلوب محبت اور انداز تحریر پر، کیفیت قلب وقلم دونوں کا عجب رنگ ہے اور یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ

عاشقاں را دلیل راہ یقین

سد راہ گماں معین الدین

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

اور ہاں اسی طرح صرف سرکار غریب نواز کی ہی بارگاہ کی تخصیص نہیں فرمائی، بلکہ ایک مقام پر "احسن الوعا ذیل المدعا الاحسن الوعا" میں ان کے علاوہ بھی دعائیں جن مقامات پر قبول ہوتی ہیں تو اسے چہل و چہارم نمبر دیکر تمام اولیاء صلحاء محبوبانِ خدائے تعالیٰ کی بارگاہیں خانقاہیں، آرام گاہیں نفعنا اللہ ببرکاتھم فی الدین والآخرۃ آمین

مظہر جلوہ گاہ نور قدم

آفتاب جہاں معین الدین

گویا کہ اعلیحضرت کی زندگی کا ہر لمحہ، ان نفوس قدسیہ کی محبت کا غماز اور تحریر عکاس ہے قربان جایئے۔ اور اب دوسری بارگاہ کی سیر کیجیے وہ بارگاہ بھی سلسلہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ کی عظیم بارگاہ ہے۔ دنیا علم وادب و ارباب تصوف، جس بارگاہ کو بارگاہ محبوب الٰہی جیسے نام سے جانتے ہیں اور جبین سائی کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں اور کیا درس دے رہے ہیں اور حضرت کی کرامت کا ذکر کس طرح فرما رہے ہیں۔ خاک تربت آنکھوں میں ڈالا ضعف بصر ختم ہو گیا اور درد جسم سے آرام مل گیا اور یوں بول اٹھے ۔

مائے کلیم روبہ شفا خانہ مسیح

لعل شکر فروش تو بس چارہ ساز ما

بارگاہ محبوب الٰہی میں حاضری:

سترہویں شب ماہ فاخر ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں کہ فقیر کو اکیسواں سال تھا۔ اعلیٰ حضرت مصنف علام سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد و حضرت محب الرسول جناب مولانا مولوی محمد عبد القادر قادری صاحب بدایونی دامت برکاتھم العالیہ کے ہمراہ حاضر بارگاہ بے کس پناہ حضور پرنور محبوب الٰہی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ عنہ ہوا۔ دونوں حضرات عالیہ اپنے قلوب مطمئنہ کے ساتھ حاضر مواجہ اقدس ہو کر مشغول ہوئے۔ اس فقیر بے توقیر نے ہجوم شور شر سے خاطر پریشان پائی، دروازہ مطہرہ پر کھڑے ہو کر سلطان الاولیاء سے عرض کی کہ:

"اے مولیٰ غلام جس کے لئے حاضر ہوا ہے یہ آوازیں اس میں خلل انداز ہیں"

یہ عرض کر کے بسم اللہ کہہ کر داہنا پاؤں دروازہ حجرہ طاہرہ میں رکھا، بعون رب قدیر، وہ سب آوازیں دفعۃً گم تھیں۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ لوگ خاموش ہو رہے ہیں۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو وہی بازار گرم تھا۔ قدم کہ اندر رکھا تھا باہر ہٹایا، پھر آوازوں کا وہی جوش پایا، پھر بسم اللہ کہہ کر داہنا پاؤں اندر رکھا بحمد اللہ! پھر ویسے ہی کان ٹھنڈے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ مولیٰ کا کرم اور سلطان الاولیاء کی کرامت اور اس بندۂ ناچیز پر رحمت و معونت ہے۔ شکر الٰہی بجا لایا اور حاضر مواجہہ عالیہ ہو کر مشغول رہا۔ پھر کوئی آواز نہ سنائی دی۔ جب باہر ہوا پھر وہی حال تھا کہ خانقاہ اقدس کے باہر قیام گاہ تک پہنچنا دشوار ہوا۔

اے خاک درگہ تو جبین نیاز ما
قربان یک نگاہ تو عمر دراز ما

غور فرمایئے! امام احمد رضا قادری قدس سرہ سرکار نظام الدین کو کن کن القابات و خطابات سے یاد فرما رہے ہیں ذرا خط کشیدہ الفاظ و جملوں کو پڑھ جایئے اور محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر وقت کے امام کی ان آقایان چشت سے عقیدت و محبت کو دیکھ کر بدگمانی سے بچئے (اور توبہ کیجئے) بڑا گہرا رابطہ تھا امام احمد رضا خاں کا مشائخ چشت سے۔ اور ہاں! مشائخ چشت یا مشائخ قادریہ سے ہی نہیں، بلکہ تمام اولیاء کرام سے امام احمد رضا کا قلبی و اعتقادی و فکری کچھ اس طرح کا تعلق روحانی و عرفانی قائم تھا کہ مجھ جیسے شخص کا وجدان بھی بول کر خموش ہو رہا ہے

العجز عن درك الادراك ادراك

اسی طرح امام احمد رضا الملفوظ میں ایک جگہ پھر حضور خواجہ کل خواجگان کے فیوض و برکات کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں:

"حضرت خواجہ کے مزار سے، بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں واپسی حرمین شریفین کے بعد بریلی شریف اپنے گھر نہ جا کر بارگاہ غریب نواز کی حاضری کو ترجیح دی"۔ یہ ہے عقیدت سچ کہا ہے حضرت خسرو نے:

عید گاہ ما غریباں کوئے تو

یا پھر یہ کہ

صد ہلال عید من قرباں کنم

اے ہلال عید من ابروئے تو

امام احمد رضا کے ایسے بہت سارے واقعات ہیں، کن کن گوشوں پر قلم اٹھاؤں۔ وقتے باید حضرات۔

مزید براں کہ امام احمد رضا قدس سرہ جس خانقاہ عالیہ برکاتیہ سے وابستہ ہیں اس خانقاہ کے مزاج میں اگر قادریت ہے تو جدی اعتبار سے پورا چشتی رنگ بھی ہے۔ خواص اس عظیم خانقاہ کے جد اعلیٰ حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی کی روحانی و علمی و ادبی ذات سے کون سا انسان ہے جو واقف نہیں ہے اور پورا برصغیر آپ کی علمی و روحانی خدمات کا معترف ہے۔ آپ علمی اعتبار سے بھی نابغہ روزگار ہیں۔ بہت ساری شرحیں آپ سے منسوب ہیں۔ جیسے شرح الکافیہ فی التصوف۔ شرح حقائق ہندی۔ شرح غوثیہ۔ مصطلحات دیوان حافظ، سبع سنابل۔ شرح نزہتہ الارواح وغیرہ وغیرہ۔ آپ چشتی المشرب بزرگ ہیں اور بافیض و مرتاض شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کی ذات ستودہ صفات، کمالات تصرفات اور آپ کے علاقہ کا ذکر، امام احمد رضا قدس سرہ کس اچھوتے انداز میں فرما رہے ہیں کہ دیکھئے:

اللہ اللہ عز و شان و احترام بلگرام
عبدواحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام
آسمان عینک لگا کر مہر و مہ کو دیکھ لے
جلوۂ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام
لائی ہے اس آفتاب دین کی تحویل جمیل
ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام

ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام: یہ وہ مصرع اعلیٰ حضرت ہے جس پر مجھ جیسا فقیر بے تو الکھتا رہے اور پھر لکھتا رہے، کبھی حال اعلیٰ حضرت کو قال کا رنگ کبھی ہیچوں مجنوں تمنائے وصال لیلیٰ۔ روز و شب چشم سوئے ناقہ سوارے دارم۔ کہہ کر نعرہ زن رہے۔ واہ رے امام احمد

رضا خاں قادری زندہ باد زندہ باد اے شہوار علم وفن، اے دوست دار جملہ اولیاء پائندہ باد۔ اگر
تو بیم شہر آ ایں بے حد شود
اسی طرح خاندان چشتیہ اشرفیہ کی وہ عظیم المرتبت شخصیت عمدۃ الصوفیاء الکاملین حضرت
سید شاہ علی حسین المعروف بہ اشرفی میاں کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے جب پہلی بار
بریلی شریف میں دیکھا اور انکی غیر معمولی روحانی توانائی، تازہ تازہ گری تاثیر سلسلہ چشتیہ، و فکر و
نظر کی گہرائی و گیرائی اور مقناطیسی کشش و جاذبیت پر مخدوم سمناں کا فیضان مزید نمایاں طور پر
آپ نے محسوس کیا اور نہ کیوں نہ کرتے۔ ولی را ولی می شناسد۔ یوں گویا ہوئے۔

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ و پروردہ سہ محبوباں

اسی زمین کا ایک اور تناور درخت، سرخیل سلسلہ چشتیہ اشرفیہ المعروف بہ محدث اعظم ہے۔ آپ
حضرت امام احمد رضا قادری کی صحبت سے ایسے فیضیاب ہوئے کہ پوری دنیا میں محدث اعظم
بن کر چمکے۔
دوسری طرف بہار کی سرزمین پر وہ چشتی میخانے جو عرصہ دراز سے دینی و ملی و روحانی و علمی
اہمیت کی آماجگاہ رہی ہیں جسے دیکھ کر خود محبوب الٰہی نے فرمایا "بہار پر بہار است" یا بقول محقق
دہلوی "بہار بلدۂ علماء است"
ان خانقاہوں سے بھی کسی نہ کسی صورت سے امام احمد رضا خاں کا تعلق فکری و اعتقادی و
روحانی رہا۔ خاص کر لودی کٹرہ کا جلسہ اسی محبت کی بین دلیل ہے جس میں یوپی کے علماء و مشائخ
کے ساتھ ساتھ بہار کی ان تمام مشہور خانقاہوں کی نمائندگی اس جلسہ میں رہی۔ خواہ کسی سلسلے کی
رہی ہو۔ دیگر سلاسل چشتیہ خانقاہوں کے سجادگان و نمائندگان کی فہرست تحفہ حنفیہ میں موجود ہے
۔ جیسے شمسا خواجہ سید شاہ محمد حسین بارگاہ عشق۔ جیسے خواجہ شہود اصدق۔ خانقاہ بیتھو کریم رضا
جتھوی۔ سید شاہ علی حسین، مولانا سید اکبر داناپوری۔ مولانا محسن داناپوری۔ شاہ ودرگاہی۔ سید شاہ
امین الحق۔ مولانا عزیز الدین قمری وغیرہ وغیرہ اور یہاں منقسم بہار کا خطہ جھارکھنڈ، وہاں کے ویٹر
گنج میں حضرت علامہ سید عبدالغفور چشتی من مضافات اورنگ آباد بہار کا بھی امام احمد رضا سے

حضرت مولانا سید شاہ عبد الرب المتخلص بہ سائل کا بھی کئی سوال رانچی سے بارگاہ امام احمد رضا میں گیا ہے۔ فتاوی رضویہ شریف میں اسکا ذکر ہے کبھی چترپور جھارکھنڈ سے بھی سوال گیا ہے۔

دوسری طرف امام جامع مسجد اپر بازار رانچی اور قاضی شہر حضرت العلام مولانا خدا بخش چشتی ابو العلائی نے بھی ۱۹۱۷ء میں ابو الکلام آزاد کی رانچی میں نظربندی اور اسکی خباثت کے تعلق سے امام اہلسنت سے استفتا کیا ہے اور پھر مصنف "احسن الکلام" حضرت مولانا قاضی محسن کے توسط سے بھی اعلیحضرت سے حضرت سائل نے دست شیخ کے تعلق نہایت ہی عارفانہ سوال فرمایا ہے۔ صاحب "غیاث الطالبین" حضرت علامہ و مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریغی کو باضابطہ اعلیحضرت سے خلافت و اجازت تھی چہ جائیکہ خاندانی اعتبار سے وہ مشرباً چشتی و اصدقی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت غیاث ملت اعلیٰ حضرت کا حد درجہ احترام و پاس فرماتے کیوں کہ وہ اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی ہر خواہش ان کے لئے حکم کا درجہ رکھتا تھا بلکہ جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے انہیں خلافت و اجازت اخذ بیعت سے نواز تو آپ نے مسرت و ابتہاج کا اظہار فرمایا۔ بہر کیف یہ تو صد فی صد مسلم ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کو جہاں سلسلہ قادریہ کے بزگان کا پورا پاس و لحاظ تھا وہیں آپ نے مشائخ چشت بالخصوص اور پھر دیگر سلاسل مروجہ کے بزگوں کے فیض و برکات کا اظہار ہی نہیں بلکہ ہر لمحہ ان کی عقیدت و محبت کا عملی و فکری و اعتقادی درس عظیم دیا ہے۔ مجھے طوالت مقالہ دامن گیر ہے ورنہ مزید گفتگو کرتا بس:

ورق تمام شد و قصہ ناتمام بماند
شب آخر آمد و صد گونہ گفتگو باقیست



غلام مصطفیٰ رضوی: نوری مشن مالیگاؤں
Cell.9325028586

امام احمد رضا اور مشائخ چشت

سلاسلِ طریقت میں سلسلۂ چشتیہ بڑا معروف ومقبول اور مشہور ہے۔ جس میں بڑے بڑے اولیا، صاحبانِ دل، اور علم وعرفان کے شناور گزرے ہیں۔ مشائخ چشت نے جہاں طریقِ نبوی کی اشاعت کی اور تزکیۂ باطن واصلاحِ احوال کا مبارک فریضہ انجام دیا وہیں عقائدِ اسلامی کی حفاظت وصیانت نیز شریعت کی بقا کے لیے بھی جدوجہد کی اور اپنے اپنے دور میں دین کے مقابل پیدا شدہ فتنوں کا سدِ باب کیا۔ خانقاہوں اور زاویوں سے نکل کر عقائدِ حق کی اشاعت بھی کی اور باطل فتنوں کی سرکوبی کر کے رسمِ شبیری ادا کی۔

ملک ہندوستان میں مشائخ چشت میں سب سے نمایاں وممتاز ذات سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین علیہ الرحمہ (وصال ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) کی ہے۔ آپ علم وعرفان کے کئی چشموں سے سیراب تھے۔ بغداد کے دریائے معرفت کے شناور اور اپنے عہد کے اولیائے کرام کے تاجور تھے۔ اعلیٰ حضرت؛ غوث اعظم علیہ الرحمہ کے حوالے سے فرماتے ہیں ؎

مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

اعلیٰ حضرت مثالی شخصیت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی (وصال: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) علم وفضل کے آفتاب اور معرفت وطریقت کے ماہ تاب تھے۔ آپ نے دین کی حفاظت و

صیانت کی خاطر ہر اس جدید نظریے کی تردید کی جس سے اسلامی عقائد و احکام کی توہین ہوتی تھی۔ آپ نے علم و فضل کی ہر شاخ پر ایمان و ایقان کی پختگی کے گل ولالہ کھلائے اور شریعت و طریقت کے مقام بلند کی طرف اسلامی اُصولوں کی روشنی میں رہنمائی کی۔ آپ کی فکر و بصیرت فضائے طیبہ سے فیض یاب تھی۔ یہی سبب تھا کہ گردشِ ایام کی آندھیاں آپ کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکیں اور زمانی تغیرات کا کوئی جھونکا آپ کو اپنے مقام سے ہلا نہ سکا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اسلاف کے پاکیزہ مسلک کی نمائندگی کی اور دل و نگاہ کی صفائی و تزکیۂ باطن کے لیے تاعمر کوشاں رہے۔ عقائد کے رُخ سے آپ کا قلمی کام نمایاں ہے جس پر سیکڑوں تصانیف شاہد عادل ہیں۔

دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر
حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

(اقبال)

عظیم محقق اور حسام الحرمین:

اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا زمانی تقاضوں اور ضرورت کے تحت لکھا، یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریریں نوع بہ نوع موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں اور اسلافِ کرام کے علم و فضل کی آئینہ دار ہیں۔ صدیوں کی کاوشات کا عطر مجموعہ آپ کی تصانیف کی سطر سطر سے مہکتا ہے۔ تحقیق کی بزم آراستہ نظر آتی ہے اور ہر تصنیف موضوع کی مناسبت سے عدیم النظیر ہے۔ موضوع سے متعلق تمام گوشوں پر مواد فراہم کر دیتے ہیں۔ آپ نے جو کچھ لکھا علم و تحقیق کے بعد لکھا بلکہ جن افراد یا سربراہانِ جماعت پر شریعت کا کوئی حکم عائد کیا تو قائل پر صورتِ حال واضح کی اور توبہ پر مائل کیا لیکن! اس کے باوجود گستاخانہ عبارتوں کو حق و صحیح تسلیم کرنے والوں سے متعلق "حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین" (۱۳۲۴ھ) کے نام سے علمائے حرمین کی تصدیقات جمع کیں اور مع عربی متن کے اردو میں ان کی اشاعت بھی کی۔ جس میں ۳۳ اکابر

علمائے حرمین کی تصدیقات اس بابت ہیں کہ برصغیر میں نئے پیدا شدہ عقائد کے بانیان؛ جنھوں نے اپنی کتابوں میں رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں توہین و بے ادبی سے پُر عبارتیں لکھیں، اور ان میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں وہ از روئے شرع اسلام سے خارج ہیں۔

عقیدہ کی اہمیت:

علامہ سید احمد سعید کاظمی تحریر فرماتے ہیں: ''بنی نوع انسان کو ایک مرکز پر لانے کا کوئی طریقہ اس سے بہتر نہیں ہوسکتا کہ انھیں معبود واحد کی وحدانیت کے اعتقادی مرکز پر جمع کر دیا جائے۔ لیکن فطرتِ انسانی محض عقل کی روشنی میں اس مرکز وحدت تک پہنچنے میں کسی ایسی دلیل کی محتاج تھی جو صحیح معنی میں اسے منزل مقصود تک پہنچا دے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ایسی کامل اور قطعی دلیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ رسالت - توحید کی دلیل ہے۔......... قرب الٰہی کا ذریعہ صرف قرب مصطفائی ہے اور توحید کا وسیلہ رسالت ہے۔''

(ماہ نامہ السعید مئی جون ۱۹۶۴ء، آئینۂ حق و باطل، علامہ غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی، جماعت اہلسنت شیخوپورہ ۱۹۹۴ء، ص ۵-۶)

جب بھی عقیدۂ توحید و رسالت کی توہین کی کوشش کی گئی مشائخ نے خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کی اور گستاخ کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر دین پناہ کا کام انجام دیا اور اسلامی سرحدوں کی نگہ بانی کی۔ عقائد کے تحفظ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس رُخ سے علما و مشائخ اور زاویہ نشینوں کی ایک روشن تاریخ موجود ہے۔

غیر اسلامی عقائد کی یورش اور ان کا سد باب:

انگریز نے تجارت کی غرض سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ اپنی سازشی فطرت کے باعث تخریب کاری کی۔ مذہبی عقائد میں جدید نظریات پیدا کرنے کی تگ و دو کی۔ علما خریدے۔ نئے نظریات کے حاملین کی تائید و سرپرستی و صیانت کی۔ وہابی نظریات کو فروغ دیا۔ فرقۂ وہابیہ سے متاثر افراد کو وظائف دے کر ہم نوا بنایا۔ وہابی عقائد کی ترجمانی میں مولوی اسماعیل دہلوی

نے کتاب ''تقویۃ الایمان'' لکھی، جس میں توحید کے زعم میں رسالت کی عظمتوں کو نشانہ بنایا۔ اسی سے متاثر ہونے والے علما میں مولانا قاسم نانوتوی دیوبندی نے ''تحذیر الناس'' لکھ کر اور نئے نبی کا امکان بتا کر قادیانیت کو غذا مہیا کی۔ بعد کو مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویِ نبوت کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کیا، اللہ کریم کے لیے کذب (جھوٹ) کا امکان تراشا، (ملاحظہ کیجیے: براہین قاطعہ) ان کے شاگرد مولانا خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی نے اس کی تائید کی نیز میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت سے تعبیر کیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی نے ''حفظ الایمان'' میں شانِ رسالت میں عیب جوئی کی اور علم غیب رسول کی نفی کی جب کہ شیطان وملک الموت کے لیے غیب تسلیم کیا۔ اس طرح کئی نئے عقائد کی داغ بیل پڑی۔ جن کی تردید اس زمانے کے اکابر علما نے تحریراً وتقریراً کی اور ان کی اصلاح کی کوششیں کیں۔ ایسے علما جنھوں نے مذکورہ عقائد کے حاملین کو رجوع کے لیے متوجہ کیا ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا نام نمایاں ہے۔ ایک مدت تک تنبیہ و اصلاح کے لیے کاوش کی اور جب رجوع وتوبہ کی کوششیں بار آور نہ ہوئیں تو شریعت کا حکم کہہ سنایا۔ توہین رسالت پر مبنی عبارتوں پر حکم کفر عائد کیا۔ حسام الحرمین میں یہ احکام تحقیق و صداقت کے ساتھ درج ہیں جن پر ۳۳ علمائے حرمین کی تصدیقات بھی ہیں۔

<u>تعارف حسام الحرمین:</u>

علمائے حق نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر علمائے دیوبند اور برصغیر میں پنپ رہے باطل عقائد پر شرعی گرفت کرتے ہوئے انھیں سمجھانے کی کوشش کی اور آخرت کا خوف دلایا۔ جب دیکھا کہ وہ جنبش کو تیار نہیں تو پھر ان کا شرعی مواخذہ کیا۔ ان علمائے ربانیین میں ایک نام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء - وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا ہے۔ آپ نے ان عقائد وگستاخیوں سے متعلق تنبیہ وتوبہ کی ترغیب کے بعد دینی ضرورت سمجھتے ہوئے علمائے حرمین کی خدمت میں بلاکم وکاست گستاخانہ عبارتوں کو پیش کیا اور حکم شرع واضح کرتے ہوئے علمائے حرمین سے تصدیق چاہی۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ علامہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ) کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' پر امام احمد رضا

بزعاشیہ لکھا بنام ''المعتمد المستند''۔ اس کا خلاصہ امام احمد رضا نے دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ
میں علماے حرمین کی خدمت میں پیش کیا اور اس میں ہندوستان میں پیدا ہونے والے فرقوں
مثلاً قادیانی، نیچری، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد وغیرہم کے عقائد ذکر کیے۔ جس پر
۳۴ علماے حرمین نے مذکورہ فرقوں پر فتاویٰ کفر صادر فرمایا جس کی اشاعت ''حسام الحرمین
علیٰ منحر الکفر والمین'' (۱۳۲۴ھ) کے نام سے ہوئی۔

فتاویٰ حسام الحرمین کی اشاعت عربی میں ہوئی جب کہ اردو اور انگریزی تراجم بھی
ہندوپاک سے بار بار شائع ہو چکے ہیں اور ساری دُنیا میں ان کی مقبولیت ہے۔

مشائخ چشتیہ کی خدمات کا اجمالی تجزیہ:

برصغیر میں اسلام کے کارواں کو تیز گام کرنے میں جن رجال کا وافر حصہ رہا ہے ان میں
مشائخ چشتیہ نمایاں ہیں۔ جن کی خانقاہیں ایک طرف ارشاد و ہدایت کا مصدر ہوا کرتی تھیں تو
دوسری طرف عقائد حقہ کی اشاعت کا محور ہوتیں۔ دلوں کے زنگ بھی دھوئے جاتے اور ظاہر کو
بھی نکھارا جاتا۔ خیالات کی بے راہ روی کی اصلاح کی جاتی اور معاشرتی برائیوں کا سد باب
کر کے پاکیزہ و معطر ماحول تشکیل دیا جاتا۔ ان مشائخ کرام کی خدمات کا دائرہ برصغیر کے
طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ دور افتادہ علاقوں، غیر معروف کوچوں، خیابانوں، بیابانوں،
دیہاتوں اور وحشت زدہ بستیوں میں اسلام و ایمان کی نوری کرنیں ان مشائخ کرام کے توسط
سے پھیلیں۔

مشائخ چشتیہ نے ایک طرف داعیانہ کردار ادا کیا دوسری طرف نو پید فتنوں اور فرق ہائے
باطلہ کی تردید میں نمایاں رول نبھایا۔ جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے گستاخ رسول، مولویوں
پر شرعی حکم عائد کیا اور علماے حرمین کی تصدیقات کے ساتھ فتاویٰ حسام الحرمین کی اشاعت کی؛
اس کی تائید و توثیق سلاسل طریقت کے بزرگوں نے کی۔ بھی سلاسل طریقت کے بزرگوں نے
نصرتِ دین کے لیے حسام الحرمین کی تائید کی اور تصدیقی کلمات ارشاد فرمائے۔

اس تحریر میں مشائخ چشتیہ کی حسام الحرمین پر تصدیقات اور تردید مذاہب باطلہ کے ضمن
میں چند نکات درج کیے جاتے ہیں۔ راقم نے اس سے قبل ایک مقالہ ''حسام الحرمین اور مشائخ

آئی۔

نقشبندیہ" کے عنوان پر تحریر کیا تھا جس کی کئی مقامات سے اشاعت عمل میں آئی۔
"حسام الحرمین" (۱۳۲۴ھ) پر ۳۳ رعلماے حرمین کی تصدیقات کی اشاعت کے ۲۰ رسال بعد ۱۳۴۵ھ میں علامہ حشمت علی خان قادری پیلی بھیتی نے "الصوارم الہندیہ علیٰ مکر شیاطین الدیوبندیہ" کے نام سے ۲۶۸ رعلماومشائخ کی تصدیقات جمع کر کے شائع فرمائیں۔ انھیں میں سے مشائخ چشتیہ کی تصدیقات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ نیز عقائد حقہ کے تحفظ کے لیے کاوشات پر بھی ضمناً روشنی ڈالی جائے گی۔ اس سے قبل علامہ حشمت علی خان قادری کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

"بعض جہال بکا کرتے ہیں کہ یہ تو بریلی و دیوبند کے جھگڑے ہیں علماے بریلی کے سوا دیوبندیوں کو کوئی کافر نہیں کہتا- وہ دیکھیں کہ جس قدر علماے اہلسنّت ہیں وہ سب دیوبندی گروہ کی تکفیر میں علماے بریلی سے متفق ہیں۔"
(الصوارم الہندیہ، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۷ھ، ص ۲۰)

مرکز چشت اجمیر مقدس:

حسام الحرمین پر اجمیر مقدس جوار خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ میں جاری دار العلوم معینیہ عثمانیہ کے اساتذہ کی تصدیقات ہیں۔ دار العلوم کے مفتی امتیاز احمد انصاری لکھتے ہیں:

"بے شک دعویٰ نبوت کفر اور گستاخیاں، شانِ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کفر اور ارتداد......اور خداے عزوجل صادق وسبحان کو کذب کا عیب لگانا کفرِ صریح......علیٰ ھذا علم اقدس نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شیطان ملعون کے علم سے کم بتانا موجب لعنت وکفر......نیز حضور اقدس وانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اعلیٰ کو مذکورہ اشیا کے علم سے تشبیہ دینا توہین علوم نبوی......اور موجب ارتداد وکفر۔ اور ان کفریات کا قائل اور یہ اشخاص جن کی کتب مطبوعہ سے اس قسم کے عقائد ثابت ہیں حسب فتاواے علماے حرمین شریفین نہ محض بے ادب اور گستاخ...... بلکہ خدا اور رسول کے دشمن اور بقاعدہ شرعیہ کافر و مرتد ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"
(مرجع سابق، ص ۴۳)

اس ضمن میں دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے جن مدرسین کی تصدیقات ہیں ان

کے نام اس طرح ہیں:

[۱] مولانا محمد عبد المجید (موصوف نے یہ الفاظ درج کیے: "بے شک ان اقوال کا قائل و معتقد کافر ہے اور فتاوائے حرمین حق ہیں۔" مرجع سابق)

[۲] مولانا عبد الحی

[۳] مولانا غلام علی

عرس سرکار غریب نواز علیہ الرحمہ ۱۳۴۷ھ کے موقع پر عرس میں شریک علما نے حسام الحرمین پر تصدیقات ثبت فرمائیں؛ ان کے نام اس طرح ہیں:

[۱] مولانا سید محمود حسین زیدی الوری

[۲] مولانا محمد میراں شافعی (مدرس: مدرسہ نجم الاسلام بھیونڈی ضلع تھانہ)

[۳] مولانا نثار احمد ناگوری

[۴] مولانا شمس الدین احمد جون پوری (مصنف: قانون شریعت)

[۵] مولانا محمد حامد علی فاروقی رائے پوری

[۶] مولانا حبیب الرحمن

[۷] مولانا سید رشید الدین احمد بریلوی

فخر المدرسین مولانا معین الدین اجمیری ابتدا میں علمائے دیو بند کی تصانیف سے عدم مطالعہ کی بنیاد پر خاموش تھے۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں قادری کی اجمیر شریف آمد پر مراسلت ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا اجمیری علمائے حرمین وعلمائے برصغیر کے ہم نوا ہو گئے۔ آپ اپنے ایک مکتوب بنام حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان میں لکھتے ہیں:

"براہین قاطعہ کے قول شیطانی کو جس میں معاذ اللہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اکمل کے مقابلہ میں اپنے شیخ "شیخ نجدی" یعنی شیطان کے علم کو وسیع کہا ہے۔ دیکھ کر فقیر کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ یہ کلمات قطعاً کلمات کفر ہیں اور ان کا قائل کافر۔ باقی ہفوات اہل دیو بند کو بعد صحت کے ان شاء اللہ دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔" (مرجع سابق، ص ۱۲۸)

آستانہ کچھوچھہ مقدسہ:

سلسلۂ چشتیہ کی ایک عظیم واہم شاخ خانقاہ کچھوچھہ شریف (یوپی) ہے: جہاں حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی مشن کو تازگی عطا کی اور لاکھوں دلوں کو ایمان وایقان سے روشن فرمایا۔ اس آستانے سے جو گل کھلا اس کی خوش بو دور تک پہنچی۔ حسام الحرمین پر کچھوچھہ مقدسہ سے جاری کردہ تصدیقات کی تمہید میں مولانا فضل الدین بہاری لکھتے ہیں:

"بے شک مرزا غلام احمد قادیانی دعوی نبوت کر کے کافر ہوا۔ یوں ہی رشید احمد گنگوہی وخلیل احمد انبیٹھوی واشرف علی تھانوی وقاسم نانوتوی نے سرکار الوہیت و دربار رسالت میں گستاخی اور منہ زوری کی جس کی بنا پر مردود بارگاہ ہوئے اور ذریت ابلیس میں پناہ پایا۔" (مرجع سابق، ص ۳۸)

اسی میں حضور محدث اعظم علامہ سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی جو حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے توسط سے چشتی نسبت رکھتے ہیں وہ ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"لاریب ان فتاوی علماء الحرمین المحترمین فی تکفیر ھولاء المذکورین صحیحۃ۔"

(مرجع سابق، ص ۳۸)

مولانا سید محمد شرف الدین اشرف اشرفی جیلانی جائسی جو حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے توسط سے سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ ہیں؛ نے حسام الحرمین پر "الجواب صحیح" کے الفاظ میں تصدیق کی۔ (مرجع سابق، ص ۳۷)

مولانا سید احمد اشرف قادری چشتی اشرفی جیلانی نیز مولانا معین الدین احمد چشتی ومولانا سید حبیب اشرف چشتی نے بھی تصدیق فرمائی۔ (مرجع سابق، ص ۳۹۔۴۰)

شیخ المشائخ اشرفی میاں کی رائے گرامی:

۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کے تحریر کردہ ایک مفاوضہ عالیہ میں شیخ المشائخ گلبن خیابان سمنانی مولانا سید علی حسین چشتی اشرفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم اہلسنت

کے فتووں پر عمل کرنا واجب ہے۔ کافروں کا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔''
ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''مولانا بریلوی اور اس فقیر کا مسلک ایک ہے۔''

دیگر علما و مشائخ چشتیہ کی تصدیقات:

[۱] مولانا سید محمد حنیف چشتی (مفتی نکودر، ضلع جالندھر) لکھتے ہیں: ''حسام الحرمین کے فتاویٰ صحیح ہیں اور علمائے حق کے لکھے ہوئے ہیں۔ براہین قاطعہ (از خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی) کے دیگر مقاموں پر فاتحہ علی الطعام و میلاد شریف کو بھی ناجائز لکھا ہے یہ بھی غلط ہے۔ ایسی بے ہودہ کتاب کا پڑھنا بھی درست نہیں۔'' (مرجع سابق، ص ۵۹)

[۲] مولانا امین القادری چشتی اشرفی (بھیونڈی، ضلع تھانہ) لکھتے ہیں: ''فتاویٰ حسام الحرمین نہایت صحیح و حق و مدلل ہیں ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کو لازم ہے۔''

[۳] مولانا محمد یوسف صدیق اللہ شاہ چشتی اشرفی شافعی (خطیب جامع مسجد بھیونڈی، ضلع تھانہ)

[۴] مولانا ابوناظم محمد کاظم رحمتی چشتی (سراج گنج بنگال) لکھتے ہیں: ''تمام مسلمانوں پر لازم بلکہ الزم ہے کہ ایسے بدعقیدے والوں سے اپنے کو کوسوں دور رکھیں اور ان گندم نما جو فروش لوگوں کے دھوکے اور فریب سے اپنے عقائد اور دین و ایمان کی حفاظت و نگہ بانی کریں۔'' (مرجع سابق، ص ۸۲)

[۵] مولانا عبدالعزیز خاں چشتی اشرفی (فتح پور، ہسوہ) لکھتے ہیں: ''حسام الحرمین کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض و ضرور ہے۔'' (مرجع سابق، ص ۸۳)

[۶] مولانا محمد یونس قادری چشتی اشرفی سنبھلی

[۷] مفتی احمد یار خاں بدایونی اشرفی

[۸] مولانا ابوالفیض چشتی سلیمانی

[۹] مولانا عبدالنبی المختار یار محمد فریدی چشتی (گڑھی اختیار خاں، ریاست بہاول پور) لکھتے ہیں: ''حسام الحرمین استفتا کا کافی جواب اور سراسر حق و صواب ہے۔''

[۱۰] غازی اسلام مولانا کرم الدین دبیر چشتی (بھیں تحصیل چکوال، ضلع جہلم، پنجاب)

لکھتے ہیں: "نجدیوں اور دیوبندیوں کے دلوں میں خدا اور رسول خدا کی کچھ عظمت نہیں .... یہ خارج از اسلام اور کافر ہیں۔ جیسا کہ علماے حرمین شریفین کا مدلل ومفصل فتویٰ ان کی نسبت صادر ہو چکا ہے۔" (مرجع سابق، ص ۵۶)

مولانا کرم الدین دبیر چشتی کی تصدیق پر دستخط کرنے والے علما کے نام اس طرح ہیں:
مولانا محمد فیض الحسن چشتی جہلمی، مولانا احمد دین چشتی چکوالی۔

ہم بعض ان علماے عرب کا بھی ذکر کیے دیتے ہیں جنھوں نے "حسام الحرمین" یا "الدولۃ المکیۃ" (از اعلیٰ حضرت) پر تقریظ لکھی؛ یا خلافت واجازت اعلیٰ حضرت سے سرفراز ہوئے۔ مسلک اہلسنت کی ترویج وتردید عقائد باطلہ میں اہم کردار ادا کیا اور جو نسبت چشتیہ سے منسلک تھے۔ جن کی حرمین میں بڑی قدر ومنزلت تھی۔

[۱] حضرت شیخ احمد بن ضیاء الدین مکی حنفی، حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی کے خلیفہ اور "حسام الحرمین" کے مقرظ۔ (امام احمد رضا اور علماے مکہ مکرمہ، بہاء الدین شاہ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص ۲۰) اعلیٰ حضرت کی تصانیف "فتاویٰ الحرمین" اور "الدولۃ المکیۃ" پر بھی تصدیق قلم بند فرمائی۔

[۲] مولانا رحمت اللہ کیرانوی چشتی مہاجر مکی (م ۱۸۹۱ء) خلیفہ حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی۔ آپ نے مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی ومولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی کی تردید میں مولانا عبدالسمیع بیدل چشتی رام پوری کی کتاب "انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ" اور مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی کی تصنیف "تقدیس الوکیل" پر تقریظ تحریر فرمائی۔ فاتح قادیانیت حضرت پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی نے مولانا کیرانوی کو "فخر العلماء" کا خطاب عطا فرمایا۔ (مرجع سابق، ص ۲۹)

حضرت پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی نے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ "الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ" پر تصدیق فرمائی۔ (مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء)

مولانا کیرانوی نے اخیر عمر میں محلہ جیاد مکہ مکرمہ میں مدرسہ احمدیہ قائم کیا۔ جس میں تجوید وحفظ قرآن پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی، حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی کے خلیفہ اور تصنیف اظہار

حضرت ''حسام الحرمین'' کے مقرظ قاری حافظ شیخ احمد بنگالی (چشتی) اس کے مدرس و مہتم تھے۔ (مرجع سابق، ۳۰)

حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی علیہ الرحمہ: جو بانیان فرقۂ دیوبندیہ کے مرشد ہیں نے ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' لکھ کر علمائے دیوبند کی اصلاح کی کوشش کی۔ دیوبندی مناظر و ترجمان دیوبند محمد امین صفدر اوکاڑوی دیوبندی اپنی کتاب میں رسالہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''احباب موقع بموقع ہفت مسئلہ کا قصہ چھیڑ دیتے ہیں یہ رسالہ ۱۳۱۲ھ میں لکھا گیا۔ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ نے یہاں تک فرمادیا کہ اسے حمام میں جھونک دو۔'' (تجلیات صفدر، جلد اول، ص ۵۰۹؛ مجالس حکیم الاسلام، ص ۱۲۹)

حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا احمد حسن چشتی کان پوری نے امکان کذب کے مسئلے میں مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی کی تردید میں ''تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ کذب والنقصان'' تحریر کی۔

شیخ الدلائل مولانا عبد الحق چشتی سے اعلیٰ حضرت کے روابط:

شیخ الدلائل مولانا عبد الحق چشتی الہ آبادی مہاجر مکی صابری چشتی سلسلے کے شیخ طریقت تھے۔ آپ نے حسام الحرمین پر تقریظ قلم بند کی۔ اکابر علمائے مکہ مکرمہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حسام الحرمین میں آپ کی تقریظ سے قبل ان القاب سے ذکر کیا گیا ہے:

''بقیۃ الاکابر، عمدۃ الاواخر، حامی السنن، ماحی الفتن، مطرح اشعۃ النور المطلق مولٰنا الشیخ محمد عبد الحق المہاجر الالہ آبادی۔''

(حسام الحرمین، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۲، ص ۱۰۳)

اعلیٰ حضرت کے دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ کے موقع پر شیخ الدلائل سے اعلیٰ حضرت کی خصوصی ملاقاتیں رہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا، مولانا شیخ صالح کمال اور شیخ العلماء مولانا محمد سعید بابصیل اور مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی اور کتب خانے میں مولانا سید اسمٰعیل کے

پاس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔"

(الملفوظ، مرتب مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، حصہ دوم، ص ۱۵۸۔۱۵۹)

اعلیٰ حضرت کی حرمین میں مقبولیت سے متعلق شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق چشتی مہاجر مکی فرماتے ہیں:

"(امام احمد رضا کو) مکہ معظمہ میں وہ اعزاز ملا جو کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔"

(الملفوظ، مرتب مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، حصہ دوم، ص ۱۸۱)

مولانا عبدالحق چشتی مہاجر مکی کے تلمیذ مولانا کریم اللہ پنجابی فرماتے ہیں:

انی مقیم بالمدینۃ المنورۃ منذ سنین ویاتیھا من الھند الوف من العلماء فیھم علماء و صلحاء اتقیاء رأیتھم یدورون فی سکک البلد لا یلتفت الیھم من اھلھا احد واری العلماء والکبار العظماء الیک مھرعین وبالاجلال مسرعین ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

"میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوں۔ ہندوستان سے ہزاروں انسان آتے ہیں، ان میں اہلِ علم، اہلِ اصلاح، اہلِ تقویٰ سب ہوتے ہیں، انھیں دیکھا کہ وہ بلدہ مبارکہ کی گلیوں میں گھومتے ہیں، کوئی ان کی طرف دھیان نہیں کرتا لیکن آپ کی مقبولیت کی عجیب شان دیکھتا ہوں کہ بڑے بڑے علما عظما آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں اور تعظیم بجالانے میں جلدی کررہے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے۔"

(تمہید الاجازات المتینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، ادارۂ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ص ۱۰۲۔۱۰۳)

شیخ الدلائل نے "حسام الحرمین" اور "الدولۃ المکیۃ" پر تقریظ لکھی۔

حضرت حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا احمد بن ضیاء الدین بنگالی مکی نے

اعلیٰ حضرت کی کتاب ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' پر تقریظ لکھی۔ جو ''افتائے حرمین کا تازہ حلیہ'' (مطبوعہ بریلی ۱۹۱۰ء) میں شامل ہے۔ (تاریخ الدولۃ المکیۃ، عبدالحق انصاری، ص ۸۷۔۸۸)

مشائخ چشتیہ کی عقائد اہلسنت کی حفاظت وصیانت کی غرض سے کاوشات، رد فرق باطلہ کے لیے خدمات کے ذکر کے لیے دفتر چاہیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کثیر فتاویٰ ہیں جن پر علما و مشائخ چشتیہ کی تصدیقات ثبت ہیں۔ ان تمام تفصیلات کے لیے ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں کیا جانے والا کام یقیناً سلاسلِ حقہ کی تحفظِ اہلسنت وصیانت حق کے ضمن میں مخلصانہ خدمات کا گل دستہ ہوگا جس کی خوش بو سے فکر ونظر اور دل ودماغ مہک اٹھیں گے۔ ضرورت علمی کام کی ہے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں



غلام مصطفیٰ رضوی: نوری مشن مالیگاؤں
gmrazvi92@gmail.com

امام احمد رضا اور مشائخ نقشبندیہ

رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مسلمانوں کا رشتہ روح کا ہے۔ ناموسِ رسالت کا مسئلہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے مابین حساس رہا ہے اور جب بھی عقیدے کے اس پہلو پر آنچ آئی مسلمان تڑپ اُٹھے۔ جانوں کا نذرانہ پیش کر کے رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت واُلفت کا بھرپور اظہار کیا اور گستاخِ رسول کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

''حبِ رسول کی وارفتگی کا یہ رُخ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی گستاخ کے خلاف غم وغصہ اور نفرت وغضب کے اظہار کے سوال پر کبھی یہ نہیں دیکھا کہ نشانے پر کون ہے؟ باہر کا ہو یا اندر کا جس نے بھی رسول کی شان میں گستاخانہ جسارت کا اظہار کیا مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کی تلوار اُس کے خلاف بے نیام ہو گئی......... علمائے دیوبند کے خلاف بھی ہمارے غم وغصہ کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے کہ اُن کے اکابر نے اپنی بعض کتابوں میں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخانہ کلمات استعمال کیے ہیں۔'' (الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۔ ۷، مقدمہ)

علمائے دیوبند کی وہ کتابیں جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں توہین صادر ہوئی، ان پر علمائے حق نے باز پرس کی اور ان عبارتوں سے باز آنے کی گزارش کی لیکن بجائے ندامت وتوبہ کے وہ ہٹ دھرمی کے ساتھ ان پر قائم رہے اور اپنی گستاخانہ عبارتوں کی بے جا تاویلیں کرتے رہے۔

ہندوستان میں وہابیت کا آغاز:

ہندوستان میں وہابیت کا آغاز شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے

ہوا۔ اس وقت اکابرینِ اسلام نے اس کا رد کیا۔ اس کتاب کی تعریف میں مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

''کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے۔''

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: ''اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، مولوی رشید احمد گنگوہی، فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۷۸)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ''تقویۃ الایمان'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد (الف ثانی) کے زمانے سے ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان کے مسلمان دو فرقوں میں بٹے رہے: ایک اہلِ سنت و جماعت، دوسرے شیعہ۔ اب مولانا اسماعیل دہلوی کا ظہور ہوا، وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے تھے۔ ان کا میلان محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہوا اور نجدی کا رسالہ ''رد الاشراک'' ان کی نظر سے گزرا اور انھوں نے اردو میں ''تقویۃ الایمان'' لکھی، اس کتاب سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلِ حدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا، ائمہ مجتہدین کی جو منزلت تھی اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا۔ معمولی نوشت وخواند کے افراد امام بننے لگے۔ اور افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہِ نبوت کی تعظیم واحترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہ ساری قباحتیں ماہ ربیع الآخر ۱۲۴۰ھ کے بعد سے ظاہر ہونی شروع ہوئی ہیں۔ اس وقت کے تمام جلیل القدر علما کا دلی کی جامع مسجد میں اجتماع ہوا اور ان حضرات نے بہ اتفاق اس کتاب کا رد کیا۔'' (مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی دلی ۶، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء، ص ۹۔۱۰)

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی ''وہابیت'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''اس وقت اور ان اطراف میں ''وہابی'' متبعِ سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ فرید بک ڈپو دہلی، س ن، ص ۱۱۰)

''محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، فرید بک

دیو دہلی، س ن، ص ۲۸۰)

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے۔'' (مرجع سابق)

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ''وہابیت'' کی ''دیو بندی شاخ'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ میں حضرت حاجی (امداداللہ) صاحب رحلت فرمائے جنت ہوئے۔ اب مولوی (اشرف علی تھانوی) صاحب کے واسطے راستہ صاف ہوا۔ ان پر نئی تحقیق کی راہیں کھل گئیں۔ سب سے پہلے انھوں نے علم غیب کے مسئلہ کو چھیڑا اور رسالہ ''حفظ الایمان'' لکھ کر بے حساب غلامانِ بارگاہِ رسالت کو ایذا پہنچائی۔ یہ واقعہ ۱۳۱۹ھ کے اوائل کا ہے۔'' (مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۲۳)

حسام الحرمین:

علمائے حق نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر علمائے دیو بند اور برصغیر میں پنپ رہے باطل عقائد پر شرعی گرفت کرتے ہوئے انھیں سمجھانے کی کوشش کی اور آخرت کا خوف دلایا۔ جب دیکھا کہ وہ جنبش کو تیار نہیں تو پھر ان کا شرعی مواخذہ کیا۔ ان علمائے ربانیین میں ایک نام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء - وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا ہے۔ آپ نے ان عقائد و گستاخیوں سے متعلق تنبیہ و توبہ کی ترغیب کے بعد دینی ضرورت سمجھتے ہوئے علمائے حرمین کی خدمت میں بلا کم و کاست گستاخانہ عبارتوں کو پیش کیا اور حکم شرع واضح کرتے ہوئے علمائے حرمین سے تصدیق چاہی۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ علامہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ) کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' پر امام احمد رضا نے حاشیہ لکھا بہ نام ''المعتمد المستند''، اس کا خلاصہ امام احمد رضا نے دوسرے سفرِ حج ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین کی خدمت میں پیش کیا اور اس میں ہندوستان میں پیدا ہونے والے فرقوں مثلاً قادیانی، نیچری، وہابی، دیو بندی، غیر مقلد وغیرہم کے عقائد ذکر کیے۔ جس پر ۳۳ر علمائے حرمین نے مذکورہ فرقوں پر فتاویٰ کفر صادر فرمایا جس کی اشاعت ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' (۱۳۲۴ھ) کے نام سے ہوئی۔

فتاویٰ حسام الحرمین کی اشاعت عربی میں ہوئی جب کہ اردو اور انگریزی تراجم بھی ہند و پاک سے بار بار شائع ہو چکے ہیں اور ساری دُنیا میں ان کی مقبولیت ہے۔

الصوارم الہندیہ:

علمائے حرمین کی تصدیقات ''حسام الحرمین'' کے نام سے شائع تھیں۔ اعلیٰ حضرت کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے پانچ سال بعد ۱۳۴۵ھ میں مولانا حشمت علی خان قادری نے ان فتاویٰ پر علما و مشائخ برِ صغیر کی تصدیقات لیں اور ان کی اشاعت ''الصوارم الہندیہ'' (۱۳۴۵ھ) کے نام سے کی۔ راقم کے پیشِ نظر ''الصوارم الہندیہ'' کا جو ایڈیشن ہے وہ اورنگ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور کا شائع کردہ ہے۔ اس میں ۲۶۸ ر تصدیقات ہیں۔

ان سطور میں یہ بتانا مقصود ہے کہ فرق ہائے باطلہ کی تردید و مخالفت میں جہاں دوسرے سلاسل طریقت کے مشائخ و علما کا اہم رول رہا ہے وہیں سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ اکابر نے بھی اہل سنت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ باطل عقائد کی کھلی مخالفت کی اور فتاوے و تصدیقات جاری کیں۔ آج کل وہابی دیوبندی اپنی حقیقت چھپا کر ''منافقت'' سے کام لیتے ہیں اور کبھی نقشبندی، قادری یا چشتی کہلوا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو دیوبندی بنانے کی کوششیں کرتے ہیں، یہی حال ان کی تبلیغی جماعت کا بھی ہے۔ اس ضمن میں سید اکرام حسین بکری (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سیکر شریف میر پور سندھ) کے نام (مکتوب محررہ ۲۳ ر دسمبر ۲۰۰۳ء میں) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں:

> ''یہ آپ نے صحیح فرمایا کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں وہابیہ دیوبندیہ داخل ہو گئے ہیں۔ فقیر نے ''جہانِ امام ربانی'' میں اس کا ازالہ کیا ہے۔ بلکہ شروع ہی میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کر دیا ہے اور اپنے ابتدائیے میں یہ واضح کیا ہے کہ وہابیہ دیوبندیہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (کی تعلیمات) کا استحصال کیا ہے اور دوسری طرف امام احمد رضا نے تعلیمات مجددیہ کو فروغ دیا۔''

(مکتوبات مسعودی، عبد الستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۶۷۔۶۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے "حسام الحرمین" کی اشاعت کروائی۔ جس پر علماے دیوبند کی طرف سے کفریہ عبارتوں کی تاویل کی کوشش میں "المہند" (از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی) شائع ہوئی۔ اس کے حقائق کا پردہ چاک کرتے ہوئے شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں: "المہند نے حفظ الایمان کی عبارت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے: "اس غیب سے مراد کیا ہے۔ یعنی غیب کا ہر ہر فرد یا بعض غیب، کوئی کیوں نہ ہو، پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی۔ کیوں کہ بعض غیب کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہو، زید وعمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔" اور اسی عبارت کو عربی جامہ پہنایا ہے۔ رسالہ حفظ الایمان میں جو عبارت ہے، یہ عاجز نقل کر چکا ہے۔ دونوں عبارتوں کے الفاظ میں بڑا فرق ہے۔ اور خرابی کی جڑ "کلمۂ ایسا" ہے کو معرب ومترجم صاحب نے حذف کر دیا ہے۔ عبارت کو ان ہی الفاظ سے جو حفظ الایمان میں ہیں، نہ لکھنا اور خرابی کی جڑ کو حذف کرنا، ظاہر کر رہا ہے کہ خود معرب ومترجم کو پورا کھٹکا تھا کہ اگر وہی الفاظ بیان کیے گئے اور انھیں کو عربی کا لباس پہنایا گیا تو یقیناً علماے کرام کی آرا موافقت میں نہیں آئیں گی۔" (مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۵)

<u>مشائخ نقشبندیہ اور اہلِ سنت:</u>

مشائخ نقشبندیہ نے ہر دور میں عقائد ومعمولاتِ اہلِ سنت کی حفاظت کے لیے سرگرمی دکھائی اور فرق ہاے باطلہ کی تردید کی۔ اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ کریں:

[ا] حضرت حاجی دوست محمد نقشبندی قندھاری تحریر فرماتے ہیں: "

ولی کی علامت یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ اہل سنت والجماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم ہو اور باقی سب اہلِ قبلہ یعنی شیعہ، وہابیہ، رافضیہ وغیرہ وغیرہ فرقوں کے اعتقادات سے دور رہتا ہو۔" (تحفۂ ابراہیمیہ، مکتوبات مولانا دوست محمد قندھاری طبع زوار اکیڈمی کراچی جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۳)

حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی؛ خان ملا خان کے نام مکتوب (محررہ ربیع الآخر ۱۲۸۱ھ) میں لکھتے ہیں:

"عرض یہ ہے کہ دس رسالے جو فرقۂ وہابیہ کے اقوال وعقائد کے رد کرنے کے سلسلہ میں تحریر کیے گئے ہیں وہ اس فقیر کو دست یاب ہوئے ہیں۔ چنان چہ آپ کی خدمت میں ارسال کیے جارہے ہیں، ان شاء اللہ آپ کو مل جائیں گے۔ آپ کو چاہیے کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی ترقی کے لیے ان رسالوں کو رائج کریں۔ فقیر دعا گو ہے کہ رب جلیل آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اللہ جل شانہٗ شریعت مطہرہ اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر سلامتی نصیب فرمائے۔"

(تحفۂ ابراہیمیہ ،مکتوبات مولانا دوست محمد قندھاری، اردو ترجمہ: محمد احمد، طبع زوار اکیڈمی کراچی جولائی ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۸۔۱۶۹)

وہابی فرقے کی تردید ومخالفت میں رسائل کی اشاعت کی ترغیب حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی نے ۱۲۸۱ھ میں دی اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر صرف ۱۰ رسال تھی۔ رشیخ نقشبندیت نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے سے قبل ہی وہابیت سے بیزاری کا اظہار کیا۔

[۲] ۱۳۴۱ھ کے میلاد سے متعلق شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی لکھتے ہیں:

میلاد شریف کے مخالف اور اس کو کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہنے والے افراد جیسے مولوی اشفاق الرحمن اور صدر بازار دہلی کے اہلِ حدیث جو اچانک آزمائش کے لیے اس مبارک محفل میں آگئے تھے اور یہی کہتے ہوئے گئے کہ بڑی بابرکت محفل تھی تو پھر نیک دل افراد پر اگر بعض حقائق کا اظہار ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔" (مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۱)

میلاد سے متعلق شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی کا یہ قول ہے کہ: ہم یہ مبارک محفل (میلاد) اس لیے منعقد کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو۔ آپ کی محبت اصلِ ایمان ہے۔ اس اصل ہی کو حاصل کرنے کے لیے اس مبارک محفل کا قیام کیا جاتا ہے۔" (مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۳۴۴)

[۳] حضرت شاہ احمد سعید مجددی مہاجر مدنی فرماتے ہیں:
"مکہ مکرمہ کے یکتائے روزگار مفسر محدث مولانا عبداللہ سراج حنفی جن کے حلقۂ درس میں اس نومولود فرقہ (وہابیہ) کا سردار نہ صرف بازانوئے ادب حاضر ہوا کرتا تھا بلکہ آپ کی جامعیت کا معترف بھی تھا، نے بھی قیام کے مستحسن ہونے کا فتویٰ دیا ہے، آپ کا مہر زدہ فتویٰ راقم (شاہ احمد سعید) کے پاس موجود ہے، جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔" (اثبات المولد والقیام، شاہ احمد سعید مجددی، مترجم مولانا محمد رشید نقشبندی، مرکزی مجلس رضا لاہور اکتوبر ۱۹۸۰، ص ۳۰)

حضرت شاہ احمد سعید کے فرزند گرامی حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی مہاجر مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

ولم یذکر احدا بالسوء الا الفرقة الضالة الوهابية لتحذير الناس من قباحة افعالهم واقوالهم

پھر اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: وكان قدس سره يقول ادنى ضرر صحبتهم ان محبة النبى صلى الله عليه وسلم التى هى من اعظم اركان الايمان تنقص ساعة فساعة حتى لا يبقىٰ منها غير الاسم والرسم فكيف يكون اعلاه فالحذر الحذر عن صحبتهم ثم الحذر الحذر عن رؤيتهم اه فاحفظه (منه)

حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہ کسی کی برائی نہیں کرتے تھے سوائے وہابیہ کے گمراہ فرقہ کے، تا کہ لوگوں کو ان کے افعال واقوال کی قباحت سے ڈرائیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وہابیوں کی صحبت کا معمولی نقصان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت جو ایمان کے بڑے ارکان میں سے ہے، لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نام ونشان کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جاتا، جب معمولی ضرر کا یہ حال ہے تو بڑے نقصان کا کیا عالم ہوگا؟ لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ضرور بچو، بلکہ ان کی صورت تک دیکھنے سے ضرور بالضرور اجتناب کرو۔

[محمد مظہر مہاجر مدنی، مولانا شاہ، المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ، مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۸۹۹ء، ص ۱۷۶، تحقیق الفتویٰ، مقدمہ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری، المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ص ۳۵۔۳۶]

نوٹ: مقاماتِ سعیدیہ- پہلے فارسی میں ۱۲۷۷ھ میں دہلی کے اکمل المطابع میں چھپی، پھر عربی میں ۱۳۱۲ھ میں قزان میں چھپی۔ (مقاماتِ خیر ۱۳۹۲ھ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۸۸)

[۴] مولانا شاہ محمد معصوم مجددی ابن عبدالرشید (م ۱۳۴۱ھ) نے میلاد کے جواز پر "احسن الکلام فی اثبات المولد والقیام" (تالیف ۱۳۰۵ھ) نام سے کتاب لکھی۔

آج کل سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کو "دیوبندی" بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالاں کہ اکابر نقشبندیہ کے عقائد وہی تھے جن کی تصریحات امام احمد رضا کی کتب و فتاویٰ میں ملتی ہیں، وہ بھی معمولاتِ اہلِ سنت پر کاربند تھے، بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ولادت سے کافی پہلے جب وہابی تحریک کا آغاز ہوا اس وقت اکابرِ نقشبندیہ نے وہابیت کی تردید و بیخ کنی میں فتاوے صادر فرمائے، کتابیں تصنیف کیں، علما کی کتابوں پر تصدیقات ثبت کیں۔

اس تحریر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مشہور فتاویٰ "حسام الحرمین" پر علما و مشائخ نقشبندیہ کی تصدیقات دکھانا مقصود ہے۔ اس لیے اسی رُخ سے نکات درج کیے جارہے ہیں۔

علما و مشائخ نقشبندیہ کی تصدیقات:

[۱] <u>پیر جماعت علی شاہ نقشبندی:</u>

سلسلۂ نقشبندیہ کی عظیم و قدیم خانقاہ "علی پور شریف" کے بزرگ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری -حسام الحرمین- کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حسام الحرمین کے فتاویٰ حق ہیں اور اہلِ اسلام کو ان کا ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص ان کو تسلیم نہیں کرتا وہ راہِ راست سے دور ہے، حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ مبارک میں جو شخص عمداً و سہواً بھی گستاخی کرے اور آپ کی ادنیٰ توہین و تنقیص کا تقریراً یا تحریراً مرتکب ہو وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔"

(الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۵۵)

پیر جماعت علی شاہ نقشبندی محدث علی پوری کی اس تحریر پر مولانا محمد حسین (مہتمم مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں) محمد کرم الٰہی بی اے، مولانا خان محمد وغیرہم کے دستخط ہیں۔

[۲] مولانا دیدار علی الوری نقشبندی:

مولانا دیدار علی الوری رضوی نقشبندی مجددی (سابق خطیب و مدرس مسجد وزیر خان لاہور) تحریر فرماتے ہیں: ''حسام الحرمین جو فتویٰ علمائے حرمین شریفین ہے، وہ سرتاپا حق و بجا ہے۔ اور جن اقوال پر فتویٰ دیا گیا ہے فریقین میں منصف کو ان کی کتابوں سے ان اقوال کو مطابق کر کے دیکھنا کافی ہے۔''

[الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۵۸]

اس پر مزید دستخط کنندگان میں مولانا سید فضل حسین نقشبندی مجددی گجراتی، سید عبدالرزاق نقشبندی مجددی حیدر آبادی، حاجی احمد نقشبندی شامل ہیں۔

[۳] حضرت قاضی فضل احمد نقشبندی مجددی لدھیانوی:

حضرت قاضی موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''تمام مسلمانان اہل سنت و جماعت کو کتاب مستطاب ''حسام الحرمین'' کے مندرجہ فتاویٰ کو مان کر ان پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اس کے ایک دیگر کتاب ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' (تصنیف از مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی مجددی) مصدقہ علماؤ مفاتی ائمہ اربعہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں بھی اسی طرح لکھا ہے جیسے کہ کتاب ''حسام الحرمین'' یہ بات طے شدہ ہے کہ عقائد و اقوال مندرجہ استفتا کلمات کفریہ ہیں۔''

[الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۸]

[۴] مفتی اعظم دہلی مفتی مظہر اللہ نقشبندی:

مفتی مظہر اللہ نقشبندی مجددی (سابق شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی) لکھتے ہیں:

''اس عاجز کا یہ کہاں زہرہ کہ حضرات علمائے کرام حرمین شریفین کے مخالف جنبش لب کشائی کر سکے، ان حضرات نے جو کچھ فرمایا حق و واجب العمل ہے۔''

[الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۶۸]

مفتی صاحب کے فرزند پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں: "حضرت (مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلوی۔ م ۱۹۶۶ء) کے نقش قدم ہمارے سامنے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جن حضرات کی تکفیر فرمائی۔ حضرت قبلہ نے "الصوارم الہندیہ" میں اس کی تائید فرمائی۔ اور مسلک کی علامت اور نشانی بن گئے۔ فقیر نے بھی یہی روش اختیار کی اور اغیار سے کبھی مفاہمت کی اور نہ کسی کو یہ مشورہ دیا۔"

[مکتوبات مسعودی، عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۴۷۲۔ ۴۷۳]

[۵] مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی:

پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی نقشبندی علی پوری کے خلیفہ مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی (م ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء۔ مصنف تفسیر نبوی) مرید مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی اپنی تصدیق میں لکھتے ہیں:

"جو شخص گنگوہی وتھانوی ودیوبندی مذکورین کا معتقد ہو وہ ضرور وہابی، کافر و مرتد ہے۔ اس کی کلمہ گوئی وقبلہ روئی وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں وہ قولہ تعالیٰ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمومنین کا مصداق ہو کر اہل اسلام سے خارج ہو گیا۔ گو بظاہر مسلمان کہلائے۔

.... دیوبندی علما آدم نما ابلیس ہیں۔ مسلمانوں کی بولی بول کر کافر بناتے ہیں۔" (الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۷۵۔ ۷۶)

[۶] مولانا محمد ریحان حسین عمری مجددی:

مولانا محمد ریحان حسین مجددی (مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم رام پور) فرماتے ہیں: "فتاویٰ حسام الحرمین یقیناً قابل عمل ہے اور صحیح ہے۔" (الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۷۷)

[۷] مولانا محمد نور الحسین نقشبندی مجددی رام پوری:

مولانا موصوف لکھتے ہیں: ''حسام الحرمین میں جن علماے حرمین شریفین اہل السنۃ والجماعۃ کے فتوے ہیں وہ حق اور صواب ہیں۔'' (الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۰)

[۸] مولانا محمد معوان حسین مجددی رام پوری:

خانوادۂ مجدد الف ثانی کے فرد فرید شاہ احمد سعید نقشبندی دہلوی کے شاگرد و مرید مولانا شاہ ارشاد حسین مجددی رام پوری کے فرزند مولانا محمد معوان حسین مجددی رام پوری (مدرس ارشاد العلوم) لکھتے ہیں:

''حسام الحرمین کے احکام حسب منقول صحیحہ معتبرہ لازم الاتباع ہیں۔'' (الصوارم الہندیہ ۱۳۴۵ھ، مرتب مولانا حشمت علی خان قادری، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، جنوری ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۱)

یوں ہی دیگر علماے سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سید غیاث الدین بن مولانا سید غلام محی الدین نقشبندی (سورت)، مولانا محمد حسن عرب المدنی المغربی السنوسی القادری النقشبندی الفضل الرحمانی، مولانا فقیر محمد حسن فاروقی مجددی وغیرہم نے بھی فرق ہاے باطلہ وہابیہ دیابنہ کی تردید کی اور اہل سنت پر استقامت کی تلقین کی۔

مولانا شاہ عبد الغنی مجددی کے شاگرد شیخ عثمان بن عبد السلام داغستانی (م ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، مدینہ منورہ) نے امام احمد رضا کی کتب الدولۃ المکیہ، حسام الحرمین و فتاویٰ الحرمین نیز تقدیس الوکیل

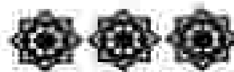
[از مولانا غلام دستگیر قصوری ہاشمی نقشبندی] پر تقاریظ لکھیں۔ (تاریخ الدولۃ المکیہ، عبد الحق انصاری، بہاء الدین زکریا لائبریری چکوال ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۶]

مولانا شاہ عبد الغنی مجددی کے شاگرد مولانا محمود بن صبغۃ اللہ مدراسی نے امام احمد رضا کی تصنیف الدولۃ المکیہ پر تقریظ لکھی۔ آپ حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی ابن حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے مرید تھے۔ (تاریخ الدولۃ المکیہ، عبد الحق انصاری، بہاء الدین زکریا لائبریری چکوال ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۷)

مزید جستجو کی جائے تو فروغ اہلِ سنت کے لیے نقشبندی تعلیمات اور مشائخ نقشبندیہ کے کافی اقوال مل جائیں گے۔ اس پہلو سے راقم کی ایک کتاب "مشائخ نقشبندیہ: عقائد و افکار" جلد ہی شائع ہوگی۔ جس میں باطل فرقوں کے استیصال میں علما و مشائخ نقشبندیہ کا کردار اور عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت کے تحفظ کے لیے علمی و عملی و تحریری خدمات پر صراحت و وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کے اندر درجنوں ملفوظات ایسے درج کیے ہیں جن میں وہابیہ سے بچنے کی تلقین و تاکید ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اصل تعلیمات جو مسلک اہلِ سنت کے مطابق ہے پر سختی سے گامزن رہنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی طرح اس میں "دیوبندی" نقشبندی تعلیمات سے منحرف ہیں پر شواہد و دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں مسلک اہلِ سنت جسے شناخت کے لیے مسلکِ اعلیٰ حضرت بھی کہا جاتا ہے، پر استقامت عطا فرمائے اور مشائخِ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے



مولانا سید شاہ محمد ریان ابوالعلائی
خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ

سلسلہ ابوالعلائیہ اور امام احمد رضا

گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان کے اکثر علاقوں میں سلسلۂ نقشبندیہ کا خوب عروج رہا جو بعد میں پھوٹ کر دو شاخوں میں منقسم ہوگیا۔

(۱) سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ

(۲) سلسلۂ نقشبندیہ ابوالعلائیہ

سلسلۂ ابوالعلائیہ کے بانی محبوب جل وعلا حضرت سیدنا امیر ابوالعلا (متوفی ۱۰۶۱ھ) ہیں جنہوں نے اپنے علم وعمل اور اخلاق واخلاص کے ذریعہ برصغیر میں انسانیت ومعرفت کو فروغ دیا اور اس پرخار زمین کو پر بہار بنا کر گلشن بے خزاں کا نمونہ بنادیا، آپ کی ذات دل ودماغ کو تر وتازہ رکھنے کے لئے گلستان ارم کا کام کرتی رہی۔

حضرت امیر ابوالعلا نے سلسلۂ نقشبندیہ میں اک نئی روح پھونک دی جس کے اثرات آج بھی عیاں ہیں، آپ نے خواجہ بزرگ معین الدین چشتی (متوفی ۶۳۳ھ) کے سلسلے کی رنگت ومعرفت اور سماع بالمزامیر کی کیفیت کو سمیٹ کر سلسلۂ ابوالعلائیہ کے نصاب میں داخل کیا، حضرت امیر ابوالعلا کو خواجہ معین الدین چشتی سے براہ راست فیضان اویسی حاصل تھا جب کوئی آپ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کا ارادہ ظاہر کرتا تو اسے سلسلۂ چشتیہ میں داخل کرتے اور خواجہ معین الدین چشتی کے بعد شجرہ پر اپنا نام تحریر کرتے، آپ اپنے مریدین ومسترشدین کو راہ سلوک طے کراتے رہے اور ابوالعلائی نسبت کے طالبین ہمیشہ آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

تصوف کا اصل مقصد خدا کو پہچاننا ہے، حضرت شمس تبریز فرماتے ہیں۔

بہر حالیکہ باشی باخدا باش
زخود بیگانہ باحق آشنا باش

سلسلہ نقشبندیہ حضرت امام جعفر صادق کے ذریعہ جاملتا ہے اور امام کے قلب معظم میں فیض کے دو دریا جمع تھے، پہلے تو آپ نے باطنی نعمت اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر سے پائی جسے نسبتِ صدیقیہ کہتے ہیں اس کے بعد اپنے والد حضرت امام محمد باقر سے بیعت حاصل کر کے خرقۂ خلافت و امامت کا پایا جسے نسبتِ مرتضویہ کہتے ہیں، اسی جہت سے آپ کو مجمع البحرین کہا جاتا ہے، پس شجرۂ نقشبندیہ میں امام جعفر صادق سے اوپر دو شاخ لکھی جاتی ہے ایک حضرت ابوبکر صدیق تک جا پہنچتی ہے اور دوسری حضرت مولیٰ علی سے جاملتی ہے۔

اور وہ اس طرح ہے۔

امام جعفر صادق وھو من حضرت قاسم وھو من حضرت سلیمان وھو من حضرت ابوبکر صدیق وھو من حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام جعفر صادق وھو من امام باقر وھو من زین العابدین وھو من امام حسین وھو من حضرت علی مرتضیٰ وھو من حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت امیر ابوالعلا کا سلسلہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند تک اس طرح جاملتا ہے۔

امیر ابوالعلا وھو من امیر عبداللہ احراری وھو من خواجہ محمد یحییٰ وھو من خواجہ عبدالحق وھو من خواجہ عبیداللہ احرار وھو من مولانا یعقوب چرخی وھو من خواجہ بہاؤالدین نقشبند والیٰ آخرہ۔

بارہویں صدی ہجری میں یہ سلسلہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ تمام مشاہیر اس سلسلے سے وابستہ ہوتے چلے گئے، کیا امیر کیا غریب،

کیا چشتی کیا قادری، کیا سہروردی کیا فردوسی سب ابوالعلائی نعمت سے مستفیض و مستفید ہوئے۔

حضرت میر سید محمد کالپی کے متوطن تھے، انہیں بیعت سلسلۂ چشتیہ میں حضرت جمال اولیا سے تھی، سیکڑوں طالبانِ خدا آپ کے حلقۂ فیض وارشاد میں حاضر تھے، ایک روز آپ نے

عالم رویا میں دیکھا کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند فرماتے ہیں کہ

"اے میر سیّد محمد ادریں والا ایک شیخ ہمارے سلسلہ کا ایسا صاحب مقامات عالیات شہر اکبر آباد میں فیض بخش عالم ہے کہ کئی برسوں کے بعد اس رتبہ کا شخص پیدا ہوا ہے مناسب ہے کہ تم اکبر آباد میں جا کر اس سے ہمارا طریقہ بھی اخذ کرو" (نجات قاسم)

مگر نام نہ فرمایا بعد اس واقعہ کے میر سیّد محمد کو بے اختیار چند مریدوں اور خادموں کو ہمراہ لے کر آگرہ کی طرف تشریف فرما ہوئے وہاں پہنچ کر جو احوال اس شہر کے مشائخ کا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے دو بزرگ وہاں شیخ وقت ہیں ایک تو مجدد الف ثانی کے خلیفہ حضرت میر نعمان اور دوسرے حضرت امیر ابوالعلا، یہ بھی ظاہر ہوا کہ میر نعمان کو سماع سے احتراز کلی ہے اور امیر ابوالعلا کی مجلس فیض منزل میں سماع بھی ہوتا ہے از انجا کہ میر سیّد محمد کو بھی سماع سے احتیاط تھی، رغبت خاطر آپ کی میر نعمان کی طرف ہوئی چنانچہ آپ پالکی پر سوار ہو کر میر نعمان کی خانقاہ کو تشریف لے چلے مگر کہاران کی خانقاہ کی راہ بھول کر حضرت امیر ابوالعلا کی خانقاہ پر جا پہنچے جب وہاں پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ یہ خانقاہ حضرت امیر ابوالعلا کی ہے آپ پالکی سے نہ اترے اور کہاروں سے فرمایا کہ میر نعمان کی خانقاہ پر لے چلو لیکن عجب اتفاق ہوا کہ کہار دو چار گلی اور کوچوں میں پھر پھرا کے پھر ہمارے حضرت ہی کی خانقاہ پر آن پہنچے، القصہ دو یا تین مرتبہ یہی ماجرا گذرا جب تو میر سیّد محمد نے فرمایا کہ کچھ امر حق یوں ہی معلوم ہوتا ہے اور پالکی سے اتر کر خانقاہ کے اندر تشریف لے گئے بحسب اتفاق اس وقت حضرت امیر ابوالعلا کی محفل میں سماع ہو رہا تھا، حضرت نے میر محمد کو جو دیکھا تو آپ کی طرف متوجہ ہو کر کئی بار نعرہ کیا، میر محمد پر حضرت کی نعروں کی تاثیر تو پڑی مگر از انجا کہ میر محمد کا ظرف عالی تھا ضبط کیا اور جسم کو جنبش نہ ہوئی تب حضرت نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کئی بار نعرہ فرمایا پھر آپ کو طاقت ضبط کی باقی نہ رہی تمام بدن کو جنبش اور قلب میں جاروب ہو کر نسبت ابوالعلائیہ متمکن ہو گئی بعد برخاست محفل کے میر محمد نے عرض کیا کہ

"فقیر تو پہلے ہی نعروں میں بے خود ہو چلا تھا مگر بمشکل ضبط

کیا اور اپنے تئیں سنبھالا لیکن اخیر نعروں کے وقت ضبط نہ کر سکا"

اور ۹ر مہینے تک حضرت کی صحبت میں حاضر رہ کر طریقہ ابو العلائیہ کی تکمیل کی بعد اس کے آپ کو خرقۂ خلافت اور خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی تسبیح کہ دانے اس کے چنے پتھر کے ہیں عنایت کیا۔

پھر آپ کالپی میں آکر مسند ہدایت وارشاد پر جلوہ افروز ہوئے، اب تک تمام ہندوستان میں شرق سے غرب تک مشہور تر ہے

کچھ حاجت بیان کی نہیں، آپ کے اور آپ کے خلفائے عظام سے ہزاروں طالب براب ہوئے ہیں، چنانچہ حضرات مارہرہ کہ کیسے کیسے ولیٔ کامل ہوئے ہیں میر محمد ہی کے خاندان ولایت تواماں کے فیض یافتہ ہیں۔

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سیّد احمد کالپوی سجادہ نشیں ہوئے، آپ کے اوصاف و کمالات کی کچھ حد و نہایت نہیں، کیفیت ذوق و مستی و شور و عشق کی غالب تھی، سماع سے بہت شوق تھا، آپ کی نسبت سراسر تاثیر ایسی زور آور تھی کہ انسان تو کیا چرند و پرند آپ کا نعرہ سن کے مست و بے خود ہو جایا کرتے تھے، اسلاف کے قدم بقدم تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ حضرت سیّد احمد کے خلیفہ حضرت سیّد فضل اللہ ان کے خلیفہ حضرت برکت اللہ مارہروی ان کے خلیفہ حضرت آل محمد ان کے خلیفہ حضرت حمزہ ان کے خلیفہ حضرت آل احمد ان کے خلیفہ حضرت آل رسول ان کے خلیفہ حضرت ابو الحسین نوری ان کے مرید و خلیفہ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی۔

اور اسی طرح مولانا ظفر الدین رضوی نے "حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں لکھا ہے، امام احمد رضا خاں کو سلسلۂ ابو العلائیہ کی اجازت وخلافت کے علاوہ مشائخ ابو العلائی کے ساتھ دیرینہ تعلقات بھی قائم تھے، اس سلسلے کی چند معروف خانقاہیں

(۱) خانقاہ سجادیہ ابو العلائیہ، شاہ ٹولی، دانا پور

(۲) خانقاہ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی

(۳) بارگاہ عشق، تکیہ شریف، پٹنہ سیٹی

وغیرہ کے سجادگان ذیشان سے بھی دیرینہ روابط رہے ہیں، خود فاضل بریلوی تحریک ردّ ندوہ کے سلسلے میں جب پٹنہ میں مقیم تھے تو حضرت مخدوم منعم پاک کے عرس میں شامل ہوئے، اپنے عربی قصیدہ ''امال الابرار والام الاشرار'' میں یہاں کے سجادہ نشیں حضرت شاہ عزیز الدین حسین کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

''عزیز الدین ذا عزیسود'' (ص 12)

دوسری جگہ حسن بریلوی نے فارسی مثنوی ''صمصام حسن بردابر فتن'' میں کہتے ہیں کہ

''شاہ سماعیل وعزیز دامیر'' (ص 40)

قصیدہ ''امال الابرار والام الاشرار'' میں خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ کے سجادہ نشیں حضرت شاہ محمد اکبر ابوالعلائی داناپوری اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد محسن ابوالعلائی داناپوری کا تذکرہ جس لب ولہجہ اور محبت وعقیدت کے انداز میں ہے اسے کوئی صاحب عرفان ہی محسوس کرسکتا ہے، فرماتے ہیں کہ

''ومحسِننا الاکبر نا وَلید''

حضرت شاہ اکبر داناپوری کی کتاب ''مولدِ فاطمی'' اور ''تاریخ عرب'' میں یہ دو شعر درج ہے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے ہو کعبے کا کعبہ دیکھو

(تاریخ عرب، ص ر ۱۲۴)

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

(تاریخ عرب، ص ر ۲۵۱، مولدِ فاطمی، ص ر ۷)

اسی زمین میں حضرت اکبر کی مکمل نعت ''تجلیاتِ عشق'' میں بھی ملتی ہے۔

آؤ اے جنتیو گنبد خضریٰ دیکھو

قبلۂ عرش ہے یہ قصر معلی دیکھو

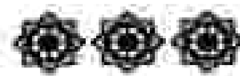
۱۳۱۰ھ کے آس پاس علمائے اہل سنت میں شعر وسخن کا باغ جن دو ہستیوں کا آباد رہا وہ حضرت اکبرؔ اور فاضل بریلوی کی ذات تھی، ماہنامہ تحفۂ حنفیہ (پٹنہ) میں برابر آپ دونوں کے کلام شائع ہوتے رہے۔

دوسری مناسبت اس طرح ہے کہ مولانا حکیم سید محمد نظامی کاکوی نے درسی کتابیں فاضل بریلوی سے پڑھی اور شعروشاعری میں حضرت اکبرؔ کے شاگرد ہوئے۔

(تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد ۵، ص ۷۶)

اس طرح کے بیشتر واقعات وحالات ایسے ہیں جو تاریخ کا ایک حصہ ہے جس کی ہمیں قدر کرنی چاہیے، بقول حمدؔ کاکوی

''حمدؔ بے چارے سے جو ہو سکا اُس نے کیا''



ریاض فردوسی عظیم آباد پٹنہ
9968012976

سلسلہ سہروردیہ اور امام احمد رضا

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ ابن خلدون کے الفاظ میں اس سے مراد خود کو اللہ کی مکمل سپردگی میں دینے کی ہے (جو اسلام کا تصور بھی ہے) اور یہ لوگ مکمل روحانی پاکیزگی، انسان کی اندرونی کیفیات، روحانی فطرت اور دنیاوی مسرتوں سے دور ہوکر عبادت اور اللہ کی بندگی پر زور دیتے تھے۔ جب تک یہ تمام طریقہ کار حضرت محمد ﷺ کی جانب سے لائے گئے اللہ کے پیغام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیار کیے جاتے رہیں اس وقت تک لفظ صوفی اور تصوف کی بجائے ان کو شریعت ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ جب سب کچھ قرآن اور سنت کے مطابق ہی ہے تو پھر اسے تصوف کیوں کہا جائے کہ اس کے لیے تو شریعت کی اصطلاح حضرت محمد ﷺ کے قریب ترین زمانے سے موجود ہی تھی۔

صوفیہ اصل میں ایک یونانی لفظ، sophos سے لیا گیا ہے، جس کے معنی حکمت اور فارسی متبادل تصوف کی اصطلاح کے مطابق عرفان کے ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے صوفی کو اردو میں حکمت یزدانی کہا جاتا ہے۔ اس اصل الکلمہ کا تذکرہ سب سے پہلے البیرونی نے کیا ہے۔ جس طرح مسائل کے سلسلے میں چار بڑے امام ہیں، ان کی تقلید کی جاتی ہیں اسی طرح تصوف کے چار سلسلے ہیں:

(1) چشتی (2) قادری (3) نقشبندی (4) سہروردی۔ یہ چار بڑے حضرات کی طرف منسوب ہیں اور ہمارے اطراف میں انھیں کی تقلید کی جاتی ہے۔

(۱) چشتی: خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

(۲) قادری: سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے۔
(۳) نقشبندی: خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے۔
(۴) سہروردی: شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے۔
چاروں سلسلے کے بارے میں تفصیلی معلومات کے (القول الجمیل) (صراط مستقیم) (ضیاء القلوب) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ سلسلۂ سہروردیہ کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی (المتوفی 1097ھ/ 1118ء) نے بغداد میں رکھی تھی۔ وہ امام ابو حامد الغزالی (540ھ) کے بھائی احمد غزالی کے مرید تھے اور بغداد کی جامعہ نظامیہ میں شافعی فقہ پڑھاتے تھے۔ ان کی باقیات میں صرف ایک کتاب آداب المریدین پائی جاتی ہے۔ لیکن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی کو سلسلۂ سہروردیہ کے مؤسسِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے۔

ابن خلکان کے مطابق 16 واسطوں سے آپ کا نسب خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق سے مل جاتا ہے۔ آپ 535ھ میں زنجان کے ایک قصبہ سہرورد میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے عم محترم اور مرشد شیخ ابوالنجیب سہروردی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ شہاب الدین سہروردی عبدالقادر جیلانی سے بیعت نہیں تھے۔ اس کے باوجود بچپن ہی سے آپ کو غوث الاعظم کی عنایت حاصل تھی۔ اور آپ کی نظرِ عنایت کی وجہ سے آپ کو بہت کچھ روحانی فیض حاصل ہوا۔ بغداد میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے وصال کے بعد شیخ ابوالنجیب سہروردی نے ایک سال تک اور اُن کے بعد برسوں تک حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے بغداد کی روحانی سیادت کا نظام نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ آپ کی ذات گرامی سے لاکھوں بندگانِ خدا کو فیض پہنچا۔ آپ کی علمی لیاقت اور ریاضت کا شہرہ نہ صرف عراق میں بلکہ مصر و شام وحجاز اور ایران میں دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں بھی آپ کی بزرگی کا غلغلہ بلند تھا۔ دُنیا بھر کے مشائخ عظام کے لیے آپ کی ذات گرامی ملجاء بنی ہوئی تھی۔ آپ کے خلفاء اور مریدین ہمہ وقت آپ کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

شیخ نجیب الدین علی بخش تھے جن کے ذریعے عجم یعنی ایران میں سہروردی سلسلہ کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔

شیخ نور الدین مبارک غزنوی جن کی مساعی اور کاوشوں کی وجہ سے شمالی ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانے میں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی مرشد کامل کی تلاش میں ہندوستان سے نکل کر اسلامی دنیا میں ملکوں ملکوں پھرتے ہوئے بغداد شریف میں حضرت شیخ شہاب الدین کی مجلس میں جا پہنچے اور اپنا گوہر مراد پالیا۔ مرشد کامل نے بھی کمال مرحمت فرماتے ہوئے صرف تین ہفتوں کی ریاضت کے بعد آپ کو خلافت عطا فرمادی۔ اور ملتان کی طرف مراجعت فرما ہونے کا حکم دیا تاکہ برصغیر میں سہروردی سلسلے کی بنیادیں مضبوط فرمائیں۔ صحیح معنوں میں ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کی ترویج واشاعت میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی زبردست جدوجہد کا بڑا کامیاب رول رہا ہے۔ آپ نے ملتان، اُوچ اور دوسرے مقامات پر سہروردیہ سلسلے کی مشہور خانقاہیں قائم کیں۔ شب وروز انتھک محنت سے ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کی جڑیں مضبوط کیں۔

ان کے مشہور خلفاء میں شیخ اسمٰعیل قریشی، شیخ حسین، شیخ نھو، شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی سید جلال الدین سرخ بخاری اور شیخ صدر الدین عارف ہیں۔ شیخ صدر الدین عارف کے خلیفہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی ہیں جنہوں نے سلسلے کی تنظیم کے لیے بہت کوشش کی ہے۔ سید جلال الدین سرخ بخاری کے خاندان میں پیدا ہونے والی زبردست شخصیتوں میں سید احمد کبیر اور ان کے دونوں باکمال فرزندوں سید صدر الدین راجو قتال اور سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا شمار ہوتا ہے۔

بنگال میں سہروردی سلسلہ شیخ جلال الدین تبریزی کے ذریعے پہنچا آپ کی اور آپ کے خلیفہ شیخ علی بدایونی کی محنت کی وجہ سے بنگال میں سہروردی سلسلے کی کافی ترویج واشاعت ہوئی۔ گجرات میں سہروردی سلسلے کی اشاعت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مریدین اور خلفاء نے کی۔ اس کے علاوہ آپ کے اہل خانہ اور خاندان کے افراد نے بھی احمد آباد اور گجرات کے دیگر علاقوں میں اپنی علمی اور عملی لیاقتوں کے بل پر اس سلسلے کی تنظیم کی اور اپنے

مریدین اور دیگر عوام تک اِس سلسلے کی فیض رسانی کی ہے۔

سید صدر الدین راجو قتال نے بذات خود سید برہان الدین قطب عالم کو گجرات کی ولایت سونپی اور انہیں تبلیغِ دین کے واسطے گجرات بھیجا۔ احمد شاہ بادشاہ نے یہاں آپ کا شاندار استقبال کیا اور آپ کو یہاں سکونت اختیار کرنے کی خاطر بٹوا میں جاگیر عطا کی۔ یہاں پر قطب عالم نے ایک بڑی خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کے لیے اپنے اور اپنے سلسلے کے فیض کے دروازے کھول دیئے۔ آپ کے بعد آپ کے لائق فرزند شاہ عالم نے رسول آباد میں رہ کر اس کام کو آگے بڑھایا۔ ہر دو حضرات نے اپنی علمی قابلیت کے ذریعے اعلیٰ تصانیف اور اپنی عملی ریاضتوں اور مکاشفوں کے ذریعہ عوام کو دینِ اسلام کا گرویدہ بنایا۔ اپنی نگاہِ پُر تاثیر کے ذریعے عوام کو خواص میں تبدیل کر دیا۔ لوگوں کو سلوک کی راہ میں اعلیٰ مرتبوں تک پہنچا دیا۔ اُن کے بعد شاہ بڈھا صاحب اور پیارن صاحب نے اپنے اسلاف کی روشنی پر چلتے ہوئے سلسلے کی خدمات انجام دیں۔

قاضی نجم الدین، عبدالطیف داڑ الملک، قاضی محمود وغیرہ نے بھی سہروردیہ سلسلہ کی تنظیم اور اس کی ترویج و اشاعت میں کافی جدوجہد کی۔ اپنے اثر اور فیض رسانی کے معاملہ میں سہروردیہ سلسلہ پنجاب اور سندھ تک ہی محدود رہا۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اس نے عام رواج نہ پایا۔ لیکن شہرت کے اعتبار سے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ رُکن الدین ملتانی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت جیسے جید علما اور اولیاء کی لیاقت اور ریاضت کا نور اُن کے علاقوں تک محدود نہ رہا بلکہ اُن کی رُوحانی شہرت ہندوستان کی حدود کو پار کر کے اسلامی ممالک میں بھی پھیل گئی۔ یہی سلسلہ ہندوستان میں فردوسیہ سلسلہ کے نام سے تو مشہور معروف ہوا۔ جس کی بنیاد رکن الدین فردوسی نے رکھی، ان کے مرید نجیب الدین فردوسی اور ان کے لائق و فائق مرید و خلیفہ امام المحققین سیدنا شیخ مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی اور ان خلفاء نے اس سلسلہ فردوسیہ کو جو سلسلہ سہروردیہ کی ہی ایک کڑی ہے، پورے برصغیر میں مشہور و معروف کیا۔ باطنیت (esotericism) کا لفظ تصوف میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور اس کو ظاہری زندگی یعنی ظاہریت (exotericism) سے اندرونی زندگی کو الگ شناخت دینے

کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، گو ظاہری زندگی سے یوں تو مراد دنیاوی زندگی کی لی جاسکتی ہے اور عام انسان اس سے وہ زندگی لے سکتا ہے جو مذہبی زندگی (عبادت کے اوقات) سے علاوہ ہو لیکن تصوف میں ایک صوفی کی مراد اس ظاہری زندگی سے اس زندگی کی ہوتی ہے جو غیر صوفی بسر کرتے ہیں۔ سید الطائفہ سیدنا شیخ میرے روحانی مرشد و استاد گرامی جنید (830ء- 910ء) کے مطابق صوفی، خود کے لیے مرا ہوا اور خدا کے لیے زندہ ہوتا ہے۔

صوفیا کے نزدیک اسلامی علوم کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ ظاہری علوم سے مراد شریعت ہے، جو عوام کے لیے ہے۔ اور باطنی علم وہ ہے جو ان کے کہنے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چند صحابہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت ابوذر کو تعلیم کیا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت ابوبکر سے حضرت سلیمان فارسی اور حضرت علی سے حضرت حسن بصری فیضیاب ہوئے۔ صوفیا کے نزدیک تصوف کے چار درجے ہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت۔ جب تک یہ تمام درجات اپنے درست مقام پر حاصل نہ کیے جائیں اس وقت تک انسان صوفی نہیں ہوسکتا۔ شریعت اسلام کا ظاہر ہے اور طریقت اس کا باطن۔

اس کی سادہ سی مثال یوں دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بھی منافقین مسلمانوں کی صفوں میں شامل تھے جو ظاہر میں تو ہر وہ عمل کرتے تھے جس کے کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے جیسے کہ نماز روزہ، جہاد وغیرہ مگر دل ہی دل میں وہ کافروں کے ساتھ تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ہم ان مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی طرف سے ان کے سب حالات معلوم تھے اور بعض اوقات تو اکابر صحابہ کی جانب سے بھی ان کو قتل کر دینے تک کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جان؛ مال کو بالکل اسی طرح محفوظ رکھا جیسے کہ کسی مسلمان کا رکھا جاتا ہے یہاں پر ان کے ظاہر پر حکم لگایا گیا ہے جو شریعت ہی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ظاہر میں نماز روزے کی پابندی اور دیگر فرائض ادا کرتا ہے تو زبان شریعت میں اخفائے حال تک اسے کوئی کافر نہیں کہہ سکتا۔ اب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی حقیقت معلوم تھی اور اس بارے میں سورۃ المنافقین بھی

ازی جس میں ان کی نیتوں کو بے نقاب کر دیا گیا تو اب یہ لوگ کافر قرار دیئے گئے اور ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوئے۔ آج بھی اگر کسی کا ظاہر مسلمان ہو اور باطن مخفی تو اس کے اس ظاہر کی وجہ سے مسلمانوں کا کوئی قاضی یا مفتی ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیتا۔ یہاں پر اہل اللہ اور اولیاء اللہ اپنے باطنی نور سے ان کی حقیقت معلوم کر لیتے ہیں اور لوگوں کو ان کے شرور سے متنبہ کر دیتے ہیں۔

ان ہی شخصیات میں مجدد دین وملت لسان الہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ اعلیٰ حضرت کی پیدائش 14 جون 1856ء کو بریلی میں ہوئی۔ جس زمانے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی پیدائش ہوئی، بیدرد دہشت، خوف اور مایوسی کا دور تھا۔ انگریزی حکومت کی مخالفت کرنے والے ہندوستانی قائدین کو برطانوی حکومت نے چن چن کر قتل کر دیا تھا۔ ہزاروں علماء ومشائخ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ خانقاہیں، علمی ادارے اور محفلیں ویران کر دی گئیں۔ دینی و دنیاوی تعلیم گاہیں اجاڑ ڈالی گئیں۔ برطانوی حکومت کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔ ظالم وجابر انگریزی حکومت کے ظلم وجبر کے مابین ہندوستانیوں کے ایک بڑے طبقہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی صورت میں ایک ایسا مجدد، قائد اور رہنما مل گیا کہ جنہوں نے عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت، اپنی فراست مومنانہ، اعلیٰ فکر، بے نظیر دانائی، تمام مسائل کے روشن پر قائم رہتے ہوئے اور اللہ کی عطا کردہ علوم وفنون سے بھارت کے ایک بڑے طبقہ کے اندر خود اعتمادی، حق گوئی، جرات مندی، بے باکی اور دانشمندی پیدا کرنے کے ساتھ دینی ودنیاوی ہر میدان میں کامل ترین رہنمائی کی۔

حسان الہند امام احمد رضا نے 1877ء (1294ھ) میں اپنے والد نقی علی خان کے ہمراہ شاہ آل رسول مارہروی (م 1878ء) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔ فاضل بریلوی مندرجہ ذیل سلسلوں میں اجازت بیعت حاصل تھی:- قادریہ برکاتیہ جدیدہ، قادریہ آبائیہ قدیمہ، قادرہ رزاقیہ، قادریہ منوریہ، چشتیہ نظامیہ قدیمہ، قادرہ اہدلیہ، چشتیہ محبوبیہ جدیدہ، سہروردیہ فضیلہ، نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ، نقشبندیہ

علائیہ علویہ، بدیعیہ، علویہ منامیہ وغیرہ۔ مندرجہ بالا سلاسل میں اجازت کے علاوہ فن انس بریلوی کو مصافحات اربعہ (مصافحۃ الحسنیہ، مصافحۃ العمریہ، مصافحۃ الخضریہ، مصافحۃ المنامیہ) کی سند بھی ملی۔

ان مصافحات و اجازت کے علاوہ مختلف اذکار اشغال و اعمال وغیرہ کی بھی احمد رضا خان کو اجازت حاصل تھی جیسے خواص القرآن اسماء الٰہیہ، دلائل الخیرات، حصن حصین، حزب البحر، حزب النصر، حرز الامیرین، حرز الیمانی دعاء مغنی، دعا حیدری، دعا عزرائیلی، دعا سریانی قصیدہ غوثیہ، قصیدہ بردہ وغیرہ سلسلہ حدیث میں شاہ ولی اللہ اور عبدالحق محدث دہلوی سے استفادہ کیا اور فقہ میں سند اجازت شیخ عبدالرحمن حنفی مکی سے حاصل کی، جس کا سلسلہ عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ کہ انہوں نے حق و باطل کو الگ الگ کر کے رکھ دیا، اور حق کو اظہر من شمس کی طرح عیاں کر دیا کہ ہر کس و ناکس اس کا مشاہدہ کر لے۔ آپ کے تصنیفات، ملفوظات اور فتاوی پارس پتھر کی طرح ہے، جس سے کھرے اور کھوٹے کی تمیز کی جا سکے، کوئی کتنا ہی خود کو پردے میں چھپائے حکیم الامت نے اسے بے نقاب کر کے ہی دم لیا۔ مجدد ہند نے شدت سے تقلید اور حنفیت کا دفاع کیا۔ جس طرح تمام سلاسل کے بزرگوان دین اپنے علم و عمل اخلاق و کردار سے موذی مرض میں مبتلا بیمار انسانیت کو شفایاب کرتے تھے، اسی طرح امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روش پر قائم رہ کر منافقت اور شرک و بدعت کے مضبوط اور مستحکم اور پائیدار قلعوں کو مسمار کیا۔ فرسودہ عقائد، منافقانہ روش پے قائم اور دائم گمراہ مسلمانوں کی اصلاح کر کے انھیں راہ راست پر گامزن کیا۔ مخدوم شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد و نظریات قرآن و حدیث کے عین مطابق تھے، اور زندگی بھر اسی کے داعی و مبلغ رہے، باوجود اس کے چودہویں صدی کے توہین رسالت کے مرتکب اسماعیلی گروہ نے اپنے مقتدا مولانا اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کو حق اور درست ثابت کرنے اور باطل نظریات کو جواز فراہم کرنے کے لیے مخدوم بہار کی ذات کو استعمال کرنے کی سعی کی، مخدوم پاک کو مشق ستم بنایا، تو امام احمد رضا سپر بن کر کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے دفاع کا مورچہ سنبھالا، امام الہند مخدوم جہاں کے مداح اور

ان کی علمی وروحانی عظمتوں سے واقف تھے، ایک مقام پر ملک العلما حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"حضرت سیدنا مخدوم شرف الحق والدین بہاری منیری قدس سرہ کی طرف ایک ملفوظ بنام معدن المعانی بہار میں چھپا ہے یہاں اور لکھنو میں نہ ملا وہاں ملے تو ایک نسخہ مطلوب اور کسی معتمد جگہ اس کا کوئی قلمی نسخہ بھی معلوم کرنا ہے"۔

سلسلہ فردوسیہ مشہور سلسلہ سہروردیہ کی شاخ ہے، امام احمد رضا کو اس سلسلے سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی، مخدوم بہار کے سجادہ حضرت شاہ امین میاں فردوسی علیہ الرحمہ یہ امام احمد رضا کے معاصر بزرگ ہیں، ان کی سرپرستی میں بہار کی زمین سے آپ نے ندوہ وہابیہ دیابنہ کا رد وابطال فرمایا، عدم تقلید کے قائلین اور بعض نام نہاد مقلدین اسماعیلی تقویۃ الایمان کے توہین آمیز کفریہ عبارات کی تائید وصفائی میں مخدوم بہار کی جانب منسوب ایک متصوفانہ قول کو بطور دلیل پیش کرنے لگے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مخدوم بہار جنہیں مسلمانوں کی اکثریت اپنا مقتدا و پیشوا مانتی ہے، انہوں نے بھی اسی نوعیت کی بات کی ہے جو آج تقویۃ الایمان میں مرقوم ہے، ایسے پرفتن ماحول میں امام احمد رضا نے ایک تحقیقی اور فقہی رسالہ بنام "حجب العوار عن مخدوم بہار" تحریر فرما کر امت مسلمہ کو حقائق سے آشکارا کیا اور اپنے گمراہ کن عقائد کے اثبات ومبنی برحق پر ان کی جانب منسوب قول کا سہارا لینے والوں کو دندان شکن جواب دیا۔ یہ رسالہ دراصل ایک استفتا کے جواب میں ہے، دانا پور پٹنہ سے ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ کو حنیف خان نام سے ایک شخص نے سوال کیا

"بخدمت فیض درجت جناب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ گذارش یہ ہیکہ اسماعیل نے چمار کے لفظ سے مثال دی، یہاں کے غیر مقلدین کہتے ہیں، کہ مخدوم صاحب نے بھنگی سے مثال دی ہے، اس کا کیا جواب ہے حضور کا کوئی رسالہ یا فتوی اس بارے میں ہے یا نہیں"۔

امام احمد رضا چاہتے تو مختصر وضاحت کے ساتھ جواب دے کر یا پھر داخل شطحیات بتا کر اپنا دامن چھڑا لیتے، لیکن نہیں، انہوں نے اپنے ممدوح جو مخدوم الملک مخدوم بہار سلطان

المحققین جیسی ارفع شان کے ساتھ دنیا جہاں میں متعارف تھے، اوران کی علمی روحانی شخصیت مسلم تھی، ایسی مقتدر ہستی کے جناب میں ایسی غلط بات منسوب کرنا جس سے امت گمراہی اور ذلت کی دبیز چادر تلے دب کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، ایک بڑی سازش کا حصہ تھا، اور بروقت علمی تحقیقی جواب دینا ضروری تھا، مخدوم پاک سے محبت ان کی عظمت وعقیدت اور روحانیت تقاضا کر رہی تھی، کوئی اٹھے اور جواب لاجواب سے پوری قوم کو گمراہ ہونے سے بچائے، لہٰذا امام احمد رضا نے ایسا ہی کیا، بتایا جاتا ہے کہ مخدوم بہار کی واحد شخصیت ہے، جن کے نام آپ نے یہ ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا (ماخوذ۔ مخدوم بہار اور امام احمد رضا کے مابین اعتقادی ولسانی یکسانیت :از مفتی صابر رضا محب القادری نعیمی کشن گنج، بہار) سچی معنوں میں امام احمد رضا تمام صوفیا کے صوفیانہ مشن اور داعیانہ تحریک کے وکیل وترجمان تھے۔ کثرت سے فقہی مسائل پر رسائل اور عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے کتابیں تصنیف کیں، ریاضی اور فلکیات کے علاوہ سائنس کے دیگر کئی موضوعات پر علمی اور مذہبی نکتہ نظر سے اپنی آرا پیش کیں۔ بریلی میں منظر اسلام کے نام سے اسلامی جامعہ قائم کی، بریلوی مکتب فکر کو متعارف کروایا، جس کی وجہ شہرت عشق رسول میں شدت اور تصوف کی طرف مائل ہونا ہے۔



مولانا محمد صلاح الدین رضوی
مرکزی دارالعلوم عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی
رابطہ نمبر۔ 8051565474

امام احمد رضا اور سلسلہ عمادیہ

یہ دستور خداوندی رہا ہے کہ رب کائنات امت محمدیہ میں ہر سو سال پر عام علمائے دین کے علاوہ کچھ ایسے مخصوص اور مخلص دینی افراد کو بھی دنیا میں مبعوث فرماتا رہا ہے جو پورے زور شور اور ولولہ کے ساتھ سنتوں کو زندہ کرنے اور بدعات و خرافات کو مٹانے کی اہم ترین دینی خدمات اور اسلامی ذمہ داریوں کو انجام تک پہنچانے کے لیے ہمیشہ مستعد رہے جنھیں اسلامی زبان میں مجدد دین اسلام کہا جاتا ہے۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی شان ہے:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (مشکوۃ کتاب العلم) بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو برس پر مجدد بھیجتا رہے گا جو اس کا دین تازہ کرتا رہے گا۔

یعنی یوں تو اس امت میں ہمیشہ ہی علماء و اولیاء ہوتے رہیں گے لیکن یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ ہر صدی کے آخر میں خصوصی مصلحین مبعوث ہوتے رہیں گے جو سنتوں کو پھیلائیں گے اور جن سنتوں پر عمل کرنا لوگ چھوڑ چکے ہوں گے ان سنتوں کو دوبارہ زندہ کریں گے بدعتوں کو مٹائیں گے غلط تاویلوں کو دور کریں گے اور صحیح تبلیغ فرمائیں گے اور ہر صدی کے لیے ایک ہی مجدد کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ زائد بھی ہو سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہر صدی میں کم سے کم ایک مجدد ضرور ہوگا اسی دستور خداوندی کے مطابق ہر صدی میں مجدد مبعوث ہوتے رہے اور دین میں پیدا شدہ کمزوریوں اور خرابیوں کو اپنی جہد مسلسل سے دور

فرماتے رہے۔

چودھویں صدی ہجری کے مجدد کے طور پر علمائے عرب و عجم نے متفقہ طور پر امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ کو دل و جان سے تسلیم کیا کیونکہ مجدد ہونے کی جو شرط ہے کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں اس کے علم و فضل کی شہرت رہی ہو اور علماء کے درمیان اس کے احیاء سنت ازالہ بدعت اور دیگر خدمات کا چرچا کیا جاتا ہو تو یہ شرط امام احمد رضا فاضل بریلوی میں بطور اتم موجود تھی اس لیے کہ تیرہویں صدی کے آخر ہی میں آپ کے علوم وفنون اور فضل و کمال کا شہرہ ہندوستان سے عرب تک پہنچ چکا تھا اور پھر چودھویں صدی میں بھی 39 / سالوں سے زائد عرصہ تک حمایت دین احقاق حق و ابطال باطل احیاء سنت اور اماتت بدعت کا فریضہ انجام دیتے رہے جو آپ کے مجدد ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے اور یہ کوئی مخفی بات نہیں بلکہ اگر ان کی تصنیفات عالیہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت خوب واضح ہو جائیگی کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عقائد باطلہ کی زوردار تردید و مذمت فرما کر لوگوں کے عقائد حقہ کی حفاظت فرمائی بدعات و خرافات اور غلط رسم و رواج کے خلاف سخت ترین صدائے احتجاج بلند فرما کر انہیں معاشرے سے مٹا یا زبان و قلم سے حق و باطل کو چھانٹ کر رکھ دیا اور جن سنتوں پر عمل کرنا لوگ چھوڑ چکے تھے ان میں نئی جان ڈال کر دین و سنت کا بول بالا کر دیا۔

خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی بہار کے موجودہ سجادہ نشیں شیخ طریقت حضرت سید شاہ مصباح الحق عمادی مدظلہ العالی کے فرمان عالی کے مطابق خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی ہمیشہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کی تائید و حمایت میں رہی ہے اور حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ پر یقین رکھتی رہی ہے جن میں حرمین شریفین اور متحدہ ہندوستان کے علمائے کبار کا وہ فتوی شائع کیا گیا تھا جس میں ان علمائے کرام نے وہابی دیوبندی کی اقوال خبیثہ پر کفر و ارتداد کا حکم لگاتے ہوئے فرمایا تھا۔

من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر

جوایسے لوگوں کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

اس حمایت وتائید کا ثبوت ان باتوں سے بخوبی آشکارا ہو جاتا ہے کہ جب امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بہار کا تبلیغی دورہ فرمایا تھا تو بہار کی بہت سی خانقاہوں میں صرف اسی مقصد کے تحت تشریف فرما ہوئے تھے کہ فتنہ وہابیت سے خانقاہوں کو کسی بھی طرح بچایا جائے اور خانقاہوں کے افراد پر وہابیوں کے باطل نظریات کا بالکل اثر نہ ہونے پائے کہ خانقاہوں کو وہابیت کی طرف مائل ہونے کی صورت میں دین وسنت کو بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کیوں کہ خانقاہوں کا عوام پر زبردست اثر ورسوخ ہوتا ہے اسی تبلیغی دورہ کے موقع پر جب خانقاہ عمادیہ میں آپ کی تشریف آوری ہوئی تو اس وقت کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ رشید الحق عمادی کے روبرو دیوبندی وہابی کے باطل عقائد ونظریات پیش کرنے کے بعد سب سے پہلا سوال آپ نے یہی کیا تھا کہ ان لوگوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو موجود صاحب سجادہ کے بیان کے مطابق حضرت شاہ رشید الحق عمادی نے برجستہ یہی جواب دیا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اس کے علاوہ دیگر سوالات پر بھی آپ کو بہت ہی تسلی امیز جوابات سے روشناس کرایا گیا اس طرح صاحب سجادہ شاہ رشید الحق عمادی نے کھلے دل کے ساتھ امام احمد رضا کے افکار ونظریات کی تائید وحمایت کا اعلان کر دیا تھا۔

خانقاہ عمادیہ کی طرف سے امام احمد رضا کے افکار ونظریات کی حمایت وتائید ہی کا نتیجہ تھا کہ کسی شخص نے جب نبیرہ شاہ رشید الحق حضرت سید شاہ صبیح الحق عمادی سے سوال کیا تھا کہ اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں کیسا عقیدہ رکھا جائے تو شاہ صبیح الحق عمادی نے فوری طور پر اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے موقف کے مطابق جواب دینے کے لئے یہی سوال آپ نے اعلیٰ حضرت کے شاگرد خاص ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری سے کیا تو ملک العلماء نے کہا چونکہ اعلیٰ حضرت اسکی تکفیر سے کف لسانی فرماتے تھے (یعنی اسماعیل دہلوی کے ستر کفریات شمار کرنے کے باوجود اسکی توبہ شہور ہونے کی وجہ سے احتیاطا اس کی تکفیر سے کف لسان فرماتے تھے لیکن آپ اسے مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس کی توبہ کا ثبوت

شرعی موجود نہیں تھا اس لیے میں بھی کف لسان کرتا ہوں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور خانقاہ رضویہ بریلی شریف سے خانقاہ عمادیہ کے خوشگوار گہرے روابط و تعلقات کا بڑا واضح اندازہ ان باتوں سے بھی لگ جاتا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلیفہ اور شاگرد حضرت ملک العلماء جب پٹنہ میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر ہفتہ کے دن صاحب سجادہ حضرت صبیح الحق سے ملاقات کے لیے خانقاہ عمادیہ تشریف لایا کرتے اور اس موقع پر شلہ (پتلی کھچڑی) سے آپ کی ضیافت کی جاتی شلہ خانقاہ عمادیہ کا مشہور تبرک ہے جو ایام عرس اور ہر ہفتہ کے دن بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔

ایک عرس کے موقع پر حضرت ملک العلماء نے چند احباب سے خانقاہ عمادیہ چلنے کی اس طرح گذارش کرتے ہوئے فرمایا کہ خانقاہ عمادیہ چلئے وہاں میں آپ لوگوں کو شلہ کھلاؤں گا جب یہ حضرات خانقاہ آئے تو خانقاہ کی لائبریری میں بیٹھا کر خصوصی طور پر انہیں شلہ کھلایا گیا حضرت ملک العلماء کے احباب شلہ سے واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے شکایتی لہجہ میں کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ شلہ کھلاؤں گا لیکن یہاں تو کھچڑی کھلائی گئی اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جسے آپ لوگ ابھی کھائے ہیں اسی کو شلہ کہتے ہیں اگر حضرت ملک العلماء کو حضرت صاحب سجادہ سے گہرے تعلقات نہ ہوتے تو اپنے احباب سے یہ کبھی نہ فرمائے ہوتے چلئے آپ لوگوں کو شلہ کھلواتا ہوں اور نہ ان حضرات کو خصوصی اہتمام سے شلہ کھلوایا جاتا۔

خانقاہ عمادیہ کا شروع ہی سے معمول رہا ہے کہ یہاں پہلی ربیع الاول سے دسویں ربیع الاول تک میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد کی جاتی ہیں اس موقع پر حضرت ملک العلماء اگر پٹنہ میں موجود ہوتے تو کسی ایک دن وہ بھی میلاد شریف ضرور پڑھا کرتے تھے۔

صاحب سجادہ حضرت صبیح الحق عمادی کے دل میں حضرت ملک العلماء کی قدر و منزلت اور عظمت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند حضرت سید شاہ فرید الحق عمادی کو علم

دینے آراستہ کرنے کے لیے اپ ہی کے حوالے کر دیا تھا ان دنوں حضرت ملک العلماء پٹنہ ہی میں رہا کرتے تھے اس لیے حضرت فرید الحق نے حضرت ملک العلماء سے پٹنہ ہی میں ان کے دولت کدے پر جا کر خامسہ تک کی کتابیں پڑھیں پھر حضرت صبیح الحق نے اعلیٰ تعلیم کے لیے حضرت فرید الحق عمادی کو دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف بھیجا جہاں حضرت ملک العلماء ہی کی سفارش پر اپ کا داخلہ عمل میں آیا۔

بریلی شریف میں جب تک آپ کا قیام رہا وہاں کے مشائخ کرام آپ سے بڑی شفقت و محبت فرماتے رہے یہی وجہ ہے کہ آپ جب بھی سرکار مفتی اعظم ہند سے ملاقات کے لیے ان کے دولت کدے پر حاضری ہوتے تو وہ ارشاد فرماتے سید صاحب آپ کھانا کھانے کے بعد ہی جائیے گا آپ پورے انہماک سے علم دین حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ 1954 عیسوی میں مروجہ تعلیمات سے فراغت حاصل کی خانوادہ اعلیٰ حضرت اور علمائے بریلی شریف کی پاکیزہ صحبت نے آپ کو دین وسنیت کا گوہر آبدار اور مسلک اعلیٰ حضرت کا شمشیر براں بنا دیا تھا یہی وجہ تھی کہ 1954 عیسوی میں علوم دینیہ سے فراغت پانے کے بعد جب اپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگوں میں جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں یہاں تک کہ وہ سنیت و دیو بندیت میں تمیز بھی نہیں رکھتے ہیں تو دین وسنیت کے فروغ و استحکام کے لئے 1956 عیسوی میں بلور گنج پٹنہ سیٹی کی مسجد میں مدرسہ رضویہ حنفیہ نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا جو تقریبا بارہ سال تک بڑی شان وشوکت سے چلتا رہا لیکن پھر وسائل کی کمی کے باعث یہ ادارہ بند ہو گیا۔

اس کے بعد دیوان محلہ پٹنہ سیٹی میں بھی اسی نام کا ایک اور مدرسہ قائم فرمایا لیکن یہ بھی وسائل میں کمی کے سبب ہی بند ہو گیا۔

غور فرمائیے کہ خانقاہ عمادیہ کو سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور خانقاہ رضویہ سے کتنے گہرے تعلقات تھے کہ حضور فرید ملت نے اپنے ادارے کو سرکار اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرنے کو ترجیح دی علاوہ ازیں گاندھی میدان پٹنہ کے علاقے میں وہابیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو محسوس کر کے آپ سخت ترین بے چین ہو گئے یہاں تک کہ اس مذموم فرقے کے

شر سے عوام اہلسنت کو بچانے کے لیے 1958 عیسوی میں گاندھی میدان سے متصل باقر گنج پٹنہ میں ایک عظیم الشان سیرت النبی کانفرنس کا انعقاد فرمادیا جس میں ہندوستان کے اکابر علمائے کرام کے علاوہ خصوصی خطاب کے لیے نبیرہ امام احمد رضا مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں کو بھی آپ نے مدعو فرمادیا تاکہ عوام کو وہابیوں کے باطل عقائد و نظریات سے واقف کرایا جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ حضرت جیلان میاں علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوں اس طرح سیدھے سادے عوام ان کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچ جائیں اور ان کے ایمان وعقیدے کی حفاظت ہو سکے۔

اس اجلاس عام میں حضور جیلانی میاں سے خصوصی خطاب کرانا اور آپ ہی کے دست حق پرست پر لوگوں کو مشرف بہ بیعت کرانا بھی بریلی شریف سے خانقاہ عمادیہ کے گہرے روابط کی دلیل ہے۔

اسی طرح حضور فرید ملت علیہ الرحمہ نے دین وسنیت کے فروغ واستحکام کے لیے 1979 عیسوی میں نشاۃ ثانیہ کے طور پر جب دار العلوم عمادیہ کے قیام کا ارادہ فرمایا تو اس موقع پر بھی آپ کی دلی خواہش تھی اس اہم ترین دینی کام کا آغاز اس وقت خانقاہ رضویہ کے روح رواں سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالی عنہ کے مبارک ہاتھوں سے ہی کرایا جائے اور آپ نے اس شرط کے ساتھ دعوت قبول بھی کرلی تھی کہ اگر کوئی دوسری ضروری مصروفیت نہ رہی تو حاضر ہوں گی۔ مگر کچھ دینی مصروفیات کی بنا پر خانقاہ عمادیہ میں آپ خود تو تشریف نہ لاسکے البتہ اپ نے اپنا نائب بنا کر اپنے بڑے نواسے حضرت ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ کو یہاں بھیج دیا تھا حضرت ریحان رضا خاں کی یہاں تشریف آوری بھی حضور فرید ملت کے لئے بڑے فخر وخوشی کی بات تھی کہ وہ آپ کے ہم سبق ساتھی بھی تھے جن کا یہاں پہلی مرتبہ ورود مسعود ہوا تھا تو خانوادہ رضویہ کے چشم وچراغ حضرت ریحان ملت کے مبارک ہاتھوں سے ہی مرکزی دار العلوم عمادیہ کی بنیاد ڈال دی گئی۔

یہاں تک کہ امام احمد رضا کے افکار ونظریات اور دعوت وارشاد کی خوشبوؤں سے آپ کا مشام جہاں اس قدر معطر ومعمور تھا کہ اپنی حیات ظاہری کے آخری ایام تک اسی فکر ونظریے

میں ڈوب کر تصلب کے ساتھ امام احمد رضا کی دینی تعلیمات اور مذہبی منصوبہ جات کی ترویج و اشاعت میں مصروف العمل رہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور مسعود ہی میں ایک مرتبہ مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار میں ملک بھر کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کی مخصوص مجلس منعقد کی گئی تھی جس میں آپ کی شرکت بھی لازمی تھی۔

ٹھیک اسی موقع پر پٹنہ سیٹی کی محمدی جان کی مسجد میں پہلی بار تبلیغی جماعت کا منحوس قدم پڑ گیا تھا جس نے آپ کو صدمات میں مبتلا کر دیا جب اسی حالت میں آپ ادارہ شرعیہ پہنچے تو تمام علماء و مشائخ کے سامنے اس مسجد کی صورتحال پیش فرمانے کے بعد ان کی خدمات عالیہ میں گزارش کی کہ اگر آج ہی رات وہاں ایک محفل منعقد ہو جس میں آپ تمام حضرات شرکت فرما کر وہابیوں کے باطل عقائد و نظریات اور تبلیغی جماعت سے مذہب و ملت کو ہونے والے نقصانات سے قوم کو آگاہ کرا دیا جائے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

سبھوں نے اپ کی اس مبارک فکر کو سراہتے ہوئے چالیس علمائے کرام پہ مشتمل ہو کر محمد جان کی مسجد پٹنہ سیٹی پہنچ گئے۔ پھر پوری رات وہابیوں کے باطل عقائد و نظریات کے خلاف عوام کے جم غفیر میں علمائے ذوالاحترام کا پر مغز خطاب ہوتا رہا۔ اخیر میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کا بڑا ہی مدلل اور وہابی شکن خطاب ہوا تو نورانی چہرہ والے ان علمائے کرام کا خطاب شروع ہوتے ہی وہابیوں کی یہ رذیل جماعت حواس باختہ اور مرعوب و خائف ہو کر بلا توقف بھاگ چلی پھر آج تک تبلیغی جماعت والے اس مسجد میں پلٹنے کی جرات نہ کر سکے۔

اسی طرح ایک مرتبہ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی کے قریب پبلک میدان میں سیاسی جلسہ سے خطاب کرنے کے لیے شاہی جامع مسجد دہلی کے امام و خطیب عبداللہ بخاری کی آمد ہوئی تو اس موقع پر کچھ لوگوں کی خواہش تھی کہ خانقاہ عمادیہ کی مسجد میں مغرب کی نماز شاہی امام ہی کے پیچھے ادا کی جائے کیونکہ وہ ایک بڑی اور مشہور ترین مسجد کے امام ہیں تو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا ہمارے لئے فخر کی بات ہوگی لیکن یہ کہتے ہوئے آپ نے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا کہ ان کے عقائد و نظریات کے تعلق سے لوگوں میں شکوک و شبہات

پائے جاتے ہیں اور یہ بات بہت مشہور ہے کہ وہ سنیت میں تصلب نہیں رکھتے اس لئے اپنی خانقاہ کی مسجد میں ان سے امامت نہیں کروا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں کے دستور کے مطابق صاحب سجادہ کی موجودگی میں پنج وقتہ نماز کی امامت کوئی اور نہیں کرسکتا اس لئے نماز میں خود ہی پڑھاؤں گا۔

جب عبد اللہ بخاری کو آپ کے اس مذہبی تصلب کا علم ہوا تو وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے حضرت نماز آپ ہی پڑھائیں کہ حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھنا میرے لئے سعادت مندی کی بات ہوگی پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ دنیادار اور سیاسی لوگوں کی مخالفتوں کے باوجود آپ نے خود ہی مصلہ امامت پر کھڑے ہو کر لوگوں کے جم غفیر کی امامت فرمائی اور کسی کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ ہوئی۔

اور میں نے خود بھی خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی کی مخصوص مجلسوں کے موقع پر موجودہ سجادہ نشین حضرت علامہ سید مصباح الحق عمادی مدظلہ العالی کو طالبعلموں سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضور فرید ملت یا سرکار اعلیٰ حضرت کی تحریر کردہ نعت ہی پڑھنا۔

مذکورہ بیانات سے یہ حقیقت خوب واضح اور منکشف ہوگئی کہ خانقاہ عمادیہ ابتدا ہی سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کی حمایت و تصدیق اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں حصہ لیتی رہی ہے اور اس خانقاہ کو خانقاہ رضویہ سے بڑے گہرے اور خوشگوار تعلقات رہے ہیں اور یہی نہیں بلکہ یہ خانقاہ موجودہ سجادہ نشین شیخ طریقہ علامہ سید شاہ مصباح الحق عمادی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں بھی ان تعلقات و روابط کو برقرار رکھ کر مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا عملی سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔



باب چہارم

امام احمد رضا: امام الاصفیا

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی
بانی وسربراہ: جامعہ نوریہ، شام پور
رائے گنج، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

امام احمد رضا جامع شریعت وطریقت

میں آج کے اس سیمینار میں پہلے بطور تمہید اپنے ایک پرانے مطبوعہ مضمون سے دو اقتباسات آپ کے روبرو رکھوں گا۔ پھر بہت ہی مختصر گریز کے ذریعہ ارکان سیمینار کے حکم کی تعمیل میں قلم بند کردہ مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

تمہید: ''اللہ کا مقرر فرمایا ہوا دین بس اسلام ہے۔ اس لیے اُس نے حضرت آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر مبعوث فرمائے، سب کو اسی دین پر مبعوث فرمایا، اور وہ اسی کی تبلیغ فرماتے رہے۔ اگر چہ معاملات کی راہیں جدا جدا اور عبادات کے طریقے الگ الگ رہے، مگر دل کا خلوص اور حسن نیت سب میں قدر مشترک رہا۔ اسی دل کے خلوص اور حسن نیت کو حامل وحی حضرت جبرئیل اور محبط وحی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبانوں نے احسان کا نام دیا ہے۔

یعنی قصر تصوف کی تکمیل کے لیے خلوص دل کہئے یا حسن نیت یا احسان، اس کی حیثیت آخری اینٹ کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان (اعتقادات) اسلام (ظاہری اعمال) اور احسان (دل کا خلوص اور حسن نیت) تینوں تصوف کے اجزائے ترکیبی ہیں۔

حدیث پاک میں پہلے نمبر پر ایمان (اعتقادات) دوسرے نمبر پر اسلام (ظاہری اعمال) تیسرے نمبر پر احسان (دل کا خلوص اور حسن نیت) کے ذکر سے اس حقیقت کی نقاب کشائی ہو جاتی ہے کہ جس طرح دو کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایک کا وجود نہ ہو جائے، اور تین کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دو کا وجود نہ ہو جائے، اسی طرح جب تک ایمان نہ ہو شرعاً اعمال کا وجود ممکن نہیں، اور جب تک اعمال نہ ہوں احسان کا وجود بھی

ممکن نہیں۔ پھر جس طرح تین سے دو کی قدر کم ہوتی ہے، اور دو سے ایک کی قدر کم، اسی طرح احسان کے بغیر اعمال ناقص ہیں اور عمل کے بغیر ایمان کمزور ہے۔

صحابہ وکبار تابعین کے عہد خیر میں اہل ایمان، صحبت نبوی اور قرب رسالت کی فیض یابی سے عمومی طور پر ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً پر عمل پیرا اور احسان سے متصف رہے۔ وہ ایمان کی پختگی میں کامل واکمل، اعمال کی بجا آوری میں آگے اور حسن نیت وخلوص دل کے حامل رہے۔ البتہ صغار تابعین کے زمانہ میں آکر عہد رسالت کی دوری سے عام مسلمانوں کی وہ حالت نہیں رہی جو پہلے تھی، اخلاص واحسان میں کمی آئی۔ خدا طلبی کی بجائے دنیا طلبی غالب آنے لگی۔ نام ونمود کی خواہش اور ہوائے نفس سے یونان کے مردہ فلسفہ کی درآمد ہوئی اور اعتقادات پر شب خوں مارا جانے لگا۔ عیش کوش سلاطین نے حلال وحرام میں امتیاز کرنا چھوڑ دیا۔ جاہ پرست درباریوں نے حدیثیں گڑھنا شروع کر دیں، تو جن حضرات نے اعتقادات کے تزلزل سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی، وہ متکلم کہے جانے لگے اور علم کلام کی اصطلاح قائم ہوئی۔ جنہوں نے حدیثوں کی حفاظت کا ذمہ لیا، وہ محدث کہلائے اور علم حدیث کی تدوین ہوئی۔ جن حضرات نے حلال وحرام میں تمیز کا بیڑا اٹھایا، وہ فقیہ ومجتہد کے لقب سے ملقب ہوئے اور علم فقہ کی بنیاد پڑی۔ اسی طرح جن حضرات نے نیتوں کی تصحیح کا فریضہ انجام دیا اور دلوں کا رخ دنیا کی طرف سے موڑ کر دنیا پیدا کرنے والے کی طرف کیا، وہ صوفی سے مشہور ہوئے اور تصوف کی اصطلاح قائم ہوئی۔

اسی لیے امام مالک جیسے محدث ومجتہد نے فرمایا:

"من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق، ومن جمع بينهما فقد تحقق"۔ (مرقات شرح مشکوۃ ج ا ص ۲۵۶)

(ترجمہ) جو فقہ سیکھے اور تصوف سے اعراض کرے، فاسق ہوگا۔ جو تصوف پر گامزن ہونا چاہے اور فقہ سے اعراض کرے زندیق ہو جائے گا۔ جو دونوں کو اپنائے وہی ثابت قدم رہے گا۔"

واضح رہے کہ میری یہ گفتگو اس حقیقی تصوف سے متعلق ہے، جس کا تذکرہ سطور بالا میں کیا ہے، جس کا مصدر و ماخذ سراسر قرآن و حدیث ہے، اور جو اسلام کا عین مطلوب و مقصود ہے۔ وہ تصوف نہیں جو بعض جاہل متصوفین نے شریعت کے خلاف گڑھ لئے ہیں اور اباحیت اختیار کرلی ہے۔ یا۔ أرأيت من اتخذ الهه هواه [کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا] (پ ۱۹، س فرقان، آیت ۴۳) کے مصداق حلول و اتحاد کو اپنا مسلک ٹھہرالیا ہے“۔

خلاصہ یہ کہ عقائد اور حدیث و فقہ کی ہی طرح تصوف کی ابتدا بھی آدمیت کی ابتدا سے ہے، حضرت آدم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام انبیا اس کے حامل رہے ہیں۔ زبان جبرئیل نے اسی کو احسان کا نام دیا ہے۔ لسان رسالت نے بھی اسے ہی احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ ہدیٰ نے اسی سے روگردانی کو فسق قرار دیا ہے۔

گریز: اس تمہید کے بعد کہنا یہ ہے کہ عقائد و کلام اور حدیث و فقہ کی تعلیم آج مدارس اسلامیہ کے مروجہ نصاب کا حصہ ہے، اس لیے یہاں کا ہر طالب علم ان کی تعریفات واصطلاحات اور احکام سے آگاہ ہے۔ تصوف کو چوں کہ بعض وجوہ سے اس نصاب میں جگہ نہیں دی گئی ہے، اسی وجہ سے یہ ان کے لیے ایک غیر مانوس سا اجنبی فن ہو کر رہ گیا ہے۔ بہت سے اہل قلم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے ماخذ، لغت میں اس کے معنی اور اصطلاح فن میں اس کی تعریف کے تعلق سے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں، جن کے اعادے کی اس مختصر مقالے میں گنجائش ہے نہ میں اپنے موضوع پر گفتگو کے لیے اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔

تصوف کی تعریف: یہاں بس مشہور صوفی بزرگ حضرت محمد ابراہیم بن عباد نے شرح ”الحکم“ میں تصوف کی جو بہت ہی مختصر اور جامع و مانع تعریف کی ہے، اسی کے نقل کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

”النظر فيما يتعلق بظاهر العبد يسمى في الاصطلاح

تفقھا والنظر فیما یتعلق بباطنہ یسمی فی الاصطلاح تصوفا "الخ (ص ۳۰)

یعنی جس طرح مکلف کے ظاہری افعال (مثلاً صحت وبطلان ،جواز وعدم جواز وغیرہ) سے جس فن میں بحث کی جاتی ہے ،اسے اصطلاح میں فقہ کہا جاتا ہے۔اسی طرح مکلف کے باطنی اعمال (مثلاً اخلاص وریا، انکسار وعجب وغیرہ) سے جس فن میں بحث کی جاتی ہے، اسے اصطلاح میں تصوف کہا جاتا ہے۔

امام اعظم:۔ائمہ کرام بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم اگرچہ محدث اور فقیہ ومجتہد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے استاذ امام اعمش جیسے محدث نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

"ماحدثتک بہ فی مأۃ یوم تحدثنی بہ فی ساعۃ واحدۃ، ماعلمت انک تعمل بہذہ الاحادیث، یامعشر الفقہاء! انتم الاطباء و نحن الصیادلۃ، و انت ایھا الرجل! اخذت بکلا الطرفین"۔

ترجمہ:: میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنا دیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔اے جماعت مجتہدین! آپ لوگ طبیب ہیں اور محدثین دوا فروش۔اور اے ابوحنیفہ! آپ نے تو دونوں ہی کنارے گھیر لیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ"۔(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۶) ترجمہ: لوگ فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ

الرحمہ کی اولاد کی طرح ہیں۔

مگر تصوف میں بھی آپ کا پایہ اس زمانہ کے صوفیاے کرام سے بہت ارفع تھا۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مستفیض تھے اور امام طائی جیسے عظیم صوفی بزرگ آپ کی بارگاہ کے خوشہ چیں۔ بحر تصوف کے غواص حضرت عبدالوہاب شعرانی شافعی، ان کے پیرو مرشد حضرت علی خواص، حضرت علی مرصفی، اور امام زکریا علیہم الرحمۃ والرضوان کے بے اعترافات دیکھیے۔ "میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۰ میں ہے:

"الائمة فو الله کانو اعلماء بالحقیقة و الشریعة معاً"۔

(ترجمہ) قسم خدا کی ائمہ کرام بیک وقت شریعت وطریقت دونوں کے عارف تھے۔

اسی کے ص ۱۸۴ پر لکھتے ہیں:

"سمعت سیدی علیا المرصفی رحمه الله تعالیٰ یقول مرارا: کان ائمة المذاهب رضی الله عنهم وارثین لرسول الله صلی الله علیه وسلم فی علم الاحوال و علم الاقوال معا"۔

(ترجمہ) میں نے سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ائمہ مذاہب رضی اللہ عنہم علم الاقوال اور علم الاحوال یعنی شریعت وطریقت دونوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔

ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں:

"ان لم تکن الائمة المجتهدون اولیاء فما علی وجه الارض ولی ابدا"۔

(ترجمہ) ائمہ مجتہدین اگر ولی نہیں ہیں تو روئے زمین پر کبھی کوئی ولی نہیں ہوگا۔

ص ۱۶۵ پر امام زکریا انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فی ذالک حکم واسرار یعرفھا العارفون"۔
(ترجمہ) شریعت کے احکام میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں اور اسرار ہیں، انہیں عرفا ہی جانتے ہیں۔

ص ۱۲۶ پر لکھتے ہیں:

"ولولا معرفتھم بذالک ماقدروا علی استنباط الاحکام التی لم تصرح بھا السنۃ"۔
(ترجمہ) اگر ائمہ کرام احکام کی حکمتوں اور اسرار کو نہیں جانتے، تو جن احکام کی تصریح احادیث میں نہیں ہے ان احکام کا استنباط ہی نہیں کر سکتے۔

یعنی استنباط احکام، اسرار کی معرفت کا پتہ دیتا ہے اور اسرار کی معرفت، عارف ہونے کی علامت ہے۔ تو جو جس قدر احکام کا استنباط کرے گا، اسے اسی قدر اسرار و حکم کی معرفت ہوگی، اور جسے جیسی معرفت ہوگی، وہ اسی حساب سے تصوف کے منصب پر فائز ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب احناف میں قواعد و جزئیات کی شکل میں جس قدر مستنبط مسائل موجود ہیں، اس قدر کسی اور فقہی مذہب میں نہیں پائے جاتے مثلاً: ماۓ مستعمل یعنی بدن کا دھوون پاک ہے یا ناپاک؟ ناپاک ہے تو نجاست خفیفہ ہے یا غلیظہ؟ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ حدیث پاک میں صرف اتنا ہے کہ وضو کرنے سے آدمی کے گناہ جھڑتے ہیں ـــــ مگر امام اعظم سے مروی ایک روایت کے مطابق دھوون نجاست غلیظہ ہے یعنی ایک درہم کی مقدار سے زیادہ کپڑے میں لگی ہو تو اس کپڑے کو پہن کر نماز نہیں ہوگی ـــ دوسری روایت کے مطابق نجاست خفیفہ ہے یعنی کپڑے کے کسی حصہ کی چوتھائی میں نہ لگی ہو تو اس کو پہن کر کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی، اور چوتھائی میں لگی ہو تو نہیں ہوگی ـــ تیسری روایت کے مطابق پاک ہے یعنی پورے کپڑے میں بھی لگا ہو تو نماز ہو جائے گی، مگر دوبارہ اس سے وضو نہیں ہوگا۔

امام شعرانی کے پیر و مرشد حضرت علی الخواص نے امام اعظم کے حوالے سے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ چوں کہ کشف صحیح کے مالک تھے، اس لیے وضو کے دھوون میں مجسم صورت میں گناہوں کو جھڑتے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کوفہ کی جامع مسجد کے وضوخانہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور اس کے دھوون میں گناہ کبیرہ یعنی ماں باپ کی نافرمانی کے گناہ نظر آ رہے ہیں۔ دوسرا شخص وضو کر رہا ہے تو اس کے دھوون میں گناہ صغیرہ یعنی مزامیر سننے کے گناہ نظر آ رہے ہیں۔ تیسرا شخص وضو کر رہا ہے تو اس کے دھوون میں خلاف اولی امور کے ارتکاب کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ تو آپ نے الگ الگ لوگوں کے دھوون کے لحاظ سے الگ الگ فیصلے فرمائے۔

"کان ابو حنیفة و صاحبه (ابو یوسف) من اعظم اهل الکشف، فکان اذا رأی الماء الذی یتوضأ منه الناس یعرف اعیان تلک الخطایا التی خرت فی الماء ویمیز غسالة الکبائر عن الصغائر، والصغائر عن المکروهات، والمکروهات عن خلاف الاولی کالامور المجسدة رجسا علی حد سواء.... وقد بلغنا انه دخل مطهرة جامع الکوفة فرأی شابا یتوضأ فنظر فی الماء المتقاطر منه، فقال: یا ولدی! تب عن عقوق الوالدین۔ فقال: تبت الی الله عن ذالک۔ ورأی غسالة شخص آخر، فقال له: یا اخی! تب من شرب الخمر وسماع آلات اللهو۔ فقال: تبت منها۔ فکانت هذه الامور کالمحسوسات عنده علی حد سواء من حیث العلم بها"۔ (ج ۱ ص ۱۳۳)

امام احمد رضا: امام احمد رضا محدث بریلوی، اپنے زمانے میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سچے نائب و پرتو تھے۔ حضرت محدث سورتی، جن کو ان کے معاصرین بخاریِ وقت کہتے تھے، انہوں نے علم حدیث میں امام احمد رضا کے مقام و مرتبہ سے متعلق فرمایا ہے:

''اعلیٰ حضرت امیر المومنین فی الحدیث ہیں کہ میں سالہا سال تک صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں''۔ (روایت محدث اعظم کچھوچھوی، المیزان بمبئی کا امام احمد رضا نمبر ص ۲۴۷)

اور علم فقہ میں مقام و منصب کے تعلق سے حضرت علامہ سید محمد خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''واللہ اقول والحق اقول: انہ لو رآھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھا من جملۃ الاصحاب''۔ (الاجازات المتینہ ص ۲۲، رضا اکیڈمی بمبئی)

(ترجمہ) میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور حق بات کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ، فتاویٰ رضویہ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آپ کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد مولانا عبدالحی جائسی کا اعتراف دیکھئے، وہ لکھتے ہیں:

''یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ یشھد بذالک مجموع فتاواہ'' الخ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۹)

(ترجمہ) فقہ حنفی اور اس کے جزئیات کے علم و ادراک میں

مولانا احمد رضا کی نظیر ملنا اس زمانہ میں نادر بات تھی جس پر
ان کے فتاوی کا مجموعہ شاہد ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد، استاد شعبۂ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی کراچی، لکھتے ہیں:

''فقہ کے میدان میں آپ کا فتاوی رضویہ، فقہ اسلامی کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو آپ کو مجتہد کے درجہ پر فائز کرنے کے لیے کافی ہے''(معارف ۱۹۸۴ ص ۱۶۸)

مگر احسان وتصوف میں بھی آپ کا مقام ومرتبہ اس زمانے کے صوفیاء سے کم نہیں تھا۔ جس کی گواہی ان کی کتاب حیات اور تصنیفات وتالیفات کا ورق ورق دے رہا ہے۔ ہم تمہید ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ اعتقادیات کی تصحیح اور شریعت کے ظاہری احکام کی بجا آوری کے بعد ہی احسان وتصوف کا نمبر ہے:

جس کی دو قسمیں ہیں: عملی وعلمی۔

عملی تصوف: عملی تصوف کا آغاز بیعت سے ہوتا ہے اور ذلت وفروتنی، انکساری، عاجزی اور دوسرے اعمال واحوال اس کی تائید کرتے ہیں۔ امام احمد رضا کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو عملی تصوف پر کھلی گواہی نہ دے رہا ہو، جس پر یہ فقیر مستقبل میں ایک مبسوط مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ! کیوں کہ یہاں تفصیل کی جائے تو سیمنار کا پورا وقت اسی کی سماعت میں صرف ہو جائے گا۔ اس لیے ابھی صرف چند نمونوں کے ذریعہ ان کے عملی تصوف کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا کر آگے علمی تصوف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ ولی التوفیق!

(۱) امام احمد رضا ۱۲۹۴ھ میں بہ عمر ۲۲ سال حضرت خاتم الاکابر سیدنا آل رسول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ پہنچے تو وہاں کے سجادہ نشین حضرت خاتم الاکابر نے فرمایا:

''آیئے! ہم تو آپ کا کئی دن سے انتظار کر رہے ہیں
(سیرت اعلی حضرت ص ۵۱) پھر بیعت کے بعد تو جہ شیخی

ڈالی تو آپ کی شکل بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسی حضرت خاتم الاکابر کی تھی۔ اسی لیے جب آپ حجرۂ بیعت سے باہر نکلے تو حاضر باش خدام نے (آپ کو خاتم الاکابر سمجھا اور) وہاں کے حسب دستور اسم جلالت اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ رفتہ رفتہ اپنی شکل میں آگئے اور پیر و مرشد نے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے نواز دیا۔ حضرت خاتم الاکابر کے ولی عہد حضرت سیدنا ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا: حضور! یہاں کا دستور تو یہ رہا ہے کہ بڑی ریاضت ومجاہدہ کرانے کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ آج اس کے برخلاف اس نوجوان کو مرید کرتے ہی تمام سلسلوں کی خلافت (کیسے) عطا فرمادی گئی؟ آپ نے فرمایا: میاں صاحب! لوگ عموماً گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں اس لیے ان سے مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ یہ نوجوان پاکیزہ نفس لے کر آیا تھا، بس اس کو نسبت کی ضرورت تھی جو حاصل ہوگئی۔ میاں صاحب! ایک فکر عرصہ سے پریشان کئے ہوئے تھی، بحمد اللہ! آج وہ دور ہوگئی۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول! ہمارے لیے کیا لائے؟ تو ہم اس نوجوان کو پیش کر دیں گے''۔ (خلاصہ تحریر امین ملت حضرت سید امین میاں برکاتی، المیزان کا امام احمد رضا نمبر ص ۲۳۶)

(۲) کتاب الحکم کے شارح حضرت محمد ابراہیم بن عبادہ نے نفس کا تزکیہ کرنے اور دل کو نور اخلاص سے بھر لینے کے لیے صوفیا کو ہدایت دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"فاذا احمل العبد نفسه والزمها التواضع والمذلة واستمر علی ذلک حتی صار له خلقا و جبلة بحیث لا یجد لضعته الما و لا المذلة طعما فحینئذ تتزکی نفسه ویستنیر بنور الاخلاص قلبه" الخ۔

(ترجمہ) جب آدمی اپنے نفس کو بے قدر کر کے تواضع ومذلت کو اپنا خلق وجبلت بنالے کہ اس کے بعد اسے تواضع میں کوئی کلفت محسوس ہو، نہ نہاں خانۂ دل میں ذلت سے نکلنے کی خواہش، تو اس کا نفس مزکّی اور دل نور اخلاص سے منور ہو جاتا ہے۔

امام احمد رضا اپنی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نہ مرا نوش ز مدح نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بہ مدح نہ مرا ہوشِ ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دواتے و قلمے"

(۳) اخبار الاخیار ہی میں محبوب الٰہی حضرت نظام الدین کا ارشاد منقول ہے:

"اگر کسے خواہد کہ بشرف زیارت خانۂ کعبہ مشرف شود بجہت زیارت حضرت رسالت ﷺ علاحدہ نیت کند ورود تا مستوجب زیارت خاص آں سرور گردد و بہ طفیل زیارت نہ کردہ باشد"۔ (ص ۸۹)

ترجمہ: جو حج یا عمرہ کے لیے جائے وہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے الگ مستقل نیت کر کے جائے، یہ نہیں کہ حج یا عمرہ کو جا رہا ہوں تو روضۂ رسول کی بھی زیارت ہو جائے گی۔

امام احمد رضا جب دوسری بار حج کے لیے گئے تو کیفیت یہ تھی:

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے
(حدائق بخشش)

بہت سے اولیائے کرام کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بیداری میں شرف زیارت سے مشرف فرمایا ہے۔ حضرت ملک العلما سید ظفر الدین بہاری، امام احمد رضا کی زیارت کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

جب دوسری مرتبہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود شریف پڑھتے رہے۔ یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس غزل کے مقطع میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری

میں زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے''۔ (حیات اعلیٰ حضرت، بہ ترتیب جدید از فقیر رضوی غفرلہ ج ۱ ص ۶۸)

(۵) صوفیا کے نزدیک فاقہ کی بڑی اہمیت ہے۔ امام غزالی نے کیمیائے سعادت ص ۴۳۴ میں حضرت شبلی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں کسی دن اللہ کے لیے بھوکا رہا ہوں اور میرے دل میں ایک تازہ حکمت پیدا نہ ہوئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ جنت کا دروازہ بھوک سے کھٹکھٹاؤ''۔ (فارسی سے ترجمہ)

حضرت ملک العلما کے مطابق ہمارے ممدوح امام احمد رضا نے بھی شکم سیر ہو کر کبھی نہیں کھایا، ان کی غذا بہت ہی کم تھی، اور کبھی تو کئی کئی دن تک فاقہ رہتے۔ لکھتے ہیں:

''حضور کی غذا زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا (تھی) اور وہ بھی روزانہ نہیں بلکہ بسا اوقات ناغہ بھی ہوتا تھا'' (حیات اعلیٰ حضرت بہ ترتیب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ص ۹۰)

علمی تصوف: اب تک جو عرض کیا گیا وہ امام احمد رضا کی عملی تصوف کی بس ایک معمولی سی جھلک تھی۔ اب علمی تصوف کی طرف رخ کیجیے اور امام احمد رضا کے کشف حقائق و دقائق کے نمونے ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں حضرت شیخ مینا کی مادرزاد ولایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''چوں روز اول اورا بمکتب فرستادند روز اول درذکر الف

وبامعانی وحقائق گفت کہ حاضراں حیراں ماندند"۔
ترجمہ: جب حضرت شیخ مینا علیہ الرحمۃ پہلی بار مکتب میں بٹھائے گئے تو الف با کے تعلق سے ایسے معانی اور حقائق بیان فرمائے کہ حاضرین حیران رہ گئے۔ (ص ۱۵۶)

توہمارے ممدوح کے تعلق سے حضرت ملک العلما سید ظفرالدین علیہ الرحمۃ نے حیات اعلیٰ حضرت میں جو لکھا ہے، اسے دیکھئے:

''وقت بسم اللہ خوانی عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضور کے استاد محترم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف ،با، تا، ثا جس طرح پڑھایا جاتا ہے، پڑھایا۔ حضور ان کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف (لا) کی نوبت آئی۔ استاد نے فرمایا کہو لام الف ۔حضور خاموش ہو گئے اور نہیں کہا۔ استاد نے دوبارہ کہا: کہو میاں! لام الف۔ حضور نے فرمایا کہ یہ دونوں پڑھ چکے۔
لام بھی پڑھ چکے ہیں، الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت حضور کے جد امجد اعلیٰ حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے کہ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے،
فرمایا: بیٹا استاد کا کہا مانو! جو کہتے ہیں پڑھو! حضور نے اپنے جد امجد کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر کی۔ حضور (کے جد امجد) نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ اس بچہ کو شبہ یہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے

آیا؟ ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچہ کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا اور سمجھ سے بالا خیال کیا جاتا مگر "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات"۔ حضرت جد امجد نے نور باطنی سے سمجھا کہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے۔ اس لیے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر ان کے سامنے مناسب جانا، اور فرمایا: بیٹا تمہارا خیال درست اور بجا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا، حقیقتاً وہ ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن۔ اس لیے ایک حرف یعنی لام، اول میں لاکر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ حضور نے فرمایا: تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا اتنے دور کے بعد لام کی کیا خصوصیت ہے؟ با، تا، دال، سین بھی اول (میں) لاسکتے تھے۔ حضرت جد امجد نے غایت محبت وجوش میں گلے لگا لیا اور دل سے بہت دعائیں دیں، اور پھر فرمایا کہ لام اور الف میں صورتاً سیرتاً مناسبت خاص ہے۔ (جب مرکب شکل میں لکھا جائے تو) ظاہرا لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے لا۔ سیرتاً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے وہ اس کے بیچ میں ہے گویا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی

تاکس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری۔۔
(حیات اعلیٰ حضرت بترتیب جدید از فقیر رضوی غفرلہ
ج ا ص ۵۲ مطبوعہ پاکستان)

(۲) پیشاب، پاخانہ اور منی، گندی چیزیں اور ناپاک ہیں جن کے خارج ہونے پر آدمی ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر منی کے نکلنے پر غسل کرنے کا حکم ہے جس میں پورے بدن پر پانی استعمال کیا جاتا ہے اور پیشاب، پاخانہ کے نکلنے پر غسل کرنے کا نہیں، صرف وضو کرنے کا حکم ہے جس میں چار ہی اعضا پر پانی استعمال کیا جاتا ہے ــــ پھر پیشاب پاخانہ جن اعضاء سے نکلتے ہیں وضو میں ان اعضا کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضا کو دھونے کا حکم ہے۔ مزید یہ کہ سر کو دھونے کی بجائے اس پر مسح کیا جاتا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟

اسی طرح جب ریاح اور قہقہہ ناپاک نہیں، تو ریاح خارج ہونے اور نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟ فقہائے کرام نے ان سوالوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ احکام خلاف قیاس امور تعبدیہ ہیں یعنی خدا اور رسول نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے ہم ایسا ہی کر رہے ہیں اور بس۔

ہدایہ میں ہے:

"غسل غیر موضع الاصابة امر تعبدی......
والاقتصار علی الاعضاء الاربعة غیر معقول"۔

(ترجمہ) نجاست کہیں سے نکلے اور دھویا کہیں جائے یہ
امر تعبدی ہے۔۔۔۔۔اسی طرح چار ہی اعضاء پر
اقتصار بھی غیر معقول ہے۔

اس کی شرح نہایہ میں ہے:

"ای تعبدنا اللہ تعالیٰ و کلفنا بغسل الاعضاء الاربعة عند
وجود الحدث من السبیلین من غیر ان یدرکہ بالعقول؛

اذالعقل يقتضی غسل موضع اصابة النجاسة، وامرالوضوء علی عکس هذا، فان النجاسة تخرج من احدالسبیلین وانت تغسل الوجه والیدفکان هذاامراغیرمدرک بالعقل"۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیشاب، پاخانہ کے مقام سے ناپاک چیز کے نکلنے پر چار اعضاء کے دھونے کا مکلف کیا اور فرماں برداری کا حکم دیا اگرچہ عقل اس کا ادراک نہ کر پائے؛ کیوں کہ عقل تو یہ چاہتی ہے کہ جس مقام سے نجاست خارج ہوتی ہے، اس مقام کو دھویا جائے، جب کہ وضو کا معاملہ اس کے برخلاف ہے؛ اس لیے کہ نجاست احدالسبیلین سے نکلتی ہے اور حکم ہے چہرہ اور ہاتھ دھونے کا۔ جس کی وجہ عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی۔

حالاں کہ اللہ ورسول حکیم ہیں اور فعل الحکیم لایخلوعن الحکمۃ کے تحت ان احکام میں بھی حکمت ہونی چاہیے۔ تو امام اعظم کے سچے نائب امام احمد رضا نے ان احکام میں جن حکمتوں کا انکشاف فرمایا ہے وہ معمولی عقلوں میں بھی آسانی سے آجائیں، فرمایا ہے:

"ان لاحدث صغیراولاکبیرالاماتولدمن اکل حتی القھقھۃفی الصلاۃ،فان تلک الغفلۃالشدیدۃفی عین الحضرۃلاتکون الامن شبع ای شبع،اذالجائع ربمالایکثرلہ من فضلاعن القھقھۃخلفۃعن کونھافی الصلاۃ۔ولاشک ان دفع الاکل یعم البدن وکذالفع الخارج والراحۃالحاصلۃبہ۔فدخول الطعام یولدالغفلۃوخروج الموذی یحققھاوبالغفلۃ

موت القلب والقلب رئیس؛ فانہ المضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ والماء ینعش ویذھب الغفلة کما ھو مشاھد فی المغشی علیہ۔

قلت: فکما ان سبب الموت عم البدن کان ینبغی ان یعمہ ایضا سبب الحیاۃ وبہ اتی الشرع فی الحدث الاکبر۔ لکن الاصغر یتکرر کثیرا فلو امروا کلما احدثوا ان یغتسلو الوقعوا فی الحرج والحرج مدفوع فاقامت الشریعة السمحة السھلة مقام الغسل غسل الاطراف؛ اذ من سنة کرمہ تعالی ان اذا اصلح الاول والآخر تجاوز عن الوسط وجعلہ ماموراً فیھما۔ ثم کان من الاطراف الراس وغسلہ کل یوم مراراً ایضا کان یورث البوس والبأس فابدل فیہ الغسل بالمسح رحمة من الذی یقول عز من قائل یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"۔ (**الطرس المعدل** مندرج فتاویٰ رضویہ مترجم ج۲ ص۹۸،۹۷)

(ترجمہ) حدث اصغر ہو خواہ اکبر کھانا کھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز میں قہقہہ بھی؛ کیوں کہ عین دربار میں ایسی سخت غفلت اسی سے ہو سکے گی جس کا پیٹ خوب بھرا ہو کہ بھوک میں تو ہنسی سے دانت کھلنا ہی نادر ہے نہ کہ قہقہہ لگانا، وہ بھی نماز کی حالت میں۔ اور شک نہیں کہ کھانے کا نفع تمام بدن کو پہنچتا ہے، یوں ہی فضلہ نکل جانے کی منفعت

وراحت بھی سارے بدن کو ہوتی ہے۔ تو کھانا اور پانی کا معدہ
میں جانا ایک قسم کی غفلت پیدا کرتا ہے جب کہ فضلات
کا نکلنا غفلت کو ثابت و موکد کرتا ہے۔ اور غفلت سے دل کی
موت ہونے لگتی ہے اور دل بدن کا بادشاہ ہے، جب تک یہ
درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب بگڑتا ہے
تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور پانی تازگی لاتا ہے اور
غفلت دور کرتا ہے جیسا کہ غشی والے کے منہ پر چھڑکنے
میں مشاہدہ ہے۔
تو میں کہتا ہوں کہ جس طرح موت کا سبب پورے بدن کو عام
ہوا تھا، چاہئے تھا کہ حیات کا سبب یعنی پانی بھی پورے جسم
پر پہنچے۔ حدث اکبر میں تو شرع نے یہی حکم دیا، مگر حدث
اصغر چوں کہ بکثرت اور مکرر ہوتا ہے، تو ہر حدث اصغر
پر اگر نہانے کا حکم ہوتا تو لوگ حرج میں پڑتے اور اس دین
میں حرج نہیں۔ لہٰذا اس نرم و آسان شریعت میں اطراف
بدن کے دھونے کو نہانے کے قائم مقام فرما دیا؛ کیوں کہ اللہ
عز و جل کی سنت کریم ہے کہ جب اول و آخر ٹھیک ہوتے
ہیں تو بیچ میں جو نقصان ہو، اس سے درگذر فرماتا ہے۔ اب
اطراف بدن میں سر بھی تھا اور اسے ہر روز چند بار دھونا بھی بیمار
کر دیتا، مشقت میں ڈالتا، لہٰذا اس کو دھونے کے عوض مسح
مقرر فرما دیا۔ رحمت اس کی جو فرماتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ
آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔
یعنی جنابت ہو خواہ پیشاب و پاخانہ، یا پھر ریاح و قہقہہ، سب کا اصل سبب کھانا
پینا ہے۔ آدمی کھائے پئے نہیں تو اسے ان چیزوں کی حاجت ہوگی نہ ان سے ان افعال

کا صدور ہوگا۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو شادی نہ کر سکے وہ روزہ رکھا کرے۔ ــــــ اور کھانے، پینے کی حاجت و رغبت اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹ کر دنیا کی طرف ہو، جس کو غفلت کہتے ہیں ــــــ اور پانی سے غفلت کا ازالہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے تو اسے پانی کا چھینٹا دینے پر ہوش میں آ جاتا ہے۔ بنا بریں حکم ہوا ہے کہ جب آدمی جنبی ہو جائے۔ یا۔ پیشاب و پاخانہ کرے یا ریاح خارج ہو۔ یا۔ نماز میں قہقہہ لگائے تو پانی کا استعمال کر کے اس غفلت کو دور کرے۔

اب رہی یہ بات کہ منی نکلنے کی صورت میں پورے بدن پر اور پیشاب و پاخانہ نکلنے کی صورت میں صرف چار ہی اعضا پر پانی کے استعمال کا حکم ہے، ایسا کیوں؟ اس پر مستزاد یہ کہ تین اعضا کو دھونے کا حکم اور ایک عضو پر مسح کا حکم، یہ تفرقہ کیسا؟ تو اس میں حکمت یہ ہے کہ غفلت سے دل پر موت طاری ہونے لگتی ہے اور دل پورے بدن ہی کا شہنشاہ ہے۔ جب دل درست رہتا ہے تو پورا بدن درست رہتا ہے، اور جب دل خراب ہوتا ہے تو پورا بدن ہی خراب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کھانا کھانے اور پانی پینے سے براہ راست دل کو تازہ حیات ملتی ہے، مگر بالواسطہ پورا بدن ہی مستفید ہوتا ہے، اور جب فضلات خارج ہو جاتے ہیں تو پورا بدن راحت پا جاتا ہے۔ لہٰذا جب پیشاب و پاخانہ اور منی نکلنے سے پورے بدن پر موت طاری ہونے لگتی ہے تو پورے بدن پر پانی بہا کر اسے تازہ حیات عطا کرنے کا حکم ہے ــــــ مگر چوں کہ وضو دن میں کئی کئی بار کرنا پڑتا ہے اور ہر بار پورے بدن پر پانی بہانے میں حرج و دشواری ہے اس لیے شریعت نے کرم فرما کر پورے بدن کی بجائے اطراف بدن ہی پر پانی کے استعمال کو، پورے بدن پر استعمال کے قائم مقام کر دیا؛ کیوں کہ جس کا اول و آخر درست ہو، کرم خداوندی اس کے مابین کو درست مان لیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا سے دعا کرنے میں جیسا خشوع و خضوع اور تضرع و زاری ہونی چاہئے، نہیں ہو پاتی ہے تو حدیث میں فرمایا گیا کہ جس دعا کے اول و آخر درود پڑھ لیا جائے وہ دعا خشوع و خضوع اور تضرع و زاری میں کوتاہی کے باوجود خدا قبول فرما لیتا ہے

سر اور پیر، اول و آخر ہیں جو اس کی لمبائی ہے اور دونوں ہاتھ اوسط جو اس کی چوڑائی ہے۔ تو انسان گویا ایک شکل مستطیل ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی میں ضرب دینے سے پورا رقبہ نکل آتا ہے۔ اب اگر بار بار سر کو دھونے کا حکم ہوتا تو انسان کے بیمار ہو جانے کا احتمال تھا، لہٰذا رحمت الٰہی نے اس کو دھونے کی بجائے مسح پر اقتصار کا حکم دے دیا۔ پھر نماز دربار الٰہی میں حاضری ہے اور دربار الٰہی میں حاضر ہو کر جب تک آدمی کو غفلت نہ ہو اس وقت تک وہ قہقہہ نہیں لگا سکتا۔ اس وجہ سے قہقہہ کو بھی ناقض وضو قرار دیا گیا۔ تو منی خواہ پیشاب و پاخانہ کا نکلنا اور حالت نماز میں قہقہہ لگانا غفلت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور غفلت کی وجہ سے براہ راست دل اور بالواسطہ سارا بدن مردہ ہونے لگتا ہے جس کو حیات نو بخشنے کے لیے در حقیقت پورے بدن پر پانی بہانے کا حکم ہوا۔ ہاں! جس صورت میں حرج و دشواری تھی اس کو معاف قرار دے دیا گیا۔ خدائے رحمان کا ارشاد ہے: وما جعل علیکم فی الدین من حرج [خدا نے تمہارے لیے دین میں دشواری نہیں رکھی]۔ اور رسول رؤف و رحیم کا فرمان ہے: یسروا ولا تعسروا [آسانی پیدا کرو دشواری نہیں]۔

وہم اور اس کا ازالہ: اگر کسی کے دل میں یہ خطرہ گذرے کہ انبیائے کرام اور رسولان عظام بھی تو کھاتے پیتے اور بول و براز کیا کرتے تھے۔ تو کیا ان پر بھی غفلت طاری ہوتی تھی؟

تو عرض ہے کہ انبیائے کرام بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرح کھانے پینے، بول و براز فرمانے کی حاجت نہیں تھی۔ آپ امت کی تانیس و تعلیم کے لیے کھاتے پیتے، بول و براز فرماتے تھے۔ اس لیے آپ تو جانب اللہ سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

امام محمد ابن الحاج مکی اپنی کتاب **المدخل** ج ۲ ص ۱۹۳ میں فرماتے ہیں:

"انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایاتی احوال

البشرية لاجل لفسه المكرم مقابل ذلك منه صلی اللہ تعالی علیہ و سلم علی طریقة التانیس البشریة لاجل الاقتداء به صلی اللہ علیہ و سلم ـــــــ، کان صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، بشری الظاهر ملکی الباطن، فکان صلی اللہ تعالی علیہ و سلم لا یأتی الیٰ شیٔ من احوال البشریة الا تأنیسا لامته وتشریعالها لا انه محتاج الیٰ شیٔ من ذلک کما تقدم، وللجهل بهذه الاوصاف الجلیلة والخصال الحمیدة قال الجاهل المسکین :مالهذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق"۔

(ترجمہ) رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احوال بشری: جیسے کھانا، پینا، سونا، جماع یہ سب اپنے نفس کریم کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کرتے تھے؛ تا کہ ان افعال میں وہ آپ کی اتباع کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یہ افعال بشری محض اپنی امت کو اُنس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے۔ نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شی کی کچھ حاجت تھی، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ انہیں اوصاف جمیلہ وخصائل حمیدہ سے جہل کے باعث بے چارے جاہل (کافروں) نے کہا: "اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔"

(۳) علمی تصوف کا سب سے زیادہ معروف ومتنازع مسئلہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہے جس کا تعلق سراسر حال و وجدان سے ہے۔ پہلی بار حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن

عربی نے قلم وقرطاس کے ذریعہ دوسروں تک اس کے ابلاغ کی کوشش کی، لیکن الفاظ کی قبا اس پر چست نہ ہوسکی اور بہت سے لوگ اس وجدانی حقیقت کولفظوں کے جامہ میں پہچان نہیں پائے، نتیجہ میں آپ کوملحد وزندیق اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا۔ پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے اپنے وقت میں الفاظ بدل کر معمولی فرق سے اسے وحدۃ الشہود کے نئے نام سے متعارف کرانے کی کوشش کی۔ میری معلومات کی حد تک سب سے پہلے حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی نے ''الروض المجود فی تحقیق وحدۃ الوجود'' لکھ کر اس مسئلہ کو معقول انداز میں سمجھایا۔ مگر امام احمد رضا نے تمثیل کے پیرایہ میں اس کی ایسی تفہیم فرمائی ہے کہ پھر اس کے حق ہونے میں کسی کو کوئی اشکال ہی نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا ہے:

> ''ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے، جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شے کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت صاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوش نما، کسی میں بھونڈی۔ یہ اختلاف ان (آئینوں) کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے ،خود واحد ہے۔ ان (عکسوں) میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے۔ ان (عکسوں) کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس (متجلی) میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔
>
> اہل نظر وعقل کامل اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ

بے شک وجود ایک بادشاہ کے لیے ہے! موجود ایک وہی ہے، یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھران میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا! عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود۔ یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں۔ اور وہ سب سے غنی۔ یہ ناقص ہیں، وہ تام۔ یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، اور وہ سلطنت کا مالک۔ یہ کوئی کمال نہیں رکھتے حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں، اور وہ سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں، بلکہ وہی وہ ہے، اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود"۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۱۴ ص ۶۴۳، ۶۴۲)

(۴) اللہ نے آنکھیں دی ہیں تو تعصب کا چشمہ اُتار کر کوئی امام احمد رضا کی تمام کتابیں نہیں، بس فتاویٰ رضویہ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی کی جلد ۱۷ میں مندرج صرف سوال نمبر ۵ کے جواب کو دیکھے، اگر آنکھیں خیرہ نہ ہو جائیں تو میرا ذمہ!

مسئلہ ۵

"اذا ذکر العبد ربہ او حمدہ، فما ذکر اللہ الا اللہ ولا حمد اللہ الا اللہ"۔

(ترجمہ) بندہ جب اپنے رب کا ذکر یا اس کی حمد بیان کرتا ہے تو اللہ ہی اپنا ذکر اور حمد بیان کرتا ہے۔

جواب:

"اعلم ان لكل فعل يصدر من العبد وجهتين: وجهته الى خالقه عز وجل اذلا وجود له الا به، وليس للعبد من خلقه شئ، ووجهته الى كاسبه اذ منه ظهر باظهار المولى سبحانه وتعالى وهذه الأخرى هي مناط الاستناد العام لغة وعرفا وشرعا فلايقال: قام الالمن قام به القيام لا من خالقه لكن من الافعال ما يصح صدوره من الخالق عز وجل، فيسوغ اسنادها اليه لارتفاع الايهام والى العبد على وجهه العام. وذالك كحمد وشكر وحمد وذكر لا كصلى وسجد وصام وعبد وقام وقعد لما تقدم. والاول الحقيقة والآخر الصورة فاذا صحت الحقيقة غلبت واضمحلت عنده الصورة فصح نفيه عن كاسبه وقصر اسناده على خالقه. ذالك قوله تعالى "فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" "ومارميت اذرميت ولكن الله رمى" فاثبت ونفى صورة ومعنى. وكذالك وماتوفيقى الا بالله، وماتشآءون الا ان يشاء الله. بل اذا نظرت بعين الحقيقة فلا وجود الا له عز جلاله كل شئ هالك الا وجهه. هو الاول والآخر والظاهر والباطن. وهذا سيدنا سواد بن قارب رضى الله تعالى عنه قائلا فيما عرضه على النبى صلى الله عليه وسلم:

فاشهد ان الله لا رب غيره

وانت مامون على كل غائب

وصار كلمة التوحيد: لا وجود. فلا اله الا الله، للناسكين

لامعبود الا اللہ، وللسالکین لامقصود الا اللہ، وللواصلین لامشہود الا اللہ، للکاملین لاموجود الا اللہ۔ والکل سدید والکل توحید من دون اتحاد فانہ الحاد"۔

ترجمہ: بندوں سے جو افعال صادر ہوتے ہیں، ان کے دو رخ ہیں: ایک رخ ان افعال کے خالق عزوجل کی طرف؛ کیوں کہ بندوں کے افعال کا خالق خدا ہی ہے، ان کی تخلیق میں بندوں کا کوئی حصّہ نہیں۔ دوسرا رخ ان افعال کے کاسِب کی طرف؛ کیوں کہ مولیٰ سبحانہ نے بندوں کے کَسب پر ان افعال کو ظاہر فرمایا ہے۔ لغت، عرف اور شرع سب میں بندوں کی طرف ان افعال کی نسبت اسی دوسرے رخ کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ "لفظ کھڑا ہوا" کا اطلاق اسی کے لیے ہوتا ہے جس کے ساتھ اس فعل کا قیام ہو۔ جس ذات نے اس فعل کی تخلیق فرمائی ہے اس ذات پر اطلاق نہیں کیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ افعال ایسے بھی ہیں جن کا صدور خالق سے صحیح ہے تو جب ایہام نہ ہو تو ان افعال کی نسبت خالق کی طرف کی جاتی ہے، جیسے: حَمِدَ، شَکَرَ اور ذَکَرَ، نہ کہ صلّٰی، سَجَدَ، صامَ، عبدَ اور قامَ و قعدَ۔ پہلی نسبت، حقیقی نسبت ہے اور دوسری نسبت صوری نسبت ہے۔ جب حقیقی نسبت صحیح ہو تو وہ غالب اور صوری نسبت مضمحل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کاسِب سے اس کی نفی درست اور خالق ہی کی طرف صحیح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم" اور "ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی" میں اللہ

تعالیٰ کے لیے صوراً و معنیً نسبت ثابت کر کے بندوں سے دونوں نسبتوں کی نفی کی گئی ہے۔ یوں ہی "**وماتوفیقی الا باللہ**" "وماتشاءون الا ان یشاء اللہ" میں بھی؛ کیوں کہ حقیقت کی آنکھ سے دیکھو تو اللہ جل جلالہ کا ہی وجود ہے، اللہ کے سوا ہر شئ ہلاک ہونے والی ہے۔ اللہ ہی اول و آخر، ظاہر و باطن ہے۔ یہ ہیں سیدنا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنا یہ شعر بارگاہ رسالت میں پیش کیا تھا کہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ ہی موجود ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ اور آپ ہر غیب کے امانت دار ہیں" اس لیے تو کلمۂ توحید "**لا الہ الا اللہ**" کے معنی ناسکین کے نزدیک "**لا معبود الا اللہ**"، سالکین کے نزدیک "**لا مقصود الا اللہ**"، واصلین کے نزدیک "**لا مشہود الا اللہ**" اور کاملین کے نزدیک "**لا موجود الا اللہ**" ہو گئے۔ اور سارے معنی ہی صحیح اور اتحاد کے بغیر توحید ہی کے ہیں، اتحاد کے نہیں؛ کیوں کہ اتحاد تو الحاد ہے۔

یعنی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کائنات کی ہر شئی کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ "اللہ خالق کل شئی" (زمر ۶۲) بندوں اور ان کے افعال کو بھی پردۂ عدم سے صفحۂ وجود پر وہی لاتا ہے۔ "واللہ خلقکم وماتعملون" (صافات ۹۶) البتہ بندے اپنے ان افعال کے کاسب ہوتے ہیں اور کسب کی یہ قدرت بھی اسی کی تخلیق کردہ ہے۔ تو بندہ جب کسی فعل کے لیے کسب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اگر اس کسب کے بعد اس فعل کی تخلیق فرما دیتا ہے تو وہ فعل وجود میں آجاتا ہے اور تخلیق نہیں فرماتا ہے تو کسب کے باوجود، وجود میں نہیں آپاتا۔ مولائے کائنات کا ارشاد ہے: "عرفت ربی بفسخ العزائم" [میں نے خدا کو پہچانا اپنے پکے ارادوں کے باوجود کامیابی نہیں ملنے سے]

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بندوں کے بعض افعال تو وہ ہیں جو وجود تو پاتے ہیں اللہ ہی کی تخلیق سے، مگر ان کا صدور اللہ تعالی سے محال ہے، جیسے: جھوٹ بولنا، چوری کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا۔ اور بعض افعال وہ ہیں جن کا صدور اللہ تعالی سے محال نہیں ہے، جیسے: ذکر کرنا، حمد بیان فرمانا، رحم کرنا، معاف فرمانا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بعض وہ افعال جن میں غلط معنی کا ایہام نہیں ہے، ان کی اسناد اللہ تعالی کی طرف بھی کی گئی ہے" قل من یرزقکم من السماء والارض "[اے نبی آپ لوگوں سے کہئے کہ بھلا تمہیں آسمان وزمین سے روزی کون دیتا ہے؟] (یونس ۳۱) واللہ یتوفی الانفس "[اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے] (الزمر ۴۲)" اور بندے کی طرف بھی کی گئی ہے "وارزقوھم فیھا واکسوھم" [لوگوں کو روزی دو اور کپڑے پہناؤ] (النساء ۵) توفتہ رسلنا [ہمارے رسولوں (فرشتوں) نے انہیں موت دی] (الانعام ۶۱)۔ تو اللہ تعالی کی طرف ان افعال کی اسناد حقیقی ومعنوی ہے یعنی بہ لحاظ تخلیق، اور بندوں کی طرف صوری ومجازی یعنی بہ لحاظ کسب۔ لغت وعرف اور شریعت، سب کی رو سے اس طرح کی اسناد درست ہے۔

جواہر البحار ج ۱ ص ۲۶۶ میں ہے:

"وقال ملا علی القاری فی شرحہ علی الشفا فی الفصل الذی قبل ھذا: لا یتصور اشتراک المخلوق مع الخالق فی نعتٍ من النعوت بحسب الوصف الحقیقی، وانما یکون بملاحظۃ المعنی المجازی والعرفی، فاللہ سمیع بصیر علیم حی قادر مرید متکلم، وقد اثبت ھذہ الصفات ایضا لبعض المخلوقات، ولکن بینھما بون بین، ولا یخفی مثل ھذا علی متدین"۔

(ترجمہ) ملا علی قاری نے شرح شفا میں فرمایا ہے: وصف حقیقی کے اعتبار سے کسی بھی صفت میں خالق و

مخلوق کے درمیان اشتراک متصور نہیں ہے، یہ صرف معنیٰ
مجازی وعرفی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع
وبصیر، علیم وحی، قادر ومرید اور متکلم ہے۔ پھر اسی نے یہ
صفات بعض مخلوقات کے لئے بھی ثابت کی ہیں مگر ان
کے معنوں میں بڑا فرق ہے جو کسی دین دار پر مخفی نہیں۔

مگر وہ افعال جن کا صدور اللہ تعالیٰ سے محال ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی اسناد کرنے میں سننے والوں کو اس بات کا ایہام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ان افعال کا صدور ہو سکتا ہے، اس لیے ان افعال کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف منع ہے۔ اور جن افعال کا صدور محال نہیں ہے بندوں کی طرف ان افعال کی اسناد کی نفی درست ہے؛ کیوں کہ یہاں ایہام نہیں ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حقیقت ومعنی کے بالمقابل چوں کہ مجاز وصورت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسی لیے قرآن کریم کے اندر ''**فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم**'' [تم نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے قتل کر دیا] اور ''**وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى**'' [جب تم نے پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی] میں قاتل ورامی سے قتل اور رمی کی نفی کرتے ہوئے اللہ کی طرف اس کی اسناد فرمائی گئی ہے۔ یہی صورت ''**وما توفيقي الا بالله**[میری توفیق اللہ ہی سے ہے] (ہود ۸۸)'' **وما تشاؤن الا ان يشاء الله** [تم کیا چاہو؟ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے] (تکویر ۲۹)'' میں بھی ہے۔
بنابریں کلمۂ توحید ''**لا اله الا الله**'' کے معنی ناسکین کے نزدیک ''**لا معبود الا الله** [اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں] سالکین کے نزدیک ''**لا مقصود الا الله** [اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں] واصلین کے نزدیک ''**لا مشهود الا الله** [اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں] اور کاملین کے نزدیک ''**لا موجود الا الله** [اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں]'' کے ہیں اور بھی معنی درست ہیں۔ یہ ہرگز اتحاد نہیں جو کفر والحاد ہے، بلکہ توحید ہی ہے۔ اس لیے جس نے سوال میں مذکور الفاظ ذکر اور حمد کی اسناد کی بندوں سے نفی کر کے خدا کی طرف کی ہے، درست کی ہے۔

آج طریقت کی ''طا'' سے نا آشنا کچھ حضرات سماع بالمزامیر کے تعلق سے فتاویٰ رضویہ میں مندرج بعض فتاویٰ کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کو طریقت مخالف کہتے اور اُن سے بغض رکھتے ہیں، تو فقاہت کی ''فا'' سے ناواقف کچھ حضرات بھی لاشعوری طور پر امام احمد رضا کو خشک ملا کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ جب کہ امام احمد رضا کو فقاہت میں امامت کا منصب حاصل تھا، تو طریقت میں بھی وہ اجتہاد کے درجہ پر فائز تھے۔

فقاہت جس کا دوسرا نام شریعت ہے، وہ اگر لغت دیکھ کر ''من'' کا ترجمہ ''سے'' اور ''الی'' کا ترجمہ ''تک'' جان لینے کا نام نہیں، بلکہ وہ ایوان طریقت کا زینہ ہے، تو طریقت بھی چنگ ورباب سے کھیلنے اور طبلے کی تھاپ پر تھرکنے کا نام نہیں، بلکہ جلوۂ بالائے بام کا دیدار ہے۔ جس طرح انسانیت کی تکمیل اس زینہ ہی کو طے کرتے رہ جانے میں نہیں، بلکہ جلوۂ بالائے بام کے دیدار میں ہے۔ اسی طرح جلوۂ بالائے بام کا دیدار بھی اس زینہ کو عبور کئے بغیر ممکن نہیں۔ علامہ جامی کا ارشاد ہے:

زلوح اول الف با تا نخوانی
زفتر آں درس خواندن کے توانی

(۶) سماع بالمزامیر کے تعلق سے بہت سی معروف قولی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے:

''لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحرو الحریر والخمر والمعازف''۔ (بخاری ج ۲، ص ۸۳۷، کتاب الاشربة، باب ماجاء فی من یستحل الخمر الخ)

(ترجمہ) بلاشبہ میری امت میں وہ لوگ ہوں گے جو زنا، ریشمی کپڑے، شراب اور باجوں کو حلال ٹھہرائیں گے۔

جن کی بنیاد پر جمہور فقہا و مشائخ نے سماع بالمزامیر کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

" الملاهي كلها حرام حتى التغني بضرب قصب ونحوه حرام" ۔ (هدایہ آخرین ص ۴۳۹، مجلس برکات)

(ترجمہ) سارے آلات لہو حرام ہیں حتی کہ بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو بجاتے ہوئے (حمد و نعت) پڑھنا بھی حرام ہے۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

"استماع صوت الملاهي كالضرب بالقضيب ونحوه حرام" ۔ (ترجمہ) آلات لہو جیسے بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی آواز سننا حرام ہے۔

(ج ۱۲ ص ۲۰۲ مکتبہ زکریا)

مگر بعض فقہا و مشائخ نے فرمایا ہے کہ مزامیر سننے کی حرمت کی علت "نفسانی لہو ولعب" ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت کی ابتدا میں شراب کی حرمت نہیں تھی تو بہت سے مسلمان بھی اس سے شوق رکھتے تھے۔ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو اگرچہ مسلمانوں نے اسے بالکل ہی ترک کر دیا، پھر بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال پر بھی پابندی عائد فرما دی، جن برتنوں کو شراب کے لیے استعمال کیا جاتا تھا کہ کہیں پرانی یادیں تازہ نہ ہو جائیں۔ مگر جب مرور ایام سے یہ خوف جاتا رہا تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت ہو گئی ـــــــ اسی طرح اہل عرب ،شراب پیتے وقت" نفسانی لہو ولعب" کے لیے لازمی طور سے مزامیر کا استعمال کرتے تھے، تو مزامیر کے استعمال پر بھی پابندی لگا دی گئی، مگر جب مسلمان شراب ہی کی طرح نفسانی لہو ولعب سے بھی یکسر دور ہو گئے تو اس کے بھی استعمال کی اجازت ہو گی؛ کیوں کہ جو حکم علت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے، وہ حکم اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک علت باقی رہتی ہے اور جب علت مرتفع ہو جائے تو حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔ ہاں! اگر کہیں وہ علت پھر سے پیدا ہو جائے تو حکم پھر پلٹ آئے گا۔ حضور محبوب الٰہی

رضی اللہ عنہ کے خلیفہ، حضرت فخر الدین زرادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"المزمار آلۃ توجد بھا الاصوات الموزونۃ وبالنظر الی نفسھا مباحۃ کما ذکر لہ۔ اما الحرمۃ نفسھا مباحۃ کما ذکر لہ، فلعلۃ اخری ھی تذکر شرب الخمر کما روی عن الثقات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا حرم الخمر حرم المزامیر، اذ الناس یضربون وقت شربہ فحرم ضربہ لتذکرہ ایاہ، و ھو قبیح لمعنی فی غیرہ، فاذا کانت ھذہ العلۃ مفقودۃ تفقد الحرمۃ ضرورۃ"۔

(ترجمہ) مزامیر وہ آلات ہیں جن سے موزوں آوازیں نکلتی ہیں جو فی نفسہ مباح ہیں اور حرام قرار دینے کی علت ہے شراب پینے کی یاد دہانی جیسا کہ ثقہ راویوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مروی ہے کہ جب شراب حرام قرار دی گئی تو مزامیر کو بھی حرام قرار دے دیا گیا؛ کیوں کہ لوگ شراب پیتے وقت مزامیر بجاتے تھے تو اس کی حرمت اس کے غیر کی وجہ سے ہے۔ پھر جب اس کی علت ناپید ہوگئی تو لامحالہ حرمت مزامیر بھی مفقود ہوگی۔

(رسالہ اصول السماع، الاصل الثالث فی المزامیر، ص ۷۱)

پرانے زمانے میں شریعت کے پابند اہل دل، بعض ارباب تصوف، فواحش ومنکرات سے خالی اشعار مزامیر کے ساتھ سنا کرتے تھے جس سے ان کے دلوں میں پوشیدہ عشق رسالت اور محبت الٰہی کی چنگاریاں بھڑک اٹھتی تھیں؛ کیوں کہ "یہ تو بے جان آلہ ہے جس سے اچھی آوازیں نکلتی ہیں اور دل پر اثر کرتی ہیں۔ اب انسان میں جو ہوتا ہے، سر خوشی و مستی اور جذب و بے خودی کے عالم میں فطری طور پر اسی

کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ ع: جان ہے عشق مصطفی روز فزوں کرے خدا۔

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

☆

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلّم صدائے محمد

الغرض مزامیر کے ساتھ اچھے اور پاکیزہ اشعار سننے سے ان حضرات کی پاکیزہ روحوں کو غذا ملتی تھی اور وہ عالم ملکوت کی سیر کے لیے طاقت وقوت پاتے تھے۔ اسی لیے وہ حضرات اپنے لیے اس کو نہ صرف جائز ومباح بلکہ مندوب ومستحب اور بسا اوقات وجوب کے درجہ تک سمجھتے تھے؛ کیوں کہ ''الامور بمقاصدھا، انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی''۔ مگر اس زمانہ میں جس قسم کی قوالیاں مروج ہوگئی ہیں، ان کے بارے میں میں کیا عرض کروں؟ بقول غالب: ع: مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔ اس لیے ان قوالیوں کے لیے وہی حکم پھر پلٹ آیا کہ:

''فی البزازیۃ: استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام''۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۹ ص ۵۲۲)

(ترجمہ) آلات لہو جیسے بانسری اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی آواز سننا حرام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا سے کسی شیخ شوکت علی نے جب سوال کیا کہ:

''ایک شخص میرا دوست آیا اور اس نے مجھ سے کہا: چلو ایک جگہ عرس ہے، میں چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا: بہت اشخاص ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول، دو سارنگی بج رہی ہے اور چند قوال

پیرانِ پیر دست گیر کی شان میں شعر پڑھ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار گا رہے ہیں اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح پر؟"

تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا کرنے والوں اور قوالوں پر الخ"
(فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۱۱۳)

میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کے پابند وہ اہل دل، ارباب تصوف حضرات، اگر آج حیات ظاہری سے ہوتے، تو بلا شبہ وہ پاک باز حضرات خود بھی ایسی قوالیوں پر لعنت بھیجتے، جیسے پانی اپنی حد ذات میں پاک ہونے کے باوجود، کوئی اس میں نجاست کی آمیزش کر دے تو ناپاک ہو جاتا ہے۔

فقاہت کے لیے ضروری ہے کہ وہ عام وخاص، مطلق ومقید، ظاہر ونص وغیرہ اور ان کے احکام کو جانتا ہو۔ اجماعی واجتہادی مسائل اور ان کے احکام سے واقف ہو۔ مذہب کی روایات ظاہرہ ونادرہ کی معرفت رکھتا ہو۔ ترجیح وتطبیق، مصالح ومفاسد، اقتضائے زمانہ اور احوال ناس سے باخبر ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک اور حضرت ابو بکر صدیق کے عہد زریں میں عورتیں پردہ کے ساتھ نماز کے لیے مسجد اور عید گاہ میں حاضر ہوا کرتیں۔ مگر جب حضرت عمر فاروق کے عہد میں عورتوں کے اندر وہ سادگی باقی رہی، نہ مردوں کے اندر وہ پاک بازی، جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے مسجد میں آنے پر پابندی لگا دی۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"لوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء لمنعهن المسجد"۔ (مسلم شریف ج ا ص ۱۸۳)

(ترجمہ) اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حالت دیکھ لیتے تو ضرور آپ ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں جوان عورتوں کو تو مطلقاً کسی بھی نماز کے لیے مسجد کی حاضری سے منع فرمادیا تھا، مگر بوڑھی عورتوں کو فجر، مغرب اور عشا میں اس حکم ممانعت سے چھوٹ دے دی تھی؛ کیوں کہ اس زمانے میں فساق وفاجر حضرات فجر میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے، مغرب کے وقت کھانا کھانے میں ان کی مشغولیت ہوتی اور عشا کے وقت وہ سو جاتے۔ اس لیے فتنہ کا خوف غالب نہیں تھا۔ ہدایہ میں ہے:

"(یکرہ لهن حضور الجماعات) یعنی الشواب منهن لما فیه من خوف الفتنة (ولا بأس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء وهذا عند ابی حنیفة رحمہ اللہ

(ترجمہ) امام اعظم کے نزدیک جوان عورتوں کے لیے جماعت کی حاضری ناجائز ہے کیوں کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔ ہاں! بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشا میں حاضر ہوں تو مضائقہ نہیں۔

پھر جب فاسق وفاجر حضرات بالعموم ظہر سے لے کر فجر تک جاگنے اور صبح سے دوپہر تک سونے لگے، تو متاخرین فقہا نے بوڑھی عورتوں کو بھی تمام نمازوں میں مسجد کی حاضری سے روک دیا۔ فتح القدیر (ج ا ص ۳۷۶) میں ہے:

"عمم المتاخرون المنع للعجائز والشواب فی الصلوات کلها لغلبة الفساد فی سائر الاوقات

(ترجمہ) متاخرین فقہا نے زمانے میں بگاڑ پیدا ہو جانے کی وجہ سے جوان ہی نہیں، بوڑھی عورتوں کے لیے بھی تمام نمازوں میں مسجد کی حاضری کو منع فرمادیا۔

اور آج تو بوڑھی عورتیں ہی نہیں، بچیاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ محرم مرد کے بغیر ان کے بھی باہر جانے پر پابندی ہونی چاہیے۔

امام احمد رضا کی فقاہت کے تعلق سے علامہ خلیل مکی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ بالغ رتبہٗ اجتہاد تھے۔ وہ، یہ جانتے تھے کہ سماع بالمزامیر کا مسئلہ اجماعی نہیں، اجتہادی ہے۔ اس لیے جہاں انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق مروّجہ قوالیوں کی حرمت کا فتویٰ دیا، وہیں یہ بھی فرمایا کہ:

''مزامیر یعنی' آلات لہو ولعب'' بروجہ لہو ولعب'' بلاشبہہ حرام ہیں۔ جن کی حرمت اولیا وعلما دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح۔ ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعدِ اصرار، کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت، کبرائے سلسلۂ عالیہ چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا بہم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافترا ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۷۸)

اس سے، وہ مشائخ کرام جنہوں نے اپنے لیے اس کو جائز سمجھا اور اس پر عمل پیرا ہوئے، ان کے دامان تقدس پر شریعت کے برخلاف عمل پیرا ہونے کا داغ بھی نہیں لگنے دیا؛ کیوں کہ ان حضرات کا سننا'' بروجہ لہو ولعب'' نہیں تھا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ'' بروجہ لہو ولعب'' اگر قید احترازی ہے تو پہلے مذکورشدہ مسئلہ میں یہ قید کیوں نہیں ہے؟ وہاں تو صرف ایک ڈھول اور دو سارنگی کی بنیاد پر اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا گیا ہے۔

تو عرض ہے کہ اصول افتا یہ بتاتا ہے کہ مفتی عمومی حالات میں اپنے ہی مذہب کے

مطابق جواب دے۔ علامہ شامی نے رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۸ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند میں ارشاد فرمایا ہے:

لو قیل لحنفی ما مذھب الامام الشافعی فی کذا؟ وجب ان یقول: قال ابو حنیفۃ کذا۔ [حنفی مفتی سے سوال ہو کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے؟ تو وہ جواب دے کہ امام اعظم نے یہ فرمایا ہے]۔

اس پر امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اقول: ولا شک ان الرجل بمذھبہ ادری وامر الفتیا امر وادھی، فترک الاجتراء علی مذھب غیرہ احق واحری۔ [میں کہتا ہوں کہ بے شک ہر آدمی اپنے مذہب کو خوب جانتا ہے اور فتویٰ دینے کا معاملہ نہایت ہی سخت ودشوار ہے، لہٰذا دوسرے مذہب پر جرأت سے کرنا ہی زیادہ مناسب ولائق ہے] (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ٦ ص ۴۱۵)

علاوہ ازیں جو مسئلہ مقید ہوتا ہے، مفتیان کرام ہزار صوفی ہونے کے باوجود کبھی سائل یا زمانے کے پیش نظر اسے مطلق بیان فرما دیتے ہیں جیسا کہ خود امام احمد رضا نے ہی فرمایا ہے:

"وانما تبتنی الاحکام الفقھیۃ علی الغالب فلا ینظر الی النادر"۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۷٦)

ترجمہ: مفتی فتویٰ دینے میں غالب احوال کا خیال کرے، نادر کا لحاظ نہ کرے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

"عادتھم فی الاطلاق اعتمادا علی التقیید فی محلہ۔ قال فی البحر: وقصدھم بذالک ان لا یدعی

علمهم الامن زاحمهم عليه بالركب، وليعلم انه لايحصل الابكثرة المراجعة وتتبع عباراتهم والا خذ عن الاشياخ اھ"۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیۃ)

(ترجمہ) فقہا کی عادت ہے کہ جو مسئلہ مقید ہوتا ہے یہ حضرات کبھی اسے قید کے بغیر مطلق بیان کردیتے ہیں۔ بحرالرائق میں ہے کہ ایسا کرنے سے ان حضرات کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو اس کے اہل ہیں وہ سمجھ لیں، اور جو اہل نہیں ہیں پھر بھی اہلیت کا دعوی کرتے ہیں انہیں اپنی اوقات کا پتہ چلے اور یہ جان جائیں کہ مراجعت کی کثرت، فقہا کی عبارات کے تتبع اور اساتذہ کی کفش برداری کے بغیر یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔

جس کی تائید ذیل کی حدیث سے ہوتی ہے:

"واضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر واللؤلوء والذهب رواه ابن ماجه"۔ (مشکوۃ ص ۳۴)

(ترجمہ) نااہلوں کو علم سکھانا خنزیر کو سونے، موتی اور جواہر سے آراستہ کرنے کی طرح ہے۔

یعنی مفتی کو چاہئے کہ وہ فتوی دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی بوالہوس ان کے فتوے کی آڑ میں حسن پرستی کو شعار نہ بنا پائے اور شیوۂ اہل نظر کی آبرو سلامت رہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی صوفیت سے کس جاہل کو انکار ہوسکتا ہے؟ مگر آپ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت حسین بن منصور علیہ الرحمۃ جو کہہ رہے ہیں، غلط نہیں کہہ رہے ہیں! مگر جب فتوی دینے کی باری آئی اور دار الافتا

میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے اس جاننے کے مطابق نہیں، بلکہ غالب احوال کے مطابق ہی دار پہ چڑھانے کا حکم دیا؛ کیوں کہ آپ سمجھ رہے تھے کہ یہ حکم نہیں دیا گیا تو ہر بوالہوس حسن پرستی کو شعار بنالے گا اور شیوۂ اہل نظر کی آبرو سلامت نہیں رہ پائے گی۔

ورنہ کیا کسی حقیقت ناآشنا مفتی سے ان الفاظ میں بھی فتویٰ لکھنے کی توقع کی جاسکتی ہے جن الفاظ میں امام احمد رضا نے لکھے ہیں؟

فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۸۱ تا ۸۳ میں ہے:

"ممکن کہ بعض بندگان خدا جو ظلمات نفس و کدورات شہوت سے یک لخت بری ومنزہ ہو کر فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو گئے کہ لایقولون الا اللہ ولا یسمعون الا اللہ بل لایعلمون الا اللہ بل لیس ھناک الا اللہ۔ ان میں کسی نے بحالت غلبۂ حال، خواہ عین الشریعۃ الکبریٰ تک پہنچ کر از انجا کہ ان کی حرمت لعینہا نہیں وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی۔

بعد وثوق تام واطمینانِ کامل کہ حالاً ومآلاً فتنہ منعدم ، احیاناً اس پر اقدام فرمایا ہو، ولہذا افاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی ردالمحتار میں زیر قول درمختار: ۔۔۔ فرماتے ہیں:

اقول: بلکہ یہاں ایک اور وجہ ادق واعمق ہے۔ صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی : حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رب العزت تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ

الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده ا لتی یبطش
بها و رجله ا لتی یمشی بها۔ اب کہئے کون کہتا اور کون
سنتا ہے؟ آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لا واللہ پیڑ نے نہ
کہا انی انا اللہ رب العلمین

گفتۂ   گفتۂ   اللہ   بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود"

امام غزالی علیہ الرحمہ نے "احیاء العلوم" میں سماع بالمزامیر کو مخصوص حضرات کے
لیے جائز قرار دیا ہے تو امام احمد رضا کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی علیہ الرحمہ نے
تحریر فرمایا ہے:

(صوفیائے کرام) کبھی بہ نظر مصلحت سلوک، قول مرجوح
پر عمل کرتے ہیں مانند سماع کے، کہ ہر چند مشہور مذہب امام
اعظم و امام شافعی و امام مالک و امام سفیان ثوری
میں کراہت ہے، مگر۔۔۔۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
نے ان شرائط وآداب کے ساتھ کہ احیاء العلوم میں مذکور
ہیں، جائز ٹھہرایا۔ شیخ عبد الرحمٰن نے خاص اس باب
میں کتاب لکھی اور کہا: راگ دل کی بات زیادہ
کرتا ہے۔ پس فاسقوں کے حق میں گناہ
اور عارفوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ نظیر اس کی فقہ میں بوسہ
منکوحہ ہے کہ جو صائم (روزہ دار) نفس کو روک سکے اس
کے حق میں جائز اور بدوں اس کے مکروہ
ہے۔ (ہدایۃ البریہ ص ۳۳)

اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اسے مقرر رکھا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ جانشین اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے

فرمایا ہے:

''قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام وناجائز وگناہ ہے۔۔۔۔بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگرچہ وہ لائق التفات نہیں، مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق سے بچادیا ہے جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں'' الخ (فتاویٰ مصطفویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ص ۴۵۶)

امام احمد رضا محض عالم نہیں، بلکہ ''ملک العلما'' ہیں بھی نہیں، بلکہ ''ملک العلما گر'' تھے۔ جن لوگوں کو ''عالم'' کے رموز کلام سمجھنے کی صلاحیت نہیں وہ ''ملک العلما'' بھی نہیں ''ملک العلما گر'' کی تحریروں کے رموز کو بھلا کیا سمجھیں گے۔ ایک مرتبہ حضرت محدث جوزی علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ:

"من الافضل بعد النبی صلی اللہ علیہ و سلم، ابو بکر او علی؟" ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہیں، ابوبکر یا علی؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"من کانت بنته تحته"۔ جن کی بیٹی ان کی نکاح میں تھیں۔

اور بہت سے عالم نما جاہلوں نے سمجھ لیا کہ وہ حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہیں، حالاں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو بیان فرمایا تھا؛ کیوں کہ پہلی ضمیر ''ہ'' کا مرجع لفظ ''من'' ہے، اور دوسری ضمیر ''ہ'' کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات۔ تو معنی یہ ہوئے کہ افضل وہ ہیں جن کی صاحب زادی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ مجھے اس موقع پر امام غزالی یاد آرہے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں بڑی عبرت آموز یہ تمثیلی حکایت

ر پر فرمائی ہے۔ لکھا ہے:

"ایک بار کچھ اندھوں نے کسی سے سن لیا کہ شہر میں ہاتھی آیا ہے تو یہ سمجھ کر کہ جیسے سخت و نرم اور سرد و گرم کو ٹٹول کر پہچان لیتے ہیں ایسے ہی ہاتھی کو بھی ٹٹول کر پہچان لیں گے، دوڑ پڑے اور ہاتھی کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اب کسی کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑ گیا، کسی کا پاؤں پر، کسی کا دانت پر۔ بس خوش ہو گئے کہ ہم نے ہاتھی کو سمجھ لیا۔ اور واپس آکر جو اندھے نہیں جا سکے تھے، ان کو بتانا شروع کیا۔ اب جس کا ہاتھ ہاتھی کے پاؤں پر پڑا تھا اس نے بتایا کہ ہاتھی درخت کے تنے کی طرح ہے، جس کا ہاتھ دانت پر پڑا تھا اس نے کہا کہ ہاتھی پیلر کی طرح ہے، اور جس کا ہاتھ کان پر پڑا تھا اس نے کہا کہ کمبل کی طرح ہے۔ جب کہ پورے ہاتھی کو کسی نے نہیں پہچانا"
(کیمیائے سعادت سے ترجمہ ص ۵۱)

یہی کچھ بیگانوں سے اپنوں تک نے امام احمد رضا کے ساتھ کیا۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
وکم من عائب قولاً صحیحا
وآفتہ من الفہم السقیم

حالاں کہ امام احمد رضا ایک طرف فقاہت میں بالغ رتبۂ اجتہاد پر تھے تو دوسری طرف معرفت و تصوف کے بھی عظیم منصب پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اُن سے حضرت تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی اور بیہقی وقت حضرت محدث سورتی علیہما

الرحمۃ جیسے محدث وفقیہ حضرات اپنے اپنے دار الافتاؤں کے مسائل حل کراتے نظر آتے ہیں، تو وہیں آستانہ غریب نواز اجمیر شریف سے حضرت علامہ سید غلام علی معینی علیہ الرحمۃ والرضوان اور خانقاہ صمدیہ پھپھوند سے حضرت مولانا عزیز الحسن جیسے چشتی بزرگ بھی خلافت واجازت حاصل کرتے اور اپنے ہی پیر خانہ مارہرہ مطہرہ نیز کچھوچھہ مقدسہ وغیرہ کے ارباب تصوف اپنی اپنی خانقاہوں کے معاملات کی گتھیاں سلجھواتے دکھتے ہیں۔

اس لیے میں نے اس مقالہ کو "**مجمع البحرین**" کا عنوان دیا ہے۔ یعنی شریعت وطریقت کے سمندروں کا سنگم، جس سے ایک طرف محدثین وفقہا سیراب ہوتے ہیں تو دوسری طرف صوفیا واتقیا بھی اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ اسی حق وحقیقت حقہ کی ترجمانی کرتے ہوئے مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلی صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا، وہ قطب الاولیا تم ہو
یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

کاش! کوئی مرد میداں ہمت کرے تو امام احمد رضا کی تمام تصانیف خصوصاً صرف "حدائق بخشش" اور "فتاویٰ رضویہ" ہی سے تصوف ومعرفت میں آپ کی مہارت وانفرادیت کے موضوع پر .Ph. D کے لیے ایک بسیط تحقیقی مقالہ معرض وجود میں آسکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ فقیر رضوی ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔



ڈاکٹر واحد نظیر
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

امام احمد رضا بہ حیثیت صوفیِ کامل

دینِ اسلام کے اصول وضوابط مکمل اور دائمی ہیں لیکن اس کی ہیئت ترکیبی میں اجتہاد، ایک ایسا عنصر ہے جو ان اصولوں کو ہر دور میں جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ فکری اور عملی اجتہاد کی یہ صورتیں نعوذ باللہ ترمیم، تنسیخ یا اضافے کا نتیجہ نہیں ہوتیں بلکہ استنباط و انسلاک کے ذریعہ ایسے پہلوؤں کی شناخت کا نتیجہ ہوتی ہیں جو ان دائمی اصول وضوابط میں موجود ہوتی ہیں لیکن ہماری کوتاہ فکری اور کم نظری کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور اس کے اصول طریقۂ عبادات کے ساتھ ساتھ دستورِ حیات کی بھی حیثیت رکھتے ہیں۔

انسانی تہذیب وتمدن کی ارتقائی تاریخ پر غور کریں تو اسلام نے مذہب کے توسط سے اس میں جد وجہد زندگی کے روشن باب کا اضافہ کیا۔ ذات کی پاکیزہ تزئین کو تزئین کائنات اور صالح دنیوی زندگی کو بہتر آخرت کا نہ صرف ذریعہ بلکہ اساس قرار دیا۔ اس طرح بیک وقت رہبانیت اور اجتماعی جذبات کی پس اندازی دونوں ہی غیر مستحسن قرار پائیں۔ یہی سبب ہے کہ ان اصولوں سے انحراف کرنے والے افراد چاہے جیسا بھی سوانگ رچا کر سامنے آئے، ان کی پہچان بہ آسانی ہوتی رہی کیوں کہ وہ اپنی عبادات پر کسی حد تک باطنی اور روحانی تاویلات کی قلعی چڑھا کر دنیا کو فریب میں ڈال سکتے ہیں لیکن حیات کی بے راہ روی ان کے پاکھنڈ کو زیادہ دیر تک ملفوف نہیں رہنے دیتی۔ ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی بے راہ روی جب طشت از بام ہوئی تو شریعت الگ ہے، طریقت الگ ہے،

جو لوگ طریقت میں داخل ہو جاتے ہیں، ان کے لیے شریعت کی ضرورت نہیں رہتی جیسی بے بنیاد تاویلوں سے خود کو برحق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے بزرگوں کی روش مشعل کی طرح روشنی عطا کرتی رہی کہ اسلامی اصول وضوابط کی پابندی اتباع شریعت اور روحِ میں ان کا انجذاب طریقت ہے۔ تمام کی زندگیاں یہی بتاتی ہیں کہ طریقت یا تصوف کوئی جداگانہ راہ نہیں بلکہ شریعت کی انتہائی عملی صورت ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کا زندگی نامہ ان کے ظاہری اور باطنی اوصاف کا ایسا نگار خانہ ہے جہاں ان کے علمی فضل و کمالات اور عملی و روحانی معمولات قرآن و شریعت کے عکسِ جمیل کا اظہار یہ ہیں۔ ظاہر ہے ایک عالمِ دین اور صوفی کامل کا منصبی فریضہ یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مقصد و منشا کی توسیع کو مقصدِ حیات اور ذریعۂ نجات بنائے۔ اس سے قبل کہ اس نقطۂ نظر سے مزید گفتگو کی جائے، یہ جاننا انسب ہوگا کہ اللہ اور رسول کی مرضی کیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیٰتك ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم

(ترجمہ: اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمادے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیٰتنا ویزکیکم

ويعلمكم الكتب والحكمة ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون

(ترجمہ: جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمھیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمھیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمھیں علم نہ تھا۔)

بعثتِ رسول کے انھیں مقاصد کی توسیع و کشادگی علما و صوفیا کا مقصدِ حیات ہے۔ ان آیاتِ کریمہ میں چار ایسے مقاصد کا ذکر ہے جو تعلیم و تعلّم اور ریاضت و عبادت یعنی وہ جملہ امور جو انسان کے ظاہر و باطن کی تہذیب کا ذریعہ ہیں اور جن پر دنیا و آخرت کی کامرانی کا انحصار ہے۔ آیات کی تلاوت، قرآن کریم کی تعلیم، حکمت و دانائی کی تعلیم اور پاکیزہ بنانے کا عمل۔ یعنی صرف پڑھنا اور قرآن و حکمت کی تعلیم حاصل کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس علم کو زندگی میں نافذ کرنے کی عملی تربیت بھی ضروری ہے۔ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ، صحابہ نے تابعین اور تابعین نے تبع تابعین کی تربیت فرمائی۔ باطنی اخلاق کی یہی زینت احسان یا تصوف ہے اور تربیت کے اسی مرحلے کو ہم طریقت سے تعبیر کرتے ہیں۔

گویا قرآن کی تلاوت، قرآن کی تعلیم، حکمت و دانائی کی تعلیم اور تزکیہ وہ عوامل ہیں جو صرف یہ کہ منشائے الٰہی اور بعثتِ رسول کا مقصد ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان افراد کے مراتب کی تعیین بھی کر دیتے ہیں جو ان کے نفاذ اور قیام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ قرآن کی تلاوت اور تعلیم خالص ظاہری عوامل ہیں، جن کی حیثیت حصولِ فیوض و برکات کے علاوہ اس روشنی کی بھی ہے جو بعد کے سفر یعنی حکمت اور تزکیہ کے مراحل میں گمرہی سے بچاتی ہے۔ حکمت کی حیثیت تعلیم اور تزکیہ یعنی ظاہر سے باطن کے سفر میں گزیر کی ہے۔ ایسے افراد جو قرآنی علوم میں ماہر اور ایک حد تک حکمت و تدبر سے بھی آراستہ ہوتے ہیں لیکن تزکیہ کے لیے لازمی ریاضت و مشقت میں خود کو نہیں ڈھال پاتے وہ اپنے وقت کے محقق، مفکر اور عالم ہو سکتے ہیں لیکن صوفی نہیں ہو سکتے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی زندگی اور کارناموں پر توجہ دیں تو مذکورہ چاروں مقاصد یعنی آیت کی تلاوت قرآن کی تعلیم، حکمت وتدبر کی تعلیم اور تزکیہ ہر مرحلے میں سرخروئی ان کا حصہ رہی۔ علم قرآن، علم حدیث، فقہ حنفی، کتب فقہ، جملہ مذاہب، اصول فقہ، علم تفسیر، علم العقائد والکلام، علم نحو، علم صرف، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم منطق، علم مناظرہ، علم فلسفہ، علم تکسیر، علم ہیئت، علم حساب اور علم ہندسہ جیسے ۵۵ علوم وفنون کی تحصیل اور ان سے متعلق تقریباً ایک ہزار کتابیں، مذکورہ چاروں مقاصد کی تبلیغ وتوسیع کے مختلف علمی اور عملی پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صرف بائیس سال کی عمر میں اپنے والد گرامی مولانا نقی علی خان کے ہمراہ بیعت کے لیے سیدنا شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں تو نہ صرف بیعت سے سرفراز کیے جاتے ہیں بلکہ اسی وقت خلافت سے نواز کر یہ تصدیق بھی فرمادیتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت صرف علم وفن اور حکمت وتدبر میں کمال نہیں رکھتے ریاضت ومجاہدے کی بدولت تزکیہ کی دولت سے بھی مالا مال ہیں اور مرشد سے روحانی اتصال کے ساتھ ہی ان تمام اوصاف سے متصف ہو گئے ہیں جو خلافت کے لیے ضروری ہیں۔ سیدنا شاہ آلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اب ہمارے خانوادے کے بزرگوں کی جو بھی کتاب شائع ہوگی وہ ان کی یعنی اعلیٰ حضرت کی نظروں سے گزرنے کے بعد ہی شائع ہوگی۔ مرشد کامل کا یہ جملہ دراصل یہ اعلان تھا کہ اعلیٰ حضرت کو اس مقام ومرتبے پر فائز کردیا گیا ہے جو علوم ظاہر اور باطن سے سرفرازی کے بعد کسی کے حصے میں آتا ہے۔

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد منیری نے ،خوانِ پر نعمت، میں لکھا ہے کہ صوفیا کے لیے اتباع شریعت کے ساتھ علم بھی لازمی ہے۔ بغیر علم کے سالک کو تصوف کے راستے میں قدم نہیں رکھنا چاہیے۔ علم کے بغیر وہ یا تو کافر ہو جاتا ہے یا پھر مجنوں۔ البتہ بعض اولیا جاہل گزرے ہیں لیکن یہ خاص فیضانِ رحمت کی بات ہے۔ اب یہ بات اور واضح

ہوجاتی ہے کہ سیدنا آلِ رسول علیہ الرحمہ نے خلافت اور اہلِ خانوادہ کی تصانیف پر نظرِ ثانی
کی اجازت سے نواز کر دراصل اعلیٰ حضرت کی آئندہ زندگی کے لائحہ کا تعین کیا تھا۔ دنیا
نے دیکھا بھی کہ اعلیٰ حضرت اپنے پیر و مرشد کے قائم کردہ خطوط پر تادمِ واپسیں گامزن
رہے اور علومِ شرعیہ کی تحریری و تقریری نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ باطنی رشد و ہدایت کا
فریضہ انجام دیتے رہے۔

میں اپنی گفتگو کا اختتام حضرت مخدوم الملک کے مکتوب بست و ششم کے اس اقتباس
پر کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہوں گا۔ وہ لکھتے ہیں:

'جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہیں ہوگا، اس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز سمجھے، وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر۔ ظاہر بے باطن نفاق ہے اور باطن بے ظاہر زندقہ ہے اور ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے۔'

اس مختصر سے اقتباس میں وہ تمام بنیادی خصائص مذکور ہو گئے ہیں جو کسی شخص پر صوفی
کامل کے انطباق کا لازمہ ہیں۔ اس اقتباس میں تین طرح کے لوگوں کی نہ صرف شناخت بتائی
گئی ہے بلکہ یہ حکم بھی لگایا گیا ہے کہ کون کس زمرے میں آتا ہے۔ شریعت سے منحرف
طریقت کو الحاد بھی قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت بھی بھیجی ہے۔ ساتھ ہی ظاہر و باطن
کے تضاد کو نفاق اور زندقہ سے تعبیر کیا ہے۔ ایسی شریعت کو بھی نقص قرار دیا ہے جو بے باطن ہو۔
یعنی شرعی اصول و ضوابط کی پابندی تو ہو رہی ہو لیکن ان کے اثرات سے باطن محروم ہو۔

اب رسالہ مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء سے اعلیٰ حضرت کا یہ اقتباس ملاحظہ
فرمائیں:

"شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے۔ شریعت ہی پر طریقت کا دارو مدار ہے۔ شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ جس حقیقت کو شریعت رد فرما دے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔"

ظاہر ہے اصل کے بغیر فرع اور منبع کے بغیر دریا کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ اقتباسات کے فکری تطابق سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے صوفی کامل ہونے کے اسباب جن بزرگوں کے تتبع کا فیضان ہیں، ان کا علمی اور عملی مرکزہ قرآن وسنت ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی عظمتوں اور مساعیِ جمیلہ کی افادیت کے نشانات کی تلاش ان کے رسائل وکتب، اخلاق وکردار اور اذکار واشغال میں کرنی چاہیے، جن کے ذریعہ انھوں نے قلوبِ انسانی میں اسلام کی شمع روشن کرنے، ویرانوں کو لالہ زار بنانے اور ظاہر کو باطن سے ہم آہنگ کرنے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔



مولانا سید اقبال احمد حسنی برکاتی علیہ الرحمہ (ایم اے)
محرک: اعلیٰ حضرت صدی تقریبات
بانی و ناظم اعلیٰ: جامعہ برکات منصور، پیر منصور، گیا (بہار)

اتباع سنت اور امام احمد رضا

اتباع کی لفظی تحقیق: عربی زبان میں "اتباع" کسی شخص کے پیچھے پیچھے چلنا، کو کہتے ہیں۔ ابن منظور کی شہرۂ آفاق لغت "لسان العرب" میں اس کی یوں طور تحقیق ہے۔

"قال الفراء الاتباع ان یسیر الرجل وانت تسیر وراءہ واذا قلت اتبعتہ فکانک قفوتہ۔" (فصل الثاء من باب الحین، بحوالہ مقالات ازہری)

اور اسی ضمن میں "الاحکام فی اصول الاحکام" کے حوالے سے امام ابو الحسن آمدی کی اصطلاح تشریح اتباع کو یوں بیان کیا ہے۔

"واما المتابعۃ وقد تکون فی القول وقد تکون فی الفعل والترک، فاتباع القول ہو امتثالہ علی الوجہ الذی اقتضاہ القول، والاتباع فی الفعل ہو التاسی بعینہ والتاسی ان تفعل مثل فعلہ علی وجہہ من اجلہ۔"

ترجمہ: متابعت کبھی کسی کے قول کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کے فعل و ترک کی، کسی کے قول کے اتباع کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے متبوع کی اس طرح فرمانبرداری کی جائے جس طرح اس کے قول کا تقاضا ہو اور کسی کے فعل کے اتباع کا معنی یہ ہے کہ اس کے فعل کو اس طرح کیا جائے، جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۸۷)

قربان جاؤں اس فکر رقم کے جس نے اتنا حسین اور واضح معنی اتباع قرطاس و قلم کے حوالے کیا کہ:

قرآنی فرمان: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی، الخ (آل عمران) کی روشنی میں اتباع رسول کے معنی واضح اور روشن ہو جاتے ہیں، وہ اس طرح کہ آقائے کریم ﷺ کا

اتباع اس طرح کیا جائے کہ منشائے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو جائے اور اس لئے کیا جائے
کہ وجہ وجود کائنات آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا ہے۔
مگر اس حوالے سے جب قرآن کریم کا ہم مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ لفظ "اتباع" کتنا
"اطاعت" متعدد مقامات پر مذکور ہے، مثلاً

۱۔ "قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ۔۔۔۔ الی الکافرین"

۲۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (پ ۵، ع ۸ نساء)

۳۔ "تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ ۔۔۔ الی الفوز العظیم۔"

۴۔ "من یطع اللہ والرسول فاولٰئک ۔۔۔۔ الی رفیقا" (پ ۵ نساء)

جس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اتباع کے معنیٰ سے مماثل معنیٰ کم وبیش "اطاعت" کا ہے۔
چنانچہ لسان العرب کے مطابق اطاعت کا یہ معنیٰ مذکور ہے۔ کہ:
ترجمہ: تہذیب میں ہے کہ طاع یطوع مجرد، کا معنی ہے کسی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔"
اطاعت کا اصطلاحی معنیٰ امام ابوالحسن الآمدی نے یہ تحریر کیا ہے۔
"ومن الی بمثل فعل فعل الغیر علی قصد اعظامہ فھو مطیع لہ۔"
ترجمہ: جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص فلاں کا مطیع ہے۔ (بحوالہ مذکورہ)
ایسے لغات متداولہ میں اطاعت کے معانی یوں بیان کئے گئے ہیں۔ اطاعت، تابعداری، بندگی، فرمانبرداری، چاکری وغیرہ (فرہنگ آصفیہ جلد ا، صفحہ ۱۸۵ اور لغات کشوری کے صفحہ ۴۲ پر اطاعت کا معنی ہے۔ تابعداری کرنا، حکم ماننا وغیرہ۔
اب ذرا "سنت" کا معنی بھی پیش نظر رکھا جائے۔
سنت:۔ راہ، روش، عادت، دستور، رسم، وہ طریقہ جس پر پیغمبر خدا اور صحابہ خلفائے عمل کیا ہو۔ (فرہنگ آصفیہ جلد دوم، صفحہ ۱۱۹۰)
سنت:۔ خصلت، طریقہ، طبیعت، شریعت (مصباح اللغات)
اتباع سنت اور اطاعت رسول کے متعلق عہد صحابہ واسلاف کا نظریہ وعمل: علامہ قاضی

عیاض فرماتے ہیں:

"حسن ابن حسن نے فرمایا ہے کہ سنت پر قلیل عمل اس کثیر عمل سے بہتر ہے جو بدعت پر عمل کر کے کیا جائے۔ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ اہل علم حضرات سے یہ بات منقول ہے کہ الاعتصام بالسنۃ نجاۃ۔ سنت نبوی پر عمل کرنا ہی فلاح ونجات کا سبب ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ذوالحلیفہ (میقات) میں دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت نماز اتباع سنت نبوی میں ادا کی ہے۔ میں نے حضور ﷺ کو نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نہ تو نبی ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے لیکن میں حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل کرتا ہوں۔ اسی طرح حضرت مولائے کائنات نے حج قران کا احرام باندھا تو حضرت عثمان غنی نے فرمایا: میں اس سے لوگوں کو منع کرتا ہوں اور آپ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ حضرت علی نے جواب دیا میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں کسی کے کہنے سے سنت رسول ترک کر دوں۔"

حضرت قاضی عیاض نے مذہب کے تین اصول بتائے ہیں جن میں سے ایک اخلاق وافعال میں نبی کریم ﷺ کا اتباع بھی ہے۔ اسی موقع پر قاضی صاحب نے قرآن پاک کے اس جز کی حسین تفسیر پیش فرمائی ہے۔ جو بائیسویں پارے کے دوسرے رکوع کے "والعمل الصالح یرفعہ" کے تحت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس کلام الٰہی کے معنیٰ کے سلسلے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی مراد ہے۔

[(شفا شریف ج ۲، ص ۵۲۔ ۵۰)]

کتب تصوف میں اپنا بنیادی مقام رکھنے والی کتاب "نفحات الانس" میں حضرت علامہ عبد الرحمن جامی نے حضرت ابو حفص حداد کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا شمار طبقہ اولیٰ کے مشائخ میں کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو حفص حداد کے حوالے سے علامہ جامی فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"جو شخص ہر وقت اپنے اقوال وافعال کو کتاب وسنت کی میزان پر نہ تولے اور اپنے دل کو ان کی طرف متوجہ نہیں کرے اس کو ہم مردوں میں شمار نہیں کرتے (یعنی وہ مرد راہ طریقت نہیں

ہے۔) پھر فرماتے ہیں "الفتوۃ اداء الانصاف وترک مطالبۃ الانتصاف" مردانگی یہ ہے کہ انصاف کیا جائے اور طلب انصاف ترک کیا جائے۔" (نفحات الانس مترجم صفحہ ۲۱۵) اس نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی زیدت فیوضھم نے اپنی کتاب "سیرت مصطفیٰ" میں فرمایا ہے:

"واضح رہے کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے تو بہت لوگ ہیں، مگر یاد رکھئے کہ اس کی چند نشانیاں ہیں:

۱۔ آپ کے اقوال و افعال کی پیروی، آپ کی سنتوں پر عمل، آپ کے اوامر و نواہی کی فرماں برداری، غرض شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عامل ہوا۔

۲۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں یعنی بد دینوں، بدمذہبوں سے دشمنی رکھنا۔

۳۔ دنیا سے بے رغبتی اور فقیری مالداری سے بہتر سمجھنا۔" (سیرت مصطفیٰ، صفحہ ۶۲۷)

مندرجہ بالا تمام تعریفات و توضیحات و مقولات و فرمودات کی روشنی میں زیر عنوان شخصیت یعنی امام اہلسنت، قاطع شرک و بدعت، فاتح کشور کشائے ملک علم و حکمت، شارح معانی و دقائق قرآن و سنت، برج تابان قصر مجددیت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی حیات درخشندہ کے صفات محمودہ، اخلاق عالیہ، عادات مستحسنہ کے چند نقوش اور آپ کی زندگی کے اطاعت آشنا اور اتباع سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں سے منور گوشہ ہائے پر تنویر کو زیر تحریر لانے اور مجمع البحرین شریعت و طریقت، شخصیت کی حیات عالمانہ و صوفیانہ کے چند گوشے اتباع سنت نبوی کے حوالے سے پیش کرنے کی سعادت، ہجوم کار اور اژدہام افکار میں راقم حاصل کرنا چاہتا ہے۔

یہاں یہ بات بہر حال واضح ہے کہ فرش گیتی پر کوئی کارآمد شخصیت اچانک نمودار نہیں ہوتی ہے۔ قرنوں اور صدیوں کا توارث و تواتر ایسے افراد کے وجود کا موجب ہوتا ہے۔ چند سطروں کا مطالعہ اس شخصیت سے ربط و ارتباط کیلئے چنداں گراں بار خاطر نہیں ہونا چاہیے۔

ہر قرن و ہر زمانے میں قدرت الٰہیہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے عظیم المرتبت انبیاء و رسل کی بعثت فرمائی تا آنکہ منبع جود و عنایت، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کا عہد زریں سریر آرائے سلطنت خداوندی ہوا اور انسانیت کو عشق و عرفان، توحید رب رحمن، بلکہ

خلق عظیم اور کشتگان خنجر ظالمان کو آب حیات عطا فرمانے نبی ختمی مرتبت سراپا رحمت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود مسعود فرش گیتی پر بہ رشک بقعۂ نور تشریف فرما ہوا۔

حسب قانون قدرت سرکار کائنات ﷺ کے ظاہری عالم رنگ و بو سے خظیرۂ قدس میں تشریف لیجانے کے بعد، عالی مرتبت رسول گرامی منزلت کے تربیت یافتگان کی جماعت عالیہ نے آپ کے ارشادات، فرمودات، سیرت و اخلاقیات، حسن معاملات شوق و وارفتگی عبادات اور حسنات و برکات سے معمور زندگی کے جملہ گوشہ ھائے حیات کو جذب کر کے قیامت تک آنے والی نسلوں کے درمیان پیش کرنے کا گرانقدر کارنامہ انجام دیا۔ یہ سلسلہ صدیوں سے تاہنوز جاری ہے اور تا تمکین بارگاہ رسالت اور ان کے غلاموں کے ذریعہ وقت موعود تک جاری رہے گا۔ عہد نبوت کے بعد صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، صلحائے دین متین، علمائے راسخین، صوفیائے خاشعین اور مجددین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اس زر تاب جماعت نے دنیائے اسلام اور انسانی معاشرے کی اصلاح و تربیت، باطنی تصفیہ قلوب اور زندگی کے ہر گام پر اس کے صلاح و فلاح کا کام جاری رکھا ہے، گم گشتگان منزل کو صراط مستقیم کا چراغ تاباں عطا کرنے نفوس قدسیہ کی ہی وہ جماعت ہے جس نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق ہر رو میں علمی، فقہی، تجدیدی، قلمی، روحانی، پاکیزہ نفسی، عشق خداوندی اور اتباع سنت نبوی کی قندیلوں سے معاشرے کے ظلمت آشام قلوب کی تطہیر و تنویر کا کارنامہ انجام دیا ہے اور دیتی رہے گی۔

ہدایت و رہنمائی کی ان بیشمار قندیلوں میں ہندوستان جنت نشان کا وہ خاندان عظیم الشان بھی ہے جسے قدرت نے "پیشۂ آباء سپہ گری" سے اپنی عنایت خاص کے ذریعہ نکال کر علم و آگہی، عرفان خداوندی، ترسیل احکام نبوی، عشق رسالت محمدی اور تنفیذ قوانین شرعی کا علم بردار بنادیا۔ جس کے علم و حکمت، تدبر و تعقل، تحقیق و تدقیق، تقریر و تحریر، رد مبتدعین، اتباع سنت رسول مبین اور عشق رسالت کی پاسداری و دلنشیں کا پھریرا تقریباً دو سو برسوں سے بلا فصل، فصیل کشور علوم و معرفت پر لہرا رہا ہے۔ اسی خاندان عظمت نشان کے مجدد و محقق، مدبر و مفسر، اعلم علمائے زماں، چراغ دوراں امام العلماء مولانا رضا علی خان ابن امام العقل و سلطان خرد مولانا نقی علی خان اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی قدس سرہم کی بارگاہ میں علماء نے اپنے منتہائے علم کی سپر، قلم کاروں نے اپنا قلم، دانشوران محققین نے اپنی عقل و دانش بطور خراج و پیش کردیا۔ تطویل سے بہر حال اجتناب مقصود

سے اتباع رسالت اور اطاعت فرامین نبوت کی بھی نہریں نکلتی ہیں معاملہ عبادات کا ہو یا حسن معاملات کا، موالات فقراء و مساکین کی ا صدقات خفیہ اور مبرات جلیہ کی، سخاوت و شجاعت اور ملو رجت کی جہتیں ہوں یا صبر و استقامت اور عفو درگذر کی، حق گوئی و بیبا کی ہو یا ملکی معاملات ہو ریاست مدینہ اسلامی ہو، گستاخان بارگاہ رسالت کے تعاقبات کا معاملہ ہو یا حل مشکلات کا یہ بھی صفات عالیہ اتباع رسول مدنی سرکار اور محبت محبوب پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار ہی سے مستنیر ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے جب ہم بارگاہ امام احمد رضا میں حاضر ہوتے ہیں تو بیک وقت علم وعرفان کی روشن فضائے بسیط بھی نظر آتی ہے اصفیائے خاشعین کے تزکیہ وحسان، حسن مجاہدات، خوش خلقی و پاکیزہ نفسی اور حقوق اللہ کے ساتھ ہی حقوق العباد کی ادائیگی کے ستاروں کی کہکشاں بھی نظر آتی ہے۔ فرداً جملہ متذکر ہ صفات پر گفتگو ظاہر ہے تفصیل طلب ہے اس لیے اتباع سنت کریمہ کے چند نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حقوق اللہ کی ادائیگی میں متابعت سنت: معاملات عبادت میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے سنت کریمہ کی جس طرح پاسداری کی ہے، وہ دیدنی ہے۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> "اعلیٰ حضرت نے ایک شخص (عالم صاحب) کو بوقت فجر وضو کرتے دیکھا، انہوں نے بھووں سے چہرہ پر پانی ڈالا، اعلیٰ حضرت نے ٹوکا، جواب ملا، جلدی کی وجہ سے وقت نہ جائے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا تو بلا وضو ہی پڑھے گا؟ ظہر کے وقت دیکھا اس وقت بھی انہوں نے ایسا ہی کیا، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا! اب تو وقت نہ جاتا تھا۔ فرماتے ہیں آج کل عام طور پر لوگوں کی یہی عادت ہے۔"
>
> [حیات اعلیٰ حضرت، صفحہ ۲۸ ج ۱]

وضو میں مسح راس نص قرآنی سے ثابت ہے اس کے خلاف عمل بے عمل کہلائیگا۔ اعلیٰ حضرت نے سنت رسول مدنی علیہ السلام وسنت خلفاء راشدین وصحابہ اکرمین وتابعین وائمہ مجتہدین واسلاف معظمین کے مطابق عمل فرمایا اور اپنے متبعین کو اسی کے مطابق حکم دیا۔ یہ مسئلہ اجماع امت سے ثابت اور اس پر عمل متوارث ہے جب کہ غیر مقلدین کے رہنما نواب صدیق حسن بھوپالی نے "فتح المغیث" کے صفحہ ۶ پر لکھا ہے۔ "کافی ہے مسح کرنا پگڑیوں پر" اب اس پر امام

اتباعِ رسالت اور اطاعت فرامینِ نبوت کی سبھی نہریں نکلتی ہیں معاملہ عبادات کا ہو یا حسن معاملات کا، موالات فقراء و مساکین کی اصدقات خفیہ اور مبرات جلیہ کی، سخاوت و شجاعت اور مروت کی جہتیں ہوں یا صبر و استقامت اور عفو درگذر کی، حق گوئی و بیباکی کی ہو یا ملکی معاملات و ریاست مدینہ اسلامی ہو، گستاخان بارگاہ رسالت کے تعاقبات کا معاملہ ہو یا حل مشکلات کا یہ تمام صفات عالیہ اتباع رسول مدنی سرکار اور محبت محبوب پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار ہی سے مستنیر ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے جب ہم بارگاہ امام احمد رضا میں حاضر ہوتے ہیں تو بیک وقت علم و عرفان کی روشن قضائے بسیط بھی نظر آتی ہے اصفیائے خاشعین کے تزکیہ وحسان، حسن مجاہدات، خوش خلقی و پاکیزہ نفسی اور حقوق اللہ کے ساتھ ہی حقوق العباد کی ادائیگی کے ستاروں کی کہکشاں بھی نظر آتی ہے۔ فرداً جملۃً چند کر وصفات پر گفتگو ظاہر ہے تفصیل طلب ہے اس لیے اتباع سنت کریمہ کے چند نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حقوق اللہ کی ادائیگی میں متابعت سنت: معاملات عبادت میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے سنت کریمہ کی جس طرح پاسداری کی ہے، وہ دیدنی ہے۔ ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> ''اعلیٰ حضرت نے ایک شخص (عالم صاحب) کو بوقت فجر وضو کرتے دیکھا، انہوں نے بھوؤں سے چہرہ پر پانی ڈالا، اعلیٰ حضرت نے ٹوکا، جواب ملا، جلدی کی وجہ سے وقت نہ جائے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا تو بلا وضو ہی پڑھے گا؟ ظہر کے وقت دیکھا اس وقت بھی انہوں نے ایسا ہی کیا، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا! اب تو وقت نہ جاتا تھا۔ فرماتے ہیں آج کل عام طور پر لوگوں کی یہی عادت ہے۔''
>
> [حیات اعلیٰ حضرت، صفحہ ۲۸ ج ۱]

وضو میں مسح راس نص قرآنی سے ثابت ہے اس کے خلاف عمل بے عمل کہلائیگا۔ اعلیٰ حضرت نے سنت رسول مدنی علیہ السلام و سنت خلفاء راشدین و صحابۂ اکرمین و تابعین و ائمہ مجتہدین و اسلاف معظمین کے مطابق عمل فرمایا اور اپنے متبعین کو اسی کے مطابق حکم دیا۔ یہ مسئلہ اجماع امت سے ثابت اور اس پر عمل متوارث ہے جب کہ غیر مقلدین کے رہنما نواب صدیق حسن بھوپالی نے ''فتح المغیث'' کے صفحہ ۶ پر لکھا ہے۔ ''کافی ہے مسح کرنا پگڑیوں پر'' اب اس پر امام

احمد رضا کا حسن تبصرہ ملاحظہ ہو۔ ''یعنی وضو میں سر کا مسح نہ کیجئے پگڑی پر ہاتھ پھیر لیجئے وضو ہوگیا اگرچہ قرآن عظیم فرمایا کرے ''وامسحوا برؤسکم'' اپنے سروں کا مسح کرو۔ (النھی الاکید عن الصلوٰۃ وراء التقلید بحوالہ حیات اعلیٰ حضرت ج ۳)

حیات اعلیٰحضرت میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے وضو کرنے کا مسنون طریقہ دریافت کیا اعلیٰ حضرت نے بالتفصیل وضو کے جملہ فرائض وسنن کو بیان فرمایا اور نویں نمبر پر آپ نے فرمایا۔

''پھر سر کے بال کا مسح کرے، چہارم سر کا مسح کرنا فرض ہے اور پورے سر کا سنت ہے۔''

نماز: یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ نماز حضور کریم علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک، مومن کی معراج کا یہ جنت اور توشۂ آخرت ہے۔ آقائے کریم کی نمازوں کی کثرت کے سبب قدم ہائے مبارک متورم ہو جاتے، صحابہ عرض گزار ہوتے۔ اسقدر تکلیف کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ آقا ارشاد فرماتے ''افلا اکون عبدا شکورا'' کیا میں کامل شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور جملہ اصفیائے متقدمین ومتاخرین سختی سے اس فریضے اور سنت وادائے رسول کی ادائیگی فرماتے رہے۔ امام اہلسنت نے آقائے کریم کی اس ادائے عظیم کی ادائیگی بلکہ باجماعت ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں فرمائی۔ حضرت قدس سرہٗ نے مولانا عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ:

''ڈھائی سال سے گرچہ امراض درد کمر ومثانہ وسر وغیرہا امراض کا لازم ہو گئے ہیں، قیام وقعود رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت فرمائی ہے۔ کثرت اعدا روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل نامتناہی شامل حال ہے۔''

[اکرام امام احمد رضا بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص ۷۳]

نمازوں کا باجماعت التزام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ومشہور ہے اور اس سنت کریمہ پر عمل صحابہ سے لے کر آج تک مستمر ہے۔ اعلیٰ حضرت نے نمازوں کو باجماعت ادا کرنے پر مداومت برتی جو بجائے خود اتباع سنت کا ایک نمونہ ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی شیخ الجامعہ اشرفیہ عربی یونیورسٹی، مبارکپور اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور تصوف'' میں اعلیٰ حضرت کی باجماعت نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں:

"۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے۔ مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے۔ مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے۔ جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔"

پھر علامہ احمد مصباحی حضور حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز مرآدبادی کی روایت سے تحریر فرماتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ میں نے "جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور" کے حاشیہ میں یہ روایت تحریر کیا ہے:

"ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا جماعت کا وقت ہوگیا، طبیعت پریشان ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور نماز باجماعت ادا کی۔" (امام احمد رضا اور تصوف ص ۵۶)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے سوانح نگار ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں کہ:

اولاً تو اعلیٰ حضرت کے بموجب سفر سے آپ کو کوفت ہوتی تھی۔ یا شدید ضرورت دینی سفر فرماتے تو بہ قواعد علم ہیئت ان جگہوں کا طول و عرض معلوم کر کے اوقات صلوٰۃ نکالتے، تاکہ سب نمازیں باجماعت ذھاباً و ایاباً ادا ہو سکیں۔ آخری حج و زیارت کے سفر ۱۳۲۳ھ کے موقع پر صرف باجماعت نماز کی ادائیگی کے پیش نظر بریلی سے ممبئی تک سکنڈ کلاس کا ایک پورا ڈبہ دو سو چھتیس روپے تیرہ آنے میں ریزرو کرا لیا تاکہ نمازیں باجماعت اور بروقت ادا کی جا سکیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۲، ص ص ۲۸۶)

علاوہ ازیں اہل تصوف کے نزدیک نماز عمل ظاہری اور باطنی کا نام ہے۔ جس کے اسرار و دقائق کو اہل ظاہر نہیں سمجھ سکتے، امام احمد رضا نے نماز کے جملہ رموز و اسرار و لطائف و دقائق پر لطیف بحثیں کی ہیں۔ جس کا اس تحریر میں احاطہ ممکن نہیں اس لیے اب حقوق العباد کے نازک گوشے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔

بالعموم نظارہ چشمہ فلک معاشرہ نے دیکھا ہے کہ بہ کثرت علمائے دین اور بہ قلت عامۃ المومنین حقوق اللہ کی ادائیگی میں شغل کامل رکھتے ہیں اور احکام عبادات پر عمل آوری اور

ریاضیات ظاہری سے اپنی زندگی کو پرنور اور وجہ کشش بنا لیتے ہیں۔ جبکہ اخلاق حسنہ، معاملات و موالات اور حقوق العباد کی معاشرتی ضروریات کے معاملے میں ان کا ضمیر کہیں نہ کہیں خود مطمئن نہیں ہو پاتا ہے۔ یہ ادعائے محض نہیں بلکہ روز مرہ کے تجربات ہیں۔ مگر اس معاملہ میں بریلی کے تاجدار کا رویہ نہ صرف یہ کہ عالم علماء سے مختلف بلکہ ممتاز بھی ہے۔ بلا خوف لومۃ لائم یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ امام احمد رضا کا شمار ان علمائے ربانیین اور حاملان شریعت مبین میں ہوتا ہے جو جملہ عبارات و معاملات میں تمام تر شرعی نزاکتوں اور منشائے الٰہی اور مقصودات اقوال و افعال نبوی کی متابعت میں اپنا ظاہر و باطن یکساں کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی حضرات قدسی صفات کی کتاب زندگی کا ہر ورق روشن اور ہر عمل نسلوں کے لیے مشعل راہ اور شب حیات کا ستارہ قطب نما بن جاتا ہے۔

حقوق العباد میں اتباع سنت: اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے حقوق العباد کے تعلق سے ایک رسالہ "اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد" حقوق العباد کی ادائیگی میں سب سے پہلا درجہ والدین، پھر اہل خانہ پھر الاقرب فالاقرب والا معاملہ ہے۔ حسن خلق اصفیاء کے نزدیک حقوق العباد سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نے "کشف المحجوب" میں حضرت مرتعش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "التصوف حسن الخلق" نیک خصائل کا نام تصوف ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) یہ کہ حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو بغیر سمعہ و ریا کے ادا کیا جائے۔

(۲) یہ کہ بڑوں کی عزت و تکریم اور چھوٹوں پر شفقت و مہربانی اور برابر والوں سے حق و انصاف پر قائم رہتے ہوئے کسی عوض اور بدلے کا طالب نہ ہو۔

(۳) تیسری قسم اپنی ذات سے متعلق ہے کہ وہ نفس اور شیطان کی متابعت نہ کرے۔ (کشف المحجوب ص ۷۶)

جہاں تک حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی ادائیگی، پاکیزگی نفس کے ساتھ ادا کرنے کا معاملہ ہے۔ امام احمد رضا کی پوری زندگی پاکیزہ نفسی، طہارت قلبی اور خالصاً لوجہ اللہ اعمال سے عبارت تھی۔ اور اپنی ذات سے متعلق بحمدہٖ تعالیٰ نفسانیات اور مکر و کید شیطان سے محفوظ زندگی رب کریم نے ممدوح قدس سرہٗ کو عطا کی تھی۔

حسن خلق کی دوسری قسم کے نظائر ہم امام احمد رضا کی تابندہ حیات میں جب جب پاتے

۱۱۔ امام احمد رضا کا معمول یہ تھا کہ رمضان میں بعد افطار صرف پان کھالیتے اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالے میں پھرنی تناول فرمالیتے۔ زمانہ اعتکاف میں ایک ملازم بچہ دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لایا۔ حضرت نے اسے ایک چپت مار کر فرمایا اتنی دیر میں لایا۔ اس ایک چپت نے پوری شب آپ کو بے قرار رکھا۔ سحری کے وقت بچے کو بلوایا اور معذرت خواہ ہوتے ہوئے فرمایا قصور تمہارا نہیں تھا بھیجنے والے کی تساہلی تھی۔ اب تم میرے سر پر چپت مارو۔ بچہ لرزہ براندام دست بستہ عرض گزار ہوا کہ حضور میں نے معاف کیا، فرمایا تم نابالغ ہو معاف نہیں کر سکتے۔ پھر مٹھی بھر پیسہ دیکھنے کی بات کہہ کر ارشاد فرمایا، پیسے دوں گا چپت مارو، آخر کار خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر بہت ساری چپتیں لگائیں اور پیسے دے کر رخصت کیا۔ یہ وہ منظر تھا جو عہد نبوت میں سرکار ذی وقار صلی اللہ علیہ وسلم میں ظہور پذیر ہوا۔ آقا نے بروایت صحیح بخاری، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ بلند آواز سے منادی کرو کہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔ جب صحابہ جوق در جوق مسجد نبوی میں تشریف لے آتے تو آقائے کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے۔'' وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ الخ (ضیاء النبی ج ۴، ص ۸۰۱)

حاجت روائی میں اتباع سنت: اتباع سنت کا لحاظ کرنے والی جماعت صوفیہ و علماء نے اس معاملے میں بھی رسول گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات عالیہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز نے مکتوبات دو صدی میں نوشتہ مکتوب نمبر ۲۷ میں فرمایا ہے کہ:

''اے بھائی شریعت کا حکم ہے من قضی لاخیہ المسلم حاجۃ قضی اللہ لہ سبعین حاجۃ، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ایک حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے۔ (مکتوبات دو صدی صفحہ ۳۰۹)

پھر اسی ضمن میں ایک قدرے طویل حدیث نقل فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''بندۂ مؤمن کے ساتھ اخلاق کریمانہ اور امداد مومنانہ کرنے والے کو رب قدیر بروز قیامت ہزار خطائیں عطا فرمائیگا، ہزار ضرورتیں پوری فرمائے گا، عذاب قبر سے نجات، پل صراط کے خدشے اور قیامت کے خدشے اور سختیوں سے رہائی مل جائے گی۔ یہ دولت نفل نمازوں اور روزوں میں کہاں؟ درج بالا معیار

پر امام احمد رضا کی زندگی کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی زندگی اخلاق کریمانہ اور مومنانہ اور حاجت روائی مخلوقات کے لیے بے نظیر ہے۔

آپ کی سیرت نگار لکھتے ہیں:

ایک سید صاحب کی آواز کانوں میں پڑی "دلواؤ سید کو" اسی دن اخراجات کی رقمیں مولانا حسن رضا خاں نے لاکر دی تھیں۔ پورا بکس لے جاکر پیش کر دیا جس میں ہر قسم کے چھوٹے بڑے نوٹ، اٹھنیاں چونیاں دو سو کے قریب تھیں۔ سید صاحب بہ غور دیکھتے رہے اور صرف ایک چونی لے لی۔ اعلیٰ حضرت نے کہا حضور سب حاضر ہے فرمایا بس اس کے بعد گھر والوں کو تاکید کر دی کہ سید صاحب نظر آئیں، چونی حاضر کر دی جائے انہیں مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

۲۔ غیر منقسم گیا کے علاقہ رفیع گنج (موجودہ ضلع اورنگ آباد بہار) کے میاں بیگہ بستی کے باشندہ اور خانقاہ چشتیہ منعمیہ ابو العلائیہ، رام ساگر۔ گیا کے سابق سجادہ نشیں حضرت سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد منعمی قدس سرہٗ کے ہم زلف حضرت مولانا سید شاہ ابو سلمان محمد عبد المنان قادری قدس سرہٗ ایک بار ملاقات اور کچھ مسائل حل کرنے کے لیے آئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ:

"اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے تو آپ نے جملہ شکوک چند منٹوں میں اس طرح رفع کر دیے کہ گویا شکوک کبھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ پھر اخلاق کریمانہ کا یہ عالم کہ آپ کی عزت افزائی اور اخلاق کریمانہ نے دو دن مجھے روک رکھا۔ ان دنوں میں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل کیے۔ رخصت ہوتے وقت کچھ روپے جو الہ آباد کی آمد و رفت میں صرف ہو سکتے تھے بلکہ کچھ زائد ہی مرحمت فرماتے۔ میں نے انکار کیا تو فرمایا یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں۔ انہیں لے لیجیے تو فقیر نے وہ رقم لے لی بعد وصال چند بار عرس میں حاضری ہوئی اس وقت بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا۔"

[حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۶ بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف]

اس واقعہ کی نقل کے بعد حضرت مولانا محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی نے اپنا تبصرہ یوں فرمایا:

''مولانا موصوف خاص خانقاہی بزرگ ہیں ان کے بیان سے اندازہ ہو تاہے کہ تصوف وطریقت میں بھی انہوں نے اعلیٰ حضرت کا پایہ بلند دیکھا۔ ورنہ اہل طریقت صرف اہل ظاہر سے کب متاثر ہوتے ہیں''

ایسے ہی اخلاق کریمانہ رضا کے متعلق علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنی تصنیف کے صفحہ ۶۲ پر فرمایا کہ:

''ایک عینی مشاہدہ، مولانا سید شاہ ابو سلمان محمد عبد المنان قادری۔۔۔۔۔ نے یہ تحریری بیان دیا کہ:

اعلیٰ حضرت اخلاق نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے تمام وکمال تحریر یہ ثابت کردیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں، وہ کم ہیں۔۔۔'' (ایضاً)

حضرت ملک العلماء ظفر الدین بہاری نے اعلیٰ حضرت کی علم الاخلاق کے حوالے سے دو کتب کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۱) شرح الحقوق لطرح العقوق

(۲) مشعلۃ الارشاد الی حقوق الاولاد۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۴، ص ۶۸)

حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ مرید وخلیفہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی۔ زبردست مبلغ اسلام تھے، عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ جارج برناڈ شا عالمی مفکر ہونے کے باوصف متاثر کیا اور اسے دعوت اسلام بھی دی۔ پچاس ہزار سے زائد بندگان خدا آپ کے ذریعہ دامن اسلام میں آئے، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہار نے حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ میں مبلغ اسلام کے حوالے سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ غربا پروری اور امداد احباء کے واقعات نقل کئے ہیں۔ چند میں سے بہ طور نمونہ عرض ہے۔

حضرت مولانا موصوف کا بیان ہے:

''کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ جاتا اس کے علاوہ بیوگان کی امداد ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداری کے تو کلا علی اللہ مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی نہ تھی بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ

فرمایا کرتے تھے۔ ایک صاحب کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں پچاس روپے روانہ کرتے تھے۔ اتفاق وقت کہ حضور کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ حضرت نے بارگاہ رسالت میں رجوع کیا کہ سرکار میں نے کچھ بندان خدا کے مہینے حضور کے بھروسے پر اپنے ذمہ مقرر کر لئے ہیں۔ اگر کل پچاس روپے کا منی آرڈر جہازی ڈاک سے روانہ ہو جائے تو بروقت پہنچ جائے گا ورنہ تاخیر ہو جائیگی۔ یہ رات حضور کی اسی کرب و بے چینی میں گزری۔ علی الصباح ایک سیٹھ صاحب نے حاضر آستانہ ہو کر مبلغ اکاون روپے نذر کئے۔ چنانچہ اس وقت منی آرڈر نام بھرا گیا اور ڈاکخانہ کھلتے ہی روانہ کر دیا گیا۔"

[ملخصا حیات اعلیٰ حضرت۔ ص۱۱۹۔۱۱۸]

خدمت خلق اور حقوق العباد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے والے پاک نفوس کا یہ طریقہ رہا ہے۔ کہ اس قدر التزام و انصرام کے باوجود ان کی طبیعتیں مطمئن نہیں ہو پاتی ہیں کہ میں نے کچھ حقوق ادا نہیں کئے اس لیے یہ حضرات محاسبہ نفس کی منزلوں سے گزر کر نا کردہ غلطیوں کی بھی معافی کے خواستگار ہو جاتے ہیں۔

"جہان رضا" لاہور میں شائع شدہ مولانا جعفر شاہ پھلواری، مرتبہ مرید احمد چشتی کے مضمون میں درج ہے کہ وقت وصال سے چند ایام قبل کا یہ چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی نے نقل کیا ہے۔

"نماز جمعہ کے بعد اپنے ضعف و مرض کی حالت میں درد و اثر میں بھری ہوئی آوازیں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے: میری طرف سے تمام اہل سنت مسلمانوں کو سلام پہنچا دو اور میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اس سے بڑی عاجزی سے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے خدا کے لیے معاف کر دو یا مجھ سے کوئی بدلے لے لو۔" (امام احمد رضا اور تصوف)

اتباع سنت کا یہ رقت انگیز منظر ہے جو خاص صاحب تصوف اور خاصان خدا کے نصیبوں کا حصہ ہے۔

حصول علم اور ترسیل علم میں اتباع سنت: اصفیائے صادقین، علمائے ربانیین اور خاصان

بارگاہ رب العالمین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے پیغام علم وحکمت کو اپنے سینوں میں جگہ دی اور اس کی ترسیل وابلاغ کے لیے تازندگی کوشاں رہے۔ ان پاک طینت حضرات گرامی پر یہ خصوصی فضل خداوندی رہا کہ جو باضابطہ علوم درسگاہی سے بظاہر بہرہ ور نہ ہوسکے انہیں مبدا فیض نے علم لدنی، بہ طریقہ اویسی سرفراز فرمایا، ایسے صدہا واقعات کتب تصوف میں بکھرے ہوئے ہیں۔

دراصل ابلاغ وترسیل علم آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ایک سنت ہے۔ جس پر ہر مدعی تصوف کو ہر طور عملی پیرا دیکھا گیا ہے۔ علم وہ نقطۂ آغاز عظمت انسانیت ہے جس نے حضرت آدم کو مسجود ملائک بنایا اور کرامت وعزت کے تاج زرنگار کا مالک بنادیا۔ علم وحکمت اور دانائی ودرآشنائی کا یہ سلسلہ اس وقت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا جب جہالت کے ماحول میں معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ظہور پذیر ہوا اور "یعلمھم الکتاب والحکمہ" کے تحت تعلیم وتعلم کا مسند نشیں ہوا۔ جو عطائے خداوندی سے عالم ماکان ومایکون ہوکر انسانیت کو آبشار علم وحکمت سے سیراب کرتا "رب زدنی علما" کے نعرے سے جویان چشمہ علم کو نشان راہ دیتا اور "بلغوا عنی ولو آیۃ" کا حکم نافذ کرتا نظر آیا۔

علم وادراک وہ تحفۂ الہیہ ہے جسے رب قدیر نے اپنے مخصوص حاملان علوم شرائع بندوں کو بہ طور انعام واکرام خصوصی طور پر عطا فرمایا ہے۔ اور یہ وہ سنت نبویہ ہے جس کے اتباع میں لاکھوں، اصفیاء واتقیا، محدثین ومفسرین اور علمائے ربانیین نے اپنی حیات کے لمحات گذارے۔ ایک ایک حدیث کے حصول کے لیے وہ ہزاروں میل کی مسافت طے کئے جاتے تھے۔ علم کا یہی شوق انہوں نے اپنی آنے والی نسلوں کو بہ طور ورثہ عطا کیا تاریخ علوم عالم کے مطالعہ کنندگان اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔

تطویل سے احتراز کے تحت جب ہم امام احمد رضا مجدد برسوں کی بارگاہ علم وآگہی میں جب اس زاویئے سے پہنچتے ہیں تو ہمارے ذہن ودماغ سے علوم وفنون کے گلستان نکہت بداماں کے جھونکے گزرتے محسوس ہوتے ہیں۔ امام موصوف کے یہاں تعلیم وتعلم بالخصوص علوم شرائع جس سے ہر شخص اپنے ذوق طبع کے مطابق اپنے علم وادراک کی بھوک مٹاسکتا ہے۔ علوم نقلی وعقلی اتنی کامل درسگاہ کہ شامی، رازی، غزالی اور اساطین علم کی روحیں جھوم اٹھیں اور علوم عصریہ وجدیدہ پر

ایسی دسترس گویا ان علوم کے موجدین نے ایجاد سے قبل روح امام سے اکتساب کے بعد ہی ان فنون کی بنا ڈالی ہو۔

پچاس سے زائد علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں جن کے علم وتحقیق کی شاہد عدل ہوں۔ اس سے بڑھ کر شاید وباید ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متوارثہ پر کوئی عمل پیرا نظر آئیگا۔ ہر شخص اور ہر فنکار اپنے عہد کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بھی اپنے عہد کے نمائندہ اور زمانے کی تقاضے کی تکمیل فرمانے والی شخصیت کا نام ہے۔

کسے معلوم نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا دور کس قدر فتنوں کا دور تھا، مذہبی دسیسہ کاری اسلاف بیزاری، رسول دشمنی، خاصان خدا کی بارگاہوں میں جسارت، نیچیریت، غیر اسلامی افکار کو قومی رہنماؤں اور گندم نما عالموں کے ذریعے مسلط کرنے کی جرأت اور بیشمار سماجی، معاشرتی، اخلاقی، فکری، عملی بے راہ روی نے اسلامیان ہند کو اپنے نرغۂ انقیاد میں لینے کی کامیاب کوششیں کررہی تھیں، بلکہ ذہنی مرعوبیت اور ظالم وجابر انگریز حکمرانوں کے زیر اثر ہر صحیح العقیدہ شخص کو مطعون ومقہور بھی کیا جارہا تھا۔ ایسے میں بریلی کے افق سے ایسا آفتاب علم وحکمت طلوع ہوا جس نے اپنی فکر صالح" رائے ثاقب، نقد واضح، علم راسخ اور برمحل قوت فیصلہ اور کمک عطائے محمدی سے سدائے باطل افکار ونظریات کو اپنی شش جہت یلغار سے مبہوت اور حیرت زدہ ہی بلکہ ہمیشہ کے لیے مدفون کردیا۔

گاندھی جی سے معاملات کا معاملہ ہو، اہانت شعائر اللہ کا مسئلہ ہو، حکومتی درباروں میں وارد ہونے کا مسئلہ ہو یا عام بدعقیدوں کی سرکوبی کی مہم، انگریزی دور اقتدار میں رہتے ہوئے نصاریٰ سے مناظرے کی جرأت وہمت ہو یا مرزا قادیانی کے خلاف دلائل ورسائل کے انبار لگانے کی ابسالت وجرأت، ہر محاذ پر اعلیٰ حضرت کی ذات بابرکات نمونہ اتباع سنت پیش کرتی نظر آتی ہے۔

علاوہ ازیں تجدید واحیاء سنت کے جو عظیم الشان کارنامے امام احمد رضا سے صادر وظاہر ہوئے۔ وہ بھی تواتر کے ساتھ اہل علم پر واضح ہیں۔ پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ، نماز عید کے بعد معانقہ پر رسائل تحریر کرنا، جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد کرانا، مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنے پر دلائل لانا، اہل میت کی طرف سے اغنیاء کی دعوت کی ممانعت آشکار کرنا، مزارات پر عورتوں کی حاضری کی تکفیر کرنا سجدۂ تعظیمی کی رسم بد کے خلاف حرمت کے فتاوے دینا۔ ثبوت ہلال کے شرعی

رق کی نشاندہی کرنا وغیرہ امام احمد رضا کے اتباع سنت پر واضح دلائل ہیں۔ حلاوت المومنین کو سنتوں بہاری بنانے کا جو عطیہ سرمایہ افتخار زمانے پر آشکار ہے وہ صدیوں امت مسلمہ کی رہنمائی کرتا رہے گا کیونکہ امام احمد رضا علم کے ایسے برج عالی کا نام ہے جس کی بنیادیں سنت رسول کریم ﷺ پر استوار تھی۔ آپ نے فرامین الٰہیہ، احادیث مبارکہ، طریقہ صحابہ، اقوال و افعال ائمہ اور اسلاف کے طرز استدلال سے اپنی علمی دنیا آباد کی تھی۔

گرچہ اندانید خورشید جمال خود بگل
مشرق و مغرب گرفتہ پرتو انوار شاں

[علامہ عبدالرحمن جامی]



ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

دوری سیتا مڑھی بہار

امام احمد رضا کا تصوف اور عشق

دنیا عاشقوں سے خالی نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے ہر دور اور ہر زمانے میں ان آشفتہ حالوں نے اپنے آہ سرد اور نفس گرم سے خزاں رسیدہ چمن کو بہار نو سے آشنا کیا، قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلنواز سے اجڑی بستیاں آباد ہوتی رہیں۔ بگڑے نصیبے سنورتے رہے۔ کیوں نہ ہو کر عشق رسول ان کی حیات کا عرفان اور محبت نبی ان کی شخصیت کی پہچان تھی۔

حضرت رضا بریلوی ان دیوانگان کوچہ مصطفیٰ کی بھیڑ میں بھی اپنی شخصیت کی امتیازی خصوصیت کے اعتبار سے بہتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کے فکر و عمل کے آفاق پر محبت محبوب خدا ایسی چھائی ہوئی تھی کہ وہی تصور ان کی شخصیت کا عرفان بن کے رہ گیا ہے عشق رسول سے ہٹ کر ان کی شخصیت کا خاکہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا..... عشق رسول ان کے جسم میں جان کی حیثیت سے رچا بسا، اور گھلا ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی نجی زندگی سے لے کر ادبی شہ پاروں تک ہر جگہ عشق ہی عشق اور محبت ہی محبت کے انوار برس رہے ہیں۔

قرون اولیٰ سے لے کر آج تک عاشقان رسول برابر ہوتے رہے ہیں۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ بلکہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا سب سے بڑا سرمایہ عشق رسول ہی کو سمجھا ہے ایسا سرمایہ کہ جان دے کر بھی ہاتھ آ جائے تو ارزاں ہیں۔

حضرت رضا بریلوی مقام عشق میں اس بلندی پر فائز ہیں، جہاں شرار عشق سے نشیمن آباد ہوتے ہیں، جہاں حرکت نفس سے ادب کے چراغ جلتے ہیں، جہاں جلوہ ہائے رنگیں سے

ویرانیاں آبادیوں سے بدلتی ہیں۔ جہاں آتش سینہ سے بوئے کباب آرہی ہے اور آہ سرد داے درد بن رہی ہے۔ جہاں جمال محبوب، کمال محبوب، اور خیال محبوب کے سوا کچھ نہیں۔ جدھر دیکھئے نور ہی نور، جہاں دیکھئے سرور ہی سرور ہے...... جلووں کی برسات میں پوری فضا بھیگی بھیگی سوز و تپش کی بہتات سے پتھریلی زمین بھی گیلی گیلی معلوم ہوتی ہے وہ عشق اور اقتضائے عشق کے رموز و نکات سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ کہنے کو تو ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے نبی سے سچا عشق ہے لیکن یاد رکھیے "عشق و محبت" کی کچھ نشانیاں اور کچھ علامتیں ہوتی ہیں اگر کسی میں وہ نشانیاں پائی جائیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ سچا عاشق ہے۔

آیئے ذرا دیکھیں کہ عشق و محبت کی کون کون سی علامتیں اور نشانیاں اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں۔

ہر ادا پیاری

سچے عاشق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ عاشق کیلئے اپنے محبوب کی ہر ادا پیاری، ہر انداز دل کش اور ہر طرز دلنشیں اور دل ربا ہوتا ہے۔ اور وہ اسی انداز کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے اتباع اور اس کی ذات کی موافقت کو اپنے لئے لازم کر لیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنے دعوٰئ محبت میں جھوٹا ہے۔ اسی مضمون کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جسے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنة

ترجمہ: جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

امام احمد رضا عشق کی ہر منزل سے بھی کامیابی سے گزرتے ہیں تمام عبادات، معاملات، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا الغرض آپ کی ایک ایک ادا اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو دعائیں جن

جن اوقات اور مقامات پر منقول ہیں آپ انھیں اوقات میں ان دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے۔
آپ کے کمال اتباع کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ دیکھئے:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "دائیں" پسند ہے یعنی ہر اچھے کام کی ابتدا دائیں طرف سے کی جائے۔ اس عاشق رسول نے عمل کر کے دکھایا۔ ایک روز فجر کی نماز ادا کرنے میں کچھ دیر ہوگئی نمازیوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی تھیں کہ عین انتظار میں آپ جلدی جلدی مسجد کے اندر تشریف لائے اس وقت آپ کے ایک خادم قناعت علی نے ایک دوسرے ساتھی سید ایوب علی سے کہا کہ اب دیکھتے ہیں کہ اس جلدی کے اندر آپ دائیں کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ یعنی مسجد میں پہلے دایاں قدم رکھتے ہیں یا نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا مسجد کے پہلے زینے پر آپ کا پہلا قدم پڑا تو سیدھا پھر مسجد کے فرش پر پہلا قدم پڑا تو سیدھا۔ صحن میں ایک صف بچھی تھی اس پر پہلا قدم پڑا تو سیدھا پھر ہر صف پر جو پہلا قدم پڑتا گیا سیدھا۔ پھر دالان میں پہلا قدم پڑا تو سیدھا حتی کہ محراب پر جب بیٹھے تو محراب میں پہلا قدم جو پڑا وہ بھی سیدھا تھا۔ اسی طرح ہر اچھے کام آپ سیدھے ہاتھ سے فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کوئی چیز لیتا تو آپ اسکو دینے سے ہاتھ روک لیا کرتے اور سیدھے ہاتھ سے لینے کا سبق دے کر عطا فرماتے تھے۔

دیار محبوب

سچی محبت کی ایک نشانی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ محبوب کا دیار اس کا ملک اس کا شہر اس کی گلی اور اس کا گھر بھی اس کو پیارا لگنے لگتا ہے۔ بلکہ اس کی نظر میں سارے جہاں سے اچھا اس کے محبوب کا شہر ہوتا ہے چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجنوں سے کسی نے پوچھا

پس کدامی شہر زانہا خوشتر ست
گفت آن شہرے کہ دروے دلبر ست

کہ تجھے سب سے زیادہ کون سا شہر اچھا لگتا ہے تو اس نے کہا جس شہر میں میرا محبوب رہتا ہے، مجھے وہ شہر سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔ اسی لئے خدا کو بھی اپنے محبوب کا شہر "مکہ" بہت محبوب ہے۔ اور اس نے قرآن میں اس قسم کی یاد فرمائی ہے۔

"لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد" اور اس شہر کی محبوبیت اور عظمت کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ "وانت حل بهذا البلد" کہ یہ شہر مجھے اس لئے محبوب اور عزیز ہے کہ میرے محبوب نبی کے قدم اس کو لگ گئے ہیں۔

اس عاشق رسول امام احمد رضا کو بھی اپنے محبوب کا شہر "مدینہ" سب سے زیادہ پیارا تھا چونکہ محبوب یہاں قیامت تک کیلئے آرام فرما ہیں اسلئے وہ اس کو تمام جہاں سے بھی حتیٰ کہ مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ وافضل واعلیٰ جانتے تھے۔ اگرچہ اپنے اس دعوے پر اس کے پاس بہت سے وزنی دلائل بھی تھے مگر کوئی خشک زاہد اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو وہ شعر کہہ کر بات ختم کردیا کہ ؂

طیبہ سے نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

ذکر دیارِ محبوب

محب کیلئے نہ صرف محبوب کا ذکر بلکہ اس شہر اور دیار کا ذکر بھی اس کیلئے قلبی فرحت وانبساط کا باعث ہوتا ہے۔ دیار محبوب کے ذکر سے ہی اس کے تن مردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ ایک بہت خوبصورت لڑکی کے حسن پر فریفتہ ہوگیا۔ اس نے اس سے شادی کرلی، لیکن لڑکی کسی اور سے محبت کرتی تھی، جب وہ بادشاہ کے محل میں آئی تو اپنے محبوب کا فراق اور جدائی برداشت نہ کرسکی، بیمار پڑ گئی بادشاہ نے مملکت کے تمام عمدہ سے عمدہ معالجوں کو طلب کرلیا سب نے علاج شروع کردیا لیکن اس کا کوئی افاقہ نہ ہوا اور حال یہ ہوا کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بادشاہ سخت پریشان تھا آخر ایک روز ایک اللہ کے ولی سے اسکی ملاقات ہوئی اپنا مدعا عرض کیا آپ نے فرمایا کل ہم آکر اس کا علاج کریں گے دوسرے دن آکر آپ نے اس لڑکی کا علاج اس طرح فرمایا کہ ایک شخص کو کہا کہ دنیا میں جتنے ممالک ہیں ان کے نام اس کے

سامنے لئے جائیں، جب نام اس کے سامنے لئے جانے لگے تو ایک نام پر وہ چونکی۔ آپ نے فرمایا رک جاؤ۔ اب ملک میں جتنے شہر ہیں ان کے نام لو، ملک کے تمام شہروں کے نام اس کے سامنے لئے جانے لگے تو ایک شہر کے نام پر نبض اور دل کی رفتار تیز ہو گئی، آپ نے فرمایا رک جاؤ! اب میں شہر جتنے محلے ہیں ان کے نام لو، جب شہر کے تمام محلوں کے اور علاقوں کے نام لئے گئے تو ایک نام پر اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی، اس کا چہرہ چمکنے لگا، آپ نے فرمایا اس محلے میں جتنے رہائش پذیر ہیں ان کے نام لو جب نام لئے گئے تو ایک نام پر اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، آپ نے بادشاہ سے فرمایا یہ فلاں شہر کے فلاں باشندے کے عشق میں مبتلا ہے اس کو اس کے محبوب سے ملا دو بس یہی اس کی بیماری کا علاج ہے۔

اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی یہی حال تھا کہ اس کے سامنے محبوب کے شہر مدینہ کا ذکر آجاتا تو اس کے دل کی کلی کلی کھل اٹھتی اور وہ اپنے قلبی جذبات کو اپنے شعر میں یوں بیان کرتا تھا۔

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

تعظیم و تکریم

عشق و محبت کا ایک تقاضہ "ادب و احترام" بھی ہوتا ہے، محب نہ صرف اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم کرتا ہے بلکہ محبوب کو جس سے ادنیٰ سی نسبت اور تعلق بھی ہو جائے، محب کیلئے وہ شئے بھی لائق صد احترام ہو جاتی ہے ذرا دیکھئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عشاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ادب و احترام کی کیسی کیسی مثالیں قائم فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ بال سنوارتے تھے تو صحابہ کرام آپ کے چاروں طرف کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی بال مبارک ان کے ہاتھوں کے سوا کسی اور جگہ نہ گرنے پائے۔ (مسلم شریف، ج ۲، ص ۲۵۶)

اسی طرح حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک ایک صحابی کے پاس دیکھا کہ وہ سرخ رنگ کا تھا میں نے اس کے سرخ ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو خوب خوشبو لگا کر رکھتے ہیں اس لئے اس خوشبو کی وجہ سے یہ سرخ ہو گیا ہے۔ (صحیح بخاری، ص ۵۰۲)

معلوم ہوا کہ محبوب سے جس شئے کی نسبت ہو جائے عاشق اس کا بھی ادب واحترام کرتا ہے آیئے ذرا دیکھیں یہ عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے محبوب سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا کس طرح ادب واحترام کرتا ہے۔

(الف) سب سے پہلے مدینہ منورہ کو لے لیجئے، اس عاشق کی نظر میں محبوب سے تعلق اور نسبت کی بناء پر اس پاک سرزمین کا یہ مقام تھا کہ۔

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل، ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جان نو
یہ راہ جاں فزا میرے مولیٰ کے در کی ہے

(ب) اس عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کا تو یہ عالم تھا کہ اس کے محبوب کے پاک دیار کا نام بھی اس کے سامنے آجاتا تھا تو ادب سے اس کا سر جھک جاتا تھا، وہ اپنے محبوب کے دیار پاک کے نام پاک کا بھی پورا پورا ادب کیا کرتا تھا، چنانچہ آپ کا شعر ہے۔

یہ ادب جھکا لو سر ولا کہ میں نام لوں گل و باغ کا
گل تر محمد مصطفیٰ چمن اس کا پاک دیار ہے

(د) دیار محبوب کی خاک کی کس قدر عظمت اس عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قلب ونظر میں بسی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ حضرت قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد گرامی اور اس عاشق صادق کے خلیفہ صادق مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حرمین شریفین سے واپس ہو کر

آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں اپنے عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو بہت قیمتی تھا کہ اگر اس عمامہ کو پیش کروں تو آپ اس دیار پاک سے آرہے ہیں کہ یہ عمامہ بھی آپ کے قدموں کے لائق نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کئے دیتا ہوں چنانچہ اسی وقت اٹھ کر اپنے کاشانہ سے سرخ رنگ کا شانی مخمل کا جبہ مبارک لا کر عطا فرمایا جو اس زمانہ میں کم از کم ڈیڑھ سو روپے سے کم نہ تھا حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس کو قبول کرتے ہوئے اپنے سر آنکھوں پر رکھا اور اس کو خوب چوما اور بہت دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔

سبحان اللہ! یہ ہے سچا عاشق کہ محبوب کے شہر کی زمین اور خاک سے جو قدم لگ جائیں محبت کیلئے وہ قدم بھی اتنے معزز و مکرم ہو جاتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اس کو اپنا قیمتی سے قیمتی عمامہ اور جبہ بھی ہیچ نظر آتا ہے۔

اپنے محبوب مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کے گن گانا ہی ان کی زندگی و بندگی کا حاصل و خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ چاہے اس کے بدلے میں دشمنان رسول انہیں گالیاں دیں، طعنہ و طنز کے پتھر برسائیں۔ وہ تو بس ایک وفادار غلام کی طرح جس طرح بھی بن سکے خدمت کی نعمت چھکنے نہ پائے۔ اس فریضہ میں کوتاہی نہ ہو ہر دم اس فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر دن کی ڈاک سے جہاں بہت سے توصیف نامے آتے تھے، وہیں گالی ناموں کا بھی ڈھیر ہوتا تھا۔ مگر واہ رے درد عشق وہ یہ سوچ کر مچل مچل اٹھتے کہ "جتنی دیر وہ مجھے گالی دیتے اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں...... خود فرماتے ہیں۔

"واللہ العظیم وہ بندۂ خدا بخوشی راضی ہے اگر یہ دشامی حضرات بھی اس کے بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگالیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظ گالیاں سنائیں، اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا۔ اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسراہم کو گالیاں دیں۔

اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباء و اجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے...... یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں۔ اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اڑاتے ہیں۔ مگر وہ اصلاً قطعاً اس طرف التفات کرتا نہ جواب دیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لئے عطاء ہوا کہ بعونہ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کروں۔ حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فان ابی و والدی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

(خلاصہ فوائد فتاویٰ (1324ھ) امام احمد رضا)(10

حضرت رضا بریلوی کے اندر خدا اور رسول کے دشمنوں سے نفرت ابتدا ہی سے تھی۔ بلکہ یہ چیز ان کی فطرت میں داخل کر دی گئی تھی، حالات و ماحول کے تقاضے سے بہت سے مراحل ایسے آتے ہیں کہ انسان کے نظریہ میں نزاکت آجاتی ہے، آدمی اپنے مسلمہ اصولوں سے بھی سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن کیا مجال کہ یہاں ذرہ برابر نرمی آئے۔ اللہ و رسول کے دشمنوں سے سمجھوتہ پر وہ راضی ہو جائیں...... ان کے دل میں اللہ و رسول کی محبت ایسی راسخ اور پختہ تھی کہ انہیں عظمت و محبت کے سوا کبھی کچھ گوارہ نہ تھا...... فرماتے ہیں...... "بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے۔ اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ

عداوت اعداء اللہ گھٹی میں پلا دی گئی ہے اور بفضلہ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ ''اولئک کتب فی قلوبھم الایمان'' بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ۔ (۱۲)

امام احمد رضا کی تنقید بیجا بے محل اور ناموزوں نہیں ہوتی تھی بلکہ بڑی جچی تلی اور انتہائی سنجیدگی و متانت کی حامل ہوتی تھی۔ ان کی تنقیدات و تعاقبات کا سنجیدہ و متین قاری یہ فیصلہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے بنام تنقید جو بھی تحریر حوالۂ قرطاس کی ہے وہ۔ {از دل خیزد بردل ریزد'' کا صحیح مصداق ہوتی تھی اسی لئے بہت سوں نے ان کی تحریرات کا مطالعہ کر کے راہ حق، صراط مستقیم کو اپنایا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے وہ خود فرماتے ہیں۔

''دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی سے ہر گز حاصل نہیں ہو سکتے ....جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔'' (۲۲)

حضرت رضا بریلوی کا ایک فتویٰ ہے جس کا عنوان ہے ''النور والنورق'' اس میں مختلف پانیوں کے احکام ذکر کئے ہیں۔ آب زمزم کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ...... ''اس کے ساتھ استنجاء مکروہ ہے کیوں کہ وہ ایک مقدس پانی ہے'' یہ فقہی حکم بیان کرتے ہوئے انہیں خیال آیا کہ کہیں قارئین اس سے یہ نہ سمجھ لیں کہ زمزم کا پانی ہر پانی سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہے۔ کیوں کہ ایک پانی ایسا بھی ہے، جو نہ صرف آب زمزم بلکہ کوثر سے بھی افضل ہے۔ اس پانی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سب پانیوں سے اعلیٰ سب سے افضل دونوں جہاں کے سب پانیوں سے افضل، کوثر سے افضل وہ مبارک پانی ہے۔ جو بار ہا براہ اعجاز حضور انور، سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا۔ اور وضو کیا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں۔ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل ہے مگر اب وہ کہاں نصیب! (۲۴)

حضرت رضا بریلوی کے عشق کا مزاج اور محبت کا پایہ ملاحظہ ہو جن بے جان چیزوں کو آقائے کونین سے کسی طرح نسبت حاصل ہو گئی ان کا بھی ادب آپ کے مذہب عشق میں ضروری ہو گیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک، یا جبۂ مقدسہ، یا نعل شریف، یا کاسۂ مطہرہ تبرک کیلئے جس پانی میں دھویا قابل وضو ہے...... ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلاف ادب ہے۔ اگر منہ پر جاری کیا منہ کا وضو ہو گیا، ان کا تو نام پاک لینے سے دل کا وضو ہو جاتا ہے" پھر اسی حکم کے تعلق سے فائدہ کا عنوان دے کر حاشیہ میں مسئلہ بیان فرماتے ہیں...... مسئلہ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ، مثل جبۂ مقدس و نعلین مبارک کا غسالہ، شفاء برکت قابل وضو معلی طہارت ہے مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔ (۲۵)

علمائے کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف رہا کہ زمزم افضل ہے یا کوثر، شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی نے فرمایا کہ زمزم افضل ہے کہ شب اسراء ملٰئکہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل مبارک اس سے دھویا۔ حالانکہ وہ آب کوثر لا سکتے تھے........... اس پر اعتراض ہوا کہ زمزم تو سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عطا ہوا اور کوثر ہمارے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، تو لازم کہ کوثر ہی افضل ہو۔ امام ابن حجر مکی نے جواب دیا کہ کلام دنیا میں ہے آخرت میں بلکہ کوثر افضل ہے۔ اس پر امام احمد رضا فرماتے ہیں...... "اس وقت اس مسئلہ پر کلام اپنے علماء کے نظر قیر میں نہیں اور وہ کہ فقیر کو ظاہر ہوا تفضیل کوثر کو ہے" پھر کوثر کی افضلیت پر آپ نے پانچ دلائل پیش فرمائے ہیں وہ سب دلیلیں آپ کی طبعزاد ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱)........ آخرت میں وہی افضل ہے جو عند اللہ افضل ہے اور شک نہیں کہ آخرت مراد کوثر افضل ہے۔ تو اب بھی کوثر زمزم سے افضل ہے۔

(۲)...... زمزم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے بے

شک آخرت درجوں میں بڑی ہے اور فضیلت میں زائد۔

(۳)..........کوثر کا پانی جنت سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کوثر میں جنت سے دو پرنالے گر رہے ہیں ایک سونے کا ایک چاندی کا، اور فرماتے ہیں سن لو اللہ کا مال بیش بہا ہے سن لو اللہ کا مال جنت ہے۔

(۴)..........کوثر کا پانی امت مرحومہ کے لئے زیادہ نافع ہے ایک قطرہ جس کے حلق میں جائے گا ابدالآباد تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ نہ کبھی اس کے چہرے پر سیاہی آئے۔

(۵)..........اللہ عزوجل نے عطائے کوثر سے اپنے حبیب افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان عظیم رکھا کہ "انا اعطینک الکوثر" بے شک ہم نے کہ عظمت والے ہیں تم کو کہ بے مثل دیکھا ہو کوثر عطا فرمایا..........تو کوثر کی عظمت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اللہ عزوجل ہم فقرائے بے قدر کو بھی اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کف کرم سے اس میں سے پینا نصیب فرمائے۔ آمین (۲۶)

اس فاضلانہ بحث سے کوثر اور زمزم کا جو فرق ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے..... کہ زمزم کی نسبت حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی طرف ہے اور کوثر کی حضور محبوب رب العالمین کی طرف۔ اور ہر وہ چیز جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف نسبت حاصل ہو جائے افضل ہے۔ پھر امام احمد رضا جیسا متبحر عالم جانباز عاشق رسول کوثر پر زمزم کی فضیلت کیسے تسلیم کر لیتا۔ گرچہ علمائے احناف کے اقوال پیش نظر نہیں تھے مگر زور طبع اور جودت فکر سے کوثر کی فضیلت پر دلائل کے انبار لگا دیئے جن کے سطر سطر سے ان کا عشق خاموش بولتا، مسکراتا اور جھانکتا معلوم ہوتا ہے۔

علماء کے درمیان یہ مسئلہ بھی بڑا معرکتہ الآراء رہا ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ اپنے اپنے انداز اور پرواز خیال کے دائرے میں سب نے شواہد و حقائق کے اجالے ہی میں گفتگو کی ہے مگر عاشق جمال مصطفوی حضرت رضا بریلوی کے عارفانہ حل اور عاشقانہ جواب کی بات ہی کچھ اور ہے۔ مختلف پیرایۂ بیان میں ایک ہی سیل عشق کی روانی ہے۔ جو جذبۂ محبت کی کہانی سنا رہی ہے۔ ؎

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے
عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
شان جمال طیبۂ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلال مکہ میں سود و ضرر کی ہے

غرض کہ ان کی حیات ہو یا وفات۔ ان کی ذات ہو یا صفات، معاملات ہوں یا عبادات دوستی ہو یا دشمنی۔ تحریر ہو یا تقریر جہاں کہیں بھی دیکھئے عشق رسول کی جلوہ طرازیاں ضرور نظر آئیں گی۔ وہ جی رہے تھے تو یاد مولیٰ میں اور جانے کی تمنا ہے تو وہ بھی یاد مولیٰ میں انکے دردِ جگر کی ٹیس دیکھئے۔ مولانا عرفان الحق کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو وہ قادر ہے۔ (۴۱)

اپنے کئی خطوط میں آپ نے سفر آخرت کا ذکر فرمایا ہے تحریر کا انداز بتا رہا ہے جیسے تیاری ہو رہی ہو۔ نہ کوئی گھبراہٹ نہ کوئی پریشانی جیسے رخت سفر باندھا جا رہا ہو۔ جیسے وقت وصال محبوب قریب سے قریب آ گیا ہو۔" بے شک قرآن کریم میں انہیں حضرات کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ **یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی خوش لوٹ آ۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو۔ اور میری جنت میں چلا جا" رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی۔ (۴۲)

اس جذب و مستی، سرشاری و وارفتگی پر تو یہ سارا عالم ہی نہیں بلکہ کروڑوں جہاں قربان کئے جا سکتے ہیں کیا ایمان افروز دیوانگی ہے، اور جہاں بھی ہے یہ شیفتگی و نیاز کیشی اور ذوق فدائیت اپنے پورے شباب ہے۔ قیامت کی ہولناکی، افراتفری و نفسا نفسی سے کون واقف نہیں ہے۔ مگر جو رحمت عالم کے دامان کرم میں چھپا ہو۔ جو ان کے سایے

عاطفت میں جگہ پاچکا ہو وہ تو وہاں بھی ان کی مدح سرائی اور نعت خوانی کی آرزو کر رہا ہے۔ دو بند سلام کے نذرانے پیش کرلوں۔ اسی حسرت میں مچل رہا ہے دیکھئے ان کے حریم خیال کی جمال آفرینی فرماتے ہیں۔ ؎

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام



مفتی مظفر حسین رضوی مصباحی
قاضی شریعت دارالقضا ادارہ شرعیہ گیا

امام احمد رضا اور صوفیانہ کردار و عمل

امام احمد رضا قدرت کا حسین انعام تھے، علم عمل تقویٰ عشق ادب ساری نعمتیں پروردگار عالم جل وعلا نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ ان کا عہد علما صوفیا کا عہد تھا ملک میں علمی ماحول اور روحانی زندگی کے آثار ہر طرف نمایاں تھے مگر اس بھیڑ میں بھی امام احمد رضا امتیازی شان سے آسمان رفعت پہ بلند ہوئے اور نور بن کر ہر طرف چھاگئے۔

امام احمد رضا بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے بڑھاپے تک، اک خاص پیکر میں ڈھلے نظر آئے حضرت ملک العلما علامہ شاہ ظفر الدین قادری رضوی کی کتاب "حیات اعلیٰ حضرت" میں تینوں عہد کے حالات تفصیلاً مذکور ہیں اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت صاف نظر آتی ہے کہ امام احمد رضا کو اللہ رب العزت نے زندگی کے ہر مقام پہ اپنی رحمت کے سایہ میں رکھا اور اس لئے رکھا کہ ان کے ذریعہ سے اس کے بھیجے ہوئے دین کی تجدید اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت میں گستاخیاں کرنے والوں کے رد بلیغ کا کام لینا تھا اور دنیا نے دیکھا کہ کیسے امام احمد رضا نے منصب مجددیت پر فائز رہتے ہوئے دین کو خارجی و داخلی فتنوں سے بچایا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تحریک چلائی، دلوں میں ان کے عشق کا چراغ روشن کیا اور عظمت و حرمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دریدہ دہنی کرنے والوں کے خلاف درجنوں کتابیں لکھیں اور اس فتنہ سے عوام اہل سنت کو بچایا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی زندگی کا یہ ایک رخ ہے جس پر خوب کام ہوا، کتابیں لکھی گئیں، مقالات لکھے گئے تحقیقی مقالات لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی گئیں مگر ان کی زندگی کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جو ان کی فقاہت کی طرح لاجواب اور عدیم المثال ہے اور وہ رخ ہے امام احمد رضا کے تصوف کا۔ امام احمد رضا ایک مرشد کامل، شیخ طریقت، صوفی باصفا بلکہ

مجمع البحرین کی حیثیت سے اس عہد میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اس پر بہت زیادہ کام نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ رخ ایسا ہے جس پر آج خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ذیل میں اسی حوالہ سے امام احمد رضا کی زندگی کے چند اوراق پیش خدمت ہیں۔

امام احمد رضا عین جوانی کے عالم میں بیعت کے لئے حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ہمراہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، خاتم الاکابر حضور سید شاہ آل رسول احمدی مارہری علیہ الرحمہ والرضوان کے دست مبارک پہ بیعت ہوئے اور اس کے ساتھ اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے، استفسار پر فرمایا کہ اور لوگ زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں مگر مولانا احمد رضا اپنا دل صاف وشفاف اور مزکی لے کر آئے ہیں اس لئے بیعت کے ساتھ اجازت وخلافت دی گئی۔ مقام غور یہ ہے کہ جس کی جوانی بغیر مرشد کے اتنی پاکیزہ اور مصفی ہے بیعت کے بعد اس کی آنے والی زندگی کتنی مزکی و مصفی ہوگی؟ جو لوگ امام احمد رضا کو محض عالم فقیہ اور ادیب وشاعر سمجھتے ہیں انہیں شاید نہیں معلوم کہ امام احمد رضا فقیہ وادب میں جتنے بڑے ہیں اتنے بڑے وہ عارف اور صوفی بھی ہیں، اس حقیقت سے پردہ سب سے پہلے آپ کے مرشد طریقت نہیں اٹھایا اور زمانے کی امام احمد رضا عارفانہ شخصیت سے روشناس کرایا۔

آخر امام احمد رضا کے اندر ایسا کیا کچھ تھا کہ انہیں ان کے مرشد نے بھی تزکیہ نفس میں کامل پایا اور ایک مرد عارف کے اندر کون سے اوصاف ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے قدموں میں جھکتی ہے آیئے امام احمد رضا کے کردار وعمل میں دیکھیں اور اپنی زندگی میں بھی اس نور کا عکس اتارنے کی کوشش کریں۔

نماز کا اہتمام والتزام:

نماز اہم العبادات ہے، قرب الٰہی کا موثر ذریعہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کی ٹھنڈک ہے۔ ہر عاشق صادق اور مومن کامل نماز سے عشق کرتا ہے اور نماز کے ذریعہ اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بھی نماز کے اہتمام کے معاملہ میں اپنی مثال آپ تھے، صحت و یا مرض اور سفر ہو یا حضر نماز کے اہتمام کوئی کمی نہیں ہونے دیتے تھے، حیات اعلیٰ حضرت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ عمر کی اخیر منزل میں جب کہ گھر سے مسجد آنا بھی صحت کے اعتبار

سے مشکل تھا مگر آپ کبھی آدمی کے سہارے، کبھی کرسی بیٹھ کر مسجد تشریف لاتے اور جماعت سے نماز پڑھنے کا اہتمام فرماتے۔ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ کوئی لانے والا نہیں ملا اور وقت جاتا ہوا دیکھا تو خود گھسیٹتے ہوئے مسجد تشریف لائے۔ یہ اہتمام شوق اور جماعت کا اہتمام ایک مرد عارف ہی کر سکتا ہے، محض دعوی صوفیت والا نہیں۔

سنت کا کامل اہتمام:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سیدھا قدم پہلے مسجد میں رکھنے کا حکم ہے اعلیٰ حضرت نے شریعت کے اس حکم پر بھی عمل کر دکھایا ایک راوی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک روز نماز فجر ادا کرنے میں خلاف معمول کچھ دیر ہوگئی ،نمازیوں کی نگاہیں بار بار اعلیٰ حضرت کے کاشانہ کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ میں انتظار میں جلد جلد تشریف لائے، اس وقت ایک شخص نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سیدھا قدم مسجد میں پہلے رکھتے ہیں یا بایاں، مگر قربان اس ذات کریم پر کہ دروازہ مسجد کے زینہ پر جس وقت قدم مبارک پہنچتا ہے تو سیدھا، تو سیعی فرش مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا، آگے صحن مسجد میں ایک صف بھی تھی اس پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا اور اسی پر بس نہیں ہر صف پر تقدیم سیدھے ہی قدم سے فرمائی یہاں تک کہ محراب میں مصلی پر سیدھا ہی قدم پہنچتا ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت اول ص: ۱۸۸، ادارہ اشاعت مسجد نور الاسلام بوٹن)

قبلہ کے احترام کا معاملہ:

جو محترم ہوتا ہے وہ ہر کام میں احترام کو ملحوظ رکھتا ہے، یہ احترام ادب والوں کا مقسوم ہے ،امام احمد رضا اس معاملہ میں بھی ادب والوں کے امام نظر آتے ہیں۔ قبلہ کا ادب ہماری شریعت کا حکم اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم مبارکہ ہے جیسا کہ امام بخاری کا ایک عمل اس سلسلہ میں دلیل ہے کہ کوئی بھی اللہ والا قبلہ کے احترام کے خلاف کوئی عمل گوارا نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا عیسیٰ رضوی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں

امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک شخص کے بارے میں سنا کہ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث موجود ہے اس کی روایت کے لیے وہ دور دراز سے سفر کر کے آئے جب اس کے قریب پہنچے دیکھا کہ اس نے قبلے کی طرف تھوک دیا، امام بخاری اسی جگہ سے یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ جو شخص قبلے کا ادب نہیں کرتا وہ حدیث رسول میں امین نہیں ہو سکتا۔ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کی ولایت وکرامت کا شہرہ تھا اس کے تعلق سے لوگوں میں چنین و چناں مشہور تھا، حضرت بایزید نے اس سے ایک دن ملاقات کا قصد فرمایا جب اس کے قریب پہنچے دیکھا کہ اس نے قبلے کی جانب تھوکا قبلہ کا احترام وادب نہ کیا یہ دیکھ کر حضرت بایزید وہیں سے واپس ہو گئے اور فرمایا کہ جو شخص آداب شریعت کا لحاظ و پاس نہ کرے وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ امام احمد رضا بریلوی کی عادت کریمہ تھی کہ آپ نے قبلے کی طرف کبھی نہیں تھوکا نہ پاؤں دراز کئے بلکہ آپ کو چھ سال کی عمر میں بغداد کی سمت معلوم ہو گئی تھی اس کے بعد آپ نے اس کی طرف بھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ یہ غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب اور ان سے نسبت غلامی کا اثر تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت ملک العلما حیات اعلیٰ حضرت میں لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی بعض اوقات اوراد و وظائف مسجد ہی میں، بحالت خرام شمالاً و جنوباً پڑھا کرتے مگر منتہائے فرش مسجد سے واپسی ہمیشہ قبلہ رو ہو کر ہی ہوتی، یعنی شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی جانب واپسی قبلہ رو ہونے کے بعد ہوتی کبھی پشت کرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت اول ص: ۱۹۰ مطبع مذکور)

مسجد کے احترام میں پوری رات ٹھٹھر کر کاٹ دی:

خشیت الٰہی اور احکام شریعت کا پاس کوئی امام احمد رضا سے سیکھے، خود کو پریشان رکھ کر

آپ نے مسجد کے آداب کی جو مثال قائم کی ہے وہ عوام کیا خواص کہلانے والوں کے یہاں بھی خال خال ہی نظر آئے گا حضرت ملک العلما اعلیٰ حضرت کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

> ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بحالت اعتکاف اپنی مسجد میں مقیم تھے، شب کا وقت، جاڑے کا زمانہ، اور اس وقت دیر سے شدید بارش مسلسل ہو رہی تھی، اعلیٰ حضرت کو نماز عشاء کے لیے وضو کرنے کی فکر ہوئی کہ پانی تو موجود مگر بارش میں کس طرح بیٹھ کر وضو کیا جائے؟ بالآخر مسجد کے اندر لحاف، گدے کی چار تہہ کر کے اس پر وضو کیا اور ایک قطرہ فرش مسجد پر گرنے نہ دیا، اور پوری رات جاڑوں کی اور اس پر دو باراں کا طوفان یوں جاگ کر ٹھٹھر ٹھٹھر کر کاٹ دی۔ (حوالہ مذکور)

<u>لالٹین میں انڈی کا تیل بھی گوارا نہیں:</u>

اللہ والے خود کو معصیت کیش سمجھتے ہیں مگر دوسروں کو بہتر۔ یہ ان کی فطرت میں ہے کہ وہ بدگمان نہیں ہوتے اور نا بدگمانی کا موقع دیتے ہیں۔ وہ ایسے کاموں سے بھی بچتے ہیں جس سے عوام کو خلاف شرع کسی عمل کا موقع ملے۔ اس معاملہ میں بھی اعلیٰ حضرت حد درجہ محتاط تھے۔ چنانچہ حضرت ملک العلما حیات اعلیٰ حضرت میں لکھتے ہیں:

> انہیں کا بیان ہے کہ برسات کا موسم تھا عشاء کے وقت ہوا کے تیز جھونکے مسجد کے کڑوے تیل کا چراغ بار بار گل کر دیتے تھے جس کے روشن کرنے میں بارش کی وجہ سے سخت دقت ہوتی تھی۔ لہذا اس تکلیف کی مدافعت اعلیٰ حضرت کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب نے یہ کی کہ ایک لالٹین میں انڈی کا تیل ڈالا اور روشن کر کے مسجد کے اندر لے جا کر رکھ دی۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اعلیٰ حضرت کی نظر اس پر پڑی، ارشاد فرمایا حاجی صاحب! آپ نے یہ مسئلہ بارہا سنا ہوگا کہ مسجد میں بد بودار تیل نہیں جلانا چاہیے، انہوں نے عرض کیا حضور اس میں انڈی کا تیل ہے۔ فرمایا راہگیر دیکھ کر کیسے سمجھیں گے کہ اس لالٹین میں انڈی کا

تیل جل رہا ہے؟ وہ تو یہی کہیں گے کہ دوسروں کو تو فتوی دیا جا رہا ہے کہ مٹی کا بدبودار تیل مسجد میں نہ جلاؤ اور خود مسجد میں جلوہ رہے ہیں، ہاں اگر آپ برابر اس کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کہتے رہیں کہ اس لالٹین میں انڈی کا تیل ہے، اس لالٹین میں انڈی کا تیل ہے، تو مضائقہ نہیں۔

چنانچہ حاجی صاحب نے فوراً اس لالٹین کو گل کر کے خارج مسجد کر دیا۔ (حیات اعلی حضرت اول ص ۱۹۴۰ مطبع مذکور)

مولوی کتاب دیکھ پڑھیں: اس پر تبصرہ ملک العلما

آدمی اگر نفس کو مار لے تو ولی بن جائے کہ یہی چیز انسان کو رب سے ملاتی ہے اور اگر آدمی اسی نفس کا اسیر ہو جائے تو اس آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ خود نمائی اس راہ کی بڑی رکاوٹ ہے گر واہ رے اعلی حضرت! عالم اتنے بڑے کہ کوئی جوڑ کا نہیں۔ فقیہ ایسے کہ اصحاب ترجیح میں شامل ہوں اور عارف ایسے کہ عین جوانی کے عالم میں اجازت وخلافت سے سرفراز ہوں اور حضرت شاہ گنج مرادآبادی جن کے سر ٹوپی خود اوڑھلیں۔ بڑے بڑے جن کے آگے بولتے ڈریں مگر ان کا اپنا عالم یہ ہے کہ مارہرہ شریف میں "میلادنامہ" دیکھ کر پڑھیں" حیات اعلی حضرت میں حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب رضوی بہاری لکھتے ہیں۔

تواضع وانکسار کی بھی حد ہے اس لئے کہ کتاب دیکھ کر مجلس میں ایک معمولی مولوی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا بلکہ اس کو لوگ شان علم کے خلاف رکھتے ہیں۔ میں نے بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ مبلغ علم ان کا اردو میں میلاد کی چند کتابیں، مگر ان کو دیکھ کر نہیں پڑھا کرتے بلکہ ایک مسلسل مضمون یاد کر لیا اور اسی کو زبانی جا بجا پڑھا کرتے ہیں۔ (حیات اعلی حضرت اول، ص: ۱۵۰ مطبع مذکور)

ملک العلما اعلی حضرت کے خطابات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایسے جلیل القدر مجدد اور وقت کے عظیم محقق نے برسر مجلس کتاب دیکھ کر پڑھی جس نے بدایوں شریف میں سورہ والضحی پر مسلسل چھ گھنٹے تقریر فرمائی۔ تاریخ میں علمی تواضع کی ایسی

مثال مشکل سے ملے گی۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس شریف میں بدایوں تشریف لے گئے، وہاں نو بجے صبح سے تین بجے تک کامل چھ گھنٹے سورہ والضحیٰ پر اعلیٰ حضرت کا بیان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس سورۃ مبارکہ کی کچھ آیات کریمہ کی تفسیر میں اسی ۸۰ جز رقم فرما کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن پاک لکھ سکوں۔ ۸۹ ملخصاً (حیات اعلیٰ حضرت اول ص: ۳۵۷ مطبع مذکور)

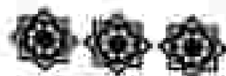
مال سے محبت نہیں:

آج کے پیر مال کی طرف لپکتے اور مالداروں کو دیکھ رال ٹپکاتے ہیں۔ اس کے باوجود علمی شیخی ایسی کہ "ہمچنیں دیگرے نیست" مگر ہمارے سرکار اعلیٰ حضرت کی شان ہی نرالی تھی۔ وہ دنیا سے بے رغبت اور دنیاداری سے دور رہے۔ کسی نے نوابوں کی طرف مائل بھی کرنا چاہا تو فرمایا

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں

کبھی کسی اہل ثروت سے من حیث المال محبت کیا تعلق بھی نہیں رکھا اپنی جائداد سے بھی جو دولت آتی وہ اکثر فقرا میں تقسیم ہوتی، کوئی سائل محروم نہ لوٹتا، سب کا دامن بھرتے اور اپنے پاس نہ ہونے کبھی کچھ خیال نہ فرماتے۔ اس طرح کے واقعات سے ان کی سوانحی کتابیں بھری ہیں دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں۔ آپ خود ہی ایک مجلس میں یہ بیان فرماتے ہیں

الحمد للہ کہ میں نے مال من حیا ھو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے، طرح اولاد من حیث ھو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم عمل نیک ہے اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔ (الملفوظ چہارم ص ۲۴۸ تخریج شدہ ایڈوانس پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ)



مفتی جمیل احمد قادری
بانی: جامع رضا پٹنہ

امام احمد رضا اور مخدوم جہاں کے مکتوبات میں رنگ تصوف کی یکسانیت

امام احمد رضا گروہ صوفیاء کے ان کامل ترین افراد سے ہیں ان کی ایک ایک ادا سے تصوف کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ رشد و ہدایت کے چشمے ابلتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، جس زاویے سے انہیں دیکھا جائے خدا یاد آتا ہے۔

مخدوم جہاں کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیاء میں ہے۔ کشف و کرامت کے تاجداروں کی صف اول میں آپ کا نام ہے۔ آپ نے تسبیح کے دانوں کے علاوہ قلم سے بھی ذکر و عبادت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ نے ڈھیر ساری کتابیں لکھی ہیں۔ اور ہر کتاب معنوی خوبیوں سے آراستہ اور حکمت و دانائی کا خزانہ ہے۔ لیکن آپ کے مکتوبات جو دو جلدوں میں ''مکتوبات صدی'' اور ''مکتوبات دو صدی'' کے نام سے شائع ہیں۔ ان کا جواب نہیں۔ علم تصوف میں نہایت گراں مایہ اور بلند مرتبہ کتاب ہیں۔ اپنے مکتوبات کے بارے میں حضرت مخدوم جہاں خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اس فقیر کے مکتوبات و ملفوظات جو وہاں پہنچے ہیں انہیں آداب کے ساتھ مطالعہ کیجئے۔ اور اس پر اپنی وسعت اور قوت کے مطابق عمل کیجئے۔ اس قانون کے تحت کے قلم بھی زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ القلم احد اللسانین۔

مکتوبات و ملفوظات کا وظیفہ اس تصور یعنی برزخ میں کرو کہ گویا اس فقیر کی زبانی سن رہے ہو۔'' (مکتوبات دو صدی صفحہ ۱۷)

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"برادر! جو کچھ میں تمھیں لکھتا رہا ہوں۔ اسے حضوری دل کے ساتھ پڑھتے رہو۔ عادۃً نہیں۔ اس لیے کہ یہ قصہ اور افسانہ نہیں۔ تنہائی میں مطالعہ کرو اور بہتر۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ بزرگان طریقت نے جو مجاہدے اور کام کیے ہیں۔ جب ہم ان کو نہیں کر سکتے۔ تو ان کے ملفوظات اور ان کی کتابوں سے ہمیں کیا فائدہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ مشائخ طریقت کے مکتوبات وکلمات زمین پر خدا کے لشکر کی حیثیت دیکھتے ہیں۔ اس کو جو شخص پڑھتا رہیگا۔ اگر وہ شیر ہے تو شیر نر ہو جائے گا۔ اور اگر نامرد ہے تو مرد ہو جائیگا۔"

(مکتوبات دوصدی، ص ۱۷۔۱۸)

مخدوم جہاں کا عہد آج سے تقریباً پونے آٹھ سو برس پہلے کا ہے۔ ۲۹ شعبان ۶۶۱ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے (مخدوم جہاں کا گوشۂ حیات، ص ۲۱) مخدوم جہاں کا زمانہ عہد نبوی سے نسبتاً قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں صفائے قلبی طہارت باطنی، اخلاص نیت وعمل، دینی جذبات، مذہبی بیداری، عقائد ونظریات کی پاکیزگی، شرافت نفس اور سادگی جیسی چیزیں عام تھیں۔

لیکن امام احمد رضا کا دور آتے آتے عہد نبوت کا فاصلہ تیرہ صدیوں پر محیط ہو گیا۔ اس طویل دورانیے نے زمانے میں بڑا انقلاب برپا کیا۔ فکریں بدلیں، نظریات تبدیل ہوئے، قوت عمل کمزور ہوئی، دین سے دوری، مذہبی آزادی، بدعملی، اور بداعتقادی جیسی بیماریاں عام ہو گئیں۔

اس کے باوجود امام احمد رضا کے مکتوبات میں تصوف کا جو رنگ نظر آتا ہے۔ وہ آج سے پونے آٹھ سو سال والے رنگ سے نہایت ملتا جلتا۔ مکتوبات مخدوم بہار کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔

ناظرین اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی مثال

حضرت مخدوم پاک لکھتے ہیں:

''اے بھائی! دنیا کی حیثیت جب پاخانہ (بیت الخلاء) کی ہے۔ تو پاخانہ سے نعمت، لذت، راحت و ذوق کے کیا معنیٰ؟ اور اس کا اشارہ اسی طرف ہے کہ مومن کو چاہیے دنیا میں ایسے رہے۔ جیسے بیت الخلاء میں وقت گزارتا ہے یعنی ضرورت کی مقدار میں وہ بھی ناخوشی، نفرت و کراہت کے ساتھ رغبت و خوشی کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہتا۔ جب ساری دنیا کا یہی حال ہے جیسا کہ تم نے سنا۔ تو کسی کو اس سے کیا فائدہ پہنچا، اور پہنچے گا۔ جو دین کو چھوڑ کر دنیا اختیار کر لے۔ اور دین و دنیا دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔'' (مکوبات دوصدی، ص ۹۳)

اب امام احمد رضا کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔ جو اپنے علمی فرزند ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری کو لکھا ہے۔ خط کا مضمون ہے۔

''آپ کا خط در بارۂ پریشانی دنیا آیا تھا۔ اس خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات واحادیث در بارۂ ذم دنیا (یعنی دنیا کی برائی میں) منع التفات بہ تمول اہل دنیا (یعنی دنیوی مال کی طرف متوجہ ہونے سے روکنے میں) لکھ کر بھیجوں، مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ بدہ کو دست غیب سے بعونہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ بندہ کو دست غیب سے بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے (یعنی خدا کی مدد سے نفع بخش علم حاصل ہے۔) ثبات علی السنۃ ہے (یعنی سنت رسول پر ثابت قدمی حاصل ہے۔) ان (دنیاداروں) کے پاس علم نہیں۔ یا علم مضر ہے (یعنی خطرناک علم) اب کون زائد ہے۔ کس پر نعمت حق بیشتر ہے۔ بشرط ایمان وعدۂ علو وغلبہ باعتبار دین ہے (آیۂ کریمہ انتم الاعلون ان کنتم) مومنین کی طرف اشارہ ہے کہ بلندی اور غلبہ کا وعدہ دینی اعتبار سے ہے۔ یعنی مومنین اپنے دین میں بلند وغالب

رہیں گے۔) نہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے۔

دنیا سجن مومن (یعنی مومن کے لیے قید خانہ) ہے۔ سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محل فضل نہیں۔؟ دنیا فاحشہ ہے اپنے طالب سے بھاگتی اور ہارب (بھاگنے والے) کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف (اتنی روزی جس سے اس کا کام چل جائے) بس ہے۔"

(مکاتیب ملک العلماء قلمی بحوالہ حیات اعلیٰ حضرت، ج اول ص ۱۳۱)

زمانہ مختلف ہے۔ الفاظ مختلف۔ لکھنے والے دونوں مقدس ذات مختلف لیکن دونوں خطوط میں معنوی یکسانیت کس قدر اور کتنی زبردست ہے۔

دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں:

مخدوم بہار نے ایک دوسرے مکتوب میں فرمایا:

"یہ بوڑھی دلہن (حیا) بہت سے خونخوار بادشاہوں کو موت کے گھاٹ اتارنا، اپنے عاشقوں کو پامال کرنا نہیں بھولتی۔ اگر کسی کو کچھ دیتی ہے۔ تو واپس بھی لے لیتی ہے۔ الدنیا ساحرہ یہ دنیا جادوگرنی ہے۔ اس کا جادو اس درجہ ہے کہ اس کی آرائش و زیبائش خواب کی طرح ہے۔"

(مخدوم بہار کا گوشۂ حیات، ص ۵۲)

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس رنگ کو اپنے نعتیہ کلام کے دو مصرعوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

شہد دکھائے زہر پلائے، قاتل، ڈائن، شوہر کش۔
اس مردار پہ کیا للچائے دنیا دیکھی بھالی ہے

یعنی دنیا وہ ظالم محبوب ہے۔ جو اپنے عاشق کو شہد دکھاتی ہے۔ لیکن دھوکے سے زہر پلاتی ہے۔ قاتل ہے، ڈائن ہے، شوہر کش یعنی شوہر کو مار ڈالنے والی ہے۔ اس میں وفا نام کی کوئی چیز نہیں۔ حدیث پاک میں اسے مردار یعنی مرے ہوئے جانور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو کسی کے

کام کا نہیں ہوتا۔ نہ مالک کے کام کا نہ دوسروں کے قابل۔ دنیا بھی نہ تو اپنے مالک اللہ عزوجل کو پسند ہے۔ نہ اس کے بندوں کے قابل اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، ایسے مردار پر کیا للچا ہیے دیکھی بھالی ہے۔

اس طرح امام احمد رضا کی دوسری تحریروں میں بھی تصوف کا گہرا رنگ نظر آتا ہے مگر میں نے چونکہ مکاتیب کے حوالے سے سلوک کا رنگ دکھانے کا التزام کیا ہے۔ اور وہ بھی مخدوم جہاں کے مکتوبات کے رنگ میں۔ لہٰذا روئے سخن کا اپنے قبلہ سے منحرف ہونا مناسب نہیں۔

تیسری مثال:

ایک شخص حالت سفر میں پولس والوں کے ہاتھوں ستایا جاتا ہے۔ اسے مختلف مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ جب اس کی اطلاع مخدوم بہار کو ہوئی تو ہمدردی کے سوتے پھوٹ پڑے۔ مختلف جہات سے اسے تسلیاں دیں، سمجھایا، اس کے زخمی دل پر محبتوں کا مرہم رکھا۔

الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"میرے عزیز بھائی شمس الدین! اسلام قبول کرو۔

جانو! سنا ہے کہ دہلی سے تم آگئے، اس سفر میں بہت زیادہ زحمت و پریشانی ہوگی۔ کسی قصبہ میں مشرقی حکومت کے فوجیوں نے بہت ستایا۔ مال واسباب بھی ضائع ہوئے۔ اس قصبہ میں ٹھہرنے سے پریشانیوں کا سامنا ہوا۔

اے بھائی! تم نے پڑھا ہے۔ الدنیا دار بلاء و محنۃ (دنیا تکلیف ومصیبت کی جگہ ہے۔) کسی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی وقت بغیر مصیبت وبلا میں گرفتار ہوئے ایک قدم بھی بڑھا سکے۔ لازماً اس دنیا میں رنج ومصیبت ہی کے ساتھ گزر بسر کرنا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی جانب سے جو بھی پیش آتے اس کے آگے گردن جھکا دینا ہی بندگی ہے۔ اور بندگی اپنی مراد و آرزو کی ضد ہے۔ دو مختلف چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔"

(مکتوبات دوصدی، ص ۱۷۳)

بات یہیں تک ختم نہیں ہو گئی۔ مخدوم جہاں نے سیدنا آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام کے قصے تحریر فرمائے۔ امام المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات سنائے۔ حضرت علی اور دوسرے اکابرین دین کے احوال واقوال پیش کیے۔ غرض ہر ممکن طریقے سے اسے ڈھارس بندھائی، اس کے دکھ درد کو کم کرنے کی کوشش کی۔

اب آیئے امام اہلسنت، حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں۔ یہاں ایک شخص کا بچہ مر جاتا ہے۔ باپ کے دل کو بے پناہ صدمہ پہنچا اعلیٰ حضرت کو خبر ہوتی تو خط روانہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو ہمدردی کا اچھوتا انداز فرماتے ہیں۔

"سید ظہیر الحسن سلمہ کی زبانی حال پر ملال انتقال برخوردار معلوم ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کا ہے جو اس نے لیا۔ اور اسی کا ہے جو اس نے دیا۔ اور ہر چیز کی اس کے یہاں عمر مقرر ہے۔ اس سے کمی بیشی نا مقصود ہے۔ بے صبری سے گئی چیز واپس نہیں آسکتی۔ ہاں اللہ کا ثواب جاتا ہے۔ جو ہر چیز سے اعز واعلیٰ ہے۔ اور محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہا۔

صحیح حدیث میں ہے جب فرشتے مسلمان کے بچے کی روح قبض کر کے حاضر بارگاہ عزت ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل فرماتا ہے (اور وہ خوب جانتا ہے۔) کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرتی۔ عرض کرتے ہیں۔ ہاں اے رب ہمارے! فرماتا ہے کیا تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا، عرض کرتے ہیں، ہاں اے رب ہمارے! پھر اس نے کیا کیا، عرض کرتے ہیں۔ تیری حمد بجالایا اور الحمد للہ کہا، فرماتا ہے، گواہ رہو، میں نے اسے بخش دیا۔ اور جنت میں اس کے لیے ایک مکان تیار کرو، اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے تین بچے نابالغی میں مر

جائیں گے۔ آتش دوزخ (جہنم کی آڑ) سے اس کے لیے حجاب ہو جائیں گے۔ کسی نے عرض کی اگر دو مرے ہوں، فرمایا دو بھی، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔ اگر کسی کا ایک ہی مرا ہو فرمایا ایک بھی، اسے نیک سوالوں کی توفیق دی گئی۔ اس حکم میں ماں باپ دونوں شامل ہیں۔

آپ اور آپ کے گھر میں (یعنی بیوی) دونوں صاحب یہ دعا پڑھیں۔)

(شمع شبستان رضا حصہ اول، ص ۹۸۔۹۹)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ایک دعا تحریر کی اور اس دعا کی برکت بھی بتائی۔ غرض ہر طرح سے اس شخص کے زخمی دل کا مداوا کیا، اس کے بہتے آنسوؤں کو اپنے دامن میں جذب کرنے کے تمام جتن کئے، قرآن کی آیت، حدیث کے ارشاد، دعا کی تعلیم، پھر دعا کی برکات سب سنا کر اس کے دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا۔

ناظرین! دونوں خطوط کے مضامین الگ الگ ہیں۔ اسباب جدا جدا، لیکن روح ایک ہے۔ اور وہ ہے مسلمان کی ہمدردی دکھے دلوں کا علاج، اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں جگہ ایک ہی جلوہ نظر آرہا ہے۔

چوتھی مثال:

مخدوم بہار نے کفر کی دو قسمیں کیں۔ اور فرمایا کہ کفر دو طرح کا ہے کفر ظاہر اور کفر باطن، مکتوب کے الفاظ ہیں۔

"آں برادر اور دوسرے عزیزان، کوئی لکھتا ہے۔ ملک العارفین یا ملک المشائخ، یا ایسے ہی اور القاب۔ یہ کم رتبہ (مخدوم جہاں) خود کو اچھی طرح جانتا ہے، اور پہچانتا ہے۔ لیس الخبر کالمعائنہ (سنی سنائی بات آنکھوں دیکھی جیسی نہیں ہو سکتی) اپنے نفس زنار، نفاق، شرک و کفر میں توحید اور مسلمان کی تحقیق و دریافت کرتے ہوئے تیس چالیس سال بیت گئے، توحید اور حقیقی ایمان تک کب پہنچوں گا، شاید گور (قبر) میں جانے کی نوبت آجائے۔

ہزاروں رحمت اس جان پر ہو بلا شبہ اس راہ کو طے کئے ہوئے اور اس کفر و شرک اور بت و زنار سے جو باطن میں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ آگاہ ہیں۔ اور اسے دیکھے ہوئے ہیں۔'' (مکتوبات دو صدی ۲۹۴۔۲۹۵)

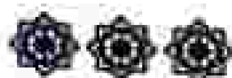
امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتے کو اپنے مخصوص لب و لہجے میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

''یوں ہی کفر دو قسم ہے۔ ایک زائل جو کفر کفار ہے۔ جس کی سزا خلود فی النار ہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا) ہر کافر موت کے بعد اس سے باز آتا ہے۔ دوسرا کفر ثابت۔۔۔ جو ابدالآباد (ہمیشہ ہمیشہ تک) قائم رہے گا۔ جسے علماء دین نے جزو ے ایمان فرمایا ہے۔۔۔ صحیح حدیث میں ہے۔ جب مینہ برستا ہے اور مسلمان کہتا ہے۔ ہمیں اللہ کے فضل و رحمت سے مینہ ملا ،اللہ عزوجل اسے فرماتا ہے۔ مومن بی و کافر بالکواکب مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور مجھ تر سے کفر و انکار۔

الحمد للہ! طاغوت و شیطان و بت و جملہ معبودان باطل کے ساتھ ملسمانوں کا یہ کفر و انکار ابدالآباد تک قائم رہے گا۔ بخلاف کفر کفار کے کہ اللہ و رسول سے ان کا کفر قیامت، بلکہ برزخ بلکہ سینہ پہ دم آتے ہی جس وقت ملائکہ عذاب کو دیکھیں گے، زائل ہو جائیگا۔''

(الملفوظ، حصہ اول، ص ۳۱)

یہ خط مارہرہ مقدسہ کے سید شاہ نورعالم میاں کو لکھا گیا تھا۔ اس قسم کی ان گنت مثالیں ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند کا ذکر کر دیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔



حافظ حماد رضا قادری:
دار العلوم وارثیہ لکھنؤ

فرمودات امام احمد رضا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے فضائل وکمالات اور ان کی علمی وفنی اور روحانی عظمتوں پہ صاحبان فکر ونظر نے بہت کچھ لکھا ہے اور مزید لکھا جاتا رہے گا۔ مگر ان کے ملفوظات میں جو بات ہے اسے پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ ہم ان کی مجلس میں بیٹھے ہیں اور ان کے الفاظ ہمارے ذہنوں سے ہوتے ہوئے دلوں میں راسخ ہو رہے ہیں۔

ان کے فرمودات کے مجموعے بھی مختلف ناموں سے منظر عام پہ آچکے ہیں جس نے عوامی حلقے میں بڑی اثر اندازی دکھائی۔ ان کتابوں میں مولانا عبد المبین نعمانی صاحب کی ''ارشادات اعلیحضرت'' اور مولانا عیسیٰ رضوی کی ''فرمودات اعلیٰ حضرت ہم نے احمد فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ میں دیکھا ہے۔ خیال ہوا کہ کیوں نہ اس صدی مجلہ کے لئے ملفوظات رضا سے کچھ ہم بھی چنیں اور قارئین تک یہ گلدستہ پہنچائیں اسی غرض سے ذیل میں چند منتخب عناوین کے تحت اعلیٰ حضرت کے فرمودات پیش خدمت ہیں قارئین ملاحظہ فرمائیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علمی فیضان سے مالا مال ہوں

نظام الحق والدین محبوب الٰہی قدس سرہ، العزیز کی عظمت شان:

امام احمد رضا ایک بار میں نظام الحق والدین محبوب الٰہی قدس سرہ، العزیز کی بارگاہ میں تین قلندروں کے حاضر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

تین قلندر نظام الحق والدین محبوب الٰہی قدس سرہ، العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھانا مانگا۔ خدام کو لانے کا حکم فرمایا۔ خادم نے جو کچھ اس وقت موجود تھا، اُن کے سامنے رکھا۔ اُن میں سے ایک نے وہ کھانا اٹھا کر پھینک دیا اور کہا: اچھا کھانا لاؤ۔ حضرت نے اس

ناشائستہ حرکت کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ خدام کو اس سے اچھا لانے کا حکم فرمایا۔ خادم پہلے سے اچھا کھانا لایا، انہوں نے پھر پھینک دیا اور اس سے بھی اچھا مانگا۔ حضرت نے اور اچھے کا حکم دیا۔ غرض انہوں نے اس بار بھی پھینک دیا، اور اس سے بھی اچھا مانگا۔ اس پر اس قلندر کو اپنے پاس بلایا اور کان میں ارشاد فرمایا: کہ یہ کھانا اس مُردار بَیل سے تو اچھا تھا جو تم نے راستہ میں کھایا۔ یہ سنتے ہی قلندر کا حال متغیر (یعنی تبدیل) ہوا۔ راہ میں تین فاقوں کے بعد ایک مرا ہوا بیل جس میں کیڑے پڑ گئے تھے ملا تھا، اُس کا گوشت کھا کر آئے تھے۔ قلندر حضور کے قدموں پر گرا۔ حضور نے اس کا سر اٹھا کر اپنے سینے سے لگالیا اور جو کچھ عطا فرمانا تھا عطا فرمادیا۔ اس وقت وہ وجد میں رقص کرتا اور یہ کہتا تھا کہ میرے مرشد نے مجھے نعمت عطا فرمائی ہے۔ حاضرین نے کہا: بیوقوف جو کچھ تجھے ملا وہ حضرت کا عطا کیا ہوا ہے، یہاں تک تو تُو بالکل خالی آیا تھا۔ کہا: بے وقوف تم ہو اگر میرے مرشد نے مجھ پر نظر نہ کی ہوتی تو حضور کیوں نظر فرماتے، یہ اُسی نظر کا ذریعہ ہے۔ اس پر حضرت نے کہا: یہ سچ کہتا ہے اور فرمایا: بھائیو! مرید ہو تو اس سے سیکھو۔

زیارتِ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وظیفہ

عرض: حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارتِ شریفہ حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

ارشاد: دُرود شریف کی کثرت شب میں اور سوتے وقت کے علاوہ ہر وقت تکثیر (یعنی کثرت) رکھے بالخصوص اس دُرود شریف کو بعد عشاء سو بار یا جتنی بار پڑھ سکے پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْہِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ

حصولِ زیارتِ اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اس سے بہتر صیغہ نہیں مگر خالص تعظیم شانِ اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے پڑھے اس نیت کو بھی جگہ نہ دے کہ مجھے زیارت عطا ہو، آگے اُن کا کرم بے حد و بے انتہا ہے۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائی

(قربت و دُوری سے کیا مطلب! دوست کی رضا و خوشنودی طلب کر کہ اس کے علاوہ اُس سے دوسرے کی آرزو کرنا افسوس ناک بات ہے۔ت)

پریشانی دُور کرنے کا وظیفہ

مولوی عبدالرحمن صاحب بہاری جے پوری: حضور حاجی عبدالجبار صاحب کو اکثر اوقات پریشانی رہتی ہے۔

ارشاد: لاحول شریف کی کثرت کریں یہ ۹۹ بلاؤں کو دفع (یعنی دُور) کرتی ہے۔ اُن (بلاؤں) میں سب سے آسان تر پریشانی ہے اور ۶۰ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے روز پی لیا کریں۔

رزق میں برکت کا وظیفہ:

عرض: برکتِ رزق کی کوئی دُعا حضور ارشاد فرمائیں میں آجکل بہت پریشان ہوں۔

ارشاد: ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خدمتِ اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوئے اور عرض کی دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی۔ فرمایا کیا وہ تسبیح تمہیں یاد نہیں جو تسبیح ہے ملائکہ کی اور جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ خلقِ دنیا آئے گی تیرے پاس ذلیل و خوار ہو کر، طلوعِ فجر کے ساتھ سو بار کہا کر سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحٰنَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ (لسان المیزان، حرف العین، الحدیث ۵۱۰۰، ج ۴، ص ۳۰۴)

اُن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سات دن گزرے تھے کہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی، حضور! دنیا میرے پاس اس کثرت سے آئی، میں حیران ہوں کہاں اٹھاؤں کہاں رکھوں۔ اس تسبیح کا آپ بھی وِرد رکھیں، حتّی الامکان طلوعِ صبح صادق کے ساتھ ہو ورنہ صبح سے

پہلے جماعت قائم ہو جائے تو اس میں شریک ہو کر بعد کو عدد پورا کیجئے اور جس دن قبل نماز بھی نہ ہو سکے تو خیر طلوعِ شمس سے پہلے۔

بیماری بھی نعمت ہے

(اسی تذکرے میں ارشاد فرمایا) اگر چالیس (40) دن گزر جائیں کہ کوئی علت (یعنی بیماری یا تکلیف) یا قلت (یعنی تنگی) یا ذلت نہ ہو تو خوف کرے کہ کہیں چھوڑ نہ دیا گیا۔

دُعا قبول ہونے میں تاخیر کا ایک سبب:

حدیث میں ہے، جب کوئی مقبول بندہ ربّ عزّوجلّ کی طرف اپنی کسی حاجت کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے اور گڑگڑاتا ہے، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ارشاد ہوتا ہے، اے جبریل اس کی حاجت رہنے دے کہ مجھے اس کا گڑگڑانا اور میری طرف منہ اٹھانا اچھا معلوم ہوتا ہے اور جب کوئی فاسق اپنی حاجت کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اے جبریل! اس کی حاجت جلد رَوا (یعنی پوری) کر دے کہ مجھے اپنی طرف اس کا منہ اٹھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ (المعجم الاوسط، من اسمہ موسیٰ الحدیث ۸۴۴۲، ج۶، ص ۱۸۳)

اپنے نفس کی خاطر کوئی کام نہیں کیا:

دو صاحب اَولیائے کرام سے ایک دریا کے اِس کنارے اور دوسرے اُس پار رہتے تھے۔ اُن میں سے ایک صاحب نے اپنے یہاں کھیر پکوائی اور خادم سے کہا "تھوڑی ہمارے دوست کو بھی دے آؤ" خادم نے عرض کی: حضور راستے میں تو دریا پڑتا ہے کیوں کر پار اُتروں گا، کشتی وغیرہ کا کوئی سامان نہیں۔ فرمایا: دریا کے کنارے جا اور کہہ کہ میں اُس کے پاس سے آیا ہوں جو آج تک اپنی عورت کے پاس نہیں گیا۔ خادم حیران تھا کہ یہ کیا معمّا ہے اس واسطے کہ حضرت صاحبِ اولاد تھے۔ بہر حال تعمیلِ حکم ضرور تھی، دریا پر گیا اور وہ پیغام جو ارشاد فرمایا تھا کہا۔ دریا نے فوراً راستہ دے دیا۔ اس نے پار پہنچ کر ان بزرگ کی خدمت میں کھیر پیش کی۔ انہوں نے نوشِ جان فرمائی (یعنی کھائی) اور فرمایا: ہمارا سلام اپنے آقا سے کہہ دینا۔ خادم نے عرض کی کہ سلام تو جبھی کہوں گا جب دریا سے پار اُتر جاؤں۔ فرمایا: دریا پر جا کر

کہہ: میں اس کے پاس سے آتا ہوں جس نے تیس برس سے آج تک کچھ نہیں کھایا۔ خادم شش و پنج (یعنی اُلجھن) میں تھا۔ یہ عجیب بات ہے ابھی تو میرے سامنے کھیر تناول فرمائی اور فرماتے ہیں اتنی مدت سے کچھ نہیں کھایا مگر بلحاظِ ادب خاموش۔ دریا پر آ کر جیسا فرمایا تھا کہہ دیا۔ دریا نے پھر راستہ دے دیا، جب اپنے آقا کی خدمت میں پہنچا تو اس سے نہ رہا گیا اور عرض کی: حضور یہ کیا معاملہ تھا؟ فرمایا: ہمارا کوئی فعل اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتا۔

سامنے سے کھانا اُٹھوا دیا:

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا زمانہ خلافت ہے آپ مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے نماز پڑھ کر تشریف لئے جاتے ہیں۔ ایک مسافر نے کھانا مانگا، امیر المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسے ہمراہ لے آئے۔ خادم بحکم امیر المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کھانا حاضر کرتا ہے۔ اتفاقاً کھاتے کھاتے اس کی زبان سے ایک بدمذہبی کا فقرہ نکل جاتا ہے جس پر حضور (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فوراً اُس کے سامنے سے کھانا اُٹھوا لیتے ہیں اور خادم کو حکم دیتے ہیں کہ اُسے نکال دے۔ (کنز العمال، ج ۱۰، ص ۱۱۷)

وہابی واعظ کا پردہ چاک ہو گیا

ربُّ العزت (عزّ وجلّ) کی شان ہے کہ بدمذہب کیسا ہی جامہ عیاری پہن (یعنی بھیس بدل) کر میرے سامنے آئے، خود بخود دل نفرت کرنے لگتا ہے۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ کے زمانہ حیات میں دہلی کا ایک واعظ حاضر ہوا اور اس وقت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اسماعیل دہلوی اور وہابیہ پر بڑے شدّ و مد (یعنی زور و شور) سے دیر تک لعن طعن کی اور اس نے اپنے سُنّی ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا۔ میرے بچپن کا زمانہ تھا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے اپنا خیال حضرت کی خدمت میں ظاہر کیا کہ مجھے تو یہ پکا وہابی معلوم ہوتا ہے۔ مولانا بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ××× ابھی تو وہ تمہارے سامنے وہابیوں اور اسمٰعیل پر تبرا (یعنی برا بھلا) کہہ گیا ہے! میں نے عرض کی کہ میرا قلب گواہی دیتا ہے کہ یہ سب تقیہ (یعنی اپنے مذہب کو چھپاتے ہوئے جھوٹ بولنا) تھا، اسے جامع مسجد میں

وعظ کہنے کی اجازت ہمارے حضرت سے لینی ہے کہ بے حضرت کی اجازت کے یہاں وعظ نہیں کہہ سکتا، اس لئے اس نے تمہید ڈالی۔ دوسرے دن شام کو پھر حاضر ہوا۔ میں نے اسے مسائل وہابیت میں چھیڑا، ثابت ہوا کہ پکا وہابی ہے۔ (لھذا) دفع کر دیا گیا۔ اپنا سامنہ لے کر چلا گیا۔

کیا غوث ہر زمانے میں ہوتا ہے؟

عرض: غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟

ارشاد: بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔

غوث کا کشف

عرض: غوث کے مراقبے سے حالات منکشف (یعنی ظاہر) ہوتے ہیں؟

ارشاد: نہیں! بلکہ اُنہیں ہر حال یوں ہی مثل آئینہ پیشِ نظر ہے۔ (اس کے بعد ارشاد فرمایا) ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب ×× عبداللہ ×× ہوتا ہے اور وزیر دستِ راست (یعنی دائیں طرف کا وزیر) عبدالرّب اور وزیر دستِ چپ (یعنی بائیں طرف کا وزیر) عبدالملک۔ اس سلطنت میں وزیر دستِ چپ، وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنتِ دنیا اس لئے کہ یہ سلطنتِ قلب ہے اور دل جانب چپ۔ غوثِ اکبر و غوثِ ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیقِ اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے وزیر دستِ چپ تھے اور فاروقِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وزیر دستِ راست۔ پھر اُمت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروقِ اعظم و عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی، اس کے بعد امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وزیر ہوئے پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیر ہوئے پھر مولیٰ علی (کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم)

کو اور امامین محترمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے، پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب اُن کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیّدنا غوثِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مستقل غوث، حضور تنہا غوثیتِ کبرےٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور غوثِ اعظم بھی ہیں اور سیّدُ الافراد بھی، حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تک سب نائب حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیتِ کبریٰ عطا ہوگی۔

اَفراد کون ہیں؟

عرض: حضور اَفراد کون اصحاب ہیں؟

ارشاد: اَجِلّہ اولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ہوتے ہیں۔ ولایت کے دَرَجات ہیں، غوثیت کے بعد فردیت۔

حضور غوثِ پاک کی شان

ایک صاحب اَجِلّہ (یعنی جلیل القدر) اَولیائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے کسی نے پوچھا: حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ فرمایا: ابھی ابھی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ فرماتے تھے: میں نے جنگل میں ٹیلے پر ایک نُور دیکھا جب میں قریب گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کمبل کا نور ہے۔ ایک صاحب اُسے اوڑھے سو رہے ہیں۔ میں نے پاؤں پکڑ کر ہلایا اور جگا کر کہا: اُٹھو مشغول بخدا ہو۔ کہا، آپ اپنے کام میں مشغول رہیں مجھے میری حالت پر رہنے دیجئے۔ میں نے کہا میں مشہور کئے دیتا ہوں، یہ ولی اللہ ہے۔ کہا: میں مشہور کر دوں گا کہ یہ حضرت خضر (علیہ السلام) ہیں۔ میں نے کہا، میرے لئے دعا کرو۔ کہا: دعا تو آپ ہی کا حق ہے۔ میں نے کہا: تمہیں دُعا کرنی ہوگی کہا: وَفَّرَ اللّٰہُ حَظَّکَ مِنْہُ" اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ (یعنی حصہ) زائد کرے اور کہا: میں اگر غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ فرمائیے گا

اور فوراً نظر سے غائب ہو گئے حالانکہ کسی ولی کی طاقت نہ تھی کہ میری نگاہ سے غائب ہو سکے۔ وہاں سے آگے بڑھا، ایک اور اسی طرح کا نور دیکھا کہ نگاہ کو خیرہ کرتا (یعنی آنکھ کو چندھیاتا) ہے۔ قریب گیا تو دیکھا ٹیلے پر ایک عورت کمبل اوڑھے سو رہی ہے۔ وہ اس کے کمبل کا نور ہے میں نے پاؤں ہلا کر ہوشیار کرنا چاہا۔ غیب سے ندا آئی، اے خضر (علیہ السلام) احتیاط کیجئے۔ اس بی بی نے آنکھ کھولی اور کہا: حضرت نذر کے یہاں تک کہ رو کے گئے۔ میں نے کہا: اچھا مشغول بخدا ہو۔ کہا: حضرت اپنے کام میں مشغول رہیں، مجھے اپنی حالت پر رہنے دیں۔ میں نے کہا: تو میں مشہور کئے دیتا ہوں: یہ ولی اللہ ہے کہا، میں مشہور کر دوں گی کہ یہ حضرت خضر (علیہ السلام) ہیں۔ میں نے کہا: میرے لئے دعا کرو۔ کہا: دُعا تو آپ کا حق ہے۔ میں نے کہا تمہیں دُعا کرنی ہوگی۔ کہا: وَفَّرَ اللّٰہُ حَظَّكَ مِنْهُ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد کرے۔ پھر کہا: اگر میں غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ فرمایئے گا۔ میں نے دیکھا یہ بھی جاتی ہے، کہا: یہ تو بتایئے کیا تو اسی مرد کی بی بی ہے۔ کہا: ہاں یہاں ایک ولیہ کا انتقال ہو گیا تھا اس کی تجہیز و تکفین کا ہمیں حکم ملا تھا۔ یہ کہا اور میری نگاہ سے غائب ہو گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ لوگ اَفراد ہیں۔ میں نے کہا وہ بھی کوئی ہے جس کی طرف یہ رجوع لاتے ہیں۔ فرمایا: ہاں! شیخ عبد القادر جیلانی

غوث کا جانشین

عرض: غوث کے انتقال کے بعد درجہ غوثیت پر کون مامور ہوتا ہے؟

ارشاد: غوث کی جگہ اِمامین سے غوث کر دیا جاتا ہے اور اِمامین کی جگہ اوتاد اربعہ سے اور اوتاد کی جگہ بُدلا (یعنی ابدالوں) سے بُدلا کی جگہ پر ابدال سبعین سے اور ان کی جگہ تین سو نقبا سے۔ پھر اولیاء سے اور اولیاء کی جگہ عامہ مؤمنین سے کر دیا جاتا ہے۔ کبھی بلا لحاظ ترتیب کافر کو مسلمان کر کے بدل کر دیتے ہیں، اُن کا مرتبہ اَبدال سے زیادہ ہے۔

طلب اور بیعت میں فرق

عرض: حضور طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے؟

ارشاد: طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکہ۔

بیعت کی 4 شرائط

بیعت اس شخص سے کرنا چاہیے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی:

اولاً: سنی صحیح العقیدہ ہو۔

ثانیاً: کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی کی امداد کے اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

ثالثاً: اُس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک مُتَّصِل (یعنی ملا ہوا) ہو، کہیں مُنْقَطِع (یعنی ٹوٹا ہوا) نہ ہو۔

رابعاً: فاسقِ مُعلِن نہ ہو۔

پیر کے ہاتھوں میں ہاتھ دے چکا ہوں

(اسی سلسلہ بیان میں ارشاد ہوا کہ) لوگ بیعت بطورِ رسم ہوتے ہیں، بیعت کے معنی نہیں جانتے۔ بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) کے ایک مُرید دریا میں ڈوب رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ اُن مرید نے عرض کی: یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) کے ہاتھ میں دے چکا ہوں اب دوسرے کو نہ دوں گا حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے اور حضرت یحییٰ منیری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا۔

بدمذہبوں کی زبان درازیاں اور اعلیٰ حضرت کا طرزِ عمل

عرض: واقعی اگر (وہابیہ کا) منہ بند ہوا ہے تو حضور (یعنی اعلیٰ حضرت قبلہ) ہی کی ذات بابرکات سے، دل میں نامعلوم کیا کیا کہتے ہوں گے؟

ارشاد: اس کا کیا خوف! دل میں کیا، برملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔ بعض خط تو مُغَلَّظات (یعنی گالیوں) سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط (یعنی وہ خطوط جن کا محصول پہلے ادا نہ کیا گیا ہو) بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اَللّٰہُ اَعْلَم کتنے آتے ہیں؟ مجھے اس کی پرواہ

ہیں۔ اس سے زیادہ میری ذات پر حملہ کریں، میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزّ وجلّ نے مجھے
ین حق کی سپر (یعنی ڈھال) بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے، گالیاں دیتے، برا بھلا کہتے ہیں
اتی دیر اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر
ے بھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت اُن کی
زت پر نثار ہی ہونے کے لیے ہے بلکہ اُن پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ قرآنِ عظیم میں ارشاد
فرمایا:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا

البتہ تم مشرکوں اور اگلے کتابیوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔ (پ ۴، آل عمران: ۱۸۶)
بڑے بڑے ائمہ ومجتہدین وصحابہ وتابعین تو مخالفین کے سبّ وشتم (یعنی گالی گلوچ)
سے بچے نہیں یہ در کنار جب اللہ واحد قہار اور اس کے پیارے حبیب ومحبوب احمد مختار صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانا چاہی، انہیں عیب لگائے تو اور کوئی کس گنتی میں؟

کیا رُوح اور جسم ایک ہی چیز کے دو نام ہیں؟

عرض: حاشیہ خیالی پر مولوی عبدُ الحکیم نے لکھا کہ رُوح اور جسم میں اتحاد ذاتی اور تغایر
اعتباری ہے۔

ارشاد: یہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا۔ رُوح یعنی نفسِ ناطقہ کو مادے سے مجرّد (یعنی
خالی) جانتے ہیں یا نہیں؟ اور جسم مادی ہے تو کیسے اتحاد ہوگا؟ محال ہے۔ نہ شرعاً صحیح نہ عقلاً۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي

ترجمہ کنزالایمان: پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح
پھونکوں۔ (پ ۲۳، ص: ۷۲)

فرمایا تو معلوم ہوا کہ بدن اور رُوح اور ہے۔

عرض: تو حلول ہوا؟

ارشاد: ہاں مُتَکَلِّمِین بدن میں رُوح کا حُلُول مانتے ہی ہیں۔

تنگ دستی دُور کرنے کا وظیفہ

عرض: آمدنی کی قلت اور اہل وعیال کی کثرت، سخت کُلفت (یعنی تکلیف) ہے۔

ارشاد: یَامُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ ۵۰۰ بار اول و آخر ۱۱، ۱۱ بار دُرُود شریف بعد نمازِ عشا قبلہ رُو باوضو ننگے سر ایسی جگہ کہ جہاں سر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، یہاں تک کہ سر پر ٹوپی بھی نہ ہو، پڑھا کرو۔

دُکان اُلٹ دوں گا:

ایک فقیر بھیک مانگنے والا ایک دکان پر کھڑا کہہ رہا تھا: ایک روپیہ دے! وہ نہ دیتا تھا۔ فقیر نے کہا: روپیہ دیتا ہے تو دے ورنہ تیری ساری دکان اُلٹ دوں گا۔✲✲ اس تھوڑی دیر میں بہت لوگ جمع ہو گئے۔ اتفاقاً ایک صاحبِ دل کا گزر ہوا جن کے سب لوگ مُعْتَقِد تھے۔ انہوں نے دکاندار سے فرمایا: جلد روپیہ اسے دے ورنہ دکان الٹ جائے گی لوگوں نے عرض کی: حضرت! یہ بے شرع جاہل کیا کر سکتا ہے؟ فرمایا: میں نے اس فقیر کے باطن پر نظر ڈالی کہ کچھ ہے بھی؟ معلوم ہوا بالکل خالی ہے پھر اس کے شیخ کو دیکھا اسے بھی خالی پایا، اس کے شیخ کے شیخ کو دیکھا انہیں اہل اللہ سے پایا اور دیکھا کہ وہ منتظر کھڑے ہیں کہ کب اس کی زبان سے نکلے اور میں دکان اُلٹ دُوں۔ تو بات کیا تھی کہ شیخ کا دامن قوت کے ساتھ پکڑے ہوئے تھا۔

ایک اِشکال اور اُس کا جواب

عرض: حضور! یہ تو جبراً روپیہ لینا ہوا۔ اُن ولی اللہ نے اگر اُس کی دکان بچانے کو دینے کی تاکید فرمائی، ممکن تھا جیسے دفعِ ظلم کے لیے رشوت دینا مگر اُس فقیر کے دادا پیر نے کہ اہل اللہ سے تھے، اس ظلم کی تائید کیونکر رَوا (یعنی جائز) رکھی؟

ارشاد: شریعتِ مطہرہ کے دو حکم ہیں: ظاہر و باطن، قاضی و عامہ ناس (یعنی عام لوگ) اُن کی رسائی ظاہر اَحوال ہی تک ہے، اُن پر اس کی پابندی لازم اگرچہ واقفِ حقیقتِ حال کے نزدیک حکم بِالعکس ہو۔

اس کی نظیر زمانہ سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں واقع ہو چکی۔ایک فقیر مفلس بے نوا، نانِ شبینہ (یعنی روٹی) کو محتاج، شب کو دُعا کیا کرتا کہ الٰہی (عزّ وجلّ) رزقِ حلال عطا فرما۔ اتفاقاً کسی شب ایک گائے اُس کے گھر میں گھس آئی۔یہ سمجھا کہ میری دعا قبول ہوئی۔یہ رزقِ حلال غیب سے مجھے عطا ہوا ہے۔گائے پچھاڑ کر ذبح کی،اُس کا گوشت پکایا اور کھایا۔صبح کو مالک کو خبر ہوئی۔وہ سرکارِ نبوت (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) میں نالشی (یعنی فریادی) ہوا۔ سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جانے دے! تُو مالدار ہے اس محتاج نے ایک گائے ذبح کرلی تو کیا ہوا؟ وہ بگڑا اور کہا: یا نبی اللہ! میں حق چاہتا ہوں۔فرمایا: اگر حق چاہتا ہے تو گائے اُسی کی تھی۔وہ اور برہم ہوا۔فرمایا: نہ صرف گائے (بلکہ) جتنا مال تیرے پاس ہے سب اُسی کا ہے۔وہ اور زیادہ فریادی ہوا تو فرمایا: تُو بھی اسی کی مِلک ہے اور اسی کا غلام ہے۔ اب تو اُس کی بے تابی کی حد نہ تھی۔فرمایا: اگر تصدیق چاہتا ہے ابھی ہمارے ساتھ چل۔

اُس فقیر اور اُس گائے والے کو ہمراہِ رکاب لے کر جنگل کو تشریف لے گئے۔واقعہ عجیب تھا،خَلق کا ہجوم ساتھ ہولیا۔ایک درخت کے نیچے حکم دیا کہ یہاں کھودو۔کھودنے سے انسان کا سَر اور ایک خنجر جس پر مقتول کا نام کندہ (یعنی لکھا) تھا، برآمد ہوا۔نبی اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اُس درخت سے ارشاد فرمایا: شہادت (یعنی گواہی) ادا کر تُو نے کیا دیکھا؟ پیڑ نے عرض کی: یا نبی اللہ! (علیہ السلام) یہ اس فقیر کے باپ کا سر ہے،یہ گائے والا اُس کا غلام تھا اس نے موقع پا کر میرے نیچے اپنے آقا کو اسی کے خنجر سے ذبح کیا اور زمین میں مع خنجر (یعنی خنجر کے ساتھ) دبا دیا اور اس کے تمام اَموال پر قابض ہو گیا۔اُس کا یہ بیٹا بہت صغیر سِن (یعنی کم عمر) تھا،اس نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو بے کس و بے زر ہی پایا اور یہ بھی نہ جانا کہ اس کا باپ کون تھا اور اُس کا کچھ مال بھی تھا یا نہیں؟ حکمِ باطن ثابت ہوا،غلام گردن مارا گیا (یعنی قتل کیا گیا) اور وہ تمام اموال وراثۃً فقیر کو ملے۔(مثنوی شریف (مترجم)، دفتر سوم، ص ۴۳،۴۴،۴۵)

وہی یہاں بھی ممکن کہ دکان دار اس فقیر کے مُورِث (یعنی جس کا یہ فقیر وارث ہے) کا مدیون (یعنی قرض دار) ہو، اگرچہ وہ فقیر بھی اُس سے واقف نہ ہو، نہ یہ دکان دار اسے پہچانتا ہو تو یہ جبر اُدا نا جبر نہیں بلکہ حق بحق دار رسانیدن (یعنی حق دار کو اس کا حق پہنچانا ہے)۔

کسی کا مُرید ہوتے ہوئے دوسرے سے بیعت کرنا:

عرض: کسی شیخ سے بیعت کر کے دوسرے سے رُجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

ارشاد: اگر پہلے میں کچھ نقصان (یعنی کمی) ہو تو بیعت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، البتہ تجدید کر سکتا ہے۔ عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ※※ میں کسی سلسلے کا آئے اس سے بیعت لے لیتا ہوں سوا غلامانِ قادری کے کہ بحر کو چھوڑ کر نہر کی طرف کوئی نہیں آتا۔

منگل کے دن پہننے کے لئے کپڑے کاٹنا کیسا؟

مؤلف: جبل پور جانے کے چار روز باقی اور حضرت مدظلہ الاقدس کے واسطے کپڑے سلوانا تھے۔ سلطان حیدر خاں نے عرض کی درزی کو دے دیئے جائیں۔

ارشاد: آج منگل کا دن ہے جس کی نسبت مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا چوری (ہو) جائے گا۔

بد مذہبوں کے عالم سے ملنا کیسا؟

عرض: ان لوگوں کی نسبت کہ اگر بد مذہب عالم سے ملنے کو منع کیا جائے تو کہیں عالم عالم سب ایک ہیں؟

ارشاد: ان کا شمار بھی انہیں میں سے ہے۔ اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ

تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا وہ بے شک انہیں میں سے ہے۔ (پ ۶، المائدہ: ۵۱)

امیر المؤمنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: اَلْاَعْدَاءُ ثَلٰثَةٌ عَدُوُّكَ وَعَدُوُّ صَدِيْقِكَ وَصَدِيْقُ عَدُوِّكَ (دشمن تین ہیں: ایک تیرا دشمن، ایک تیرے دوست کا

دشمن اور ایک تیرے دشمن کا دوست)۔
یوں ہی اللہ عزّ وجلّ کے دشمن تینوں قسم ہیں: ایک تو ابتداءً اُس کے دشمن، وہ کافران اصلی ہیں۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ کنزالایمان: تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ (پ۱، البقرہ: ۹۸)

یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد ۱۵ صفحہ ۵۲۹ میں ہے۔

بدمذہبوں کے پاس بیٹھنا کیسا؟

عرض: اکثر لوگ بدمذہبوں کے پاس جان بوجھ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے لئے کیا حکم ہے؟

ارشاد: حرام ہے اور بدمذہب ہو جانے کا اندیشہ کامل اور دوستانہ ہو تو دین کے لیے زہر قاتل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ

انہیں اپنے سے دور کرو اور ان سے دور بھاگو وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈالیں۔

(صحیح مسلم مقدمہ، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء ۔۔۔۔۔۔۔ الخ، الحدیث ۷، ص ۹)

اور اپنے نفس پر اعتماد کرنے والا بڑے کذاب پر اعتماد کرتا ہے اِنَّهَا اَكْذَبُ شَيْءٍ اِذَا حَلَفَتْ فَكَيْفَ اِذَا وَعَدَتْ (نفس اگر کوئی بات قسم کھا کر کہے تو سب سے بڑھ کر جھوٹا ہے نہ کہ جب خالی وعدہ کرے۔) صحیح حدیث میں فرمایا: جب دجال نکلے گا، کچھ اسے تماشے کے طور پر دیکھنے جائیں گے کہ ہم تو اپنے دین پر مستقیم (یعنی قائم) ہیں، ہمیں اس سے کیا نقصان ہوگا؟ وہاں جا کر ویسے ہی ہو جائیں گے۔ (ملخصا، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب ذکر خروج الدجال، حدیث ۴۳۱۹، ج ۴، ص ۱۵۷)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں حلف سے کہتا ہوں جو جس قوم سے دوستی رکھتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔ (ملتقطا، مستدرک علی الصحیحین، کتاب الھجرۃ، ذکر

(اسماء اھل الصفۃ، الحدیث ۲۳۵۰، ج ۲، ص ۵۵٦)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہمارا ایمان اور پھر حضور کا حلف (یعنی قسم) سے فرمانا۔ دوسری حدیث ہے جو کافروں سے محبت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے:

بدمذہبوں کے پاس بیٹھنے والے کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہوا

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح الصدور میں نقل فرماتے ہیں: ایک شخص روافض کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ جب اس کی نزع کا وقت آیا، لوگوں نے حسب معمول اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کی۔ کہا: نہیں کہا جاتا۔ پوچھا کیوں؟ کہا: یہ دو شخص کھڑے کہہ رہے ہیں تو ان کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو برا کہتے تھے، اب یہ چاہتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر اٹھے، ہرگز نہ پڑھنے دیں گے۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، باب مایقول الانسان ۔۔۔۔۔۔ الخ، ص ۳۸)

سچے وجد کی پہچان

عرض: سچے وجد کی کیا پہچان ہے؟

ارشاد: یہ کہ فرائض وواجبات میں مُخل (یعنی رکاوٹ ڈالنے والا) نہ ہو۔

حالت وجد میں بھی نماز قضا نہ ہوئی

حضرت سید ابو الحسین احمد نوری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) پر وجد طاری ہوا، تین شبانہ روز (یعنی رات دن) گزر گئے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر (یعنی ہم زمانہ) تھے، کسی نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حالت عرض کی۔ فرمایا: نماز کا کیا حال ہے؟ عرض کی: نمازوں کے وقت ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ان کا وجد سچا ہے۔

(ملخصاً، تذکرۃ الاولیاء، حصہ دوم، ذکر ابو الحسن نوری، باب چہل وششم، ص ۴۲)

احکام شریعت

(اس کے بعد فرمایا) نماز، جب تک عقل باقی ہے، کسی وقت میں معاف نہیں۔ (ردالمحتار،

فی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، ج ۲، ص ۶) رمضان شریف کے روزے حالتِ سفر میں یا مرض میں کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں اجازت ہے کہ قضا کرے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم فصل فی العوارض، ج ۳، ص ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۵) اسی طرح زکوۃ صاحبِ نصاب پر اور حج صاحبِ استطاعت پر فرض ہے لیکن نماز سب پر بہر حال فرض ہے یہاں تک کہ کسی حاملہ عورت کے نصف بچہ پیدا ہولیا ہے اور نماز کا وقت آگیا تو ابھی نفساء (یعنی نفاس والی) نہیں حکم ہے کہ گڑھا کھودے یا دیگ پر بیٹھے اور اس طرح نماز پڑھے کہ بچے کو تکلیف نہ ہو۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ، مطلب فی حکم وطی المستحاضۃ ۔۔۔۔۔۔۔ الخ، ج ۱، ص ۵۴۵)

یا بیمار ہے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں (تو) دیوار یا عصا یا کسی شخص کے سہارے کھڑا ہو کر نماز ادا کرے اور اگر اتنی دیر کھڑا نہیں رہ سکتا

تو جتنی دیر ممکن ہو قیام فرض ہے اگرچہ اسی قدر کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہہ لے اور بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹے لیٹے اشاروں سے پڑھے۔ (حلبی کبیر، الثانی: القیام، ص ۲۶۲)

قدمین مبارک سُوج جاتے

حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نماز کی کثرت فرماتے یہاں تک کہ پائے مبارک سُوج جاتے، صحابہ کرام (علیہم الرضوان) عرض کرتے: حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس قدر کیوں تکلیف گوارا فرماتے ہیں؟ مولیٰ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر طرح کی معافی عطا فرمائی ہے۔ فرماتے:

اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا تو کیا میں کامل شکر گزار بندہ نہ ہوں!

(صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی،، الحدیث ۱۱۳۰، ج ۱، ص ۳۸۴)

یہاں تک کہ رب عزّ وجلّ نے خود ہی بکمال محبت ارشاد فرمایا:

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ﴿۲﴾

اے چودھویں رات کے چاند! ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہ اُتارا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱، ۲)

غرض نماز مرتے وقت تک معاف نہیں۔ رب عزّ وجلّ فرماتا ہے:
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾
اے بندے اپنے رب (عزّ وجلّ) کی عبادت کیے جا، یہاں تک کہ تجھے موت آئے۔
(پ ۱۴، الحجر: ۹۹)

عقل جاتی رہی

ایک صاحب صالحین سے تھے، بہت ضعیف ہوئے۔ پنجگانہ مسجد کی حاضری نہ چھوڑتے۔ ایک شب عشاء کی حاضری میں گر پڑے، چوٹ آئی۔ بعدِ نماز عرض کی: الٰہی (عزّ وجلّ) اب میں بہت ضعیف ہوا، بادشاہ اپنے بوڑھے غلاموں کو خدمت سے آزاد کر دیتے ہیں (لھٰذا) مجھے آزاد فرما۔ ان کی دعا قبول ہوئی مگر یوں کہ صبح اٹھے، تو مجنون تھے۔ یعنی جب تک عقلِ تکلیفی باقی ہے، نماز معاف نہیں۔

وضو کرنے کا مسنون طریقہ

عرض: وضو کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

ارشاد: وضو کرنے جب بیٹھے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيْنِ الْاِسْلَامِ پڑھ لے۔ جو وضو بسم اللہ سے شروع کیا جاتا ہے تمام بدن کو پاک کر دیتا ہے، ورنہ جتنے پر پانی گزرے گا اتنا ہی پاک ہوگا۔ (سنن دار قطنی، کتاب الطھارت، باب التسمیۃ علی الوضوء، الحدیث ۲۲۸، ج ۱، ص ۱۰۸)

پھر دونوں ہاتھ پہنچوں (یعنی کلائیوں) تک تین تین بار اس طرح دھوئے کہ پہلے سیدھے ہاتھ کو اُلٹے ہاتھ سے پانی ڈال کر تین بار پھر اُلٹے کو سیدھے ہاتھ سے پانی ڈال کر تین بار اور اس کا خیال رہے کہ انگلیوں کی گھائیاں (یعنی دو انگلیوں کے درمیان کی جگہیں) پانی پہنچنے سے نہ رہ جائیں۔ پھر تین بار کلی ایسی کرے کہ منہ کی تمام جڑوں اور دانتوں کی سب کھڑکیوں میں پانی پہنچ جائے کہ وضو میں اسی طرح کلی کرنا سنّتِ مؤکدہ اور غسل میں فرض ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے جلدی جلدی تین بار بیچ بیچ کر لیا یا ناک کی نوک پر تین مرتبہ پانی لگا لیا، ایسا کرنے سے وضو میں سنت ادا نہیں ہوتی۔ ایک آدھ بار ایسا کرنے سے تارک

سنت اور عادت ڈالنے سے گناہگار و فاسق ہوتا ہے اور غسل میں فرض رہ جاتا ہے تو غسل تو ہوتا ہی نہیں کہ نرم بانسے تک پانی چڑھانا وضو میں سُنّتِ موکدہ اور غسل میں فرض ہے۔

داڑھی اگر ہے تو خوب تر کرے کہ اگر ایک بال کی جڑ بھی خشک رہی اور پانی اس پر نہ بہا تو وضو نہ ہوگا۔ ورمنہ پر پانی لمبائی میں پیشانی کے بالوں کی جڑوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں کان کی ایک لو سے دوسری لو تک پانی بہائیں۔ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک اس طرح دھوئیں کہ پانی کی دھار کہنی تک برابر پڑتی چلی جائے، یہ نہ ہو کہ پنچے سے تین بار پانی چھوڑ دیا اور وہ کہنی تک بہتا چلا گیا، اس طرح کہنی بلکہ کلائی کی کروٹوں پر پانی نہ بہنے کا احتمال ہے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ ایک رونگٹا (یعنی وہ چھوٹے چھوٹے نرم بال جو انسان کے بدن پر ہوتے ہیں) بھی خشک نہ رہے، اگر پانی کسی بال کی جڑ کو تر کرتا ہوا بہ گیا اور بالائی حصہ خشک رہ گیا تو وضو نہ ہوگا۔

پھر سر کے بالوں کا مسح کرے۔ چہارم (یعنی چوتھائی) سر کا مسح کرنا فرض ہے اور پورے سر کا سنت ہے۔ دونوں ہاتھوں کا انگوٹھا اور کلمہ کی انگلی چھوڑ کر تین تین انگلیوں اور انہیں کے مقابل ہتھیلی کے حصوں سے پیشانی کی جانب سے گدی تک کھینچتا ہوا لے جائے پھر ہتھیلیوں کا باقی حصہ گدی سے پیشانی تک لائے اور کلمہ کی انگلیوں کے پیٹ سے کانوں کے پیٹ کا مسح کرے اور انگوٹھوں کے پیٹ سے کانوں کی پشت کا اور پشتِ دست سے گردن کے پچھلے حصہ کا۔ گلے پر ہاتھ نہ لائے کہ بدعت ہے۔

پھر دونوں پاؤں ٹخنوں کے اوپر تک دھوئے اور ہر عضو پہلے دایاں پھر بایاں دھوئے۔ کلی کرتے وقت کہے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

الٰہی (عزّ وجلّ) میری مدد فرما قرآنِ عظیم کی تلاوت اور اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر۔

ا: داڑھی کے بال اگر گھنے نہ ہوں تو جلد کا دھونا فرض ہے اور اگر گھنے ہوں تو گلے کی طرف دبانے سے جس قدر چہرے کے گردے میں آئیں ان کا دھونا فرض ہے اور جڑوں کا دھونا فرض نہیں اور جو حلقے سے نیچے ہوں ان کا دھونا ضرور نہیں اور اگر کچھ حصہ میں گھنے ہوں

اور کچھ چھدرے، تو جہاں گھنے ہوں وہاں بال اور جہاں چھدرے ہیں اس جگہ جلد کا دھونا فرض ہے۔ (بہار شریعت، ج ۱، حصہ ۲، ص ۲۸۹)

ناک میں پانی ڈالتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَۃَ النَّارِ

الٰہی (عزّ وجلّ) مجھے جنت کی خوشبو سنگھا اور دوزخ کی بدبو نہ سنگھا۔

منہ دھوتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ

الٰہی (عزّ وجلّ) میرا منہ اُجالا کر جس دن کچھ منہ اُجالے ہوں گے اور کچھ کالے۔

دہنا ہاتھ دھوتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

الٰہی (عزّ وجلّ) میرا نامہ اعمال میرے سیدھے ہاتھ میں دے اور مجھ سے آسان حساب لے۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ

الٰہی (عزّ وجلّ) میرا نامہ اعمال میرے اُلٹے ہاتھ میں نہ دینا نہ میری پیٹھ کے پیچھے سے۔

سر کا مسح کرتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ

الٰہی (عزّ وجلّ) مجھے اپنے عرش کے نیچے سایہ دے جس دن سایہ نہیں مگر تیرے عرش کا۔

کانوں کا مسح کرتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ

الٰہی (عزّ وجلّ) مجھے ان میں کر جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر اس میں بہتر کی پیروی کرتے ہیں۔

گردن کے مسح میں کہے:

اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ

الٰہی (عزّ وجلّ) میری گردن دوزخ سے آزاد فرما۔

سیدھا پاؤں دھوتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ

الٰہی (عزّ وجلّ) میرے پاؤں صراط پر جما جس دن قدم پھسلیں۔

الٹا دھوتے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْیِیْ مَشْکُوْرًا وَّتِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ

الٰہی (عزّ وجلّ) میرا گناہ معاف کر اور میری کوشش ٹھکانے لگا اور میری سوداگری ضائع نہ کر۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۲۷۲)

اور ہر عضو دھونے کے بعد درود شریف پڑھے۔ ختم وضو کے بعد آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کلمہ شہادت پڑھے پھر کہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ

الٰہی (عزّ وجلّ) مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے کر اور مجھے ستھرا ہونے والوں میں سے کر۔ (کنز العمال ج ۹، ص ۲۰۵)

جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیے جائیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطہارت، ص ۱۲۲)

وضو میں بے احتیاطی:

(اسی سلسلہ میں فرمایا) ایک مرتبہ گاؤں جانے کا اتفاق ہوا، ایک عالم میرے ساتھ تھے فجر کی نماز کے لیے انہوں نے وضو کیا، بھوؤں سے چہرہ پر پانی ڈالا۔ جب ان سے کہا گیا تو فرمایا: جلدی کی وجہ سے (ایسا کیا) کہ (کہیں) وقت نہ (ختم ہو) جائے۔ میں نے کہا کہ پھر تو بلا وضو ہی پڑھے گا! مجھے خیال رہا، ظہر کے وقت دیکھا انہوں نے اُس وقت بھی ایسا ہی کیا میں نے کہا: اب تو وقت نہ جاتا تھا! آجکل لوگوں کی عام طور سے یہی عادت ہے۔ غسل میں جس قدر احتیاط چاہیے، آج کل اُتنی ہی بے احتیاطی ہے۔ اللہ (عزّ وجلّ) معاف فرمائے۔

ایمان کی حفاظت کے اوراد:

ایک روز بعد فراغ نماز عشا لوگ دست بوس ہو رہے تھے اس مجمع میں سے ایک صاحب

نے خدمتِ بابرکت میں عرض کیا: حضور! میں ضلع ہوشنگ آباد کا رہنے والا ہوں مجھے حضور کی جبل پور تشریف آوری کی ریل میں خبر ملی لھذا ڈاک سے صرف دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں کہ خداوند کریم (عزوجل) ایمان کے ساتھ خاتمہ بالخیر کرے۔ حضور نے دُعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اکتالیس بار صبح کو یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اول و آخر درود شریف نیز سوتے وقت اپنے سب اوراد کے بعد سورہ کافرون روزانہ پڑھ لیا کیجئے اس کے بعد کلام وغیرہ نہ کیجئے ہاں اگر ضرورت ہو تو کلام کرنے کے بعد پھر سورہ کافرون تلاوت کرلیں کہ خاتمہ اسی پر ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

اور تین بار صبح اور تین بار شام اِس دعا کا وِرد رکھیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نُّشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَّعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُ

اے اللہ عزوجل ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ تیرے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں جسے ہم جانتے ہیں اور ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اس سے جسے ہم نہیں جانتے ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل، الحدیث ۱۹۶۲۵، ج ۷، ص ۱۴۶)

کان، دانت اور پیٹ کے درد سے محفوظ رہنے کا نسخہ

ایک فائدہ یہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ حدیث میں ہے:

مَنْ سَبَقَ الْعَاطِسَ بِالْحَمْدِ اَمِنَ الشَّوْصِ وَاللَّوْصِ وَالْعِلَّوْصِ

جو چھینکنے والے سے پہلے حمد الٰہی (عزوجل) بجالائے وہ کان اور دانت اور پیٹ کے درد سے محفوظ رہے گا۔ (المقاصد الحسنۃ، حرف المیم، حدیث ۱۱۳۰، ص ۴۲۰)

دماغی علاج کا وظیفہ:

عرض: ایک صاحب کی لڑکی بلا ناغہ کچھ عرصہ سے سُورہ مُزَّمِّل شریف پڑھا کرتی تھی بکہ قریب نصف کے (یعنی آدھی سے تھوڑی کم) حفظ بھی تھی ان صاحبزادی کا دماغ خراب ہوگیا۔

ارشاد: لاحول شریف ۶۰ بار۔ الحمد شریف اور آیۃ الکرسی شریف ایک ایک بار تینوں قُل تین بار پانی پر دَم کرکے پلائیے۔

قرآنی وظیفے سے طبیعت خراب ہونا

عرض: کیا آیات قرآنی بھی یہ اثر رکھتی ہیں؟
ارشاد: جو قیود (یعنی شرائط) عامل بتاتے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے سے ایسا ہوتا ہے۔

بینائی تیز کرنے کا نسخہ

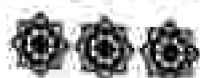
عرض: حضور! میری آنکھوں کی روشنی بہت کم ہے؟
ارشاد: (1) آیۃ الکرسی شریف یاد کر لیجئے ہر نماز کے بعد ایک بار پڑھیے نماز پنجگانہ کی پابندی رکھئے اور عورتیں کہ جن دنوں میں انہیں نماز کا حکم نہیں وہ بھی پانچوں وقت آیۃ الکرسی اس نیت سے کہ اللہ (عزوجل) کی تعریف ہے نہ اس نیت سے کہ کلام اللہ ہے پڑھ لیا کریں اور جب اس کلمہ پر پہنچیں وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھوں پر رکھ کر اس کلمہ کو گیارہ بار کہیں پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر دم کرکے آنکھوں پر پھیر لیں۔

(2) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نور نور نور نور نور

سفید چینی کی تشتری (یعنی پلیٹ) پر اسے اسی طرح لکھیں کہ واؤ اور میم کے سر کھلے رہیں آب زمزم شریف اور نہ ملے تو آب باراں (یعنی بارش کا پانی) اور نہ ملے تو آب جاری اور نہ ملے تو آب تازہ سے دھو کر دو سو چھپن بار اس پر یا نُور پڑھ کر دم کریں اوّل و آخر تین تین بار یہ درود شریف "اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرُ یَا نُوْرَ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی نُوْرِكَ الْمُنِیْرِ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ" یہ پانی آنکھوں پر لگائیں اور باقی پی لیں۔

(3) ٹھلیا کے تعویذوں کا چلہ کریں۔

(پھر فرمایا:) یہ عمل ایسے قوِی التاثیر (یعنی زبردست اثر والے) ہیں کہ اگر صدقِ اعتقاد (یعنی سچا یقین) ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ گئی ہوئی آنکھیں واپس آجائیں۔



باب پنجم

امام احمد رضا: مسائل تصوف

ڈاکٹر مولانا ارشاد احمد ساحل شہسرام

امام احمد رضا اور مسائل تصوف

تصوف پر داروگیر کرنے والے وحدت الوجود کے صوفیانہ نظریے کو اپنا خاص ہدف بناتے ہیں اور اسی کے توسط سے تصوف کو اسلام سے باہر کی چیز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کاشف الاستار میں بھی اس کی خاص بحث موجود ہے اور کئی مکاتیب میں بھی یہ جزئیاتی طور سے مباحث کا حصہ ہے۔ اس لیے اس کی بھی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے تاکہ قارئین کسی قسم کی الجھن کا شکار نہ ہوں۔

معاندین تصوف وحدت الوجود کی جو تعبیر پیش کرتے ہیں، اس کا حضرات صوفیہ کے عالم افکار سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ وہ ایک باطل فرقہ حلولیہ کی فکری تعبیر ہے اور جس وحدت الوجود کو حضرات صوفیا اپناتے ہیں، وہ توحید کی اعلیٰ قسم ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے آیئے پہلے وحدت الوجود کا تعارف لیتے ہیں پھر اسے تمثیلات کی روشنی میں سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک کشفی اور قلبی مسئلہ ہے، اس کی توضیح بس تقریبی مثالوں سے ہی پیش کی جاسکتی ہے۔

سراج العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرۂ وحدت وجود اور وحدت شہود کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "وحدت کی دو قسمیں ہیں: ایک وجودی، دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، اس کا شعور ختم ہوجائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر

آنے کے بعد سالک ولی ہوجاتا ہے۔ سیر الی اللہ کے ختم
ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ سیر
وسلوک قادریہ میں یہ چوتھا مقام ہے اس کے بعد سیر فی اللہ ہے
کہ اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہیں جس کی کوئی حد نہیں، اس
میں ترقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث ماعرفناک
حق معرفتک (ہم نے جیسا کہ تیرا حق تھا، تجھے نہ پہچانا) اسی
سیر کی خبر دیتی ہے۔ قادریہ، چشتیہ وسہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء
اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہود کی طرف گئی
ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔ وحدت شہودی
کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف
سالک کی نظر سے ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ
کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں، صرف
نظر سے ختم ہوجاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری تعالیٰ باقی
رہتی ہے، باقی سب نظر سے ہلاک اور فانی ہوجاتے ہیں، مگر
سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں جیسے سورج نکلنے پر ستارے،
کہ سب ستارے نظر سے غائب ہوجاتے ہیں، نظر کے سامنے
صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے
ہی باقی ہے، بس نظر سے چھپ گیا ہے۔ لامحالہ اس میں توحید
میں نقص باقی رہتا ہے اور وہ نقص یہ ہے کہ سالک کے علم میں
موجودات باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ بات فنائے مطلق کے منافی
ہے۔ ایک قلیل گروہ توحید شہودی کا قائل ہے۔ حضرات
صوفیائے کرام میں سے جیسے شیخ علاؤالدولہ سمنانی اور شیخ

روز بہان بقلی وغیرہ اور بعد والوں میں سے شیخ احمد صاحب سرہندی (مجدد صاحب) اور ان کے ماننے والے جو نقشبندی مجددی ہوتے ہیں، وحدت شہودی کی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات میں سے کچھ وحدت وجودی کے قائل ہیں جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کہ نقشبندی مجددی ہونے کے باوجود چند خطوط اسی مسئلہ سے متعلق شائع کئے جو شیخ احمد سرہندی نے وحدت شہود کے سلسلے میں اپنے مکاتیب میں لکھے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے، شیخ احمد سرہندی کے کلام کی تاویلات کیں۔ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کا رد مولوی غلام یحییٰ صاحب نقشبندی مجددی نے کیا جو مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔ ان کے رد کا رد مولوی رفیع الدین ولد شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب "دفع الباطل" میں شائع کیا۔ نظر انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ توحید وجودی اور توحید شہودی میں کسے ترجیح ہے۔ صوفیائے کرام کے مقالات سے توحید وجودی ہی ثابت ہوتی ہے"۔ (سراج العوارف ص: ۶۴-۶۵)

اس نوری تشریح میں کہیں بھی حلول واتحاد جیسے اسلام مخالف نظریات کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا بلکہ وحدت وجود کا نظریہ بندے کی جہت سے شان عبودیت کا نہایت عاجزانہ اعلیٰ ترین اقرار ہے اور اپنے معبود کے حضور اس کی توحید کا اعلیٰ ترین اعتراف۔ یہاں بندہ، بندہ ہی رہتا ہے اور معبود، معبود ہی۔ لیکن بندے کی شان بندگی اس نہج سے ظہور کرتی ہے کہ اس کی نگاہ اور علم سے اس کے وجود کا ظلماتی حجاب اٹھ جاتا ہے اور وہ خود کو اپنے معبود کے حضور بے وجود دیکھتا، جانتا اور سمجھتا ہے۔ اسے ہر سمت اسی حسن ازل کی جلوہ آرائی نظر آتی ہے۔ توحید کی اعلیٰ ترین صنف یہی ہے۔ چند اکابرین اسلام کی تصریحات دیکھیے۔

حضرت رویم بن احمد بن یزید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''توحید، آثار بشریت کے مٹنے اور صرف الوہیت کے باقی رہ جانے کو کہتے ہیں'' (اللمع فی التصوف ص ۶۴)

حضرت ابونصر سراج قدس سرہٗ ایک اور عارف کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''وحدانیت، حق کے سوا سب کچھ فنا کر دینے اور صرف اس (حق) کے باقی رہنے کا نام ہے''۔ (اللمع ص ۶۵)

حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''مقام اولین اسی کو حاصل ہوتا ہے جو علم توحید کو پالیتا ہے اور اس کی مدد سے تمام اشیا ماسوا اللہ کے ذکر تک کو قلب سے منفی کر کے فقط اللہ کی یکتائی کو جان لیتا ہے''۔ (اللمع ص ۶۶)

توحید کی یہ اعلیٰ ترین منزل حضرات صدیقین کا مقام ہے۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

''عالم موجودات میں صرف ایک کو دیکھے اور یہی صدیقین کا مشاہدہ ہے۔ اس حالت کو صوفیہ فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ صرف ایک کو دیکھتا ہے، یہاں تک کہ خود کو بھی نہیں دیکھتا'' (احیاء العلوم ۴ / ۲۱۲)

اس غزالی عبارت نے تو بالکل متعین کر دیا کہ وحدت وجود، توحید کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کا حلولیوں کے باطل نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو (معاذ اللہ) حلول و اتحاد کی راہ سے لاکھوں معبودان باطل فرض کر لیتے ہیں۔

عارف باللہ، عبقری فقیہ، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے توحید کے مدارج اپنی تحریروں میں خوب واضح فرما دیئے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے گمان میں حدیث مذکور ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ''ینادی منادمن تحت العرش یا اھل التوحید'' الحدیث۔ میں اہل توحید سے یہی محبوبان خدا

ادیان کہ توحید خالص تام کامل، ہر گونہ شرک خفی واخفی سے پاک ومنزہ انہیں کا حصہ ہے۔
بخلاف اہل دنیا جنہیں عبد الدینار، عبد الدرہم، عبد طمع، عبد ہویٰ، عبد رغب فرمایا گیا و قال تعالیٰ: "اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ" ۔ اور بے شک بے حصول معرفت الٰہی، اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار۔ یہ بندگان خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب وارادت بلکہ نور اصل ہستی وو جود میں اپنے رب جل مجدہٗ کی توحید کرتے ہیں۔ لاالٰہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک لامعبود الا اللہ، خواص کے نزدیک لامقصود الا اللہ، اہل بدایت کے نزدیک لامشہود الا اللہ، ان اخص الخصواص ارباب نہایت کے نزدیک لاموجود الا اللہ تو اہل توحید کا سچا نام انہیں (اخص الخواص) کو زیبا۔ ولہٰذا ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں

(فتاویٰ رضویہ۔ کتاب الحظر والاباحۃ، جلد دہم ص ۷۸-۷۹)

اب اس توضیح کے بعد کسی کو اس خالص اور اعلیٰ ترین توحید میں بھی شرک کے کیڑے نظر آئیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

ناچیز نے وحدت وجود کے موضوع پر بہت سی موافق مخالف تحریریں دیکھیں۔
معاندین کے سارے نظریاتی دلائل کا سرچشمہ دو چیزیں نظر آئیں:

۱- وحدت الوجود کو حلولی نظریے کا مماثل بلکہ عین فرض کر لینا۔

۲- وحدانیت اور یونانی افکار سے وحدۃ الوجودی نظریات کی اتفاقی مطابقت۔

الطاف احمد اعظمی کی تالیف "وحدت الوجود۔ ایک غیر اسلامی نظریہ" کی پوری بحث انہیں دو مرکزی نقطوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

اسلام کے کسی نظریے کا دوسرے مذاہب کے افکار سے اتفاقی طور سے مطابق ہونا، اس کی حلت وحرمت کی پہچان نہیں۔ اصل معیار تو کتاب وسنت اور اسلام کے نظریات ہیں۔ اگر اتفاقی مطابقت کی وجہ سے قدغن کی جانے لگی تو پھر امان اٹھ جائے گا۔ ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور ہندو بھی اپاس رہتے ہیں، ہم بھی حج وزیارت کے لیے جاتے ہیں، غیروں کے بھی تیرتھ استھان ہیں، ہم بھی آب زمزم سے برکتیں لیتے ہیں، اوروں کو بھی گنگا جل کی پوترتا سے فیض

یاب ہوتے دیکھا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان اتفاقی مطابقتوں کی وجہ سے ہم اپنے شعائر سے ہاتھ دھولیں؟۔ اس کی کچھ وضاحت ''جوگی وغیرہ کے اعمال سے استفادہ کیوں۔؟'' کے عنوان میں بھی ہو چکی ہے۔

رہ گیا وحدت وجود کو حلول و اتحاد کا ہم معنی قرار دینا تو یہ سراسر زیادتی ہے اور حضرات صوفیہ پر بے بنیاد اتہام۔ آپ پہلے اس نظریے کے تعلق سے معاندین کی توضیحی عبارتیں دیکھیں اور پھر سرکار نور کی توضیح سے ان کا موازنہ کریں۔ خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ اس توضیح سے حضرات صوفیہ کے وحدت الوجود کے نظریہ کا کتنا تعلق ہے۔؟

الطاف احمد لکھتے ہیں:

''اسے سادہ طور پر یوں سمجھیں کہ وجود حقیقی فی الواقع ایک ہے۔ اس کے سوا جو وجود بھی نظر آتا ہے، وہ باعتبار ظاہر جداگانہ وجود معلوم ہوتا ہے لیکن باعتبار باطن وجود حقیقی ہی کی ایک نمود ہے۔ وجود کی اس تعبیر سے صوفیہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ موجودات ہی کا دوسرا نام خدا ہے یعنی خدا نے موجودات کی صورت میں خود کو ظاہر کیا ہے۔'' (وحدت الوجود۔ ایک غیر اسلامی نظریہ۔ قاضی پبلشرز۔ نئی دہلی۔ ص ۵۱)

بھیونڈی میں چند سال پہلے تصوف مخالف سیمینار ہوا تھا۔ اس کے کلیدی خطبے میں تحریر تھا:

''وحدت الوجود کا نظریہ جس میں سالک کو ہر چیز میں خالق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ انسان خود بھی ذات مطلق کا ایک حصہ یا کل یا ایک جزء ہے۔۔۔ انسان اپنی تخلیق سے پہلے ذات مطلق کا جزء تھا۔۔۔ دنیا میں انسان کا وجود گویا کل سے علیحدگی ہے۔۔۔ ہر شئی میں خدا کو دیکھنے لگے اور ہر شئی انہیں معبود نظر آنے لگی۔ ظاہر ہے اس طرح تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق نہ رہا''۔

یہ دونوں عبارتیں بھی کہتی ہیں کہ وحدت الوجودی حضرات (معاذ اللہ) بندے کو بلکہ ساری موجودات کو خدا کا جز یا خدا مانتے ہیں جو سراسر حلولیوں کا باطل قول ہے۔ حضرات صوفیہ

اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

شہرۂ آفاق عارف، سیدی ابو النصر سراج قدس سرہٗ واشگاف انداز میں حلولیوں کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وہ اجسام جو اللہ نے منتخب فرمائے، وہ اس کے اولیا واصفیائے کرام کے اجسام ہیں جنھیں اس نے اپنی طاعت وخدمت کے لیے چن لیا۔ انھیں اپنی ہدایت سے آراستہ فرمایا اور خلق پر ان کو فضیلت دی اور اللہ تعالیٰ اسی صفت سے موصوف ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی صفت بیان فرمائی ہے، کوئی شئی اس کی طرح نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حلولیوں نے یہ غلطی بھی کی کہ اوصاف حق اور اوصاف خلق میں امتیاز باقی نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں حلول نہیں فرماتا بلکہ قلوب میں ایمان باللہ، تصدیق، توحید اور معرفت الٰہی حلول کرتی ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی مصنوعات کی صفات ہیں جو ان میں اللہ کی صنعت کے طور پر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات یا صفات کے ساتھ قلوب میں حلول نہیں فرماتا۔ تعالی اللہ عزوجل عن ذلک علوا کبیرا''۔ (اللمع ص ۷۰۴)

ملک العلما بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ (۱۱۴۳ھ-۱۲۲۵ھ) نے بھی اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ '' **وحدۃ الوجود وشہود الحق فی کل وجود**'' لکھا تھا۔ پھر نواب انور الدین خان بہادر کی فرمایش پر اسے فارسی میں لکھا۔ شاہ ابو الحسن زید فاروقی نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور مکتوبات مجدد الف ثانی سے اخذ کرتے ہوئے متعدد حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار غالباً ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ مسلک وحدۃ الوجود کی توضیح وتفہیم کے لیے اس سے بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:

> ''وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی حقیقت کا عین ہے۔ اور یہ وجود، مصدری وجود نہیں کیوں کہ مصدری وجود ایک انتزاعی امر ہے جس کا معنیٰ ''ہونا''

ہے۔ ایسے انتزاعی مفہوم سے اللہ تعالیٰ بالا و برتر ہے بلکہ وجود سے مراد وہ حقیقت ہے جو مصدری وجود کا مصداق ہے جو نفس وجود ہے، وہ اپنے مرتبۂ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے۔ تمام شیونات و تعینات اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر و ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلولی کی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے جو گنتی کے اعداد میں ایک کا ہے۔ گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں۔ اللہ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اوّل ہے۔ اللہ ہی آخر ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے۔ اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے''۔]وحدۃ الوجود، بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی، ص ۱۸-[۲۱

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو عین ممکن اور ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ''ہمہ اوست'' کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا دامن اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو ظل، عکس، پرتو، مظہر کہتے ہیں اور ظل بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا غیر ہوتا ہے۔ ظلیت کی صراحت کے باوجود ان کے کلام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت منقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ حلول و اتحاد کی نفی میں صوفیۂ کرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات ملحدین نے شیخ اکبر کے خلاف پھیلائی ہے۔ امام شعرانی نے شیخ اکبر کی

کتابوں سے ان کا مذہب اور حلول واتحاد کی نفی نقل کرکے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلاشبہ بری ہیں۔ چند عبارتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو حلول کا قائل ہے وہ بیمار ہے کیوں کہ حلول کا قول ایک لاعلاج مرض ہے اور اتحاد کے قائل اہل الحاد ہیں جیسے حلول کے قائل اہل جہل وفضول ہیں۔

(فتوحات۔ باب الاسرار)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر قدیم کا حلول حادث میں ہو تو مجسمہ کی بات درست ہو جائے۔ قدیم نہ حلول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی شی حلول کرنے والی ہے۔ عاشق جب کہتا ہے "انا من اھوی و من اھوی انا" تو یہ زبان عشق ومحبت کا کلام ہے۔ زبان علم وتحقیق کا کلام نہیں۔ اسی لیے ایسا قائل جب سکر سے صحو میں آتا ہے تو اپنے قول سے رجوع کرتا ہے۔ (فتوحات۔ باب الاسرار)

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے ترقی کرکے خالق جل وعلا سے متحد ہو جائے اور خلق، حق ہو جائے تو کسی کو کسی علم پر اعتماد نہ رہے اور محال واجب ہو جائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔ (فتوحات باب ۳۱۴)

خلقت کبھی مرتبۂ حق عزوجل میں نہیں ہو سکتی، جیسے معلول کبھی مرتبۂ علت میں نہیں ہو سکتا۔ (فتوحات باب ۴۸)

کمال عرفان یہ ہے کہ عبد اور رب دونوں کا مشاہدہ ہو، جو عارف کسی بھی وقت مشاہدۂ عبد کی نفی کرے، وہ عارف نہیں۔ اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال سکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔

(لواقح الانوار)

فتوحات باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں: "

بعض مکاشفات میں میری روح کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ نے یہ کیسے کہا "فلا تشمت بی الاعداء" (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا) وہ اعدا کون ہیں جن کا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب کہ ہم لوگوں میں سے سالک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔ تم نے جو کہا تمہارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الامر سے عالم زائل ہو گیا، جیسا کہ تمہارے مشاہدے میں زائل ہے یا نفس الامر میں عالم باقی اور غیر زائل ہے۔ صرف تم اس کے مشاہدے سے محجوب ہو، اس لئے کہ ایک ایسی عظیم تجلی تمہارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمہارے شہود سے روپوش کر دیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الامر میں عالم، باقی وغیرہ زائل ہے۔ صرف ہم اس کے مشاہدے سے محجوب ہو گئے۔ فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمہارے عرفان میں کمی ہے جس قدر کہ مشاہدۂ عالم میں کمی ہے۔ اس لیے کہ سارا عالم اللہ کی نشانی ہے۔ اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔ انتہی۔ سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں میں اتحاد ہے، جب ہر ایک دوسرے کے منشا کے مطابق کام کرتا ہے"۔ [الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر، امام عبد الوہاب شعرانی، ۱/ ۶۳-۶۵]

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ حلول واتحاد کے قول سے صوفیہ کرام کس قدر دور ہیں اور

کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔
شہرۂ آفاق فقیہ، عارف باللہ، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی
نے تو بہت واضح انداز میں وحدت الوجودی حضرات اور حلولیوں کے درمیان خط
امتیاز کھینچ دیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

''یہاں تین چیزیں ہیں، توحید، وحدت، اتحاد.... توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے۔ قرآن عظیم و احادیث وارشادات اکابرین سے ثابت اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا، خود شنیع خبیث کلمۂ کفر ہے۔ رہا اتحاد وہ بیشک زندقہ والحاد اور اس کا قائل ضرور کافر اور وحدت وجود کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال و عکوس ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ اِلاَّ وَجھَہٗ۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید " الا کلّ شیءٍ ما خلا اللہ باطلٌ "۔ سب میں سچی بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ سن لو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔

کتب کثیرہ مفصلہ اصابہ نیز مسند میں ہے۔ سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشھد أن اللہ لا شیئ غیرہ وانک مامون علی کلّ غائب۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمیع غیوب پر امین ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا''
(فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۲، ۱۳۳ ج ۶)

بات اصل یہ ہے کہ چیزیں تین طرح کی ہوتی ہیں: ۱۔ بدیہی، ۲۔ نظری، ۳۔ کشفی،

بدیہی تو دو دو چار کی طرح سمجھ میں آجاتی ہیں۔ نظری چیزیں غور و فکر کی محتاج ہوتی ہیں اور دلائل سے ان کی تفہیم ہوتی ہے۔ کشفی چیزیں نظر و فکر کے معیار سے بھی اونچی ہوتی ہیں۔ انہیں صرف صفائے باطن، انشراح صدر اور کشف کے ذریعہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ وحدت الوجود کے مسائل اور مفاہیم بھی کشفی علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے عرفا نے انہیں عوام کے درمیان بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ خواص کی چیزیں ہیں، ہر ایک کی عقل اس تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی۔

عارف اسرار طریقت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> ''وحدت الوجود وحقائق ودقائق تصوف جس طرح صوفیۂ صادقہ مانتے ہیں، نہ وہ جسے متصوفۂ زنادقہ جانتے ہیں، ضرور حق وحقیقت ہے مگر اس میں اکثر ذوق ہے کہ اُن مقامات عالیہ پر وصول کے بعد منکشف ہوتا ہے، زبانی تعلیم وتعلیم سے تعلق نہیں رکھتا اور بہت وہ ہے جسے عوام تو عوام آجکل کے بہت مولوی کہلانے والے بھی نہیں سمجھ سکتے اور خود اکثر یہ جو پیر ومشائخ سے بنتے ہیں، طوطے کی طرح چند لفظ یاد کرلینے کے سوا معانی کی ہوا سے بھی مس نہیں رکھتے۔''
>
> (فتاویٰ رضویہ- کتاب الحظر والاباحۃ ۱۰/۲۴۱)

ہاں! حضرات صوفیہ خصوصاً متاخرین نے عقول متوسطہ کی تفہیم کے لیے اس کشفی مسئلہ کی تقریبی تمثیلوں سے وضاحت فرمائی ہے۔ اس کی تعبیر میں جب کچھ زیادہ ہی پیچیدگی پیدا ہونے لگی تو حضرات ائمہ نے متوسط عقلوں کے لیے وحدت شہود کی تعبیر پیش فرمائی۔ حضرات متکلمین نے اعتزال کے ماحول میں جس طرح عقائد کی تفہیم کے لیے علم کلام کو فلسفے کے متوازی خطوط پر پیش فرمایا، اسی طرح منطق کے عروجی دور میں اس کشفی مسئلے کو معقولی انداز میں پیش کیا گیا۔ علم وفضل، عقل ونقل اور زہد وعرفان کے امام حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی

علیہ الرحمۃ نے پہلی بار وحدت الوجود کو عقلی سطح پر بہت ممتاز اور واضح انداز میں پیش فرمایا۔ آپ کی تصنیف ''الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود'' دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

وحدت الوجود کی تفہیم میں الجھن تب پیدا ہوتی ہے جب امتیازی مراتب کا خیال نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

حضرت عینی نے فرق مراتب کی بہت دلکش مثال پیش فرمائی۔ رقم طراز ہیں:

''میرے کرم فرما! سلامت رہو! میں اس جگہ اس کی دوسری واضح مثال پیش کرتا ہوں۔ دیکھو! بیج سے درخت کی جڑ نمودار ہوتی ہے پھر اس کے مختلف مراتب۔ تنہ، شاخیں، چھال، کانٹے، پتی، شگوفہ، کچا پھل اور جڑ لیکن یہ ساری چیزیں ٹھیک اسی بیج کا کرشمہ ہیں جو اس جگہ نمودار ہوا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ تنہ اور کانٹا بعینہ وہی بیج ہے تو یہ بات قابل تسلیم ہے کیونکہ وہ سچ کہتا ہے ۔

بر نقش خود است فتنہ نقاش
کس نیست دریں میاں تو خوش باش

مصور خود اپنی تصویر پر فدا ہے۔ تم خوش رہو (تمہیں مژدہ ہو)۔ یہاں درمیان میں کوئی دوسرا موجود نہیں۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ '' ع بر نقش خود است فتنہ نقاش'' میں لفظ فتنہ کا استعمال عجب لطف رکھتا ہے۔ اور اگر دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ:

تخم کی صورت اور مقدار شاخ و برگ میں موجود نہیں اس لیے یہ ساری چیزیں تخم سے علیحدہ وجود رکھتی ہیں تو اس کا کہنا بھی صحیح ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص تخم اور اس کے مختلف مراتب کو ایک سمجھ کر اس کی کھردری چھال، یا شاخ یا کانٹے کھالے تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہوگی اور کانٹے اس کے منہ اور بدن کو زخم

زخم کر ڈالیں گے۔ اسی طرح حضرت شارع کے بیان فرمودہ
احکامات جیسے زنا، شراب نوشی، خون ریزی وغیرہ کی حرمت کا
معاملہ اگر کوئی شخص ان جرائم کا مرتکب ہوگا تو وعید کا تازیانہ اور
کوڑے اس کے بدن کو چھیل ڈالیں گے۔ اس لیے اس
صورت میں شریعت کے احکام کو شریعت پر محمول کرنا چاہیے
اور طریقت کے معاملات کو طریقت پر۔ ہر ایک کے مرتبے کا
لحاظ ضروری ہے"۔ (ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کر سکتے۔)

(کاشف الاستار، ص:۳۶)

خاندان برکات کے فیض یافتہ، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے اس باریک مسئلے کی دلکش تفہیم مثالوں کے ذریعہ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت رضا تحریر فرماتے ہیں:

"مثلاً روشنی بالذات آفتاب و چراغ میں ہے۔ زمین و مکان اپنی
ذات میں بے نور ہیں۔ مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور
چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے۔ ان
کی روشنی ان سے اٹھالی جائے، وہ بھی تاریک محض رہ جائیں گے۔

بلاشبہ آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھتے ہو، کیا اس میں کوئی صورت
ہے؟ نہیں بلکہ شعاع بصری آئینہ پر پڑ کر واپس آتی ہے اور اس رجوع
میں اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔ لہٰذا داہنی جانب بائیں اور بائیں جانب
داہنی معلوم ہوتی ہے تو آئینہ تمہارا عین نہیں مگر دکھایا اس نے تمہیں کو
ظلال اپنی ذات میں معدوم ہیں کہ کسی کی ذات مقتضی وجود نہیں کل
شیء ھالک الا وجھہ مگر وجود عطائی سے ضرور موجود ہیں۔ اسلام کا
پہلا عقیدہ ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ نظر سے ساقط ہونا، واقع سے

عدم نہیں کہ نہ ناظر رہے، نہ نظر، فی الواقع اس مشاہدہ میں خود اپنی ذات بھی ان کی نگاہ میں نہیں ہوتی۔" (الملفوظ ص ج ۱)

دوسرے مقام پر اس سے بھی دلکش اور واضح تمثیل پیش فرماتے ہیں:

"ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئ کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما، کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے۔ ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے، خود واحد ہے۔ ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں، متجلی ان سے منزہ ہے ان کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا وللہ المثل الاعلیٰ۔

اب اسی آئینہ خانے کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اوّل۔ ناسمجھ بچے: انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے، یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے نظر آرہے ہیں جیسے کہ وہ ہاں ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے، یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی، مگر وہ حاکم ہے یہ سب محکوم اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے، یہ سب اس کے عکس ہیں۔ اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہو جائیں گے، ہو کیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ

ان میں نہیں، حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے، باقی سب پرتو کی نمود ہے۔
دوم۔ اہل نظر و عقل کامل: وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک وجود ایک بادشاہ کے لئے ہے، موجود ایک ہی ہے، یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم و فانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی۔ یہ ناقص وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع تو یہ اس کا عین کیونکر ہو سکتے ہیں، لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔
سوم۔ عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے: ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گذرے، انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا کہ اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب و نقائص تو اہل کے باوجود ان میں تھی خود بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب وہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز، محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے، قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے تعالیٰ **اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔**
انسان عکس ڈالنے میں آئینہ کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے، وہ خود بھی ایک ظل ہے۔ پھر آئینے میں انسان کی

صرف سطح مقابل کا عکس ہوتا ہے جس میں انسان کے صفات مثل کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات وقدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عز جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا، یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی ناسمجھی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی، وہ سمجھ لئے کہ ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انہوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں:

۱- حقیقی، ذاتی کہ متجلی کے لئے خاص ہے۔ ۲- اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے اور حاشا یہ تقسیم اشتراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق حقیقت وعین معرفت۔ وللہ الحمد"

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۳-۱۳۴ ج ۶ سنی دار الاشاعت)

حضرت عینی نے کاشف الاستار شریف میں بہت مفصل انداز سے وحدت وجود کے مسئلہ کو روشن کیا ہے اور حلولیوں کے باطل نظریات سے وحدت وجود کو اتنا ممتاز کر دیا ہے کہ نگاہ حق بیں دیکھا کرے۔

حضرت عینی کی تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ وحدت وجود ایک کشفی رمز ہے جو صرف اہل کے بہرہ ہوتا ہے۔ اس راز الٰہی کو زبان وبیان کے ذریعہ عالم آشکار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہی حضرات مشائخ کا طرز رہا ہے۔ زبان سے صرف اتنی ہی بات کہی جا سکتی ہے جس کی اجازت شریعت دیتی ہے۔

پوری بحث تو اصل کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ میں یہاں صرف اسی کا دو مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں۔ اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ ایک طبقہ" ہمہ

اوست'' (وحدت وجود) کا قائل ہے اور دوسرا ''ہمہ از وست'' (وحدت شہود) کا۔ میں کسے اختیار کروں۔؟۔ بزرگ نے فرمایا: تم دونوں کے قائل رہو۔ زبان سے ''ہمہ از وست'' کا اقرار کرو اور دل سے ''ہمہ اوست'' کا۔ ظاہر کو ظاہر پر رکھو اور باطن کو باطن پر محمول کرو۔ صاحب فصوص الحکم حضرت ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضرات اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کافروں، منافقوں کی کیفیت رکھتے ہیں۔ یعنی کسی چیز سے واقف ہوتے ہیں لیکن مصلحت کی وجہ سے اسے پوشیدہ رکھتے ہیں، کہتے نہیں۔

نیست غیرے وجود در موجود
ایں بخواہ آں بود مشہود

حقیقت میں اس ایک کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ دیکھنے میں بھلے ہی تمہیں مختلف جلوے نظر آئیں''۔

بحث کے اخیر میں رقم طراز ہیں:

اے بھائی! وحدت الوجود کے دلائل سے موحدین کی کتابیں بھری پڑی ہیں جو غیروں کی نگاہ سے محفوظ ہیں۔ اس جگہ اس ذیل میں اتنی گفتگو ہی کافی ہے۔

رہ گیا صوفیا کا یہ فرمانا کہ حقیقت کی نگاہ میں تو مشہود و موجود دونوں ایک ہی ہیں، اس جگہ شریعت کو کیا کرنا چاہیے؟۔ میرے کرم فرما: شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت۔ اگر تجھ سے دریافت کریں کہ شریعت وطریقت کے درمیان کیا فرق ہے تو بتا دینا کہ شریعت بال ہے اور طریقت مانگ، کیونکہ طریقت شریعت کا مغز ہے۔ ذرا دیکھو اسلام کی خشت اول کلمۂ توحید ہے لا الٰہ الا اللہ۔ اس کا شرعی

معنی تو خود ہی ظاہر ہے اور طریقت کی روشنی میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سارے معبود معدوم، صرف واحد حقیقی موجود ہے۔ تم صرف اسی کی پرستش کرو۔ پس یہ کلمۂ توحید جو شرائع اسلامی کی بنیاد اور اس کا خلاصہ ہے، شریعت اور طریقت دونوں میں یکساں مفہوم رکھتا ہے لیکن تقیدات کے گھیرے اور اطلاق کے تجرد کے سبب اس یکسانیت تک فہم قاصر کی رسائی نہیں ہو پاتی۔" (کاشف الاستار شریف، قلمی)

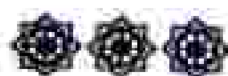
اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ حضرات مشائخ قادریہ خالص وحدت الوجودی ہونے کے باوجود زبان سے اس کے رمز آشکار کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہٗ کے تذکرے میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت والا کی مجلس میں شطحیات جیسی چیزوں کے اظہار کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ حضرات مشائخ اس سلسلے میں اس قدر محتاط تھے کہ عالم سکر میں ان کی پاک زبانوں سے کبھی یہ اسرار الٰہی آشکار ہو جاتے تو آپ حضرات قطعاً اس پر رضامندی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ کیونکہ اس افشائے راز سے امان اٹھ جانے اور نادانوں کی فتنہ انگیزی کا اندیشہ تھا۔

لیکن حضرات صوفیہ جو خلاصۂ کائنات ہیں، خود ان کا اپنا حال یہ تھا کہ سرتاپا انوار الٰہی میں ڈوبے رہتے اور اپنے وجود سے دوئی کا حجاب اُتار کر فنائے الٰہی کے سمندر میں ڈوب جاتے۔ ان کے ہر بن ومو سے اسی محبوب لم یزل کی یادوں کا آوازہ بلند ہوتا رہتا۔

اس جگہ سیدنا میر سید محمد ترمذی کالپوی قدس سرہٗ کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے جسے حضرت عینی نے حضرت کے حالات کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ رقم طراز ہیں:

"حضرت میر سید محمد ترمذی کالپوی قدس سرہٗ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ایک دن حضرت نماز جمعہ کے لیے غسل فرما کر ریش مبارک میں کنگھی کر رہے تھے۔ ریش مبارک کا ایک بال ٹوٹ کر حضرت کے فیض بار شانے پر گر پڑا۔ حضرت کے نامور خلیفہ شاہ محمد افضل الٰہ آبادی

نے پیچھے سے آ کر عرض کی کہ اگر حضرت کی اجازت ہو تو میں اس بال کو اٹھالوں؟ فرمایا: ٹھیک ہے۔ حضرت شاہ افضل نے وہ موئے مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر حاضرین کو آواز دی۔ سب جمع ہو گئے اور پوری جماعت نے موئے مبارک سے اسم ذات کی آواز سماعت کی۔ حاضرین پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ سب حضرت کے قدموں میں گر پڑے۔'' (کاشف الاستار، قلمی)



ڈاکٹر خالد مبشر شعبہ اردو
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

مسئلۂ وحدت الوجود اور امام احمد رضا

خدا اور حیات و کائنات کے وجود اور ان کے مابین رشتوں کا تعین فلسفہ اور مذہب دونوں کا بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ سب سے پہلے ہندوستان میں ویدانت نے الٰہیاتی سطح پر اس سوال کو موضوع بحث بنایا اور اس کے بعد یونان میں سقراط، افلاطون اور ارسطو نے اس نظریے کو فلسفیانہ اساس فراہم کیا۔ اسلامی علما میں سب سے پہلے شیخ محی الدین ابن عربی نے نظریۂ وحدت الوجود کو کلامی اور فکری اسلوب عطا کیا۔ چنانچہ بعد میں وحدت الوجود ہی تصوف کا محور و مرکز بن گیا۔ لیکن ابن عربی کی اس فکر سے عظیم صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی نے اختلاف کرتے ہوئے وحدت الوجود کے بجائے وحدت الشہود کو صحیح اسلامی عقیدہ قرار دیا۔

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے موقف کی صراحت کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا فرق واضح کر دیا جائے۔ وحدت الوجود کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ اصل وجود ایک ہی ہے اور وہ خدا ہے۔ جب کہ وحدت الشہود کے مطابق خدا کے علاوہ مخلوقات کا بھی اپنا ایک وجود ہے لیکن مخلوق بھی دراصل خدا کی صفات کا پرتو ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا پیچیدہ فلسفیانہ مسئلہ ہے، جس کے ادراک کے لیے محض علمی و عقلی استدلال ہی کافی نہیں بلکہ وجدانی و روحانی واردات کی منزلیں بھی طے کرنی پڑتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ایک طرف عالم شریعت ہیں تو دوسری طرف عارف طریقت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلۂ وحدت الوجود کے حوالے سے بھی ان کا فکری نظام آئینے کی طرح صاف و شفاف نظر آتا ہے۔ انہوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ:

"مرچہ وجود میں صرف حق ہے کہ ہستی حقیقتاً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے۔ وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں، یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد۔ باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود وہستی بہرہ نہیں رکھتے۔ کل شئی ھالک الا وجہ (قصص: ۸۸) ہر چیز فانی ہے سوا اس ذات کے اور حاشا یہ معنی ہر گز نہیں کہ من وتو، زید وعمر ہر شئے خدا ہے۔ یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔"

مولانا کے اس اقتباس سے مطلع بہت صاف ہو جاتا ہے کہ وہ گرچہ وہ وحدت الوجود کے قائل ہیں لیکن وحدت الوجود سے ان کی مراد ہمہ اوست نہیں یا ویدانتی فلسفہ کی طرح وہ بھی ہر چیز کو خدا نہیں سمجھتے بلکہ اس نظریہ کے حاملین ان کے نزدیک اسلام سے خارج ہیں۔ اس طور پر دیکھا جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی فکر بھی وحدت الشہودی نظریے سے قریب ہے۔ چنانچہ انھوں نے وحدت الوجودی مسائل کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں تمثیلی اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس مسئلے کی الجھی ہوئی گتھیوں کو بحسن وخوبی کھولنے اور اس کو سلجھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وحدت الوجود کی تین تعبیرات وتشریحات سامنے آئیں اور اسی کی بنیاد پر تین فرقے ظہور پذیر ہوئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے ان تینوں گروہوں کی مثال یوں پیش کی ہے:

"ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئے کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما، کسی میں بھونڈی۔ یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے، خود واحد ہے ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں، متجلی ان سے منزہ ہے۔ ان کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا وہ

المثل الاعلیٰ۔ اب اس آئینہ خانہ کے دیکھنے والے تین قسم کے ہوئے:

اول: ناسمجھ بچے، انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے، یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں، جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو ہیں یہ بھی اور وہ بھی مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم اور اپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے عکس ہیں اگر اس سے جواب ہوجائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے، ہو کیا جائیں گے، اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں۔ حقیقتاً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم: اہل نظر وعقل کامل، وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک وجود ایک بادشاہ کے لئے ہے۔ موجود ایک ہی ہے یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلی وجود نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کرکے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود۔ یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی، یہ ناقص ہیں وہ تام۔ یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے۔ حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیوں کر ہوسکتے ہیں؟ لاجرم یہ نہیں کہ وہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ سب اس تجلی کی نمود یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدت الوجود۔

سوم: عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گذرے گئے۔ انھوں نے دیکھا جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب، بھی تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام

عیوب ونقائص جو نقصان قوابل کے باعث ان میں تھے، خود بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز، محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے۔ تعلی اللہ عما یقولوا الظالمون علوا کبیرا۔ انسان عکس ڈالنے میں آئینہ کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے پھر آئینہ میں انسان کا صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے، جس میں انسان کے صفات مثل کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات وقدرت سے اصلا نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عز جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا ہے۔"

مذکورہ صراحتی تمثیلی بیانیہ سے اس مسئلہ کی تمام نزاکتیں اور لطافتیں آئینہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں کو بھی اس کا احساس ہے کہ وجود باری تعالیٰ کی معرفت کے لئے ماورائے حواس اور مابعد الطبیعی تجربات سے آشنائی ناگزیر ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"حقیقی وجود صرف اللہ کے لئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے "الا کل شئی ما خلا اللہ باطل"، ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی مشہود نہیں اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں اور سب حق ہے۔ مدار اول ایمان پر ہے۔ مدار صلاح دوم پر۔ کمال سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔"

مذکورہ اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا کے نزدیک معرفت وجود حقیقی کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں وحدت الوجود آخری منزل ہے۔ ایک اور موقع پر جب مولانا سے کسی نے وحدت الوجود کے معنی دریافت کئے تو انھوں نے جواب دیا کہ "وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لیے ہے اس کے سوا جتنی موجودات ہیں اسی کی ظل، پرتو یعنی عکس ہیں، تو

فیتاً وجود ایک ہی ٹھہرا۔"

مولانا نے مسئلہ وحدت الوجود کی تفہیم وتشریح کے لیے اکثر تمثیلی پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تجریدی اور سماوی نوعیت سے نکل کر حسی اور ارضی کیفیت سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور اس طور پر یہ محض ایک خشک فلسفہ ہی نہیں رہ جاتا بلکہ ہمارے جذبہ واحساس کا حصہ بن جاتا ہے۔ انھوں نے وحدت الوجود کی ایک مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"روشنی بالذات (بلاواسطہ) آفتاب وچراغ میں ہے، زمین ومکاں اپنی ذات میں بے نور ہیں مگر بالعرض (بالواسطہ) آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان (زمین ومکاں) کی روشنی انھیں (آفتاب وچراغ) کی روشنی ہے۔ ان (آفتاب وچراغ) کی روشنی ان (زمین ومکاں) سے اٹھالی جائے تو وہ ابھی تاریک محض رہ جائیں۔"

میری اس مختصر سی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ لیکن ان کا نظریہ وحدت الوجود وحدت الشہودی فکر سے ہم آہنگ ہے اور وہ وحدت الوجود کے نام پر کسی بھی قسم کے ویدانتی یا یونانی عقیدہ وفلسفہ کو قبول نہیں کرتے بلکہ قرآن وحدیث، عقلی استدلال اور وجدان کی روشنی میں وحدت الوجود سے وابستہ غیر اسلامی عناصر وعوامل کی شدت سے تردید کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں وحدت الوجود کے مختلف مدارج ومنازل کی نشاندہی کرتے ہوئے اس دقیق مسئلے کو مثالوں سے پانی کر دیتے ہیں اور یقیناً یہ کارنامہ ایک ایسی عظیم شخصیت ہی انجام دے سکتی ہے جو صرف ایک متبحر عالم ہی نہیں بلکہ صوفی کامل بھی ہو، بلاشبہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اسی اعلیٰ وبالا علم ومعرفت کے مرتبہ پر فائز ہیں۔



مولانا محمد قمر الزماں مصباحی
ادارہ لوح وقلم مظفر پور، بہار

فتاویٰ رضویہ اور تعلیمات تصوف

تصوف عربی زبان کا لفظ ہے مادۂ اشتقاق کے اعتبار سے اہل لغت کے مابین اختلاف ہے کسی نے ''صُوف'' سے مشتق مانا ہے جس کے معنیٰ'' اُون'' کے ہیں صوفیاء کرام زرق برق، دیدہ زیب اور پر کشش لباس سے بچتے ہوئے اونی کپڑا استعمال کرتے ہیں اسی بنیاد پر انہیں'' صوفی'' کہتے ہیں۔

بعض اہل لغت کے نزدیک تصوف ''صفو'' سے مشتق ہے کیونکہ گروہ صوفیہ تزکیۂ نفس اور تطہیر باطن پر زیادہ زور دیتے ہیں اور بعض اہل لغت کا کہنا ہے کہ اس کی اصل ''صُفّہ'' ہے جو چبوترہ کے معنیٰ میں ہے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کچھ حضرات لذات دنیا سے کنارہ کش ہو کر مسجد نبوی شریف کے قریب ایک چبوترے پر عبادت وریاضت میں مصروف رہا کرتے تھے اس لیے اس جماعت کو اصحاب صفہ کے مبارک لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تصوف کا اصل سرچشمہ قرآن مقدس اور حدیث مبارکہ ہے۔ خداوند قدوس کا فرمان گرامی ہے۔ یذکرون اللہ قیاما وقعودا علی جنوبھم۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اُٹھتے بیٹھتے، کروٹ بدلتے ہر حال میں اسی کو یاد کرتے ہیں دوسری جگہ قرآن یوں ناطق ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دلوں کا چین ہے۔

خلیفۂ دوم امیر المومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں کہ ایک نو وارد آپ سے اس طرح قریب ہو کر بیٹھ گیا کہ اپنا زانو آپ کے زانوئے مبارک سے ملا دیا اور عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ! اسلام کی بنیاد کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دے، نماز

قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان شریف کے روزے رکھے اور مال کی استطاعت ہو تو حج کرے۔ اس نو وارد نے عرض کیا سچ فرمایا آپ نے۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی تصدیق پر ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ خود سوال بھی کرتا ہے اور خود ہی تصدیق بھی۔ پھر دوسرا سوال کیا ایمان کے بارے میں بتائیں سید الرسل ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور اس بات کی تصدیق کریں کہ جو بھی اچھی بری تقدیر ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر نو وارد نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ سچ فرمایا آپ نے۔ تیسرا سوال کیا اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے محسن انسانیت ﷺ نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ جب آپ اللہ جل مجدہٗ کی عبادت کریں تو اس طرح کریں کہ گویا آپ اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں (یہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے) ورنہ کم از کم یہ تصور کریں کہ آپ کی ہر عبادت اور حرکت و عمل کو پروردگار عالم دیکھ رہا ہے اس کے علاوہ قیامت وغیرہ کے بارے میں سوال ہوا اور غیب داں پیغمبر ﷺ نے ہر سوال کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا پھر وہ نو وارد وہاں سے رخصت ہو گیا تو سرکار اعظم ﷺ نے فرمایا عمر! یہ سید الملائکہ روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں میرے ذریعہ دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ حدیث پاک کا یہ حصہ کہ تم عبادت اس طرح کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تصور کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ قرآن نے تصوف کی تعبیر "تزکیہ نفس" اور حدیث نے "احسان" سے کیا ہے۔ یعنی تصوف نام ہے اصلاح باطن، تطہیر قلب، احسان اور پاکیزگی روح کا۔

انسان کا نفس صفت خیر اور شر دونوں سے عبارت ہے لیکن شر کی ظلمت پر جب خیر کا اجالا غالب آجائے تو دل مزکیٰ ہو جاتا ہے اور اس کے اندر نورانی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اسی طرف قرآن پاک نے ان لفظوں سے اشارہ کیا ہے۔ **قد افلح من زکاھا**۔ اس نے فلاح پائی جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔ تعریف تصوف کے حوالے سے علماء مختلف ہیں اور ہر ایک کا قول نقل کرنا ذرا دشوار امر ہے چنانچہ چند کے اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں:

"تصوف کی جزئیہ ہے کہ کتاب وسنت کولازم پکڑے، تصوف اس کانام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔"

حضرت سیدنا ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ کے نزدیک تصوف تمام شہوات نفسانی کے ترک کا نام ہے، حضرت شیخ علی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ تصوف ظاہر و باطن میں سوائے حق کے کچھ اور نہ نظر آئے۔ حضرت شیخ زکریا قدس سرہٗ کا قول ہے کہ تصوف وہ ہے جس سے تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو۔ تاجدار اولیا سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے سخاوت ابراہیم، رضائے اسحاق، صبر ایوب، مناجات زکریا، غربت یحیٰ، خرقہ پوشی موسیٰ، سیاحت عیسیٰ اور فقر محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں احکام خداوندی کی مخالفت سے دل کو صاف کرنا ہی تصوف ہے۔ حضرت عبداللہ تستری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ طریقت کے سات اصول ہیں کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رہنا، سنت رسول کی پیروی کرنا، حلال رزق کھانا، اذیت پہونچانے سے باز رہنا، گناہوں سے بچنا، توبہ کرنا اور حقوق کی ادائگی میں لگے رہنا اور حضرت سیدنا مخدوم جہاں شرف الدین احمد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تصوف کی ابتداء پر غور کرو تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس خلوت در انجمن کے لیے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی یعنی دنیا کی پہلی خانقاہ کعبہ مکرم ہے (مکتوبات صدی بائیسواں باب)

ان تمام صوفیائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کا ماحصل یہی ہے کہ اطاعت حق، حب رسول، اخلاق حمیدہ، اخلاص نیت، خوف آخرت، تطہیر قلوب، صبر و شکر، تزکیہ نفس اور قرآن وسنت کی پاسداری ہی اصل تصوف ہے۔ ان سارے اقوال کی روشنی میں تصوف کے جملہ پہلو کا حسن ایک ہی مرکز پر سمٹا نظر آتا ہے اور وہ ہے خوشنودی مولیٰ جل وعلا اور اتباع مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اور جو شخص نفسانی لذات کو کچل کر عرفان ذات تک پہونچ جائے تو اس کے لیے قرآن عظیم کا یہ مژدہ ہے واما من خاف مقامہ ربہ ونہی النفس عن الھویٰ

فان الجنة هی المأوی ترجمہ: جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہشوں سے روکے تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہٗ کی باوقار شخصیت اپنے اندر انجمن در انجمن سمیٹے ہوئی ہے اور بادِ صبا کی طرح ان کے علمی کارناموں کی خوشبو چمن در چمن پھیلی ہوئی ہے آج ان کا نام اور کام دونوں پوری دنیا کی جامعات میں مرکز بنا ہوا ہے تقریباً چار دہائیوں سے محققین آپ کی دینی خدمات پر ریسرچ کرتے چلے آرہے ہیں مگر ابھی تک یہ سلسلہ عشق تھما نہیں ہے بلکہ اس کی زنجیر دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے اور ہر دن ایک نیا گوشہ، نئی جہت، نیا پہلو، نئی سمت، نئے آفاق اور ایک نیا اسلوب سامنے نظر آتا ہے۔ تلاش وتحقیق کی دنیا سے جن حضرات کا گہرا رابطہ ہے وہ یقیناً میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اب تک عالم اسلام کے اس بطل جلیل پر جس قدر تحقیق ہوئی دنیا کے کسی مذہبی رہنما پر اتنا ریسرچ ورک نہیں ہوسکا اور اس میں جہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کی گیرائی، فن کی گہرائی، تموج فکر اور پرت در پرت شعور وآگہی کی تجلی کارفرما ہے وہیں ان کی نیت کا اخلاص، بے نفسی، للّٰہیت، ایثار وقربانی اور تو جا الی اللہ کا بھی بہت بڑا دخل ہے کیونکہ آپ نے اپنی پوری زندگی کی اصل پہچان محبت رسول اور تحریک عشق رسالت کو ہی قرار دیا اور جب ایک محب اپنے محبوب کے قدم ناز پر اپنی حیات کا سارا اثاثہ نچھاور کردیتا ہے تو قلم کی بوند بوند سے اخلاص وایثار کی روشنائی ہی ٹپکتی ہے۔

آج کہیں کہیں سے یہ آواز سننے کو مل رہی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی خالص ایک مولوی تھے انہیں تصوف اور ولایت سے کیا علاقہ تو ایسے یاران میکدہ سے صرف اتنی سی گزارش ہے کہ ساحل سے سمندر کی گہرائی ناپی نہیں جاتی ہمت ہے تو غواصی کر کے دیکھیں تب صحیح طور پر خیال کا اندازہ ہوگا۔ یاد رکھئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ صرف ایک عالم، فقیہ، مفسر، محدث، متکلم، مناظر، ادیب، شاعر، مصنف اور خطیب ہی نہیں تھے بلکہ عارف حق آگاہ، درویش کامل، عابد شب زندہ دار اور ایک صوفی باکمال کا نام ہے اور ان سب میں بڑا

منصب، منصب تجدید ہے اور جو مجدد وقت ہوتا ہے اس زمانے کے صف علماء وفقہاء سے لے کر اولیاء وصوفیہ تک ہر فرد مجدد کے فیضان نظر کا محتاج ہوتا ہے۔

اب فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں تعلیمات تصوف کا جائزہ لیتے ہیں کسی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ سے پوچھا کہ عمرو کا قول یہ ہے کہ شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات، سنن ومستحبات وچند مسائل حلال وحرام کا جیسے صورت وضو ونماز وغیرہ اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالیٰ کا۔ عمرو کے اس قول پر حکم شرعی نافذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عمرو کا زعم باطل قبیح والحاد صریح ہے، عمرو کا قول کہ شریعت جن احکام فرض وواجب وحلال وحرام کا نام ہے محض اندھا پن ہے شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف متنہائیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے ولہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے اگر شریعت کے مطابق ہوں تو حق ومقبول ہیں ورنہ مردود ومخذول، تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے۔ شریعت ہی مناط ومدار ہے، شریعت ہی محک معیار ہے۔

عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے ہر دو ہر حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقہ طریقت، راہ ہی کو کہتے ہیں نہ پہنچ جانے کو تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن مجید خدا تک نہیں پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن مجید باطل ومردود فرما چکا ہے لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے کہ اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے اس کا اس سے جدا ہونا محال ونا سزا ہے جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا طریقت حقہ راہ ابلیس نہیں قطعاً راہ خدا ہے تو یقیناً شریعت مطہرہ میں ہی کا ٹکڑا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم اکیسواں حصہ، صفحہ ۵۲۳)

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے

ہوتے ہیں اسی نارِ جحیم و عذاب الیم تک پہونچاتے ہیں۔

حضرت سیدنا سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"تصوف تین وصفوں کا نام ہے کہ اس کا نورِ معرفت اس کے نورِ ورع کو نہ بجھائے دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قرآن یا ظاہر سنت کے خلاف ہو۔ تیسرے یہ کہ کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائیں" (ایضاً، صفحہ ۵۴۳)

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے پیر حضرت سیدنا سرکار سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث داں بنا کر صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے صوفی نہ بنائے۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ العالی اس دعائے حضرت سیدنا سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے حدیث و علم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہونچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، العیاذ باللہ (ایضاً صفحہ ۵۳۸)

حضرت سعید بن اسمٰعیل حیری ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گزارنے کا طریقہ یہ ہے کہ سنت کی پیروی کرے اور علم ظاہر کو لازم پکڑے۔"

حضرت سیدنا سرکار سید ابو الحسین احمد بن الحواری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو سید الطائفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ریحانۃ الشام یعنی ملک شام کا پھول کہتے تھے فرماتے ہیں:

"جو کسی قسم کا کوئی عمل بے اتباعِ سنتِ رسول کرے وہ عمل باطل ہے۔" (ایضاً، صفحہ ۵۴۲)

حضرت سیدی ابو العباس احمد بن محمد الآدمی کہ سید الطائفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقران

سے ہیں فرماتے ہیں جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کر دے گا۔ اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔ (ایضاً صفحہ ۵۴۲)

نیز ولی ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"علمائے ظاہر ہوں یا خواہ علمائے باطن سب کے چراغ شریعت ہی کے نور سے روشن ہیں تو ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین کسی کا کوئی قول ایسا نہیں کہ اہل حقیقت کے اقوال اس کی تائید نہ کرتے ہوں نیز آگے فرماتے ہیں۔"

تمام علمائے امت کے دلوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب اقدس سے مدد پہونچتی ہے۔ ہر عالم کا چراغ حضور ہی کے نور باطن کی شمع دان سے روشن ہے۔ (ایضاً صفحہ ۵۵۲،۵۵۱)

حضرت سیدی نجم الدین کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شیخ و مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں ولی جب تک شریعت کو مکمل طور پر نہ اپنائے ولایت میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ اگر اس کا انکار کرے تو کافر ہے۔ (ایضاً صفحہ ۵۵۷)

یہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی شخصیت ایک جہان حیرت ہے اور علم و فضل کے اس بحر بیکراں سے موتی کا انتخاب کارے دارد۔ شریعت، طریقت، معرفت، صوفی اور تصوف کے حوالے سے فتاویٰ رضویہ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے مطالعہ کے مطابق چند حقائق میں نے پیش کئے اسے دل کی نگاہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح معنوں میں تصوف کی روح تک رسائی ہو سکے اور صوفی کے لبادہ میں علم شریعت و طریقت سے ناآشنا جو لوگ خانقاہ اور درسگاہ کو بانٹنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں ان کے لیے چراغ ہدایت ثابت ہو۔



ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی
مظہر الحق یونیورسٹی پٹنہ

اعلیٰ حضرت اور شطحیات صوفیا

ہر علم وفن میں کچھ بحثیں نزاعی ہوتی ہیں اس کی اہمیت سے اہل علم ہی واقف ہوتے ہیں ان نزاعی بحثوں پر اس فن کے شناور نے کتنے اوراق سیاہ کئے ہیں اس کا صحیح اندازہ اس فن کے پڑھنے پڑھانے اور تحقیق کرنے والے ہی کو ہے لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان اختلافات سے علم وفن میں کوئی نقص پیدا ہونے کے بجائے تحقیقات کے نئے نئے گوشے وا ہوئے ہیں۔ تصوف بھی بحیثیت فن پوری دنیا میں مشہور ومتعارف ہے دیگر فنون کی طرح اس کے بھی مبادیات واصطلاحات ہیں جس کی تشریح وتعبیر پیش کرنے میں اہل ذوق وتحقیق نے زرِ صرف کی ہیں بالخصوص دیندار طبقہ کو اس فن سے اس لئے لگاؤ رہا کہ اس میں "اہل اللہ" کے اعمال وافعال اور اشغال واذکار کی توضیح ہے اب تو عصری جامعات میں بھی اس فن پر خصوصی مطالعے کرائے جاتے ہیں اس سے جہاں اس فن کی آفاقیت سمجھ میں آتی ہے وہیں اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ تطہیر قلب اور ذہنی سکون کا سامان انہیں بوریا نشینوں کے طریقے میں پوشیدہ ہے۔

تصوف کے حوالے سے بعض انا پسند وہ ہیں جو اس کی حقیقت وماہیت کے اسلامی ہونے کے ہی منکر ہیں بعض غالی عقیدہ تمند وہ ہیں جو اہل تصوف سے منسوب ہر عمل کو جائز اور عین شرع ثابت کرنے پر کمر بستہ ہیں یقیناً ہر دو طبقہ افراط وتفریط کا شکار ہے ان دو طبقوں کے علاوہ ایک طبقہ ایسے لوگوں کا ہے جو تصوف کے قائل ہیں مگر صوفیا کا جو عمل انہیں خلاف شرع لگتا ہے اس کی تردید میں کسی رواداری اور تاویل کے قائل نہیں ہیں ایک سنجیدہ طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اہل اللہ کے مقام وعظمت کے پیش نظر کسی تلخ رویہ کے بجائے ان کے اعمال واقوال کی توجیہ کرتے ہیں میں جس عنوان کی طرف آنا چاہتا ہوں وہ "شطحیات صوفیہ" ہے

شطح جس کی جمع شطحیات ہے اس کا معنی لغوی اعتبار سے اردو فارسی کے لغات میں بے حیائی، شریعت کے خلاف بکواس کے آیا ہے۔

اہل اللہ سے بعض دفعہ ایسے کلمات کا صدور ہوا ہے اور یقیناً ہوا ہے جو دیکھنے سننے پر خلاف شرع ہے اس مسئلے پر اہل علم کے خیالات مختلف رہے ہیں اس سلسلے میں سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں ابونصر سراج نے ''کتاب اللمع'' میں اس کی شاندار توضیح کی ہے انہوں نے اپنی کتاب میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اہل اللہ کے اعمال واقوال کی تشریح وتوضیح کا اختیار اس فن کے شناور ہی کو ہے مگر اس کے باوجود بعض علم ظاہر کے پہاڑ گردانے جانے والے اور علم روحانی کے مدارج سے ناواقف لوگوں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کیا اور اہل اللہ کے عقیدتمندوں کے درمیان مطعون ہوئے اور لوگوں نے ان کی اس جرات کو بے ادبی سمجھتے ہوئے ناقابل قبول قرار دیا، اور بہت سے ایسے افراد بھی ہوئے جنہوں نے ان مباحث کو ہاتھ تو لگایا مگر اس خار دار وادی سے سلامتی کے ساتھ گذر گئے نہ ہی ان کی گفتگو شرع سے متصادم ہوئی اور نہ ہی اہل اللہ کی عظمت کے خلاف ہوئی جو لوگ سلامت روی سے گذر گئے انہیں لوگوں میں چودہویں صدی عیسوی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بھی ہیں آپ کے دارالافتا اور مجلسی گفتگو میں کئی مواقع پر شطحیات صوفیا کے مسائل پیش آئے مگر کسی الجھاؤ کے بغیر انہوں نے ہر دو تقاضوں کی تکمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جہاں انہوں نے تصوف کے باطن چہروں کو بے نقاب کیا وہیں اصل صوفیا کے شطح کی تاویل کرنے میں علمی اور تحقیقی طرز اختیار کیا جن صوفیا کے شطحیات ان کی تصانیف میں ہے ان میں سے ایک مشہور نام حضرت منصور کا ہے۔

آپ کا اصل نام حسین بن منصور ہے عوام کے درمیان آپ صرف منصور سے مشہور ہیں آپ کی کنیت ابوالمغیث اور بعض نے ابوعبداللہ کہا ہے آپ کی ولادت بیضاء فارس کے ایک موضع جس کا نام طور ہے میں ہوئی اور نشو ونما تستر میں ہوئی یہیں آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں سہل بن عبداللہ تستری کی صحبت اختیار کی حرقہ میں حضرت عمر بن عثمان مکی سے فیض اٹھایا کبھی ٹاٹ اور کبھی دو بغیر سلے رنگین کپڑا کا استعمال کرتے تھے بعض اوقات لمبا کرتا اور عمامہ زیب

نے کمالات شادی کے بعد حضرت جنید بغدادی کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے انہوں نے آپ کو خلوت وسکوت کی تربیت سے آراستہ کیا بغداد وحجاز کے سفر پر رہے ایک دن کسی بات پر جنید بغدادی نے کہا تو عنقریب لکڑی کا تختہ سرخ کرے گا منصور نے کہا جب میں لکڑی کا سر سرخ کروں گا اس دن آپ علمائے ظاہر کا لباس زیب تن کریں گے آپ عالم اسلام میں اپنے دعوی انا الحق کے لئے مشہور ہیں آپ کی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے عطار نے لکھا ہے:

''حضرت منصور ہمہ اوقات عبادات میں مشغول رہا کرتے تھے اور میدان توحید ومعرفت میں دوسرے اہل خدا کی طرح آپ شریعت و سنت کے متبعین میں سے تھے'' (تذکرۃ الاولیا ص ۳۲۶)

آپ کا مشہور قول انا الحق ہے اس تعلق سے فرید الدین عطار نے لکھا ہے

''گو آپ کی زبان سے انا الحق کا غیر شرعی جملہ نکل گیا لیکن آپ کو کافر کہنے میں اس لئے تردد ہے کہ آپ کا قول حقیقت میں خدا کا قول تھا

''محولہ بالا ص ۳۲۶)

حضرت منصور کی شخصیت علما اور صوفیا کے درمیان متنازع ہے بعض آپ کے قول کی تائید اور تاویل کرتے ہیں اور بعض کچھ اور کہتے ہیں عطار نے لکھا ہے

''آپ کے متعلق عجیب وغریب اقوال منقول ہیں لیکن آپ بہت ہی نرالی شان کے بزرگ اور یگانہ روزگار تھے اکثر صوفیا نے آپ کی بزرگی سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ تصوف سے قطعاً نابلد تھے آپ ہمیشہ شوق وسوز کے عالم میں مستغرق رہتے تھے آپ کا تکیہ اتحاد پر تھا.

اعلی حضرت ان کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں مندرجہ ذیل اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

سوال: علمائے عظام ومشائخ کرام نے منصور کو کیوں سولی دی اگر بوجہ کفر سولی دی گئی تو کیا منصور کو اب مسلمان اور کاملین میں شمار کریں یا ان کی نسبت کیا عقیدہ رکھیں؟

الجواب الملفوظ: ظاہر مسموع ان کے کلام سے وہ تھا جس پر شرعاً تعزیر قتل ہے لہذا حکم

شرع پورا کیا گیا، بے حکم شرع آب خوردن رواست   وگر خوں بہ فتوی بریزی رواست

(فتاوی رضویہ جلد ۱۲ ص ۱۹۷)

مسئلہ از بھوپال مکان منشی سید سعید احمد صاحب متصل نور محل مرسلہ سید احمد علی مکرم و معظم بعد آداب نیاز کے گذارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان اوقات کے جن کے بنا پر حضرت منصور کے بارے میں فتوی دیا گیا تھا مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں اگر فتوی میں کسی آیت شریفہ کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا اس تکلیف دہی کو معاف فرمایئے گا اس معاملہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

الجواب: حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں منصور ان کے والد کا نام تھا اور ان کا اسم گرامی حسین ، اکابر اہل حال سے تھے ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوتیں ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا گھر میں ہر جگہ تلاش کیا پتہ نہ چلا ان کو وسوسہ گذرا دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے وہ اپنے وقت پر اٹھ کر چلیں یہ آہستہ پیچھے ہو لئے دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیریں، یاقوت کا جام اترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آ لگا انہوں نے پینا شروع کیا ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اٹھے تمہیں اللہ کی قسم تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا انہوں نے پیا اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر درو دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے انہوں نے کہنا شروع کیا انا الحق بے شک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار ہوں لوگوں کو سننے میں آیا انا الحق وہ دعوی خدائی سمجھے اور یہ کفر ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من بدل دینہ فاقتلوہ رواہ**

احمد والستۃ الا مسلماً عن عباس رضی اللہ تعالی عنہ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو اس حدیث کو اصحاب ستہ میں مسلم کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے (فتاوی رضویہ جلد ۲ ص ۲۲۳)

اسی جلد میں صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۷ پر یہی روایت منقول ہے اس فتاوی سے اعلی حضرت کا نظریہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت منصور کو اکابر اولیاء میں شمار کرتے ہیں اور انہیں سیدی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے قول انا الحق کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ وہ اصل وہ انا الحق تھا جس کے سننے میں لوگوں کو تعجب ہوا۔

دوسرے عظیم بزرگ جن کے شیخ کا ذکر اعلی حضرت کی تصانیف میں پایا جاتا ہے وہ حضرت بایزید بسطامی ہیں آپ مشہور و معروف ہیں جن بزرگوں نے کسب سے ولایت حاصل کیا ہے ان میں ان کا نام نمایاں ہے عبادات وریاضات اور والدہ کی اطاعت ورضامندی سے انہیں بلند مقام ومراتب حاصل ہوئے ہیں مگر تذکرۃ الاولیاء میں جہاں لکھا ہے کہ انہوں نے عبادت وریاضت اور والدہ کی خدمات سے علو مرتبت حاصل کیا وہی لکھا ہے کہ ان کی بزرگی شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگی تھی فرید الدین عطار نے ان کی والدہ کا قول نقل کیا ہے: جس وقت بایزید میرے شکم میں تھا تو اگر کوئی مشتبہ غذا میرے شکم میں چلی جاتی تو اس قدر بے کلی اور بے چینی ہوتی کہ مجھے حلق میں انگلی ڈال کر نکالنا پڑتی۔ (تذکرۃ الاولیا ص ۹۳)

جب آپ کی ولادت ہوئی اور پڑھنے پڑھانے کا معاملہ آیا اور دوران درس قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی **ان اشکر لی ولوالدیک** میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو تو بے چین ہو کر ماں کے قدموں میں آئے عرض کیا اللہ تعالی کا فرمان ہے میرا اور والدین کا شکر ادا کرو اور مجھ ناتواں سے دونوں کی شکر گذاری ممکن نہیں یا تو اپنے پاس رکھ لیں یا خدائے تعالی کے لئے چھوڑ دیں والدہ نے اپنے تمام حقوق سے آزاد کر کے رب کی راہ پر لگ جانے کی اجازت دے دی چنانچہ آپ راہ طریقت کے ماہرین کی تلاش میں لگ گئے ایک سو ستر مشائخ سے نیاز مندی حاصل کی خوب خوب عبادت وریاضت کی کھانا پینا سب ترک کر دیا جن

بزرگوں سے آپ نے نیاز مندی حاصل کیا ان میں ایک اہم نام امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے آپ ان کی صحبت میں تھے آپ سے انہوں نے کہا طاق سے کتاب اتار کر لاؤ تو آپ نے پوچھا طاق کہاں ہے؟ انہوں نے حیرت سے پوچھا تم نے ابھی تک طاق نہیں دیکھا ہے آپ نے فرمایا طاق تو کجا میں نے آپ کے روبرو سر بھی نہیں اٹھایا ہے یہ سن کر امام جعفر صادق نے فرمایا: اب تم مکمل ہو چکے ہو

آپ شریعت پر سختی سے عمل پیرا تھے یہاں تک کہ کسی کو قبلہ رو تھوکتے دیکھتے تو ایسے آدمی سے خواہ مشہور ولی ہوں ملاقات بھی کرنا گوارہ نہیں کرتے تھے خود ان کا حال تھا کہ قبلہ رو تھوکنا تو کجا مسجد جاتے وقت راستے میں تھوکنا بے ادبی سمجھتے تھے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے گئے تو ہر چند قدم پر نفل نماز کا اہتمام کیا اس طرح بسطام سے بارہ سال میں مکہ مکرمہ پہنچے اور مدینہ جانے کا الگ سے اہتمام کیا آپ اپنی ریاضت شاقہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"میں نے بارہ سال تک نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدے کی آگ میں تپایا اور ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا جس کے بعد میرا نفس آئینہ بن گیا پھر پانچ سال مختلف قسم کی عبادات سے اس پر قلعی چڑھاتا رہا پھر ایک سال تک جب میں نے خود اعتمادی کی نظر سے اس کا مشاہدہ کیا تو اس میں تکبر و خود پسندی کا مادہ موجود پایا چنانچہ پھر پانچ سال تک سعی بسیار کے بعد اس کو مسلمان بنایا اور جب اس میں خلائق کا نظارہ کیا تو سب کو مردہ دیکھا اور نماز جنازہ پڑھ کر ان سے اس طرح کنارہ کش ہو گیا جس طرح لوگ نماز جنازہ پڑھ کر قیامت تک کے لئے مردے سے جدا ہو جاتے ہیں

(تذکرۃ الاولیا ص ۹۷)

یہ صرف زبانی بات نہ تھی عملی زندگی میں بھی جب خلائق کا ہجوم ان کے پیچھے ہوتا تو ان سے الگ ہونے کے لئے کوئی نہ کوئی حیلہ اختیار کر لیتے سفر مدینہ کے دوران جب لوگوں کا ہجوم آپ کے گرد جمع ہوا آپ نے کہا: میں خدا ہوں اس کے باوجود لوگ میری عبادت نہیں کرتے یہ سنتے ہی مجمع منتشر ہو گیا جب بزرگان دین کے فیض سے مالا مال ہو کر بسطام پہنچنے والے

نے لوگوں نے شاندار استقبال کا اہتمام کیا رمضان کا مہینہ تھا آپ نے دوکان سے کھانا خرید کر کھانا شروع کردیا یہ دیکھ کر لوگ بدظن ہو گئے آپ نے کہا: میں مسافر ہوں رخصت پر عمل کیا مگر لوگوں کے حالات دیکھئے۔ آپ کا مقصد تھا کہ ان کی خلوت نشینی باقی رہے دنیائے تصوف میں آپ کا رتبہ بہت بلند ہے اور اکابر اولیاء اللہ ان کی عظمت کے معترف ہیں حضرت جنید بغدادی کا قول ہے:

''حضرت بایزید کو اولیا میں وہی اعزاز حاصل ہے جو جبرائیل کو ملائکہ میں اور مقام توحید میں تمام بزرگ کی انتہا آپ کی ابتدا ہے (تذکرۃ الاولیا ص ۹۴)

آپ جتنے بڑے ولی تھے اتنے ہی اپنی ولایت کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے مخلوق کی محبت آپ کے دل سے نکل چکی تھی علائق دنیا سے بے نیاز اور بحر توحید میں خود کو فنا کر چکے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعض کلام معاصرین اور بعد کے علما کے درمیان موضوع بحث ہے

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھی اختلافی کلام کے تعلق سے سوال ہوا ہے اور ان کے شطحیات پر اعلیٰحضرت نے فاضلانہ بحث کیا ہے انداز بیان و تفہیم کس قدر دلکش ہے ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:

''ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا اور جو کرے حاشا ولی نہ ہوگا شیطان ہوگا حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال و نظائر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت ورود و تجلی خاص شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا **یموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین** اے موسیٰ بیشک میں اللہ ہوں رب سارے جہان کا کیا یہ پیڑ نے کہا تھا حاشا للہ بلکہ واحد قہار نے جس درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں۔ نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا: **یموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین**۔ اسی نے یہاں فرمایا **سبحانی ما اعظم**

شانی اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بیشک لواء الہی لوائے محمدی سے ارفع واعلی ہے حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلط جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں؟ کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے بلاشبہ اللہ قادر ہے اور معترض کا اعتراض باطل اس کا فیصلہ خود بایزید بسطامی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ہو چکا ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ آپ ''**سبحانی ما اعظم شانی**'' کہا کرتے ہیں فرمایا حاشا میں نہیں کہتا کہا آپ ضرور کہتے ہیں ہم سب سنتے ہیں فرمایا جو ایسا کہے واجب القتل ہے میں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر مار دو وہ سب خنجر لے کر منتظر وقت رہے یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا **سبحانی ما اعظم شانی** مجھے سب عیبوں سے پاکی میری شان کیا ہی بڑی ہے وہ لوگ چار طرف سے خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وار کئے جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط بھی نہ آیا جب افاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا واللہ تعالی اعلم (فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۱۴۵ تا ۱۴۶) اسی سلسلے میں دوسری جگہ ایک سوال کا جواب لکھتے ہیں دونوں نذر قارئین ہیں

سوال: حضرت منصور و شمس تبریز و سرمد نے ایسا لفظ کہا جس سے خدائی ثابت ہوتی ہے تو دار پر آئے اور کھال کھینچی گئی لیکن وہ ولی گنے جاتے ہیں اور فرعون، ہامان، شداد اور نمرود نے دعوی کیا تو کافر مخلد فی النار ہوئے اس کی کیا وجہ ہے

الجواب: ان کافروں نے خود کہا ملعون ہوئے اور انہوں نے خود نہ کہا

اس نے کہا جسے کہنا شایاں ہے آواز اس میں سے مسموع ہوئی جیسے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے درخت سے سنا **انی انا اللہ رب العالمین**، میں ہوں اللہ رب سارے جہان کا کیا درخت نے کہا تھا؟ حاشا بلکہ اللہ نے یوں ہی یہ حضرات اس وقت شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں (فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۱۵۴)

حضرت بایزید بسطامی، حضرت منصور، حضرت شمس تبریز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالے سے اسی طرح کا سوال و جواب جلد نمبر بارہ میں بھی ہے اور جواب کا یہی طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ان کی زبان سے خود خدا کلام کرتا ہے زبان ان کی ہوتی ہے اور بات خدا کی ہوتی ہے ان کی مثال اس وقت شجرۂ موسیٰ کی ہے

جہاں اعلیٰ حضرت نے ان کے شطح کی توجیہ بیان کیا ہے وہیں ان کی نظر میں ان کی عظمت کا حال یہ ہے کہ جب طریقت پر شریعت کی برتری کے عنوان پر خامہ فرسائی کیا تو ان کے قول سے بھی دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت سیدنا ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمی بسطامی کے والد رحمہا اللہ تعالیٰ سے فرمایا: چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنام ولایت مشہور کیا ہے وہ شخص مرجع ناس و مشہور بہ زہد تھا، جب وہاں تشریف لے گئے اتفاقاً اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً واپس آئے اور اس سے سلام علیک نہ کی اور فرمایا: **ھذا رجل غیر مامون علی ادب من آداب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکیف یکون ماموناً علی ما یدعیہ**، یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں، جس چیز کا ادعا رکھتا ہے اس پر کیا امین ہوگا

اور دوسری روایت میں ہے فرمایا

ھذا رجل غیر مامون علی ادب من آداب الشریعۃ فکیف یکون امیناً علی اسرار الحق، یہ شخص شریعت کے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں اسرار الٰہیہ پر کیوں کر امین ہوگا (فتاوی رضویہ جلد ۲۱ ص ۵۴۰)

آگے ان کا قول نقل کرتے ہیں نیز حضرت بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لو نظر تم الی رجل اعطی من کرامات حتی یرتقی (و فی نسخة یتربع) فی الهواء فلا تغتروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الامر والنهی وحفظ الحدود و آداب الشریعة

اگر تم کسی شخص کو دیکھو ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض، واجب و مکروہ و حرام و محافظت حدود و آداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے (فتاوی رضویہ جلد ۲۱ ص ۵۴۰)

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ایک اور بزرگ کے شطح کے حوالے سے سوال پوچھا گیا ہے ضروری ہے کہ ان کے بھی احوال مختصراً ذکر کر دیا جائے وہ حضرت شمس تبریزی ہے۔ مشہور معروف صوفی طریقت و عالم شریعت، عالمگیر شہرت کے حامل مثنوی نگار مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کے مرشد و مربی حضرت شمس الدین محمد بن علی بن ملک داود التبریزی رحمۃ اللہ علیہ فارس کے رہنے والے تھے ایک قول کے مطابق آپ شیخ ابوبکر زنبیل باف تبریزی کے مرید ہیں بعض کے بقول رکن الدین سنجاسی کے مرید ہیں اور بعض کے بقول بابا کمال جندی کے مرید ہیں ممکن ہے کہ اتنے اسما اس بنا پر ہو کہ آپ نے سب سے فیض اٹھایا ہو اور مرید کسی ایک سے ہو مگر فیض طلبی میں اس قدر منکسر المزاج رہے ہوں کہ جن کی صحبت میں رہے اہل محفل کو گمان ہوا ہو کہ یہ ان کے مرید ہیں ان کے سلوک وابتدا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مکتب میں پڑھنے کے زمانے میں سیرت نبوی کی اتباع و پیروی کا فطری جذبہ ان پر غالب آگیا تھا مولانا جامی نے ان کا قول نقل کیا ہے:

"میں ابھی مکتب میں تھا اور بالغ نہ ہوا تھا اگر چالیس روز مجھ پر گذرتے سیرت محمدی کے عشق کی وجہ سے مجھ کو کھانے کی آرزو نہ ہوتی تھی اور کھانے کی بات کرنے کو میں ہاتھ اور سر سے منع کر دیتا تھا (نفحات الانس ص ۴۸۹)

انہوں نے اپنی زندگی سیر و سیاحت اور اہل اللہ سے ملاقات میں گزاری لباس کالا نمدا کا پہنتے تھے شیخ فخر الدین عراقی کے ہمعصر و ہمنشین رہے سفر کرتے ہوئے ۶۴۲ھ میں قونیہ پہنچے یہیں ان کی مراد، مولانا جلال الدین رومی علمی مجلس سجائے بیٹھے تھے جن سے دوران درس

کتابوں کے تعلق سے پوچھا یہ کیا ہے؟ جواب دیا قیل وقال سے ہاتھ بڑھا کر کتابوں کو اٹھایا اور کنویں میں ڈالدیا مولانا متاسف ہوئے پریشان دیکھ کر ہاتھ بڑھایا اور کتاب کنویں سے نکالی جو کہ اصلی حالت میں تھی اور پانی نے اس کو بھگایا نہیں تھا مولانا نے پوچھا یہ کیا ہے آپ نے کہا: یہ حال ہے مولانا ان کے مرید و معتقد اور ان کے نگاہ فیض سے طریقت کے تاجدار بن گئے جن کی ذات سے مخلوق خدا کو بے انتہا فائدہ پہنچا مولانا جامی نے اپنی تمام تر روحانی ترقیوں کو ان کی نگاہ فیض کا اثر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

ان کی عظمت کے تعلق سے لکھتے ہیں

المولی الاعز الداعی الی الخیر خلاصة الارواح سر المشکوة والزجاجة والمصباح شمس الحق والدین نور اللہ فی الاولین والآخرین،

یعنی وہ مولانا عزیز تر خیر کی طرف بلانے والے ارواح کا خلاصہ طاق اور شیشہ کے اوپر چراغ کے بھید ہیں حق اور دین کے آفتاب اولین اور آخرین میں خدا کے نور ہیں (نفحات الانس اردو ص ۴۸۹)

<u>اعلیٰ حضرت سے حضرت شمس تبریز کے متعلق سوال اور ان کی رائے</u>

اعلیٰ حضرت سے حضرت منصور و بایزید اور آپ کے شطح کے تعلق سے سوال ہوا ہے سوال کے الفاظ ہیں ''شمس تبریزی اسی وجہ سے قم باذنی کہ کر مردن کو زندہ کیا اب عرض یہ ہے کہ کیا واقعی یہ کلمات اوپر کے بزرگوں سے صادر ہوئے ہیں اور کیا اس صوفی زندیق کا یہ کہنا صحیح ہے۔۔۔الخ جواب فرماتے ہیں

''وہ تینوں حضرات کرام اکابر اولیائے عظام سے ہیں قدسنا اللہ باسرارہم حضرت شمس تبریز قدس سرہ سے یہ کلمہ ثابت نہیں اور ثابت ہو تو معاذ اللہ اوسے ادعائے الوہیت سے کیا علاقہ ایسی اضافات مجازیہ شائع ہیں

مولانا معنوی نے جس طرح ان شطحیات کو سمجھایا ہے اسے حالات بایزید میں لکھا ہے مگر

قدم کرر کے لئے پیش ہے اس لئے کہ ذکر مولوی معنوی کے مرشد و مربی کا ہے:

"حضرت مولوی معنوی قدس اللہ سرہ الشریف فرماتے ہیں ایک جن جس پر تسلط کرتا ہے اوس کی زبان اس کا ہے اس سے کلام کرتا ہے اوس کے جوارح سے کام کرتا ہے کیا تمہارے نزدیک رب عزوجل ایسا نہیں کر سکتا کلام اس کا ہے اور زبان بایزید کا بایزید شجرۂ موسیٰ ہیں اور متکلم وہ ہیں جس نے فرمایا: **انی انا اللہ رب العالمین، فللہ الحجۃ البالغہ واللہ تعالیٰ اعلم** (فتاوی رضویہ جلد ۱۲ ص ۱۹۷)

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت شطحیات صوفی پر سخت رویہ اختیار کرنے کے بجائے احسن طریقے پر تاویل کیا ہے اور اہل اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو محبوبیت اپنے مقبول بندوں کو دیا ان کی تعظیم کو ملحوظ نظر رکھنے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت بھی خلق خدا کی نگاہ میں محبوب ہو گئے ان کے معاصرین یا متقدمین میں جن لوگوں نے سخت رویہ اختیار کیا وہ مخلوق کی نگاہ میں معتوب ہو گئے



باب ششم

امام احمد رضا اور کتب تصوف

مولانا محمد انور نظامی مصباحی قاضی ادارہ شرعیہ جھارکھنڈ۔
مقام اگراون بزار باغ جھارکھنڈ

مقال عرفا کا تعارف اور تجزیہ

عارف رموز معرفت و طریقت، واقف اسرار شریعت، عارف باللہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کا رسالہ مبارکہ "مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء ۱۳۲۷ (علما اور شریعت کی افضلیت پر اہل معرفت کا کلام) جس میں شریعت و طریقت کے ایسے اسرار رموز کو واشگاف کیا ہے جس سے جاہل صوفیاء کے مزعومات باطلہ کی قلعی کھلتی چلی گئی ہے۔

یہ رسالہ مبارکہ شریعت و طریقت کے بارے میں دو طرح کے نظریات سے متعلق ایک استفتا کا جواب ہے۔ پہلے استفتا ملاحظہ فرمائیں پھر اس رسالے میں جس محققانہ انداز میں اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر گفتگو کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۸۶، کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وورثان انبیاو مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علی سیدنا وعلیہم اجمعین اس مسئلہ کے بارے میں کے زید کہتا ہے کہ حدیث شریف "العلماء ورثۃ الانبیاء" (علما انبیا کے وارث ہیں) میں علما شریعت و طریقت دونوں داخل ہیں اور جو جامع شریعت و طریقت کے ہیں وہ وارثت کے رتبہ اعظم واکمل ودرجہ اتم واکمل پر فائز ہیں۔

اور عمرو کا بیان ہے:

(۱) شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات وسنن ومستحبات و چند مسائل حلال وحرام جیسے صورت وضو نماز وغیرہ۔

(۲) اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالی کا۔

(۳) اس میں حقیقت نماز وغیرہ منکشف ہوتی ہے۔

(۴) یہ بر بحر پیدا کنار و دریا ذخار ہے اور وہ بمقابلہ اس دریا کے ایک قطرہ ہے۔

(۵) وراثت انبیاء کا وصول الی اللہ مقصود وخشاء اور یہی شان رسالت ونبوت کا مقتضی خاص، اسی کے لئے وہ مبعوث ہوئے۔

(۶) بجائیو اعلما صوری وقشری کی طرح اس وراثت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

(۷) نہ وہ علما مراد لیے جاسکتے ہیں۔

(۸) ان کے دام تزویر سے اپنے آپ کو دور رکھنا العیاذ باللہ یہ شیطان ہیں۔

(۹) منزل اصلی طریقت کے سد راہ ہوئے ہیں۔

(۱۰) یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، بہت سے علما حقانی واولیا ربانی نے اپنی اپنی تصانیف میں ان کو تصریح سے کہے، الی آخر الہذ یانات۔

التماس یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح اور اس مسئلہ کی کیا تنقیح ہے۔ اگر عمر غلطی پر ہے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی ہے یا نہیں؟ وہ کہتا ہے میری غلطی جب ثابت ہوگی کہ میرے اقوال کا ابطال اولیاء کے اقوال ہدایت مآل سے کیا جائے ورنہ نہیں۔ بینوا بالتفصیل التام توجروا یوم القیام

ان سوالات کے جواب میں آپ نے محققانہ عالمانہ بحث پر مشتمل ایک مبسوط رسالہ تصنیف فرمادیا جس میں قرآن مجید، حدیث، اقوال صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین اور ارشادات اہل تصوف ومعرفت، اولیاء کاملین کے وہ آبدار موتی جمع کردیے ہیں کہ اہل حق کے ایمان منور وتاباں ہوگئے اور باطل کی آنکھیں اس کی چمک سے خیرہ ہوکر رہ گئیں۔

خطبہ کتاب میں ہی ان اقوال باطلہ کی تردید فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

الحمد للہ الذی انزل الشریعۃ وجعلھا للوصول الیہ ھی الذریعۃ لمن ابتغی الیہ طریقا دونھا فقد خاب وھوی وضل وغوی. والافضل الصلوۃ واکمل السلام علی اکرم الرسل وسل داع الی سبل السلام الذی شریعتہ ھی الطریقۃ بعین الحقیقۃ فیھا الوصول الی العلی الاکبر، ومن خالفھا فسوصل ولکن این؟ الی سقر. وعلی آلہ واصحابہ وعلمائہ احزاوارلی علمہ وحاملی آدابہ آمین یارب العالمین. اللھم لک الحمد، رب انی اعوذبک من ھمزات الشیطان واعوذبک رب ان یحضرون

ترجمہ: تمام حمدیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے شریعت نازل فرمائی اور اس کو اپنی طرف وصول کا ذریعہ بنایا یہی وسیلہ ہے اس کی طرف جانے والے کا کوئی اور راستہ ہو تو وہ گمراہ اور خواہش نفس، گمراہی اور ضلالت میں مبتلا رہے۔ تمام رسولوں سے اکرم رسول پر افضل درود اکمل سلام ہو جو سب سے بہتر دعوت دینے والے سلامتی کی راہ کے، یہ وہ ذات ہے جس کی شریعت ہی طریقت اور عین حقیقت ہے۔ اس کے سبب اللہ تعالیٰ کے دربار میں وصول ہے اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ پہنچے گا کہاں؟ جہنم میں۔ آپ کی آل پاک اور صحابہ وعلماء اور جماعت پر جو آپ کے علم کے وارث ہیں اور آپ کے آداب کے حامل ہیں۔ آمین یا رب العلمین، یا اللہ! حمد تیرے ہی لئے ہے، میرے رب! اور میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور تیری پناہ لیتا ہوں میرے رب ان کے حاضر ہونے سے۔ (ت)

[مقال عرفا ۵۲۲ مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۱]

جواب کی شروعات یوں فرماتے ہیں:

زید کا قول حق اور صحیح اور عمرو کا زعم باطل قبیح والحاد صریح ہے، اس کے کلام شیطنت نظام میں دس فقرے ہیں۔ ہم سب کے متعلق مجمل بحث کریں گے ان شاء اللہ الکریم مسلمانوں کو مفید ونافع اور شیطانوں کو قالع وقامع ہو۔ وباللہ التوفیق۔

[مقال عرفا۔ ص ۵۲۳]

پھر آپ نے دسوں اقوال فاسدہ کا رد بلیغ، قرآن عظیم احادیث مبارکہ اقوال صحابہ وتابعین اور ارشادات اولیاء کاملین سے نمبروار فرمایا۔ ان میں سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے اور اپنے عقیدۂ حقہ کو مزید مضبوط کیجئے۔

قول (۱) کہ شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات کا الخ۔ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) عمر کا قول کہ شریعت چند احکام فرض وواجب وحلال وحرام کا نام ہے، محض اندھا پن ہے، شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہی کو جامع ہے، جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔ لہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیاء کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض

کرنا فرض ہے۔ اگر شریعت کے مطابق ہوں حق ومقبول ہیں ورنہ مردود ومخذول تو یقیناً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط ومدار، شریعت ہی محک و معیار ہے، شریعت راہ کو کہتے ہیں، اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والسلام کا ترجمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ، یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ چند احکام جسمانی سے خاص۔ .

یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثبات واستقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم (القرآن سورۃ الفاتحہ آیت ۔۹) ہم کو محمد ﷺ کی راہ چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بے دین وگمراہ ہے قرآن عظیم نے فرمایا: ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه. ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ذالکم وصکم به لعلکم تتقون (القرآن ۱۵۳/۶) (شروع رکوع سے احکام شریعت بیان کر کے فرمایا اور اے محبوب! تم فرماؤ کہ شریعت میری سیدھی راہ ہے، تو اس کی پیروی کرو اور اس سوا راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمہیں اس کی تاکید فرماتا ہے تا کہ تم پرہیزگاری کرو۔

دیکھو قرآن مجید نے صاف فرمادیا، شریعت ہی صرف راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اور اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کے راہ سے دور جا پڑے گا۔ (مقال عرفا ص ۵۲۴، ۵۲۳)

اس کے بعد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان عمرو کے قول دوم کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں، عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے۔ ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق بطریقہ بطریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہونچ جانے کو۔ تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔ اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن، خدا تک نہ پہنچا جائے گا، بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں

کوقرآن باطل ومردود فرما چکا۔ الخ۔ (ایضاص ۵۲۴۔)

تیسرے قول کے رد میں فرمایا کہ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کی اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباع شریعت بڑے بڑے کشف، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسے نار جہنم وعذاب الیم تک پہونچاتے ہیں۔ (۵۲۴)

چوتھے قول کا رد یوں فرمایا کہ شریعت کو قطرہ اور طریقت کو دریا کہنا اس مجنون پاگل کا کام ہے، شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ (ایضا۔) اسی طرح عمرو کے دسوں اقوال فاسدہ کا رد بلیغ فرمانے کے بعد اس کی خواہش کے مطابق اولیاء کاملین کے اقوال سے یہ ثابت فرمایا ہے طریقت شریعت سے جدا کوئی راستہ نہیں بلکہ شریعت وطریقت دونوں ایک ہیں شریعت کے بغیر طریقت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لکھتے ہیں:

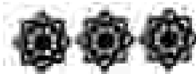
> اس کی خواہش کے مطابق ہم صرف حضرات اولیاء کرام قدس اسرارہم کے ارشادات عالیہ محض بطور نمونہ ذکر کریں جن سے شریعت مطہرہ کی عظمت ظاہر ہو اور یہ کہ طریقت اس کی محتاج ہے اور یہ کہ شریعت ہی اصل کار دارو مدار ومعیار ہے۔ غرض جو بیان ہم نے کئے ان سب کا ثبوت وافی اور عمرو کے دعاوی وخرافات ملعونہ کا رد کافی وباللہ التوفیق (ص ۵۳۵۔)

اس طرح اعلیٰ حضرت نے چالیس (۴۰) اولیا کرام کے اسی (۸۰) اقوال وارشادات عالیہ سے ثابت فرمایا کہ شریعت اصل ہے طریقت اس سے جدا کچھ بھی نہیں۔ شریعت کی مخالفت سے بندہ کہیں کا نہیں رہتا، شیطان کا مسخرہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدی شیخ الاسلام احمد بامتی جامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدی خواہ مورو چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اول مصلی را بر طاق نہ وبرو وعلم آموز کہ زاھد بے علم مسخرہ شیطان است۔ (فات الاسذ کر خواجہ قطب الدین مودود چشتی ص ۳۲۹) ترجمہ پہلے عبارت کا مصلی طاق پر رکھ اور جا کر علم حاصل کر کیوں کہ جاہل صوفی شیطان کا مسخر ہوتا ہے۔ (ت) (مقال

عرفا باع از شرع وعلما شمولہ فتاوی رضویہ ۵۵۸/۲۱)

الغرض امام العارفین سلطان التارکین حامل شریعت وطریقت واقف اسرار معرفت و حقیقت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے رسالہ مبارکہ مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء (علماء اور شریعت کی افضلیت پر اہل معرفت کا کلام) میں قرآن وحدیث وارشادات اولیاء سے ثابت فرمایا کہ شریعت چند حلال وحرام کردہ وغیرہ کا نام نہیں بلکہ شریعت علم ظاہر وعرف باطن کے مجموعے کا نام ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید۔



مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی
گھوسی اعظم گڑھ

امام احمد رضا کے "الملفوظ" کا تحقیقی مطالعہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء مطابق ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) نے پینسٹھ سالہ زندگی میں متعدد علوم عقلیہ ونقلیہ کے جو جواہر آبدار لٹائے تو برصغیر میں علم وفن کی ایک نئی تاریخ بنی۔ دنیا میں بڑے بڑے عقلا اور دانشور آئے، بڑے بڑے زبان آور اور ادیب پیدا ہوئے۔ ارض گیتی نے بڑے بڑے کشور کشایان علم وفن اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ چشم فلک نے حکمت ودانائی اور فہم وفراست کے ان تاجوروں کو بھی دیکھا ہے جو علم وفن کے پہاڑ تھے۔ مگر یہ کون ہے جو بریلی کی سرزمین پر پیدا ہوا، وہیں پلا بڑھا، ۱۳ سال کی عمر میں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی کی طرف توجہ کی، علم وفن کے دریا بہائے۔ نادر تحقیقات کے اضافے فرمائے۔ زبان وادب کو نیا رخ دیا۔ اسلامی فکر وفلسفہ کا معیار قائم کیا اور حقانیت کی علامت بن کر پوری علمی دنیا پر پائیدار نقوش ثبت کر گیا اور کیوں نہ ہو، جس کا عالم یہ ہو کہ اکابر اس کی علمی وجاہت پر رشک کریں۔ ہمعصر اور اصاغر محو حیرت واستعجاب رہیں۔ علمی جولانیت، فقہی تدبر، وسعت مطالعہ، بلندی فکر، بے مثال قوت حافظہ، زبردست قوت استدلال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے فرد واحد میں جمع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب نظر نے انہیں اللہ کی نشانی کہا۔ ہم عصر علماء نے انہیں رسول کونین کا معجزہ قرار دیا۔ کسی نے مجدد اعظم کہا۔ کسی نے اعلیٰ حضرت کہا۔ کسی نے امام اہل سنت کہا۔

ذہن وفکر میں تخیلات نہیں نصوص کے سربستہ اسرار ڈھلتے تھے۔ دل میں عشق رسالت کا

مند موجزن رہتا تھا۔ نوک قلم سے تحریر نہیں علم وفن کے آبشار پھوٹتے تھے۔ زبان سے الفاظ نہیں، حکمت ودانائی کے پھول جھڑتے تھے۔ تحریر وقلم کے باقیات صالحات توسیکڑوں ہیں لیکن ارشادات وفرمودات کا یہی ایک گل دستہ الملفوظ پوری قوم کیلئے ایک تحفہ بھی ہے، ایک دستور العمل بھی۔ ایک پیغام بھی ہے اور ایک امانت بھی۔

امام احمد رضا کی تصنیفات تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ دقیق مضامین، استدلالی انداز بیان پر مشتمل تمام تصنیفات پوری دنیا کیلئے عموماً اور اہل سنت کیلئے خصوصاً ایک اہم نصاب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر کسی کو تنگی وقت کا گلہ ہے تو کسی کو کثرت کار وافکار کا شورہ۔ کسی پر مضامین کی وقت بھاری، تو کوئی ذوق مطالعہ سے عاری۔ لیکن الملفوظ تو ہر کس وناکس کیلئے تحفہ ہے۔ اس سے ہر شخص باسانی اعلیٰ حضرت کے علمی وفکری فیوض سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

ملفوظات کی تاریخی حیثیت: ہر دور میں کسی برگزیدہ شخصیت کے فرمودات اور پندونصائح کو ان کے معتقدین نے آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ کرنے کی کوشش کی کیونکہ بزرگوں کے فرمودات بڑے معنی خیز اور موثر ہوتے ہیں۔ ان کے جملے دل کی گہرائی میں اترتے ہیں اور دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ بظاہر ایک سادہ سا جملہ ہو جس کے اندر زیادہ معنویت بھی نہ ہو، مگر وہی جملہ اگر کسی اللہ والے کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوجائے تو قوم کی تقدیر بدلنے کیلئے کافی ہوتا ہے، کیونکہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

صوفیا وصالحین، سالکین وواصلین اور عارفین ومقربین کو باختلاف مراتب، اللہ تعالیٰ نے بلند سے بلند تر مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔ یہ بندگان خدا اپنے مقام ومرتبے پر رہتے ہوئے نچلی سطح کی بات نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی ان کی بات عقل وفہم سے بالاتر معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ان کے ملفوظات وفرمودات ہی ان کے افکار ونظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا عقیدت مند افراد ان فرمودات سے آگاہی اور ان بلند افکار ونظریات سے آشنائی کے مشتاق

ہوتے ہیں۔ اسی لیے بزرگوں سے قربت رکھنے والوں نے اپنے مرشد و مقتدیٰ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کیلئے ان کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

بزرگوں کے ملفوظات ان کے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان سے بزرگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ فکر وخیال کی دینی تربیت ہوتی ہے۔ شریعت کے آداب معلوم ہوتے ہیں۔ طریقت کے رموز واسرار واشگاف ہوتے ہیں۔ معرفت وحقیقت کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک جملے میں حقائق کا خزانہ سمودینا عارفین کیلئے آسان سی بات ہے۔ اگر وہی جملے، وہی فرمودات جو بزرگوں کی زبان سے نکلے تھے صحیح طور پر معلوم ہوجائیں تو ان کی روشنی میں تلاش حقیقت کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔ زندگی کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائی جا سکتی ہیں۔ حیات وکائنات کے لاینحل مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ انفس وآفاق کے حقیقی راز معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور صوفیائے کرام کے ملفوظات کی ترتیب وتدوین کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کے اقوال کی روایتوں کو ہم اس سلسلے میں اساس مان سکتے ہیں۔ تاہم احادیث کی مرکزی حیثیت تشریعی تھی جس کیلئے حضور اقدس ﷺ کے اقوال کے ساتھ آپ کے افعال واعمال اور تقریرات کی بھی پورے اہتمام کے ساتھ روایت کی گئی۔ جبکہ ملفوظات کی حیثیت نصیحت ووصیت، پند وموعظت اور تصوف کے اسرار ورموز سے روشناس کرانے کی ہوتی ہے۔

ملفوظات کا جو کچھ سرمایہ اس وقت ہمارے پاس محفوظ ہے اس میں زیادہ تر مشائخ اور صوفیائے کرام کے ملفوظات ہیں۔ ان کے مبارک وگراں قدر ملفوظات کا جو سرمایہ محفوظ ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین کا آغاز چھٹی ساتویں صدی ہجری میں ہوا جب حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کے ارشادات ''فیہ مافیہ'' کے نام سے مرتب کیے گئے، جو ملفوظات کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ حالانکہ ''امالی'' کی تدوین کا سلسلہ بہت قدیم ہے جو ملفوظات ہی کی ایک شکل ہے۔

تاریخی حیثیت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرتب کردہ ملفوظات "انیس الارواح" برصغیر میں شائع ہونے والا ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے۔ جس میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے پیرو مرشد خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں اس کے بعد ترتیب ملفوظات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے خلیفہ خاص حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے "فوائد السالکین" کے نام سے مرتب فرمایا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید و محب خاص شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے "راحت القلوب" کے نام سے مرتب فرمایا۔ اسی طرح خواجہ فرید کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ "اسرار الاولیاء" کے نام سے خواجہ بدر اسحاق قدس سرہ نے مرتب فرمایا۔ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے ملفوظات کو آپ کے مرید و خلیفہ حضرت امیر حسن علاء سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائد الفوائد" کے نام سے ترتیب دیا اور آپ کے ملفوظات کا ایک دوسرا مجموعہ "راحت المحبین" کے نام سے آپ کے مرید و خادم خاص خواجہ امیر خسرو نے ترتیب دیا۔ خواجہ محبوب الٰہی کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کے ملفوظات کو "مفتاح العاشقین" کے نام سے آپ کے مرید خواجہ محب اللہ نے ترتیب دیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز جو گلبرگہ میں آسودہ خاک ہیں ان کے ملفوظات "جوامع الکلم" کے نام سے مقبول انام ہو چکے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ السامی کے ملفوظات "لطائف اشرفی" کے نام سے کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں جنہیں ان کے مرید حضرت خواجہ نظام الدین یمنی ملقب نظام حاجی الیمنی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ (متوفی ۷۸۲ھ) کے گراں مایہ ملفوظات "معدن المعانی" کے نام سے خواجہ زین بدر عربی نے مرتب فرمایا۔

یہ وہ ملفوظات ہیں جو کافی مقبول و مشہور ہوئے۔

متاخرین میں حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ملفوظات تمام ملفوظات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ جو اس وقت ہمارا موضوع ہیں۔ غرض یہ کہ ہمارے پاس ملفوظات کا عظیم سرمایہ ہے جس سے دوسری قومیں محروم ہیں۔ جو ہمارے لیے حقائق کا گنجینہ، شریعت وطریقت کے سربستہ رموز واسرار کا بیش بہا خزانہ اور مذہبی زندگی کیلئے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

الملفوظ کا علمی مقام اور اہمیت: امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کا مجموعہ "الملفوظ" جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے شہزادے مفتی اعظم ہند حضور مصطفی رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے۔ ملفوظات کے سرمائے میں بڑی اہمیت کا حامل اور اہم ترین اضافہ ہے۔ ملفوظات کا جتنا سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصوف اور طریقت ومعرفت سے متعلق مواد زیادہ ہے مگر اس باب میں الملفوظ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں طریقت ومعرفت کے آداب اور تصوف وسلوک کے رموز واسرار کے ساتھ ساتھ شریعت کی بھرپور تعلیمات موجود ہیں۔ اس میں جا بجا اصولی وفروعی مسائل میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جابجا بزرگوں کے واقعات وحکایات، ذاتی تجربات ومشاہدات اور اہم سفرنامے درج ہیں۔ بہت سارے ان پیچیدہ سوالات کے جوابات ہیں جو علوم وفنون سے اشتغال رکھنے والوں کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ "الملفوظ" عامۃ المسلمین کیلئے بھی نفع بخش اور دلچسپ ہے، علما وطلبا کیلئے بھی معلومات کا خزینہ ہے اور خواص کیلئے بھی علمی ودینی ذوق طلب کی تسکین کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ الملفوظ میں علم قرآن وتفسیر بھی ہے اور علم حدیث بھی، فقہ وفتاویٰ بھی ہیں اور عقائد وکلام کے مسائل بھی، اسلامی فلسفہ وسائنس کے نظریات بھی ہیں اور تصوف وطریقت کی تعلیمات بھی، اکابر ملت اور اسلاف امت کے واقعات بھی ہیں اور نئی نسلوں کیلئے پند وموعظت بھی، جابجا طبعیات والٰہیات کی بھی بحثیں ہیں۔ غرض یہ کہ حضور مفتی اعظم ہند نے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے علم وادب کے گراں قدر موتیوں کو چن چن کر ایک ہار بنایا اور قوم کے گلے میں ڈال دیا، حکمت وتدبر کے رنگا رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ سجا کر دنیائے

کو پیش کیا ہے۔

الملفوظ کی ثقاہت: ملفوظات کی ثقاہت کا دارو مدار تمام تر راوی کی ثقاہت پر ہے۔ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کی روایت بھی مستند اور معتمد مانی جاتی ہے اور راوی کی ثقاہت مشکوک ہو تو روایت کی اعتباریت اسی حیثیت سے گھٹتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ (مرتب الملفوظ) کی ثقاہت میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ ان کا زہد و تقویٰ اور دیانت داری ایک مسلم امر ہے۔ نیز ان کی علمی وجاہت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ اور زبردست قوت حافظہ کی پوری قوم معترف ہے۔ لہٰذا حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی مرتب الملفوظ میں شک کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ اعتماد و استناد کے بلند درجہ پر فائز ہے۔

لیکن بعد میں حضور مفتی اعظم کی مرتبہ الملفوظ کی جن لوگوں نے نقلیں لیں اور پھر ان نقلوں سے بعد والوں نے کتابت کروائی اس میں کتابت کی چند غلطیاں در آئیں۔ جن میں یا تو احتیاط سے کام نہیں لیا گیا یا غلطیوں کی اصلاح پر توجہ نہ ہوئی۔

ایک پرانے نسخے میں بعض مقامات پر حواشی سے ناقل سے سہو اور عبارت چھوٹ جانے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلی سے شائع ہونے والے نسخے میں ایک جگہ حاشیہ ہے۔

یہاں بھی عبارت میں سقط معلوم ہوتا ہے، اصل ندارد ہو گئی۔ (حاشیہ ص ۷۰، چہارم مطبوعہ رضوی کتب خانہ بہاری پور بریلوی)

چہارم ص ۶۷ کی اس عبارت پر

"ہر عاقل کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہوگا اور اس کا جواب معاذ اللہ اثبات میں ہوگا کہ ہاں ہزاروں سے زائد خالق خدا کے سوا موجود ہیں جو اپنے افعال کے خود خالق ہیں، معاذ اللہ"۔

یہاں یہ حاشیہ درج ہے۔

"تناقض ہوا اور تناقض عیب اور اللہ عزوجل ہر عیب سے پاک، تو

غالباً یہاں یہ اور عبارت ہے جو ناقل سے رہ گئی، اصل باقی نہ رہی۔"

نیز چہارم ص ۶۶ پر اس عبارت پر "تھا اور ہے اور رہے گا" یہ سب زمانے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک" حاشیہ میں درج ہے۔

"یہاں کچھ اور عبارت معلوم ہوتی ہے، اصل باقی نہیں، ناقل صاحب نے جو نقل کی اس میں کچھ چھوڑ دیا، اصل دیمک نے ختم کر دی۔" (ایضاً ص ۶۶)

اس سے اندازہ ہوا کہ امام احمد رضا کے ملفوظات کے ساتھ وہ اعتنا نہیں کیا گیا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ جو غلطیاں در آئیں ان سے صاحب ملفوظات کا کوئی تعلق نہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے بعض فیض یافتہ علماء سے احقر نے سنا کہ حضور مفتی اعظم ہند بعد والے نسخوں میں نقل و کتابت کی غلطیوں پر ناراضگی ظاہر فرماتے تھے اور فرماتے کہ نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں چھپوانے والوں نے احتیاط سے کام نہیں لیا جس کی وجہ سے اب تک چھپنے والے نسخوں میں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔

متعدد نسخوں سے مقابلے کے بعد راقم کو شدید احساس ہوا کہ بعد والوں نے الملفوظ میں کہیں کہیں تصرف بھی کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

"ایک بار عبد الرحمن قاری کہ کافر تھا اپنے ہمرائیوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والوں کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ قبیلہ بنی قارہ سے تھا۔"

(حصہ دوم صفحہ ۴۷ سطر ۸)

خط کشیدہ عبارت نہ اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے نہ حضور مفتی اعظم ہند کی توضیح، بلکہ یہ سراسر کسی کا تصرف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے جو تفصیلی واقعہ اعلیٰ حضرت نے بیان فرمایا ہے وہ مشکوۃ شریف صفحہ ۳۴۸ پر اجمالاً اور مسلم شریف جلد ثانی ص ۱۱۴ پر تفصیلاً موجود ہے۔ جس

میں ''عبدالرحمن فزاری'' درج ہے نہ کہ ''عبدالرحمن قاری''۔ کتابت یا نقل کی غلطی سے ''فزاری'' ''قاری'' ہو گیا۔ قاری چونکہ قرآن کا علم رکھنے والے کو کہا جاتا ہے اور ایک کافر پر اس کا اطلاق غیر موزوں محسوس ہوا، اس لیے ناقل کو خط کشیدہ عبارت بڑھانی پڑی، صاحب ملفوظ اس سے بری ہیں۔ اس توضیح کے بعد اس سے متعلق مخالفین کا اعتراض بے جا اور بے محل ہو گیا جس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز حصہ اول ص ۶۴ پر اہرام مصر کی تعمیر کے بارے میں ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔''

خط کشیدہ عبارت یا تو اضافہ ہے یا اس مقام پر کچھ عبارت حذف ہو گئی ہے۔ کیونکہ آگے کی تفصیلات، آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چھ ہزار برس پہلے کی تعمیر ثابت کر رہی ہیں نہ کہ چودہ ہزار برس پہلے کی۔ لہٰذا عبارت یوں ہونا چاہیے ''آج سے چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے۔'' یا صرف ''چودہ ہزار برس پہلے کی تعمیر ہے''۔ تفصیلات اسی مقام پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

اس طرح کے تصرف کی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

مخالفین کے اعتراضات: جب سے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے علمائے دیوبند کی تحریروں سے ان کے باطل عقائد کی نقاب کشائی فرمائی اسی وقت سے علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی طرف منسوب کتابوں میں نقائص تلاش کرنے شروع کر دیے۔ ان کی تصنیفات میں کوئی نقص نکال کر ثابت کرنا آسان نہ تھا لہٰذا انہوں نے مجموعہ ملفوظات کو اپنی عیب جوئی اور تنقید کا خاص نشانہ بنایا۔ ہر چند کہ اعلیٰ حضرت ہر بات پورے وثوق و اعتماد سے ہی فرماتے تھے اور مفتی اعظم ہند کی روایت و درایت پر بھی کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم مختلف جہتوں سے جائزہ لیا جائے تو استناد و اعتماد میں تصنیف و تحریر کے مقابلے میں ملفوظات کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ الملفوظ کا سن تالیف ۱۳۳۸ھ ہے اور سن اشاعت معلوم نہیں۔ ۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا، مولانا شہاب الدین نے اپنے مضمون ''الملفوظ کا مقام و مرتبہ''

میں لکھا ہے کہ "الملفوظ کے بعض حصے اس وقت کے بعض رسائل مثلاً تحفہ حنفیہ اور "ماہنامہ الرضا" وغیرہ میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔" پھر بعد میں انہیں کتابت کر کے شائع کیا گیا، جس میں قلت احتیاط کا شکورہ بے جا نہیں۔ نیز نسخوں سے نسخے نقل اور کتابت کیے جاتے رہے لہٰذا کتابت کی غلطیاں بجائے کم ہونے کے جدید نسخوں میں بڑھتی رہیں۔ نتیجتاً مخالفین کو زبان درازی کا موقع مل گیا۔

الملفوظ کی عبارتوں پر مخالفین کے بہت سارے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ جن میں کچھ کا جواب ضمیمہ کے طور پر اس میں آخر میں شامل ہے جس کے بارے میں واضح نہ ہو سکا کہ کس کی کوشش ہے۔ کچھ کا جواب شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمۃ نے دیا جو "التحقیقات" اور مختلف مضامین میں شائع ہوئے اور بھی لوگوں نے جوابات دیے ہیں۔

دراصل اعلیٰ حضرت کے ملفوظات پر اعتراض کر کے مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کو دفاعی پوزیشن میں رکھا جائے۔ اس کا تحقیقی جواب دینے کے بجائے الزامی جواب کافی ہے کیونکہ عام طور پر معترض کم علم اور کوتاہ فہم لوگ ہی ہوتے ہی۔ ورنہ بے جا اعتراض تو کسی کی عبارت پر کیا جا سکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے قرآن پر بھی اعتراض کر رہے ہیں۔ لیکن ہر مکتب فکر میں سنجیدہ طبقہ ضرور ہوتا ہے جو اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ کوئی متبحر عالم کچھ بیان کر رہا ہے تو وہ بات بے بنیاد نہیں ہوگی۔ یہ بات اور ہے کہ اوروں کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ عدم وجدان وجدانِ عدم نہیں۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث اگر نہیں مل رہی ہے تو یہ نہ کہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے، کیونکہ حدیث کی تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں ہیں۔ امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں مختلف مقامات پر یہ افادہ فرمایا ہے۔ آج کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ دس بارہ متداول کتب حدیث میں دیکھ لیا، نہیں ملی تو انکار کر دیا۔ یہ سخت جرأت ہے۔ اس سے پرہیز چاہیے۔ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کی وسعت مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تصنیفات وفتاویٰ میں درج کی گئی احادیث کا مجموعہ تیار کیا گیا ہے جو

مولانا محمد حنیف صاحب کی انتھک کوششوں سے تخریجات کے ساتھ جامع الاحادیث کے نام سے چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

اس مقام پر پروفیسر مسعود احمد کی کتاب "محدث بریلوی" کا یہ اقتباس بالکل برمحل ہے۔

امام احمد رضا سے جب دریافت کیا گیا:

"آپ نے حدیث شریف کی کون کون سے کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے جواباً مندرجہ ذیل کتب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

'مسند امام اعظم، وموطا امام محمد وکتاب الآثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف وکتاب الحج امام محمد وشرح معانی الآثار امام طحاوی، موطا امام مالک ومسند امام شافعی ومسند امام محمد وسنن دارمی وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وخصائص ونسائی ومنتقی الجارود وعلل متناہیہ ومشکوٰۃ وجامع کبیر وجامع صغیر وذیل جامع صغیر ومنتقی ابن تیمیہ وبلوغ المرام وعمل الیوم واللیلۃ ابن السنی وکتاب الترغیب خصائص کبریٰ وکتاب الفرج بعد الشدت وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں۔

"(اظہار الحق الجلی ص ۲۴، ۲۵ بحوالہ محدث بریلوی ص ۶، ۷)

امام احمد رضا کی تحریروں پر مخالفین کا ایک گروہ شبانہ روز تحقیق اور ریسرچ کرنے کے بعد اپنی کوئی انوکھی دریافت منظر عام پر لاتا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ بات کہیں نہیں۔ جب علمائے اہل سنت کی طرف سے اس کا صحیح حوالہ پیش کر دیا جاتا ہے تو مخالفین پھر اس سلسلے کا دوسرا شوشہ چھوڑتے ہیں اور علمائے اہل سنت اس کے حوالہ کی تلاش میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ بالآخر دوسرے کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے تو مخالفین خاموش کے ساتھ کسی تیسرے فتنے کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ ہاں! مخالفین کے سنجیدہ افراد سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ: مولوی محمد تقی عثمانی نے ماکول اللحم جانوروں کے

پیشاب کی طہارت ونجاست کے بیان میں درس ترمذی میں بیان کیا ہے کہ:

حضرت گنگوہی نے ''الکوکب الدری'' میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے تحرز نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ میں اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن حضرت گنگوہی نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے۔'' (درس ترمذی ج ۱ر ۲۹۰)

حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں گنگوہی صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اسے علم حدیث میں درک وشغف رکھنے والا تلاش بسیار کے باوجود نہیں پاسکا تو گنگوہی صاحب کی اس تحریر کے بارے میں کیا کہا جائے؟

اعتراف حقیقت: امام احمد رضا کا محقق ہونا جانبدار اور غیر جانبدار ارباب فکر ودانش کے نزدیک مسلم امر ہے۔ چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

''ہندوستان کے دور آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔'' (امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں ص ۹۴)

دیوبندی مکتب فکر کے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے، کیونکہ بہت بڑے عالم دین اور بلند پایہ محقق تھے۔'' (رسالہ ہادی دیوبند ص ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۶۹ھ بحوالہ معارف رضا شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء ص ۲۵۲)

مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں۔'' (رسالہ دیوبند ص ۲۱، جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ بحوالہ معارف رضا ۱۹۹۱ء ص ۲۵۳)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں،

''مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا صاحب کے سامنے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔'' (رسالہ الندوہ ص ۱۷، اکتوبر ۱۹۱۴ء بحوالہ معارف رضا ۱۹۹۱ئ ص ۱۵۴)

مولوی ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔'' (ملخصاً نزہۃ الخواطر ۸/ ۴۰، ۱۴)

جس کی محققانہ شخصیت اس قدر مسلم ہو اس کی عبارتوں پر کیے گئے اعتراضات پر مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ بیان حد درجہ موزوں اور برمحل ہے۔

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراض کرنا کون سا مشکل کام ہے، زبان ہی تو ہلانی پڑتی ہے، تحقیق کا درجہ مشکل ہے، اسی لیے محقق پر سیکڑوں اعتراض ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی صرف ایک بات پر ہوتی ہے، سو مختلف جوانب کو جمع کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔'' (الافاضات الیومیہ فی الافادات القومیہ ج ۷ ص ۱۹۷، ملفوظ نمبر ۲۹۶)

اعتراضات کے کچھ نمونے: صرف الملفوظ پر کیے گئے اعتراضات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے بھونڈے اعتراضات خود اپنی حالت زار واضح کر رہے ہیں، انہیں پڑھتے وقت ایک عام آدمی کو بھی حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت کی عبارتوں پر اعتراض کرتے وقت علمائے دیو بند کا انداز بیان اور طرز استدلال کہاں چلا جاتا ہے؟ ان کا جواب تو ایک اوسط درجے کا مقرر بھی بخوبی دے سکتا ہے۔ ذیل میں ہم قدرے تجزیہ کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ایک مقام پر انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے متعلق سوال کے جواب

میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ارشاد: انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے، ان پر تصدیق وعدہ الٰہیہ کیلئے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے، اس حیات پر وہی احکام تبویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام نیز ازواج مطہرت پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں، بلکہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ (الملفوظ حصہ سوم ص ۳۰)

اس پر ایک دیوبندی کا تبصرہ ملاحظہ کریں۔

''اس میں کس قدر انبیاء کی تذلیل کی ہے، اور ان کو خواہش پرست قرار دیا ہے۔'' (بریلوی مسلک کی حقیقت ص ۶۰)

آگے حاشیہ درج ہے۔

''واضح رہے کہ احمد رضا خاں صاحب نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو نقل فرما کر اس کی تقریر وتوثیق فرمائی ہے کہ نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام قبور میں ازواج سے شب باشی کرتے ہیں۔'' کس قدر حیا سوز اور شرم ناک بات ہے کہ امہات المومنین اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسی بات بلا دلیل کہہ دی جائے۔ کسی بیٹے کیلئے تو اپنی ماں کے بارے میں اس قسم کی کھلی بات گوارہ نہیں کی جاتی چہ جائے کہ امہات المومنین اور سید الانبیاء کی بابت ایسی بے باکی سے لب کشائی کی جائے۔ (ایضاً)

حالانکہ یہی بات زرقانی میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

نقل السبکی فی طبقاته من ابن فورک انه علیه السلام حی فی قبره علی الحقیقة لا المجاز یصلی فیه باذان واقامة قال ابن عقیل ویضاجع ازواجه ویتمتع بهن اکمل من الدنیا وحلف علی ذلک وهو طاهر ولا مانع عنه۔ (بحواله تحقیقات اول

ص ۱۳۴)

یعنی علامہ سبکی نے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر میں حقیقتاً زندہ ہیں نہ کہ مجازاً۔ اس میں اذان واقامت کے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں اور انہوں نے اس پر قسم بھی کھائی اور یہ ظاہر ہے، جس سے کوئی مانع نہیں۔

اس قسم کے ارشادات جو اکابر کی تحریروں سے ماخوذ ہیں ان پر اعتراض امام احمد رضا پر اعتراض نہیں بلکہ اسلاف اور اکابر پر اعتراض ہے۔ نیز اس لیے معترضین کی عجلت پسندی اور کم علمی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر انہیں پہلے سے علم ہوتا کہ یہ بات کہاں سے ماخوذ ہے اور کس کا فرمان ہے تو اعتراض کی جرأت نہ کرتے۔

دراصل انبیائے کرام کی حیات بعد وفات کے حسی حقیقی دنیوی ہونے پر علمائے اہل سنت کا اجماع ہے (ملاحظہ ہو حیاۃ الانبیاء للبیہقی) لہٰذا ان کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہتی ہیں اسی لیے ازواج مطہرات سے پوری زندگی کسی کا نکاح نہ ہوگا۔ لہٰذا جب صورت حال یہ ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیاء کی حیات حسی حقیقی ہو اور ان کی ازواج ان کے نکاح میں باقی رہیں تو قبر میں انہیں معیت حاصل ہو تو کیا حرج ہے......؟ کیا "شب باشی" (یضاجع ازواجہ) "اولا مستم النساء" کے مثل وطی سے کنایہ ہے؟...... اور گر ہو، تو کیا قباحت ہے؟ کیا حضور نے نکاح نہ کیا......؟ کیا حضور کی اولاد نہ ہوئی......؟ اگر یہ شبہ ہو کہ بعد وفات یہ امر درست نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ بقائے نکاح کی تقدیر پر قبل وفات جو چیز حلال تھی بعد وفات وہ حرام ہو گی؟ یا اس کا زوجیت کے باوجود ان کی طرف انتساب حرام ہوگا......؟

معترضین کی عجلت پسندی: یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخالفین نے جذبہ عدالت میں اعتراض کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ امام احمد رضا کی کسی عبارت کے خلاف کہیں کوئی عبارت کسی ہیئت میں ملی اس کے سہارے فوراً اعتراض جڑ دیا اور یہ بھی غور نہ کیا جو اعتراض کیا جا رہا ہے وہ وا   قعۃً اس پر وارد ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو معنی بتائے جا رہے

ہیں، اس کا اس میں احتمال بھی ہے یا نہیں......؟

پہلی مثال: گزشتہ صفحات میں گزرا کہ الملفوظ میں جس عبد الرحمن فزاری کا واقعہ بیان کیا ہے وہ کتابت کی غلطی سے عبد الرحمن فزاری کے بجائے عبد الرحمن قاری ہو گیا، تو اس پر ''مقدس صحابی رسول کی تکفیر'' ہیڈنگ لگا کر لکھا کہ ''احمد رضا نے ایک صحابی رسول جن کا نام عبد الرحمن قاری ہے ان کی تکفیر کی ہے''۔ اور دلیل کے طور پر اسد الغابہ، تقریب اور تہذیب کے حوالہ سے عبد الرحمن قاری کے بجائے عبد الرحمن ابن عبد القادری کا نام پیش کیا ہے۔

(بریلوی مسلک کی حقیقت ص ۵۹)

دوسری مثال: قبر میں منکر نکیر کے سوال کے تعلق سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

اس کے بعد سوال کرتے ہیں ماتقول فی ھذا الرجل؟ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چونکہ امتحان کا وقت ہے اس لیے ھذا النبی نہ کہیں گے، ھذا الرجل کہیں گے۔ (چہارم ص)

اس پر ایک دیوبندی مولوی کا یہ ریمارک پڑھیے۔

''ھذا النبی نہ کہیں گے، یہ بات بھی خاں صاحب کے غیر محقق ہونے کی دلیل ہے ورنہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ قبر میں ''من نبیک'' کہہ کر بھی سوال کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۴ میں فرماتے ہیں۔

''لفظ مصابیح ایں چنیں است اذا قیل لہ من ربک وما دینک ومن نبیک چوں گفتہ می شود مر اورا کیست پروردگار تو، چیست دین تو، وکیست پیغمبر تو۔''

(رضا خانیت کے علامتی مسائل ص ۱۹)

دراصل مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس کی روایت میں ہے کہ قبر میں منکر نکیر ''ما کنت تقول فی ھذا الرجل'' کہہ کر سوال کریں گے، اور یہی الفاظ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بھی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴، ۲۵ و بخاری شریف اول ص ۱۸۴) اور حضرت براء ابن عازب کی

روایت میں ہے کہ سوال یوں ہوگا: ماھذا الرجل الذی بعث فیکم (مشکوۃ شریف ص ۲۵)

غرض کہ کسی روایت میں "ما تقول فی ھذا النبی" وارد نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر امام احمد رضا نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ چونکہ یہ امتحان کا وقت ہے اس لیے ھذا النبی نہ کہیں گے ھذا الرجل کہیں گے تو یہ توجیہ روایتوں کے خلاف نہیں بلکہ ان کے مطابق ہے۔ ہاں شیخ محقق نے جو فرمایا کہ مصابیح کے الفاظ اس قسم کے ہیں "اذا اقبل له من ربک وما دینک ومن نبیک" تو عرض ہے کہ اولاً شیخ محقق نے مصابیح کے الفاظ کا جو حوالہ دیا ہے اس کیلئے "ایں است" کے بجائے "ایں چنیں است" فرمایا جس سے بعینہ الفاظ کے عدم ثبوت کا اشارہ ملتا ہے۔ ثانیاً اگر ثابت بھی ہو تو اتنا ہوگا کہ فرشتے ومن نبیک کہہ کر سوال کریں گے اور اعلیٰ حضرت نے اس کی نفی نہیں کی، آپ نے ھذا النبی کی نفی کی ہے۔ ھذا النبی اور من نبیک میں فرق آگے آتا ہے۔ ثالثاً اعلیٰ حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ آزمائش وامتحان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ آزمائش مقصود ہے اس لیے اگر یوں سوال کیا جائے گا کہ یہ نبی ہیں اور یہ جواب دینا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر "ما تقول فی ھذا الرجل" کہا جائے تو مخاطب نفس سوال سے یہ نہ سمجھ پائے گا کہ جس آدمی کے بارے میں پوچھا جارہا ہے وہ نبی ہے یا نہیں؟ اس لیے جواب اسی وقت دے سکے گا جب کہ پہلے سے وہ صاحب ایمان ہو۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اگر کسی روایت سے یہ ثابت ہوجائے کہ "من نبیک" کہہ کر سوال کیا جائے گا تو اس سوال سے بھی مقصود امتحان فوت نہ ہوگا۔ معمولی عربی داں بھی جانتا ہے کہ "من نبیک" (تمہارا نبی کون ہے؟) کے سوال سے نبی کی تعیین نہیں ہوسکے گی، کہ مخاطب سوال سے ہی جواب اخذ کرلے، برخلاف "ما تقول فی ھذا النبی" کے کہ اس سوال سے ہی جواب مستفاد ہوسکتا ہے۔ تو "ما تقول فی ھذا النبی" کی نفی اور "من نبیک" کے ثبوت میں تنافی کہاں ہے؟

تیسری مثال: اس قسم کے اعتراض کی تیسری مثال یہ ہے۔

زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کرنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تدری نفس بای ارض تموت** کوئی نہیں جانتا کہ وہ

کہاں مرے گا، قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں، البتہ کفن سلوا کر رکھ سکتا ہے کہ جہاں کہیں جائے اپنے ساتھ لے جائے اور قبر ہمراہ نہیں رہ سکتی۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۸۷)

اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عالمگیری میں مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ **من حفر قبراً لنفسه فلا باس به ويوجز عليه كذا في التتارخانية** (عالمگیری اول ص ۱۶۶) اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں جو مسئلہ محققہ ہے وہی امام احمد رضا نے بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے۔

ويحفر قبرا لنفسه وقيل يكره والذى ينبغى ان لا يكره تهيئته نحو الكفن بخلاف القبر۔

یعنی اپنے لیے قبر تیار کی جاسکتی ہے، اور یہ کہ کہا گیا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور مناسب یہ ہے کہ کفن جیسی چیزوں کا تیار کرانے میں کوئی کراہت نہیں، برخلاف قبر کے۔

اس کے تحت شامی میں والذی ینبغی پر ہے۔

كذا قاله فى شرح المنية و قال لأن الحاجة اليه متحققة غالبا، بخلاف القبر، لقوله تعالى وما تدرى نفس باى ارض تموت۔ (شامی جلد ثالث ص ۱۵۴ مطبع زکریا بک ڈپو، دیوبند)

''یوں ہی (یعنی قبر کے بجائے کفن وغیرہ اپنے لیے تیار رکھنا) شرح منیۃ المصلی میں ہے۔ اور فرمایا کہ بسا اوقات کفن جیسی چیزوں کی ضرورت کا پایا جانا متحقق ہے، برخلاف قبر کے۔''

نحو الکفن بخلاف القبر کہہ کر دونوں میں جس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کفن ایسی چیز ہے جو قابل انتقال ہے اور اسے ساتھ رکھا جاسکتا ہے لیکن قبر کو ساتھ ساتھ نہیں رکھا جاسکتا، ظاہر ہے کوئی کفن تیار کر کے ساتھ رکھے تو جہاں کہیں موت آجائے اس کے کام آسکتا ہے۔ لیکن قبر تیار کرلے تو دوسری جگہ موت کی صورت میں قبر کی تیاری عبث اور لغو ہوگی، اور قرآن فرماتا ہے کہ کسی کو اپنی موت کا مقام نہیں معلوم۔ اسی لیے فقہ حنفی کے مسائل محققہ مرجحہ پر مشتمل کتاب ''بہار شریعت'' میں ہے۔

مسئلہ: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو کوئی حرج نہیں اور قبر کھدوا رکھنا بے معنی ہے، کیا معلوم کہاں مرے گا۔ (درمختار) بہار شریعت ۴؍۱۶۰)

رہا تتارخانیہ کے حوالہ سے عالمگیری کا مسئلہ اور اس کی تائید میں شامی کا تتارخانیہ سے یہ نقل کرنا "ھکذا عمل عمر بن عبدالعزیز والربیع بن خیثم وغیرھما" تو بیان مسئلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلمات سے اس کے احتیاط کی عکاسی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں "قبر تیار رکھنے کا شرعاً حکم نہیں۔" ان الفاظ میں اور عالمگیری کے لاباس بہ میں کوئی تعارض نہیں۔

چوتھی مثال: "جب میرے پیر بھائی برکات احمد کا انتقال ہوا اور دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے مبالغہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضہ انور کے قریب آئی تھی۔" (الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۲۵)

اس پر یہ اعتراض کہ احمد رضا صاحب نے اپنے پیر بھائی کی قبر کو روضہ اقدس کے برابر کردیا۔ اس میں حضور ﷺ کی اور حضور کے روضہ اقدس کی کھلی توہین ہے۔ (بریلوی مسلک کی حقیقت ص ۵۴)

وہابیہ اور دیابنہ کے پاس فضائل کو ناپنے کے بہت ہی حساس پیمانے ہیں۔ کسی کی تعریف کو دوسرے کی تعریف سے ذرا سی مناسبت ہوئی کہ برابری ہوگئی۔ رسول کیلئے علم ماکان و مایکون مانا تو اللہ کے علم سے برابری ہوگئی۔ کسی نیک امتی کی قبر میں وہ خوشبو ملی جو روضہ اقدس کے قریب بھی ملی ہو تو گویا اس قبر کو روضہ اقدس کے برابر کردیا۔ یہی منطق اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کی گئی تعریف و توصیف پر کیوں نہیں چلتی۔ وہاں فضائل ناپنے والے بے حس کیوں ہوجاتے ہیں؟

احادیث و سیرت کی متعدد کتب میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے مستفیض ہونے والے متعدد صحابہ میں مشک و عنبر وغیرہ کی خوشبو آتی تھی۔ مثلاً ایک صحابی کا بیان کہ رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرلیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا تھا،

جب وہ نور مجسم اپنے دست شفقت کسی بچے کے سر پر پھیرتے تو وہ خوشبو کے باعث دوسروں سے پہچانا جاتا تھا۔ (کتاب الشفا للقاضی عیاض مترجم ص ۱۲۵) ایک عورت کو تھوڑا پسینہ عنایت ہوا، جب کپڑوں میں ملتیں تمام گھر مہک جاتا، یہاں تک کہ لوگ اس کے گھر کو بیت المطیبہ کہنے لگے اور کئی پشتوں تک اس کی اولاد میں خوشبو باقی رہی۔ محمد بن سعید بن مطرب نے خواب میں دیکھا کہ سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر بوسہ دیا، بیدار ہوئے تو تمام گھر مہک رہا تھا اور اس رخسار سے آٹھ دن تک مشک کی خوشبو آتی رہی۔ اور سید قمر الدین اورنگ آبادی خواب میں مصافحہ شریف سے مشرف ہوئے مدت تک خوشبو ان کے ہاتھوں سے محسوس ہوتی تھی۔ (الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح ص ۱۱۴)

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جس امتی پر جس طرح چاہیں کرم فرمائیں۔ امام احمد رضا کے پیر بھائی حضرت برکات احمد پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی قبر میں اپنے روضہ انور سے خوشبوؤں کی نوازشات فرمائی، خصوصاً ایسے موقع پر جب ما تقول فی ھذا الرجل کے طفیل جلوہ نمائی ہونے والی ہے۔ اس سے امام احمد رضا کے پیر بھائی پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور ان کی بارگاہ رسول میں مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

رہی حضور کی توہین کی بات، تو جن کی ساری زندگی شان الوہیت ورسالت میں توہین کرتے ہی گزر رہی ہے ایسے لوگ اگر اعلیٰ حضرت پر توہین رسالت کا الزام دھریں تو ان کیلئے ابو الکلام آزاد کا یہ جملہ برمحل ہوگا۔

''مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشق رسول ہیں، میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہین نبوت ہو۔'' (امام احمد رضا، ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص ۹۶)

روایت باللفظ یا روایت بالمعنی: الملفوظ میں کچھ مقامات وہ ہیں جہاں احادیث کریمہ کی عبارتیں درج ہیں جو بلفظہ حدیث میں نہیں ملتیں بلکہ کچھ تبدیلی کے ساتھ۔ مثلاً خضاب سیاہ کی حرمت پر چھ حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن میں پہلی حدیث بحوالہ مسلم شریف یوں درج ہے۔ ''**غیروا ھذا الشیب ولا تقربوا السواد**'' اور مسلم شریف میں یہ حدیث

یوں ہے "غیروا ھذا بشئی واجتنبوا السواد"۔ دوسری حدیث سنن نسائی کے حوالے سے یوں پیش کی گئی ہے" یاتی ناس یخضبون بالسواد کحوا صل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ" (الملفوظ دوم ص ۱۰۳) جب کہ سنن نسائی میں اس کا متن یہ ہے "قوم یخضبون بھذا السواد آخر الزمان کحوا صل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ"۔

اس قسم کے لفظی اختلاف کو پیش کر کے تحریف جیسے سنگین الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔

دراصل ملفوظات کی تدوین امالی کی شکل میں نہیں ہوئی تھی کہ حضور اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہوں اور ساتھ ہی ساتھ املا کیا جاتا ہو، بلکہ یہ مختلف نشستوں کے افادات، یا استفسار کے جوابی ارشادات ہوتے جنہیں ان لوگوں نے جن کو حضور مفتی اعظم ہند نے نقل کرنے پر مامور کیا تھا اور اپنی یادداشت کے مطابق نقل کیا۔ صحت نقل کی تقدیر پر اس قسم کے فرق کو زیادہ سے زیادہ روایت بالمعنی کا فرق قرار دیا جاسکتا ہے۔ روایت باللفظ کی اہمیت وافضلیت سے انکار نہیں، لیکن روایت بالمعنی ایک متبحر عالم جو نصوص کے معانی کو اچھی طرح سمجھتا ہو، کرسکتا ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتاب نخبۃ الفکر شرح نزھۃ النظر میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

لیجوز تعمد تغیر المتن و لا الاختصار منہ بالنقص و لا ابدال اللفظ باللفظ المرادف لہ الا العالم بمدلولات الالفاظ و بما یحیل المعانی علی الصحیح (ص ٦٦)

ترجمہ: حدیث کے متن کو جان بوجھ کر بدلنا اور کلمات حدیث میں کمی کر کے اس میں اختصار کرنا اور کسی کلمے کو کسی مرادف کلمے سے بدلنا جائز نہیں مگر اس شخص کیلئے جو الفاظ کے معانی اور ان تغیرات کو جانتا ہو، جن سے مانی بدل جاتے ہیں۔

آگے مزید فرماتے ہیں۔

واما الروایۃ بالمعنی فالخلاف فیہ شھیر، والاکثر علی الجواز ایضا و امن

القوی، عجحجهم الاجماع علی جواز شرح الشریعة للعجم بالسانهم للعارف به فاذا جاز الابدال بلغة اخری فجوازه باللغة العربية اولی وقيل انما یجوز فی المفردات دون المرکبات وقیل انمایجوز لمن یستحضر اللفظ لیتمکن التصرف فیه وقیل انمایجوز لمن کان یحفظ الحدیث فنسی لفظه وبقی معناه مرتسماً فی ذهنه فله ان یرویه بالمعنی لمصلحته تحصیل الحکم منه بخلاف من کان مستحضر اللفظه (ص ٦٧)

ترجمہ: روایت بالمعنی کے سلسلے میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر علماء اس کے جواز پر ہیں، ان کے مضبوط دلائل میں یہ ہے کہ "شریعت کی توضیح وتشریح اہل عجم کیلئے ان کی زبان میں جا نکار آدمی کیلئے جواز پر اجماع ہے۔ تو جب دوسری زبان سے بدلنا جائز ہے تو عربی زبان سے بدلنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ متن حدیث کے مفردات میں تبدیلی جائز ہے مرکبات میں نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کیلئے جائز ہے جسے لفظ اس طرح مستحضر ہو کہ اس میں تصرف کر سکے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا اس شخص کیلئے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی، پھر الفاظ بھول گیا، اور اس کا معنی اس کے ذہن میں باقی ہے وہ روایت بالمعنی کرسکتا ہے تاکہ اس کے حکم لے سکے، برخلاف اس کے جسے الفاظ حدیث مستحضر ہوں۔"

اس مقام پر محشی مولوی عبداللہ ٹونکی لکھتے ہیں۔

قیل ویدل علیه ایضاً روایة الصحابة ومن بعدهم القصة بالفاظ مختلفة ویدل علیه ایضاً ماروی من حدیث عبداللہ ابن سلیمان اللیثی قال قلت یارسول اللہ انی اسمع منک الحدیث لا استطیع ان اودیه کما اسمع منک ازید حرفاً او انقص فقال اذالم تحلوا حراماً ولا تحرموا حلالاً واصبتم المعنی فلاباس۔ (ایضاً)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ صحابہ اور تابعین کا ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ سے روایت کرنا بھی دلیل ہے اور حضرت عبداللہ ابن سلیمان لیثی کی حدیث بھی اس پر دلیل ہے، فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور جیسی سنتا ہوں ویسی ہی ادا نہیں کر

بِکمی بیشی ہو جاتی ہے، تو حضور نے ارشاد فرمایا: اگر تم حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کردو اور مفہوم کی صحیح ادائیگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بیان حدیث میں اگر مفہوم نہ بدلا ہو تو روایت بالمعنی پر اعتراض لایعنی اور ذخیرہ حدیث کے ایک بڑے حصہ کو لغو قرار دینے کے مرادف ہے۔

الملفوظ کے مختلف نسخے: اس جدید ایڈیشن کو متعدد ایڈیشن کے سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے اور ان سے بہت احتیاط کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ کافی کوششوں کے بعد جو نسخے ہمیں دستیاب ہوئے جن سے مدد لی گی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) باہتمام اقبال رضوی صاحب رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی نے اقبال پریس بریلی سے شائع کیا جو چھوٹی تختی میں ہے۔ دوم پر تاریخ کتابت ۲۲ ر اپریل ۱۹۷۱ء درج ہے جبکہ سوم پر ۵ نومبر ۱۹۷۵ء۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۷۵ء کے بعد کا ایڈیشن ہے۔

(۲) باہتمام مولانا محمد حسنین رضا خاں حسنی پریس محلہ سوداگران، بریلی سے شائع ہوا، بڑی تختی میں ہے اور سن اشاعت درج نہیں۔

(۳) مکتبہ رضا گھیر شیخ مٹھو بریلی۔ اندازہ ہے کہ دوسرا حصہ حسنی پریس کا عکس ہے۔ بقیہ حصے نئی کتابت ہیں۔ سن اشاعت درج نہیں۔

(۴) مکتبۃ الجیلانی محلہ کوٹ غربی سنبھل ضلع مراد آباد سے شائع ہوا۔ جلد سوم پر بتاریخ ۱۳۸۲ھ اور چہارم پر ۱۳۸۳ھ درج ہے۔ بڑی تختی میں ہے۔

(۵) قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ بریلی نے نمبر ۳ والے نسخہ کا عکس لے کر شائع کیا۔ سن اشاعت جولائی ۱۹۹۵ء ہے۔

(۶) رضوی کتاب گھر جامع مسجد دہلی سے حافظ قمر الدین صاحب رضوی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ سال اشاعت جولائی ۲۰۰۲ء ہے۔ نمبر ۳ والے نسخے سے نئی کمپوزنگ کرائی گئی

ہے مگر اس میں عربی عبارتوں پر اعراب بعض ہی جگہ دیئے گئے ہیں۔ نیز حواشی کو بجائے نیچے رکھنے کے قوسین میں رکھ کر عبارت سے ملا دیا گیا ہے۔

کچھ دیگر نسخوں کا بھی علم ہوا لیکن وہ دستیاب نہ ہو سکے۔ مثلاً

(۱) ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب نے ''اکرام امام احمد رضا'' کے حاشیے پر الملفوظ کا جو حوالہ دیا ہے اس میں مطبوعہ کانپور کی صراحت کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کانپور سے بھی ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نئی کتابت ہے یا کسی نسخہ کا عکس۔

(۲) پروفیسر موصوف نے ''امام اہل سنت'' نامی کتابچہ میں الملفوظ سوم مطبوعہ علی گڑھ کا حوالہ دیا ہے۔ (امام اہل سنت ص ۳۱ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور۔ صفحہ ۱۳۰ اور صفحہ ۵۲ پر الملفوظ دوم مطبوعہ کراچی کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں شعر درج ہے

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

لکھتے ہیں کہ اس تشریح ص ۳۸ تا ص ۴۱ پھیلی ہوئی ہے۔ جبکہ دیگر نسخوں میں ان صفحات پر نہیں تو اندازہ ہوا کہ یہ ان نسخوں کا عکس نہیں۔

''اکرام امام احمد رضا'' مصنفہ برہان ملت جبلپوری علیہ الرحمہ مطبوعہ ۱۹۷۸ء کے صفحہ ۹۵ پر برہان ملت نے اعلیٰ حضرت کے جبل پور کے دورے کی تفصیل ذکر کی ہے جس میں حاشیہ پر الملفوظ حصہ دوم ص ۲۱۶ مطبوعہ کانپور کا بھی حوالہ دیا ہے۔ موجودہ نسخوں سے صفحہ نمبر کے انطباق نہ ہونے کی وجہ سے اندازہ ہے کہ یہ کوئی اور نسخہ ہے۔

سن تالیف و ترتیب: الملفوظ کے نام سے واضح ہے کہ اس کی ترتیب ۱۳۳۸ھ میں ہوئی اور یہ مختصر سی مدت کے ملفوظات ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ملفوظات دو سال کے کچھ مہینوں کے ہی قلمبند کیے گئے ہیں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں۔ اعلیٰ حضرت نے خود اس کا نام ''الملفوظ'' رکھا۔ جو اس کی تاریخ تالیف پر مشتمل ہے۔ اور یہ شعر عنایت فرمایا

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ
مصطفی مصطفی کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں
زبر و بینہ میں الملفوظ

۱۳۳۸ھ

اس کا تاریخی نام بھی دلچسپ نوعیت کا ہے، جس کی طرف مذکورہ شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تاریخی نام ہوتے ہیں اگر "الملفوظ" کے اعداد نکالے جائیں تو (۱۳۳۸) کے بجائے (۱۰۸۷) آتے ہیں لیکن کلمہ "الملفوظ" جو سات حروف پر مشتمل ہے اس کے ہر حرف کو الگ الگ پورا پورا لکھا جائے تو اس کے اعداد و ابجدی جوڑنے سے ۱۳۳۸ھ آجاتے ہیں۔ مثلاً

الف	لام	میم	لام	فا	واو	ظا	
۱۱۱+	۷۱+	۹۰+	۷۱+	۸۱+	۱۳+	۹۰۱	=۱۳۳۸

لیکن راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس میں مختلف عہد کے ملفوظات ہیں جن کی ترتیب کا کام حضور مفتی اعظم ہند نے ۱۳۳۸ھ میں کیا۔

پہلا عریضہ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی کا ہے۔ اندازہ ہے کہ حضرت موصوف ۱۹۱۰ء کے بعد اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ندوہ کے صدر دوم مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ایک مکالمہ بھی حصہ اول میں درج ہے جو ۱۳۱۶ھ میں ہوا۔ دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ کی تفصیلی روداد بھی حصہ دوم میں ہے۔

اس نسخے کی خصوصیات: اس نسخے کی کتابت و پروف ریڈنگ میں بھرپور احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اور کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اس نسخے کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

(۱) قدیم وجدید چھ نسخوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

(۲) مذکورہ نسخوں میں موجود کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔
(۳) مشکل الفاظ کے معانی حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔
(۴) املا کے جدید اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
(۵) عربی کی تمام عبارتوں پر اعراب دیا گیا ہے۔
(۶) بعد کے نسخوں میں بعض مقامات پر حضور مفتی اعظم ہند کے مفید حواشی کاتب سے رہ گئے تھے، انہیں پرانے نسخوں کی مدد سے اس میں شامل کیا گیا ہے۔
(۷) حسب ضرورت کاما اور ڈیش وغیرہ نشانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔
بہت سارے مقامات ایسے ہیں جہاں حسب ضرورت نشانات نہ ہونے کی وجہ سے عبارت فہمی میں دشواری ہوتی ہے۔ لیکن اس کے اضافے سے عبارت آسان ہوگئی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:
الملفوظ حصہ چہارم ص ۶ پر ہے۔
عرض: نابالغی میں زید عالم ہوگیا، وہ مکلف ہے یا نہیں؟
ارشاد: ابھی سے مکلف ہوجائے گا۔ علم سبب تکلیف نہیں، جاہل محض ہے اور بالغ ہے مکلف ہے اور علامہ ہے بالغ نہیں تو مکلف نہ ہوگا۔
نابالغ کیلئے جملہ "ابھی سے مکلف ہوجائے گا"۔ الجھن پیدا کرتا ہے جبکہ آگے اس کے مکلف نہ ہونے کی صراحت بھی ہے۔ تمام نسخوں میں یہ جملہ اسی ہیئت میں موجود ہے۔ دراصل یہ جملہ استفہام انکاری ہے جس کا مطلب ہے کہ ابھی سے مکلف نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کو اگر یوں لکھا جائے "ابھی سے مکلف ہوجائے گا؟ علم سبب تکلیف نہیں" تو مطلب بالکل واضح ہوجاتا ہے۔
توضیح: مذکورہ نسخوں میں جن جن مقامات پر کتابت کی غلطی کا احساس ہوا وہاں اگر معنی میں فساد یا اضطراب نہیں، تو اسے احتیاطاً بحالہ باقی رکھا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ غلطی ایسی ہے کہ اس سے معنی فاسد یا مضطرب ہو رہا ہے تو دیگر نسخوں کی مدد سے اس کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔
واضح رہے کہ جن مقامات پر دوسرے نسخوں سے اصلاح ممکن نہ ہوئی تو اولاً یہ ارادہ تھا کہ

اپنے طور پر اصل ماخذ سے اس کی تصحیح کر کے اس کا حوالہ دیا جائے مگر بعد میں یہ سمجھ میں آیا کہ عبارتوں کو حسب حال رکھا جائے اور جہاں تصحیح کی ضرورت ہو وہاں حاشیہ لگا دیا جائے اور ایسا ہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس نسخے کی تیاری میں بھر پور احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور قدیم وجدید چھ مختلف نسخوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تاہم کہیں کچھ غلطی کا احساس ہو تو قارئین حضرات مطلع فرما کر احسان فرمائیں گے۔ احقر امام احمد رضا کے ملفوظات پر مزید کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ واللہ المستعان۔ دراصل امام احمد رضا کی تصنیفات پر کام کرنے کا میدان جس قدر وسیع ہے اتنا ہی خالی بھی ہے۔ اگرچہ گذشتہ دو دہائیوں سے پیش رفت ہوئی ہے مگر ضرورت ہے کہ علماء اس رخ پر مزید توجہ فرمائیں۔ امام احمد رضا کے علمی فیوض کو عام کرنا اس دور میں سب سے بڑی دینی علمی خدمت ہے۔ امام احمد رضا کی علمی وفنی بحثوں کا جتنا ذخیرہ موجود ہے ان کی تسہیل، تلخیص اور جدید ترتیب کی صورت میں ان کے علمی فیضان کو عام کیا جا سکتا ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا بہاء المصطفیٰ قبلہ قادری استاذ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف نے اکابر اہل سنت کی تصانیف کی صحیح طباعت کے تعلق سے بڑی توجہ فرمائی ہے اور ان کی نگرانی میں قادری کتاب گھر بریلی شریف نے اس سلسلے میں خاصی پیش قدمی کی ہے، خصوصاً بہار شریعت کو کتابت کی غلطیوں سے پاک کر کے صحیح طبع کرانا ایک اہم کارنامہ ہے۔ انہیں کی توجہ اور عنایت سے الملفوظ کا سب سے صحیح، سب سے مفید اور دیدہ زیب ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملفوظات امام احمد رضا کی برکتوں سے ہمیں بہرہ ور فرمائے۔ نیز کسی صاحب علم کو اصل ماخذ، عبارتوں اور حوالوں کے ساتھ ان کی جدید ترتیب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ **بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔**

حوالہ جات: (۱) اکرام امام احمد رضا ص ۱۰ پر مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بارے میں

ہے۔ شوال ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں بریلی حاضر ہوئے، دارالافتاء میں امام احمد رضا کے ارشادات قلم بند کیے۔ (اکرام امام احمد رضا ص ۱۰) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے علاوہ اور لوگ بھی اعلیٰ حضرت کے ارشادات قلمبند کرتے تھے۔ ہاں اکثر حصہ حضور مفتی اعظم ہند نے ہی زیب قلم کیا ہے۔ جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ
مصطفی مصطفی کا ہو ملحوظ

(۲) واضح رہے کہ یہ تینوں حواشی بھی بعد کے نسخوں میں (جو اس وقت چھپ رہے ہیں) کتابت میں چھوٹ گئے ہیں۔

(۳) ۲۵ ر اکتوبر ۲۰۰۲ء کو راقم الحروف بریلی شریف حاضر ہوا، جانشین مفتی اعظم ہند تاج شریعت حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ عرض کیا کہ وہ کون سا نسخہ ہے جسے حضور مفتی اعظم ہند نے خود شائع کروایا تھا اس پر حضرت موصوف نے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ بعد والے نسخوں پر حضور مفتی اعظم ہند ناراضگی ظاہر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ "نہ جانے کیسے چھپوا دیا ہے۔" حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قبلہ مدظلہ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور اس سلسلہ میں حضور مفتی اعظم ہند سے اپنے ایک استفسار اور ان کے ارشاد کا بھی حوالہ دیا۔ منہ ۱۲

(۴) دلہن کے پاؤں دھو کر مکان میں چھڑکنے پر، یونہی ایک پیر کا اپنے مرید کے ساتھ ہر وقت رہنے سے متعلق امام احمد رضا کے افادات پر اعتراض و جواب کی تفصیلات "تحقیقات" وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۵) حالانکہ اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے
"الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ" (ملفوظات حکیم الامت) میں استخارہ کے سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تقریباً چھ حدیثیں پیش کی ہیں جو ملفوظات حکیم الامت جلد دہم ص ۲۵۶ تا ص ۲۵۸ پر درج ہیں۔ ان میں پہلی حدیث بخاری کے حوالہ سے یوں درج ہے۔

اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت الرحمت ان شئت ارجمنی ان شئت ارزقنی ان شئت، ولیعزم المسئلۃ یفل مایشاء لا مکرہ لہ رواہ البخاری (ملفوظات حکیم الامت جلد دہم ص ۲۵۶)

حالانکہ بخاری شریف میں وہ حدیث حضرت انس کی روایت سے یوں ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذا دعا احدکم فلیعزم المسئلۃ

ولایقولن اللهم ان شئت فاعطنی فانه لا مستکرہ له (بخاری شریف ثانی ص ۹۳۸)

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یوں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم المسئلۃ فانه لا مکرہ له (ایضاً)

دوسری حدیث مسلم شریف کے حوالے سے یوں درج ہے۔

اذادعا احدکم فلا یقل اللھم اغفران شئت ولکن لیعزم المسئلۃ ولیعزم الرغبۃ فان اللہ تعالیٰ لایتعاظمه شئ اعطاه رواہ مسلم (ایضاً ۲۵)

جبکہ مسلم شریف جلد دوم ص ۳۴۲ پر وہ حدیث حضرت انس کی روایت میں یوں ہے۔

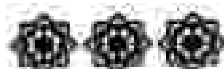
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا احدکم فلیعزم والدعاء ولا یقل اللھم ان شئت فاعطنی فان اللہ لا مستکرہ له۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یوں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقولن احدکم اللھم اغفرلی ان شئت اللھم ارحمنی ان شئت لیعزم فی الدعاء فان اللہ صانع ماشاء ولا مکرہ له۔

(۲) ماہنامہ جہان رضا لاہور ص ۲۹، اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء

بحوالہ مولانا شہاب الدین رضوی، مضمون: الملفوظ اور اس کا مقام و مرتبہ۔



پروفیسر حسین الحق صاحب
سجادہ نشیں دائرہ حضرت وصی سہسرام

''الملفوظ'' کی روشنی میں

امام احمد رضا بحیثیت صوفی باصفا

اپنے آپ کو ظاہر کرنا اور اپنے احساسات کو بیان کرنا انسانی جبلت کا ایک ناگزیر تقاضہ ہے۔ اسی تقاضے کی تکمیل کے لیے زبان وجود میں آئی۔ زبان از خود پنپتی ہے اور ہر طرح کے علاقائی اثرات کے سمت اپنا سانچہ بھی غیر شعوری طور پر از خود تیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اسی سانچے کو ادبی زبان میں صنف کہتے ہیں۔

اظہار پہلے پہل خود ہی کسی سانچے کا انتخاب کرتا ہے بعد میں ادب کے علماء جنہیں ہم آج کی زبان میں محقق اور ناقد بھی کہہ سکتے ہیں، وہ الگ الگ سانچوں کی شناخت کے لیے انہیں الگ الگ ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ملفوظ بھی ایسا ہی ایک سانچہ یا صنف ہے۔

ملفوظ ایک ایسی صنف ہے جس میں صاحب ملفوظ کے الفاظ یا باتیں سن کر مولف ملفوظ اپنی یادداشت کے سہارے بیان کیئے گئے الفاظ کو تحریر کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ اردو میں اس کی مثالیں بیش از بیش دستیاب ہیں۔ ملفوظات کا پہلا مجموعہ اب تک کی تحقیق کے مطابق ''انیس الارواح'' ہے۔ جس میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ارشادات حضرت خواجہ غریب نواز نے جمع کئے، اس کے بعد دلیل العارفین، فوائد السالکین، راحت القلوب، راحت المحبین، معدن المعان اور لطائف اشرفی وغیرہ متعدد ملفوظات کا ذکر ملتا ہے۔ پیش نظر گراں قدر کتاب ''الملفوظ'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

''الملفوظ'' میں حضرت مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے فاضل بریلوی حضرت

امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے ارشادات اپنی زبان وتحریر میں جمع کیے ہیں حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے ارشادات اپنی زبان وتحریر میں جمع کیے ہیں۔

مشہور محقق ڈاکٹر مختار الدین آرزو مرحوم نے ۱۳۳۸ھ اس کا سن تالیف قرار دیا ہے مگر کتاب ''الملفوظ'' کا مقدمہ لکھنے والے جناب فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی اس ملفوظ کے صفحہ ۳۱ پر فرماتے ہیں کہ:

> ''راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ اس میں مختلف عہد کے ملفوظات ہیں جن کی ترتیب کا کام حضور مفتی اعظم ہند نے ۱۳۳۸ھ میں کیا جب کہ پہلا عریضہ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی کا ہے۔ اندازہ ہے کہ حضرت موصوف ۱۹۱۰ء کے بعد اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے (دوئم) ندوہ کے صدر دوئم مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ایک مکالمہ بھی حصہ اول میں درج ہے یہ مکالمہ ۱۳۱۶ھ میں ہوا (مزید براں) دوسرے سفر حج کی تفصیلی روداد بھی حصہ دوم میں ہے۔''

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ''الملفوظ'' کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس ملفوظ کو چہار حصص میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چار مختلف عناوین مثلاً (۱) ایک دلچسپ مکالمہ (۲) سفرنامہ حج (۳) وصایا شریف، اور (۴) ضمیمہ وغیرہ کے ضمن میں بھی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارشادات، شامل ملفوظ ہیں۔

اس مجموعہ ملفوظات میں حضرت نے مختلف معاملات پر صدہا ارشادات بیر دامت کے ہیں جن میں مذہب وتصوف، مسائل علمی، مختلف اشخاص اور جماعتیں بھی کچھ حضرت کی کریمانہ اور عالمانہ توجہ کا مرکز بنا ہے مگر چونکہ یہ ناچیز لکھنے والا تصوف کی طرف زیادہ کشش محسوس کرتا ہے اس لیے فطری طور پر صوفیانہ ارشادات میرے لیے انشراح طبعی کا سبب بنے یوں تو یہ ظاہر ہے کہ حضرت امام احمد رضا طریقت میں مارہرہ شریف سے متعلق تھے اور سلسلہ

قادریہ پاک کے گوہر تاب دار تھے مگر اسی مقام پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر مارہرہ شریف کی نسبت نے حضرت کی صوفیت کو مستحکم کیا تو مارہرہ شریف کے لیے بھی حضور ایک روشن قندیل بنے جس کی روشنی میں حضرت امام احمد رضا کے بعد والے تمام مارہروی اور قادری حضرات اور زیادہ تاب دار نظر آئے۔

میرے خیال میں صوفی وہ ہے جو منشائے الٰہی اور منشائے نبوت کو اپنی صلاحیت اجتہاد والہام کے ذریعہ سمجھ کر، عصری ضرورتوں کے پیش نظر، طریقہ کار کے طور پر، جغرافیائی پس منظر میں، داعیانہ ضرورتوں کے مطابق، اپنے حالات وحوصلہ کے اعتبار سے، خلق خدا کے لیے کچھ ایسے عملی نمونہ پیش کرے، جس سے انسانوں کو، خدا اور خدا کی کائنات دونوں کے لئے قابل قبول بننے کا ذوق، ولولہ، اور ہنر نصیب ہو سکے۔

میں نے جب اس نقطۂ نظر سے الملفوظ کا مطالعہ شروع کیا اور مکمل کیا تو مجھے احساس ہوا کہ حضرت فاضل بریلوی کی ذات بابرکات میں صوفی اور فقیہہ دونوں بیک وقت موجود ہیں اور جب حضرت صوفی کی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں تو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ارشاد فرمانے والے میں ایک فقیہہ بھی موجود ہے۔ مثلاً ''الملفوظ'' حصہ اول صفحہ ۴۸ پر ایک سوال کیا جاتا ہے۔

''وحدت الوجود کے کیا معنے ہیں؟

حضرت جواباً ارشاد فرماتے ہیں:

وجود ہستی بالذات واجب تعالٰی کے لیے ہے۔ اس کے سوا جتنی موجودات ہیں، سب اسی کے ظل، پرتو ہیں، تو حقیقتۂ وجو ایک ہی ٹھہرا۔''

اس جامع جواب کے انشراح کی خاطر سائل کی طرف سے کچھ اور سوالات کئے گئے اور صفحہ ۴۸/۴۹/۵۰ پر حضرت نے نہایت تفصیل سے جواب دیا۔ اگر چہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت امام احمد رضا وحدت الشہودی تھے لہٰذا وہ واجب الوجود اور ممکن الوجود کو اپنے انداز میں سمجھتے اور سمجھاتے ہیں کہ ''ظلال وعکوس مرآت ملاحظہ ہیں، مرآت کا مرئی سے متحد

ہونا کیا ضروری علم بالوجہ میں وجہ مرأت ملاحظہ ہوتی ہے حالانکہ ذوالوجب سے متحد نہیں۔"
یہ بیان عالمانہ اور صوفیانہ ہے۔ عالمانہ گفتگو کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے مزید گفتگو کے در کھلتے ہیں مگر یہاں طول بیانی کا موقع نہیں۔اب میں ایک دوسرے ارشاد کی طرف آتا ہوں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں فرمایا کہ:

سید کل مظہر ذات حق است وظہور حق دروے بالذات است۔"

توسوال سامنے آتا ہے کہ: "تمام مخلوق ظلال ذات کس طرح ہوگی۔" حضرت امام احمد رضا ارشادفرماتے ہیں کہ:

اسماء مظہر صفات ہیں اور صفات مظہر ذات اور مظہر کا مظہر مظہر ہے۔توسب خلق مظہر ذات ہے، اگرچہ بواسطہ یا بوسائط، شیخ کا کلام مظہر ذات بلا واسطہ میں ہے، وہ [یہاں پر رہ کا اشارہ غالباً خلق کی طرف ہے۔] نہیں مگر حضور مظہر اول ہیں۔ ان کے لفظ دیکھئے: "ظہور حق دروے بالذات است۔"

معلوم ہوا کہ حضرت امام احمد رضا کو وحدت الوجود کی تشریح میں اگر علمائے سابقین سے اختلاف تھا تب بھی رویہ وحدت الوجود سے متنافر نہیں تھا۔ وہ تو اس رویے کے سب سے بڑے مؤید اور شارح حضرت شیخ اکبر کا اس درجہ احترام کرتے تھے کہ اسی کتاب کے صفحہ ۹۲۰ پر فرمایا کہ:

"میں نے یہ دونوں وقت [یعنی ۱۸۳۷ھ میں سلطنت اسلامی کا مٹنا اور سن ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی کا ظہور فرمانا] سید المکاشفین حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کئے ہیں۔"

آپ نے محسوس کیا؟ حضرت شیخ اکبر کا کیسا احترام تھا حضرت فاضل بریلوی کے دل میں!

یہ کچھ باتیں تو وحدت الوجود اور حضرت شیخ اکبر کے بارے میں ہوئیں۔ اب یہ بھی دیکھا جائے کہ تعلیمات تصوف کے بارے میں حضرت کا رویہ کیا تھا۔ اس ضمن میں فنافی الشیخ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ سوال کیا گیا کہ ''فنافی الشیخ کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوتا ہے'' حضرت نے فرمایا: ''یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے، اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصور کر کے اس طرح سمجھے کہ سرکار رسالت مآب سے فیوض انوار قلب شیخ پر فائز ہوتے اور اس سے چھلک کر میرے دل میں آرہے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ حالت ہو جائیگی کہ شجر و حجر در و دیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی، یہاں تک کہ نماز میں بھی جدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال اپنے ساتھ پاؤ گے۔ (حصہ دوم، صفحہ ۴۶)

یہ رویہ بھی خالص صوفیانہ رویہ ہے کیونکہ ہمارے درمیان ایسے حضرات بھی موجود ہیں جو اپنے اکابر کی تعلیمات کے نتیجے میں دوران نماز حضور کے تصور کی بھی نفی کرتے ہیں جب کہ صوفیا کی تعلیمات کے مطابق کم از کم درود شریف پڑھتے وقت حضور کا تصور ضرور بالضرور چاہیے۔

صفحہ ۲۲۴ پر ایک سوال ہوتا ہے: ''سچے وجد کی کیا پہچان ہے۔''

ارشاد ملاحظہ ہو: یہ کہ فرائض و واجبات میں مخل نہ ہو۔ حضرت سید ابوالحسین نوری پر وجد طاری ہوا، تین شبانہ روز گزر گئے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے۔ کسی نے حضرت سید الطائفہ سے یہ حال عرض کی، فرمایا نماز کا کیا حال ہے؟ عرض کی، نمازوں کے وقت ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، فرمایا الحمد للہ! ان کا وجد سچا ہے۔''

حضرت کا یہ بیان بھی صوفیا کے تصور وجد سے سر مو مختلف نہیں ہے۔ ہر سلسلے میں یہی تعلیم دی گئی کہ ''بے ہوشی با ہوش''

یہ جو مذکورہ بالا چند نکات تصوف بیان کئے گئے، اس کے علاوہ بھی بیش از بیش مسائل و نکات تصوف کتاب مذکورۃ الصدر ''الملفوظ'' میں بکھرے پڑے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۳۴ پر یہ ارشاد کہ:

"حضور کے اسماء ہر طبقہ میں مختلف ہیں، اور ہر ہر جنس میں جداگانہ ہیں۔ دریا میں اور نام ہیں پہاڑوں میں اور ہر طبقہ اور ہر جنس میں جدا جدا نام ہونا اس لیے کہ ہر جگہ حضور کی ایک خاص تجلی ہے۔ جس جگہ جس صفت کا ظہور ہے اُسی کے مناسب نام بھی ہے۔"

صفحہ ۱۲۳ پر مجاہدے کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سارا مجاہدہ اس آیہ کریمہ میں جمع فرمادیا ہے، واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي المأوىٰ۔ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہشوں سے روکے، بیشک تو جنت ہی ٹھکانا ہے، یہی جہاد اکبر ہے۔

ایک صاحب کو انار کی خواہش میں تیس برس گزر گئے اور نہ کھایا اس کے بعد خوب میں زیارت اقدس حضور اکرم ﷺ سے مشرف ہوئے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں ان لنفسک علیک حقا تیرے نفس کا بھی کچھ تجھ پر حق ہے۔ صبح اُٹھے انار کھایا۔ اب نفس نے دودھ کی خواہش کی فرمایا، تیس برس خواہش کر پھر شاید حضور تشریف لائیں اور فرمائیں۔

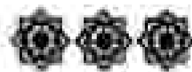
صفحہ ۲۰۷۔ ۱۸۵۔ ۱۸۴ پر الف بیعت کے معنیٰ بیان کیے گئے (ب) طلب اور بیعت میں فرق بتایا گیا اور عہد نبوی میں تجدید بیعت کی مثالیں پیش کی گئیں صفحہ ۱۹۵ پر حضور کو علم ماکان ومایکون کے بارے میں گفتگو دستیاب ہے۔ صفحہ ۱۹۶ پر فلاسفہ کے مسئلہ جزلا تجزیٰ پر بحث کی گئی ہے اور صفحہ ۱۹۷ پر یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ باری تعالیٰ کا علم قبل مخلوقات فعلی تھا یا وہ کس صورت سے تھا، صفحہ ۱۹۹۔ ۱۹۸ پر حقیقت روح بیان کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۷۷ پر ولایت اور شطحیات کے بارے میں بتایا گیا ہے، صفحہ ۲۸۴ پر انبیاء اور اولیاء کی حیات بر زخیہ کے درمیان فرق بتایا گیا ہے۔ صفحہ ۲۹۲ پر عزلت نشینی کے بارے میں رہنمائی کی گئی ہے۔ صفحہ ۳۱۳ پر شیخ کے حضور بیٹھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، صفحہ ۳۱۵ پر نفس اور روح کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔ صفحہ ۳۴۲ پر مختلف سلاسل کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ صفحہ ۳۴۳ پر یہ بتایا گیا ہے کہ متکلمین جو زمان ومکان کو بعد وامتداد موہوم کہتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے، مزید براں فلاسفہ کے یہاں خلا کا جو تصور ہے اس پر بھی گفتگو دستیاب ہے، صفحہ

۳۵۰ پر درجات فقر بیان کئے گئے ہیں، صفحہ ۳۹۲ پر تشبیہ صحیح تنزیہ، تنزیہ مع تشبیہ اور تنزیہ بلا تشبیہ موضوع گفتگو ہے، صفحہ ۳۹۷ پر یہ گفتگو کی گئی ہے کہ موت وجودی ہے یا عدمی۔

اس طرح "الملفوظ" کے چاروں حصص میں بکثرت دینی مسائل کے ساتھ ساتھ تصوف، معاملات تصوف، فلسفہ تصوف، مسلم متکلمین اور مختلف فلسفیانہ خیالات کے بارے میں حضرت امام رضا نے کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً باتیں کی ہیں، اور ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات باطمینان قلب کہی جاسکتی ہے کہ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں بے مثال عاشق رسول تھے، فقیہہ کامل بی العصر تھے، با کمال ریاضی داں تھے مستند مفسر قرآن تھے اور قابل فخر محدث تھے وہیں اپنے عصر میں اور اس کے بعد بھی تاج قادریت کا لعل بے بہا تھے اور ہیں جنھیں یقیناً دنیائے تصوف کا قابل فخر ورثہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن دم آخر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ جب حضرت مسند تفقہ پر جلوہ فرما ہوتے ہیں تو اس وقت وہ خالص فقیہہ نظر آتے ہیں نتیجتاً صوفیاء کے یہاں عام طور پر جو در گزر کا رویہ کام کرتا ہے حضرت اس کے برعکس ایک بہت سخت گیر محتسب ثابت ہوتے ہیں۔ شاید یہ اس مسند تفقہ کا تقاضہ ہے جس نے برصغیر ہند و پاک میں پھیلائے جانے والے غلط عقائد کا رد کرنے میں کل بھی جان جوکھم میں ڈالی اور آج بھی ذہنی و عملی دشواریاں برداشت کر رہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ!!



ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
بریلی شریف یوپی

ملفوظات رضا اور مابعد الطبیعاتی نظریات

الفاظ۔ امام احمد رضا کی زبان سے ادا ہوئے ہوں یا ان کے قلم سے نکلے ہوں، ان کا ہر لفظ معتبر ہے اور ایسا معتبر و مستند ہے کہ عطر بیز بھی ہے اور نور بار بھی! ان کے ہر ہر لفظ سے حق وصداقت کی روشنی بھی منعکس ہوتی ہے اور عقیدہ و ایمان کی خوشبو بھی مچلتی ہے۔ امام احمد رضا کے ہر ہر لفظ میں علم و حکمت اور معنیٰ کا ایک جہان آباد ہے۔

درجنوں نقلی اور عقلی علوم وفنون پر رقم کردہ ان کی تصانیف کا تو جواب ہی نہیں۔ ہر ہر تصنیف کے لفظ لفظ اور سطر سطر سے ان کے علمی تبحر، ان کی عبقریت، تحقیقی آن بان، تجدیدی شان اور مصطفیٰ ﷺ عشق و عقیدت کے ان گنت جلوے بہار دکھاتے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا کا کمال تو یہ ہے کہ ان کے ملفوظات بھی علم و تحقیق، شان ادبیت اور جمال ایمانیات کے آئینہ دار اور شاہکار ہیں۔ امام احمد رضا کے ملفوظات، فقہی و علمی نکات، ادبی، فنی، ریاضیاتی اور سائنسی نظریات، امور تصوف، رسول کونین ﷺ کے فضائل و مناقب، صحابہ واولیاء اور علماء کے تذکرے، سلاطین اور ممالک کے واقعات اور حالات، بھانت بھانت کے مضامین وموضوعات۔ بس یوں سمجھئے کہ معلومات کا خزانہ و گنجینہ ہیں اور لاریب! یہ "مسلمانان عالم کیلئے ایک اعلیٰ ترین دستور العمل" ہے جبکہ عالم یہ ہے کہ یہ ملفوظات محض دو سال چند ماہ ہی کے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب مدظلہ العالی سابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، "اگر ۸، ۱۰ سال کے بھی ملفوظات مرتب کیے جاتے تو اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ اس کی جلد میں علوم وفنون کی مختصر سی دائرۃ المعارف پہنچا تیں۔" (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء)

امام احمد رضا کے یہ ملفوظات بنام "الملفوظ" ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء مرتب ہو کر منظر عام پر آئے۔ اس کا تاریخی نام زبر وبینہ میں خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے "الملفوظ" رکھا۔ زبر وبینہ کے حساب سے "الملفوظ" کے اعداد ۱۳۳۸ بنتے ہیں۔ امام احمد رضا کے ملفوظات کے جائزے پر لکھا تو گیا ہے مگر بہت ہی کم۔ زیادہ تر تاثرات اور اظہار خیالات ہی کے طور پر لکھا گیا ہے۔ راقم نے ملفوظات رضا کے نثری حسن پر بھی لکھا ہے جو کئی سال قبل "جہان رضا" لاہور میں شائع ہو چکا ہے اور اس مضمون کی پسندیدگی پر عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے راقم کو خط بھی لکھا تھا۔

راقم نے اپنے مقالہ "امام احمد رضا اور علم طبیعیات" (جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے) میں بھی ملفوظات میں پیش فرمودہ طبیعیاتی نظریات کے حوالے دیئے ہیں۔

راقم کا زیر نظر مضمون ملفوظات میں شامل مابعد الطبیعیاتی نظریات سے متعلق ہے۔ "علم مابعد الطبیعیات" سے مراد ہے "الٰہیات" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم۔ اللہ رب العزت واجب الوجود ہے، وحدہٗ لاشریک ہے، جسم وجسمانیت، جہت، زمان ومکان اور ہر نقص وخطا سے منزہ ومبرا ہے، اس کی صفات بھی قدیم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ علم اسلامی عقائد کا اصل الاصول ہے اور ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم سے واقفیت اور ان پر اٹل عقیدہ لازم وواجب ہے۔

ملفوظات میں امام احمد رضا نے مسئلہ "وحدۃ الوجود"، "اللہ تعالیٰ کیلئے ظلم یا کسی بھی طرح کا نقص محال ہیں"۔ لفظ اللہ مرکب ہے یا مفرد"۔ تنزیہہ مع تشبیہ بلا تشبیہ نیز انہیں سب کے تعلق سے "وقت وزمانہ" اور "جزو لا یتجزیٰ" وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(۱) **وحدۃ الوجود کی تعریف:** امام احمد رضا فرماتے ہیں: "وجود ایک اور موجود ایک ہے باقی سب اس کے ظل ہیں۔" (حصۂ اول ص ۱۲۹)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: "وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کیلئے ہے۔ اس کے سوا حقی

موجودات ہیں اس کی ظل پرتو ہیں تو حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا۔" (حصہ اول ص ۸۰)

اس مسئلہ کی وضاحت میں امام احمد رضا نے کئی مثالیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک مثال اس طرح ہے:

"روشنی بالذات آفتاب و چراغ میں ہے، زمین و مکان اپنی ذات میں بے نور ہیں، مگر بالفرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے۔ ان کی روشنی ان سے اٹھالی جائے وہ بھی تاریک محض رہ جائیں۔" (ایضاً ص ۸۰)

امام احمد رضا نے اس سخت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو آفتاب اور چراغ کی روشنی کی مثال دے کر جس طرح مختصر مگر جامع انداز میں سمجھایا ہے وہ آپ کیلئے نور بصیرت پر دال ہے۔

(۲) **جزو لا یتجزیٰ کا مسئلہ**: امام احمد رضا نے جزو لا یتجزیٰ پر تفصیلی بحث "الکلمۃ الملہمہ" میں کی ہے نیز "فوز مبین در رد حرکت زمین" میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے۔

امام احمد رضا سے اس کی بابت سوال کیا گیا کہ: "فلاسفر کہتے ہیں کہ جزو لا یتجزیٰ باطل ہے۔ اگر باطل مانا جائے اور ہیولیٰ اور صورت کی قدامت باطل کر دی جائے تو اسلام کے نزدیک اس میں کیا برائی ہے؟"

جواب میں ارشاد فرمایا: "اگر جزو لا یتجزیٰ نہ مانا جائے تو ہیولیٰ اور صورت کے قدم کا راستہ کھلے گا۔ ان دلائل فلاسفہ کا اٹھانا پھر طویل و عریض مباحث چاہیے اس لیے ہمارے علماء نے اس کو سرے ہی سے رد فرمایا۔ گربہ کشتن روز اول باید۔ دین اسلام میں ذات و صفات الٰہی کے سوا کوئی شے قدیم نہیں۔ رب العزت فرماتا ہے بدیع السموٰت والارض۔ نیا پیدا فرمانے والا زمین اور آسمان کا۔ اور حدیث میں ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیئ۔ "ازل میں اللہ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا"۔ غیر خدا کسی شے کو قدیم ماننا بالاجماع کفر ہے

[حصہ دوم ص ۱۸۹]

"جزو لا یتجزیٰ" سے مراد نہ تقسیم ہونے والا جز (Indivisible Part) لیا گیا ہے۔ اسے جوہر یا ایٹم (Atom) کا بھی نام دیا جاتا ہے۔ اگر "فوز مبین" اور "الکلمۃ الملہمہ"

میں جزولا یتجزیٰ کی بحث کا تفصیلی جائزہ موجودایٹمی تھیوری (Atomic Theory) کی روشنی میں لیا جائے تو امام احمد رضا کے اس نظریہ کو موجودہ جوہری نظریہ کے ماہرین پر فوقیت و اولیت دی جاسکتی ہے۔

(۳) زمانہ اور وقت کی بحث: بلا شبہ اللہ رب تبارک وتعالیٰ اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں اور زمانہ حادث۔ امام احمد رضا ''زمانہ اور وقت'' کے متعلق کیسا مدلل اور ایمان افروز جواب عطا فرماتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

ارشاد ہوتا ہے

> :''وقت کس چیز کا نام ہے۔ وقت ہے ہی نہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو زمانے اور جہت میں گھیر دیا۔ کسی چیز کو بغیر زمانے کے نہیں سمجھ سکتے۔ رب العزۃ زمانے سے پاک ہے مگر بولتے ہیں وہ ازل میں بھی ایسا ہی تھا جیسا اب ہے اور ابد تک ایسا ہی رہے گا، تھا اور ہے اور رہے گا۔ یہ سب زمانے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ زمانے سے پاک اور حدوث جو ہیں فی الحقیقت وہ بھی زمانے سے جدا ہیں مگر ان کا زمانے سے جدا ہونا عقل بتائے گی اور کس ذریعہ سے معلوم نہ ہوگا
>
> [(حصہ چہارم ۳۷۶]

لفظ ''اللہ'' مرکب ہے یا مفرد: لفظ ''اللہ مرکب ہے یا مفرد'' کی بحث میں امام احمد رضا کی صرف ونحو میں مہارت کا بھی اظہار ہوتا ہے نیز اسی بحث میں حضور ﷺ کو بارگاہ الٰہیہ کا وسیلہ عظمیٰ بھی ثابت کردیا ہے اور واضح کردیا ہے کہ حضور ﷺ ہی ''نور اللہ'' اور ''تکوین عالم کی اصل'' ہیں۔

اس سوال ''اللہ کا لفظ مرکب یا مفرد'' کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''مشہور یہ ہے کہ ال تعریف اور الٰہ سے مرکب ہے، ہمزہ کی حرکت لام کو دے کر اس کو حذف کردیا اور لام کو لام میں ادغام کر دیا لفظ اللہ ہو گیا مگر مجھے دوسرا قول پسند ہے کہ لفظ اللہ مرکب نہیں بلکہ بہیئت کذائیہ علم ہے ذات باری کا کہ جس طرح اس کی ذات غیر مرکب ہے اسی طرح اس

کا نام بھی غیر مرکب ہونا چاہئے اور ان کا موید اس کا طرز استعمال بھی ہے کہ وقت ندا اس کا الف نہیں گرتا یا اللہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ ہمزہ اور الف گر کر یا لام میں مل جائے۔ اگر لام تعریف ہوتا تو ضرور ایسا ہوگا۔ کہ اس کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے اور منادیٰ یا معرف بالام کے پہلے ایہا زیادہ کرتے ہیں، یہاں حرام ہے اور اگر معنی کا تصور کر کے ہو تو کفر ہے۔ ایسا کے معنی ہوتے ہیں ایک مبہم ذات جس کا بیان آگے ہے۔ وہاں ابہام کیسا، وہ تو اعرف المعارف ہے ہر شئے کو تعین تو وہیں سے عطا ہوتی ہے۔'' (حصہ چہارم ص ۳۸۰)

آگے پھر فرماتے ہیں:''

وہ تو اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا بے غایت ظہور روشنی سبب ہو گیا اس کے بے نہایت بطون کا قاعدہ ہے کہ شے جب تک ایک حد معتاد تک ظاہر رہتی ہے مرئی ہے اور جب اس حد سے گزرتی ہے نظر نہیں آتی۔ آفتاب طلوع کے بعد کچھ بخارات سحابات وغیرہ میں ہوتا ہے پوری طرح نظر آتا ہے، خوب اچھی طرح اس پر نگاہ جم سکتی ہے اور جتنا بلند ہو جاتا ہے نگاہ میں خیرگی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب بالکل نصف النہار پر آجاتا ہے نگاہ کی مجال نہیں کہ اس پر جم سکے مگر پھر بھی اس کا ظہار ایک حد ہی تک ہے اس لیے اگرچہ ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے پھر بھی اس کی روشنی سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ چودھویں شب کو جب آفتاب ہم سے بالکل پوشیدہ ہو جاتا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ آفتاب سے روشنی لے سکے۔ اس وقت ماہتاب، آفتاب اور اہل زمین کے درمیان متوسط ہو کر آفتاب ہی سے نور لیتا ہے اور اہل زمین کو نور پہنچاتا ہے جو چاہے کہ اس ماہتاب سے نور نہ لوں گا بلکہ آفتاب ہی سے لوں گا ہرگز نہیں لے سکتا۔''

تبصرہ: سبحان اللہ، الحمد للہ۔ کس طرح دلیل عقل اور منطقیانہ بحث کی روشنی میں حضرت امام احمد رضا آقا حضور ﷺ کو بارگاہ ایزدی کا وسیلہ اور نورانیت ثابت کرتے ہیں اور اس طرح اصل تکوین عالم!

آگے دیکھیے اسی بحث میں امام احمد رضا سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو رب عظیم کی نعمتوں کا قاسم بھی ثابت کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

''بلاتشبیہ ذات باری تعالیٰ بے حد ظاہر تھی اور اسی سبب سے بیحد باطن تھی۔ تمام موجودات میں اس سے مستفید ہونے کی استعداد بھی نہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ماہتاب نبوت بنایا کہ آفتاب الوہیت سے منور ہو کر تمام مخلوقات کو منور کردے۔

عرب تک پھیلی ہے تاب عارض

یوں چمکتے ہیں چمکنے والے

جو چاہے کہ بغیر وسیلے اس ماہتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حاصل کر لوں وہ خدا کے گھر میں نقب لگانا چاہتا ہے۔ بغیر اس توسل کے کوئی نعمت، کوئی دولت کسی کو نہیں مل سکتی ہے۔ جس سے تمام عالم منور و موجود ہے۔ وہ نہ ہو تو عام عالم پر تاریکی عدم چھا جائے۔ وہ قمر برج رسالت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ھو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خزانة السر وموضع نفوذ الا مر جعل خزائن کر مه وموا تد نعمه طوع یدیه یعطی من یشاء ویمنع من یشاء لا ینفقد امر الامنه ولا ینقد خیر الاعنه

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ سر الٰہی اور جائے نفاذ حکم خدا ہیں۔ رب العزۃ جل جلالہ نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے قبضے میں کر دیئے۔ جو چاہیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے، کوئی نعمت، کوئی دولت کسی کو کبھی نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہی معنی ہیں انما انا قا سم واللہ یعطی۔ جز اینیست کہ میں ہی بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔

وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا، وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا

وہ ہے جان، جان سے بقا، وہی بن ہے، بن سے ہی بار ہے

(حصہ چہارم ص ۳۸۰_۳۸۱)

لیس کمثلہ شئی اور متشابہہ کی بحث: قرآن کریم میں اور حدیث پاک میں اللہ جل جلالہ کیلئے ''استواء، ید، نزول'' وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں لیکن ان سے ہرگز یہ مراد

نہیں کہ اللہ بیٹھا ہوتا ہے، یا اترتا ہے یا اس کے ہاتھ ہیں جیسے کے انسانوں کے۔ اللہ دیکھتا سنتا ہے لیکن بغیر کان اور آنکھ کے۔ وہ جسم سے، جہت و مکان وزمان وغیرہ سے پاک ہے۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ ان سب کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کیسی نفیس وجلیل بحث فرماتے ہیں اور ایسے نازک وپیچیدہ مسائل کی کیسی شاندار اور ایمان افروز تشریح وتوضیح کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

"جس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر حمل کرنے سے کوئی عقلی استحالہ لازم آتا ہو وہ متشابہ ہے۔ ید اللہ فوق ایدیھم کے معنی ظاہرا گر لیں تو اس کا ہاتھ ماننا اور جب ہاتھ ہو تو جسم بھی ہوا اور ہر جسم مرکب اور مرکب اپنے وجود میں اپنے ان اجزا کا محتاج ہے جن سے وہ مرکب ہے جب تک وہ موجود نہ ہو لیس یہ موجود نہیں ہوسکتا تو خدا کا محتاج ہونا لازم آیا اور ہر محتاج حادث اور کوئی حادث قدیم نہیں اور جو قدیم نہ ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا تو سرے سے الوہیت کا ہی انکار ہو گیا اس لیے ثابت وا کہ ید اللہ فوق ایدیھم محکم نہیں متشابہ ہے اور لیس کمثلہ محکم ہے۔" (حصہ چہارم ص ۳۷۶۔۳۷۷)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: "تشبیہ محض کفر ہے اور تنزیہہ محض گمراہی اور تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدۂ حقہ اہلسنت ہے۔" (ایضاً ص ۳۷۸)

"لیس کمثلہ شئ" کی بابت فرماتے ہیں:"

لیس کمثلی شئی انه هو السمیع البصیر، یہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے۔ تشبیہ محض تو یہ ہوتی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم من الاجسام۔ اس کے کان، آنکھ، ہماری ہی طرح گوشت پوست سے مرکب ہیں وہ انہیں سے دیکھتا سنتا ہے اور یہ کفر ہے اور تنزیہہ محض ہے کہ دیکھنے سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی انکار کر دیا جائے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ خدا دیکھتا سنتا ہے یہ کچھ اور

صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ گمراہی ہے۔ اہل عقیدہ یہ ہے کہ لیس کمثلہ شئی۔ یہ تنزیہہ ہوئی کہ اس کی مثل کوئی شئی نہیں اور انہ ھو السمیع البصیر۔ تشبیہ ہوئی اور جب دیکھنے سننے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں وہ بے آلات کے دیکھتا سنتا ہے یہ نفی تشبیہ ہے کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہوتا اس کو مٹا دیا تو ماحصل وہی نکلا تنزیہہ مع تشبیہ بلا تشبیہ"

(حصہ چہارم ص ۳۷۸)

تبصرہ: "المعتقد المنتقد" سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ کی تصنیف لطیف (بزبان عربی) پر حضرت امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ نے جو عربی میں حاشیہ لکھا ہے اس کا نام ہے "المعتمد المستند"، "المعتقد المنتقد" اور "المعتمد المستند" دونوں کا ترجمہ حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری بریلوی نے اردو میں کیا ہے۔ کتاب "المعتقد المنتقد" میں جہاں حضرت علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

"اور یونہی کتاب وسنت کے متشابہات کا اس کے ظاہری معنی پر جاری ہونا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں محال ہے جیسے کہ استواء، انگلی، ہاتھ، پیر، داہنا ہاتھ اور نزول وغیرہا اور سلف وخلف اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ظاہری معنی سے منزہ ہے۔" (ص ۱۱۳۔ ۱۱۴)

وہاں حاشیہ میں امام احمد رضا فرماتے ہیں

:"(اقول) اور تمہارے اوپر یہاں ایک باریکی کی طرف متوجہ ہونا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ ظاہر پر جاری کرنا کبھی بولا جاتا ہے اور مراد اس سے وہ ظاہر ہوتا ہے جو ہمیں مفہوم ہوتا ہے، ہمارے ذہنوں کا تبادر اسی سے موافق ہوتا ہے جو ہم اپنے آپ میں اور اپنے جیسوں میں پاتے ہیں یعنی گوشت اور ہڈی کا ہاتھ اور انگلی، لمبائی، چوڑائی اور موٹائی

والی اور تجزی اور ترکیب والی۔ ہم یہ ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اس کے لائق ہے جیسا کہ نص یہ معنی دیتی ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ید بمعنی قدرت ہے جیسے کہ قول اہل تاویل نے اختیار کیا ہے لیکن ہم یہ ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ید جسمیت اور ترکیب سے اور خلق کی مشابہت سے منزہ ہے اور اس سے وراء ہے کہ عقل یا وہم اس کا احاطہ کرے بلکہ وہ اس کی صفات قدیمہ قائمہ بذات کریمہ سے ایک صفت ہے جس کے معنی کا ہم کو علم نہیں اور یہی ائمہ متقدین کا مسلک ہے اور یہی مختار معتمد واضح حق ہے اور یہی معنی ہے تشبیہ اور تنزیہہ کو اکٹھا کرنے کا جس کا قول کیا جاتا ہے تو تنزیہہ حقیقت اور تشبیہہ لفظ میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول "لیس کمثلہ شئی (کوئی شے اس کے مثل نہیں۔ کنزالایمان) تو بے شک اس فرمان نے حقیقت کی تنزیہہ فرمائی پھر "وھو السمیع البصیر" اور (وہی ہے سنتا دیکھتا) فرما کر لفظ میں تشبیہ کا فائدہ دیا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت میں اور مخلوق کی صفات میں نام کی شرکت کے سوا کوئی شرکت نہیں اور اللہ ہی کیلئے بلند عبادت ہے۔" (المعتقد المنتقد مع المعتقد المستند ص ۱۱۴)

ملفوظات رضا (الملفوظ) واقعی ایک دائرۃ المعارف ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پر بھی تحقیق وجائزہ کے امور انجام دیے جائیں۔



مولانا سید شاہ محمد صباح الدین چشتی منعمی ابوالعلائی،
خانقاہ چشتیہ منعمیہ ابوالعلائیہ، رام ساگر، گیا، بہار

امام احمد رضا اور الوظیفۃ الکریمہ

ادعیہ وظائف کی کتابیں ترتیب دینا علمائے وصوفیا کے درمیان میں رائج رہا ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ادعیہ وظائف کے مجموعے ترتیب دئے ہیں۔ تا کہ امت محمدیہ اسے پڑھ کر مستفید ہو سکے۔ اس سلسلہ میں بہت سے علماء محدثین بھی ہیں اور صوفیا صافیہ بھی ہیں۔ بہت سے محدثین نے قرآنی آیات واحادیث رسول ﷺ سے اخذ کر کے دعاؤں کو یکجا کر دیا تاکہ اس کے ذریعہ قرآن وسنت کے انوار وتجلیات اکتساب کیے جا سکیں۔ بعض صوفیہ کرام نے اپنے مکاشفات والہامات کی بنا پر مجموعۂ وظائف ترتیب دیا ہے۔ ان میں سے چند تصنیفات وتالیفات جنہیں صوفیا، علماء ومحدثین نے ترتیب دیا ہے وہ الہامی ہیں، اور آیات واحادیث سے ماخوذ وظائف وادعیہ جمع کی گئی ہیں:

۱۔ دعائے حزب البحر: امام طریقت قطب الاقطاب حضرت شیخ سید ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۱ھ۔۶۵۶ھ) کو حضور شہنشاہ کونین ﷺ نے مراقبہ میں تعلیم فرمایا جس میں قرآن وحدیث میں مذکور الفاظ دعائیں ساتھ ہی اس میں اسمائے الٰہیہ بھی مذکور ہیں۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس میں اسم اعظم بھی مذکور ہے۔ فریضۂ حج ادا کر کے آپ جب جدہ پہنچے تو آپ اپنے ساتھیوں سے جہاز طلب کیا۔ ان لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر صرف ایک جہاز ہی مل سکا اور وہ بھی ایک بوڑھے نصرانی کا۔ اسی پر سوار ہو گئے۔ لنگر اٹھا دیا گیا اور جدہ کی عمارتوں سے گذرے تو باد مخالف چلنا شروع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے وہ وہیں ٹھہرے رہے اور ایک جمعہ جدہ کے نزدیک جہاں سے جدہ کی پہاڑیاں نظر آتی تھیں ٹھہرے رہے۔ بوڑھا

نصرانی اور اس کا بیٹا دونوں نے شیخ پر طعنہ زن ہوئے کہ ہم یہاں بادِ مخالف میں گھر گئے ہیں۔ شیخ نے یہ سن کر آپ نے رجوع الی اللہ فرمایا تو یہ حزب الہام ہوئی۔ آپ نے پڑھنا شروع کیا اور جہاز راں کو فرمایا کہ لنگر اٹھائے اس نے کہا کہ اگر لنگر اٹھایا تو بادِ مخالف کی وجہ سے جہاز فوراً جدہ پہنچ جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ لنگر اٹھا اور قدرتِ الٰہی کا معائنہ کر۔ بالآخر لنگر اٹھایا گیا۔ اور باد موافق اس زوروں سے چلنا شروع ہوئی کہ جہاز کی رسیاں میخوں سے نہ کھل سکیں انہیں کاٹنا پڑا پھر تیزی کے ساتھ بہ آرام و عافیت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یا علی یا عظیم سے بیدہ ملکوت کل شیء تک بحالت مراقبہ القا ہوئی۔ جب طوفان کا رخ مڑ گیا تو شیخ نے کھیعص پڑھ کر انصرنا سے علیٰ کل شیء قدیر تک دعا پڑھی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس طرح بفضلِ الٰہی ہمارا جہاز طوفان سے بچ کر نکل گیا اسی طرح کوئی مومن اگر پڑھے گا تو وہ بھی اپنا جہاز مصیبتوں سے نکال کر ساحلِ عافیت تک پہنچا لے گا۔

۲۔ دلائل الخیرات وشوارق الانوار فی ذکر الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی سملالی علیہ الرحمۃ (۱۴۰۴ء - ۱۴۶۵ء) کی تصنیف ہے۔ جو درود و سلام کا مجموعہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ وضو فرمانے کے لئے کنویں کے پاس آئے کہ پانی نکال کر وضو کریں مگر وہاں پانی نکالنے کے لئے کوئی چیز مہیا نہیں تھی۔ آپ وہاں کھڑے کھڑے یہی سوچ رہے تھے کہ ایک لڑکی اونچی جگہ سے یہ منظر دیکھ رہی تھی آپ کا نام پوچھا۔ نام سن کر کہنے لگی کہ آپ وہی شخص ہیں جن کی تعریف ہر جگہ ہو رہی ہے آپ کا شہرہ ہر طرف ہے اور صرف اتنی سی بات سے پریشان ہیں۔ کہ پانی کیسے نکالا جائے پھر اس نے اپنا لعاب اس کنویں میں ڈال دیا اس کنویں کا پانی ابل کر کنویں سے باہر نکل گیا۔ آپ نے وضو کیا پھر پوچھا کہ تمہیں قسم ہے کہ مجھے بتاؤ یہ تمہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا۔ اس نے کہا کہ مجھے اس ذات گرامی پر کثرت سے درود پڑھنے سے حاصل ہوا کہ جب آپ جنگل میں سے گذرتے تو وحشی جانور تک آپ کے دامن کرم سے لپٹ جاتے تھے۔ تو علامہ جزولی فرماتے ہیں کہ میں قسم کھا لیا کہ اب حضور ﷺ پر درود و سلام پر ایک کتاب لکھوں گا۔ اور آپ نے دلائل الخیرات لکھی۔ اسنادوں کو حذف کر کے احادیث سے اخذ کر کے جمع کیا۔ پھر آپ نے اس لڑکی کا وہ درود بیر بھی اس میں تحریر فرمایا۔

۳۔ الصلوۃ القدسیۃ یہ غوث پاک کے مرشد حضرت مخدوم ابو سعید مبارک مخزومی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ یہ ہفتہ کے دنوں میں منقسم درود وسلام کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ درود وسلام آپ نے غوث پاک کے لئے ترتیب دیا تھا۔ جب غوث پاک کثرت عبادت سے کافی نحیف ونزار ہو گئے تھے۔ تو آپ نے ان کی صحت کے لئے یہ مجموعہ درود وسلام ترتیب دیا تھا۔ یہ ایک الہامی ترتیب ہے۔

۴۔ حصن حصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم علامہ ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ/۱۴۲۹ء) کی یہ کتاب وظائف وادعیہ کا مجموعہ ہے مگر طرز تحریر یہ ہے کہ احادیث کو ہی تحریر کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کتاب کی حیثیت مجموعۂ احادیث کی بھی ہے۔ صوفیا کرام کے نزدیک یہ کتاب بطور وظیفہ رائج ہے۔ اب اس کا ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

۵۔ قصیدہ بردہ شریف علامہ محمد بن سعید بن حماد الصنھاجی البوصیری (۶۰۸ھ۔ ۶۹۶ھ) نے تحریر کیا ہے۔ امام بوصیری سخت بیمار تھے۔ آپ پر فالج کا حملہ ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا نصف جسم مفلوج ہو گیا تھا۔ علاج ومعالجہ کرایا گیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر آپ نے نہایت مایوسی کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں قصیدہ لکھنا شروع کیا جب آپ قصیدہ مکمل فرما لیتے ہیں تو آپ سوتے ہیں تو رسول کریم ﷺ کی زیارت سے شرفیاب ہوتے ہیں۔ اور آقا ﷺ نے آپ کو چادر عنایت فرمائی اور آپ کے کاندھے پر رکھ دی آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ وہ چادر مبارک ان کے جسم پر پڑی ہے اور آپ کا مفلوج جسم مکمل صحت یاب ہو چکا ہے۔ اسی وجہ اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔ بردہ کے معنی ہیں چادر کے۔

۶۔ الدعوات الکبیر امام بیہقی (۳۸۴ھ۔ ۴۵۸ھ) کی تصنیف ہے اس میں امام بیہقی نے ادعیہ ووظائف پر مشتمل احادیث تحریر فرمائی ہے۔ جو امت پر آپ کا بڑا احسان ہے۔ یہ ضخیم دو جلدوں میں ہے۔

۷۔ درود لکھی محمود غزنوی علیہ الرحمۃ (۹۷۱ء۔ متوفی ۱۰۳۰ء) زبردست عاشق رسول تھے۔ فرط محبت وعقیدت سے وہ روزانہ لاکھ بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے سلطنت کے کام میں سخت خلل اور فتور عظیم برپا ہونے لگا۔ رسول کائنات ﷺ کو

خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے محمود! اس درود شریف کو ہر روز بعد نماز فجر ایک مرتبہ پڑھا کرلاکھ درود کا ثواب ملے گا اور میری محبت میں بھی کامل ہوگا" لہٰذا اس کے بعد یہ درود ایک مرتبہ پڑھنا شروع کیا اور مملکت کے انتظام میں حسن وخوبی بھی پیدا ہوگئی۔

۸۔ حزب الادعیہ یہ حضرت سیدنا محمد قادری انجری (۸۱۰ھ۔ ۹۲۰ھ) کا تصنیف کردہ حزب ہے۔ آپ جب مدینہ رسول میں مواجہہ شریف میں حاضر ہوئے تو آقا کا فیضان اس زور کا ہوا کہ آپ زمین پر لوٹ پوٹ کرنے لگے۔ اور اور منہ سے کف نکلنے لگا۔ پھر آپ کی زبان سے یہ اشعار نکلنے لگے۔

سقانی سیدی کوثر زلالا

اعطانی روح جدی لی وصالا

پھر آپ نے وہیں روضۂ رسول کے پاس ہی الہامی طور پر "حزب الادعیہ" کی ترتیب دی۔

۹۔ مظہر اسرارات یہ حضور خواجۂ بہار سیدنا سید شاہ عطا حسین علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۲۳۲ھ۔ ۱۳۱۱ھ) نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں روز وشب اور ہفتہ کے دنوں آپ کے معمولات، اذکار واشغال وغیرہ ترتیب دئے ہیں۔ جس میں آیات واحادیث سے ماخوذ ادعیہ ووظائف اور اپنے پیروں سے مروی وظائف اور الہامی وظائف بھی اس میں شامل ہیں۔

۱۰۔ وظائف فیروزی یہ مرید وخلیفہ خواجۂ بہار حضرت سید شاہ عطا حسین، حضرت سید شاہ فیروز الدین عرف شاہ ندرت حسین علیہ الرحمۃ کی تالیف ہے۔ آپ نے الہامی طور پر اسے ترتیب دیا ہے مگر اس میں آیات واحادیث سے مستفاد ادعیہ ووظائف ہیں۔

الوظیفۃ الکریمہ:

یہ رسالہ وظائف ودعاؤں پر مشتمل ہے۔ جو اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے افادات ومعمولات میں سے ہے۔ جس میں صبح کے، شام کے پنجوقتہ نمازوں کے بعد ہر وقت کے علیحدہ علیحدہ وظائف لکھے گئے ہیں۔ اس کی ترتیب وجمع کا کام حجۃ الاسلام حضرت مفتی حامد رضا خان علیہ الرحمۃ نے کیا ہے۔ جس کا ایک حصہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے ترتیب

دیا ہے جس پہ اعلیحضرت کا دستخط ثبت ہے اور دوسرا حصہ ہے جس پر حضور مفتی اعظم ہند مصطفی رضا خان علیہ الرحمہ کا دستخط ثبت ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی اور ادعیہ و وظائف تحریر ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ہی کے افادات سے ہوں گے۔ اس میں جو دعائیں اور وظائف درج ہیں وہ احادیث وغیرہ سے ہی موخوذ ہیں۔ اگر ان ادعیہ کے ضمن میں ان احادیث و آیات کو مع تخریج بھی ذکر کر دیا جائے جن سے یہ دعائیں ماخوذ ہیں تو اس رسالہ کا استناد اور بڑھ جائے گا۔

یک جملہ تمہید کے حاشیہ پر علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: "حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور تمہید کچھ تحریر فرمانا چاہا تھا۔ مگر وہ جواہر زواہر مثل درمکنون سینہ اقدس میں مخزون رہے دل نے نہ چاہا ان الفاظ کریمہ سے ایک حرف بھی کم ہو۔ انہیں بجنسہ نقل کر کے یہیں تک تھے۔ جو فہم قاصر میں آیا ہدیہ ناظرین کیا۔ اس رسالہ کا نام بھی کچھ نہ تجویز فرمایا تھا تاریخی نام اور خطبہ فقیر نے اضافہ کیا۔ گدائے آستانہ قدسیہ رضویہ فقیر حامد رضا قادری غفرلہ" [ص ۱]

آگے فرمایا کہ:

"بارگاہ سید اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے حضور پرنور سیدنا قبلہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جو مبارک ہمیں پہنچے ہیں اوراذ کار و اشغال درمکنون کی طرح خاندان عالیہ میں مخزون تھے۔

برادران اہل سنت وخواجہ تاشان قادریت و رضویت کے لئے شائع کرتے اور دعوی سے کہتے ہیں کہ ان کا عامل دین و دنیا کی برکتوں سے مالا مال ہوگا۔ ہر بلا و آفت سے محفوظ رہے گا۔ مولی تعالیٰ ان کی برکت سے تمام اہل سنت کو مستفیض فرمائے۔ آمین آمین [ص ۲]

وظیفہ وادعیہ میں وہ اہمیت میں زیادہ ہو جاتے ہیں۔ جس کا تجربہ کیا جائے اور تحریر کرنے والا خود اپنے تجربے ثبت تحریر کردے۔ وہ مجرب دعائیں جس پر اعلیحضرت کے نوٹ ثبت ہیں۔

۱۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۱۰ ربار ہر بلا کو

سے محفوظ رہے گا۔ حدیث میں سات بار تعداد ہے غوث اعظم رضی اللہ عنہ ۱۰/ بار پڑھا کرتے تھے۔ اس پر آپ نے یہ نوٹ لکھا کہ "فقیر کا اسی پر عمل ہے
اسے بحمدہ تعالیٰ تمام مقاصد کے لئے کافی پایا"۔ [ص ۴]

۲۔ اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ اس کے بعد آپ نے اس پر نوٹ لکھا کہ "فقیر اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہ زائد کرتا ہے"۔ [ص ۶]

۳۔ سید الاستغفار اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الخ فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ "فقیر اس کے بعد اتنا زائد کرتا ہے۔ وَاغْفِرْ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ اور اپنے جس فعل سے کسی ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے مولیٰ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ [ص ۷، ۸] فاضل بریلوی کا یہ اضافہ بتاتا ہے کہ آپ کو امت محمدیہ سے کتنی محبت تھی اور وہ اپنی دعاؤں میں اسے نہیں بھولتے تھے۔

۴۔ بعد صلوۃ خمسہ۔ ماتھے پر دہنا ہاتھ رکھ کر بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنِّی الْھَمَّ وَالْحُزْنَ ہر غم و پریشانی سے بچے فقیر اس کے بعد اتنا زائد کرتا ہے۔ وَعَنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ یہ اضافہ بھی آپ کے حب رسول و امت رسول کو واضح کرتا ہے کہ آپ دل سے امت رسول کی خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے۔

تہجد کے ضمن میں یہ مفید ہدایت فرمائی ہے کہ "وضو کر کے کم از کم دو رکعت پڑھ لے تہجد ہو گیا۔ اور سنت آٹھ رکعت ہیں اور معمول مشائخ ۱۲ رکعت کا اختیار ہے۔ جو چاہے پڑھے" [ص ۱۴]

صوفیانہ اذکار و اشغال کے گوشہ میں آپ نے ذکر جہر چہار ضربی کا طریقہ بتایا ہے اور ذکر خفی میں تین طریقے نفی اثبات کے اور دو طریقے اسم ذات کے بتائے ہیں۔ نیز پاس انفاس کا طریقہ بتایا ہے اور اخیر میں برزخ شیخ کا طریقہ بتایا ہے۔ اس ساتھ ساتھ آپ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ: "ایسے وقت اور ایسی جگہ ہو کہ ریا نہ آئے۔ کسی نمازی ذاکر یا مریض یا سوتے کو تشویش نہ ہو اگر دیکھے کہ ریا آتا ہے تو نہ چھوڑے اور خیال ریا کو دفع کرے۔ اللہ عزو

جل کی طرف اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے رجوع لائے۔تائب ہوان شاء اللہ تعالیٰ ریا دفع ہوگا"۔[ص ۱۵]

مزید ارشاد فرمایا کہ: "اذکار اشغال میں مشغولی سے پہلے اگر قضا نمازیں یا روزے ہوں ان کا ادا کر لینا جس قدر ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔جس پر فرض باقی ہو اس کے نفل و اعمال مستحب کام نہیں دیتا بلکہ قبول نہیں ہوتے جب تک فرض ادا نہ کر لے"۔

"اذکار و اشغال کے لئے تین بدرقہ کی ضرورت ہے تقلیل طعام، تقلیل کلام، تقلیل منام" (یعنی کم کھانا، کم بولنا، کم سونا) [ص ۱۷]

دوسرا حصہ جس میں مفتی اعظم ہند مصطفیٰ خان صاحب علیہ الرحمۃ کے دستخط کے ساتھ معمولات برائے حصول غلبہ وظفر کے لئے ادعیہ وصلوۃ وغیرہ بیان کئے گئے ہیں وہیں قنوت نازلہ کے پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔اور اس کی جلالی دعائیں تفصیل سے لکھی ہیں۔بیان کے بعد مفتی اعظم کا دستخط ثبت ہے

اخیر میں درود گنج گنج قادریہ، درود فضل عظیم اور درود رحمت تحریر کئے گئے ہیں۔یہ رسالہ سلسلہ رضویہ کے مریدین ومسترشدین کے لئے خصوصاً اور عامۃً اہل سنت کے لئے عموماً بہترین روحانی تحفہ ہے۔



مفتی توفیق احسن برکاتی
(جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ)

ملفوظاتِ رضا میں تصوف کے جلوے

ملفوظات ومکتوبات انسان کی نجی زندگی کے عکاس ہوتے ہیں، انسان کی ذاتی محافل اور نجی مشاغل کا رنگ وترنگ ملفوظات کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے، خطوط ومکتوبات میں انسان کھل کر بات کرتا ہے، روزمرہ کے حالات، کیفیات بلکہ انسان کے باطنی احوال اور روحانی خیالات کی دریافت میں ملفوظات بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ملفوظات قلبی واردات کے ترجمان ہوا کرتے ہیں، ملفوظات باطنی احوال کے اشارات ہوا کرتے ہیں، ملفوظات روحانی اقدار وروایات کی اجلی تصویریں عیاں کرتے ہیں، انسان کے نیک وبد ہونے کا پتہ ملفوظات سے لگ جاتا ہے، برتن سے وہی ٹپکتا ہے، وہی گرتا ہے، جو اس میں ہوتا ہے، زبان اسی کی ترجمانی کرتی ہے جو باطن کے حقیقی روپ ہوتے ہیں۔

مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ السامی واقعی اعلیٰ حضرت تھے، عبقری الشرق والغرب تھے، امام تھے، ان کے ملفوظات بھی نرالے ہیں اور مکتوبات میں بھی بلا کی ندرت ہے، اگر امام احمد رضا قدس سرہ کی سوانح صرف ان کے مکاتیب وملفوظات کی روشنی میں تحریر کی جائے تو ایک جہان حیرت ہوگی، کاش کوئی فاضل محقق اس جانب توجہ دے اور یہ اہم کام دنیا ودانش کے روبرو آ جائے، نام کے ساتھ امام کی شمولیت بے جا نہیں، بے محل نہیں، واقعی وہ امام تھے، اپنے دور کے امام المحققین ہی نہیں، امام المحدثین ہی نہیں، امام الفقہا ہی نہیں، بلکہ امام الاولیا بھی تھے، امام الصوفیا بھی تھے، مجدد وقت کو یہ خلعت زریں بھی پہنائی جاتی ہے، یہ تاج خوش رنگ بھی اس کے سر سجایا جاتا ہے، فیض رسانی کا درپن اسی کی ذات میں آویزاں

کیا جاتا ہے، اسی کے روبرو عرفان وہدایت کی انجمن آرائی ہوتی ہے، امام ربانی، حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مجدد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجدد وہ ہے کہ اس کے زمانہ میں امتوں کو جتنے فیوض پہنچتے ہیں وہ اسی کے واسطے پہنچتے ہیں اگرچہ اس وقت اقطاب واوتاد ہوں، ابدال ونجبا ہوں۔''(۱)

تصوف وسلوک کی پہلی منزل شریعت ہے، شریعت سے بے نیاز ہو کر طریقت ومعرفت کی بو بھی نہیں مل سکتی، کیا امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات ایسی تھی؟ ان کے احوال کیا کہتے ہیں؟ استاد گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے پوری زندگی شریعت پر سختی سے عمل کیا، ہر فرض وواجب کی محافظت اور اتباع سنت وشریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت ہونے نہ دیا۔ جس کے نتیجہ میں ان کا قلب ایسا پاکیزہ اور مزکیٰ ومصفیٰ ہو چکا تھا کہ نور معرفت کی تابندگی اوائل زندگی ہی میں نظر آنے لگی۔''(۲)

جبھی تو آپ کے پیر ومرشد نے مجلس بیعت وارادت ہی میں تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے نواز دیا، آپ سے مجاہدات نہ کروائے، ریاضت کے لیے وقت نہ دیا، وہ امام احمد رضا کا صفائے قلب ہی تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہ بہت بڑے صوفی تھے، زاہد تھے، متقی تھے، تصوف کو اپنایا، اس کی تعلیمات پر عمل کر کے دکھایا، اس کی تعلیمات کو عام وتام کیا، اس علم میں بھی رسالے تصنیف فرمائے، ''مقال عرفا باعزاز شرع وعلما'' اس کا بین ثبوت ہے، یہ امام احمد رضا قدس سرہ کی خوبی تھی، امتیاز تھا، جو کہتے، پہلے اس پر عمل کر کے دکھاتے، پہلے اس کا عملی ثبوت فراہم کرتے پھر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔

امام احمد رضا صوفی تھے، بات بھی صوفیانہ کرتے، زبان بھی اسی تصوف کی ترجمان تھی،

اپنے حاضر باشوں میں بھی تصوف کی تعلیم بہم پہنچائی، انھیں صوفی بنایا، متقی بنایا، عابد وزاہد بنایا، حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم، حضور ملک العلماء، صدر الشریعہ، شیر بیشہ اہل سنت، صدر الافاضل وغیرہم کو کون صوفی نہیں مانتا؟

یہ سب ان کے تلامذہ ہیں، خلفا ہیں، حاضر باش ہیں، مصاحب ہیں، یہ تصوف کہاں ملا، یہ تعلیم کس نے سکھائی؟ امام احمد رضا ہی تو تھے، جو تشنہ لبوں کو جام تصوف سے سیراب کر رہے تھے، دلوں کی دنیا تبدیل کر رہے تھے، قلوب واذہان میں حقانیت کی قندیل لٹکا رہے تھے صحبت واقعی اثر پذیر ہوتی ہے، اپنا رنگ دکھاتی ہے، اسی بات کو ذرا حضور مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا نوری قادری برکاتی قدس سرہ کی تحریر سے ملاحظہ کرلیں تو کیا حرج ہے؟ پڑھیے، کیا فرما رہے ہیں:

> ''صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی اور پھر اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون، جنھیں سید العلماء کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، جنھیں تاج العرفاء کہیں، بجا، جنھیں مجدد وقت اور امام الاولیاء سے تعبیر کریں تو صحیح، جنہیں حرمین طیبین کے علمائے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا، اللہ السید الفرد الامام کہا، ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انھیں اپنا شیخ طریقت بنایا، ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں، انھیں اپنا استاد مانا، پھر ایسے کی صحبت کیسی بابرکت ہوگی، سچ تو یہ ہے کہ اس صحبت کی برکت نے انسان بنایا۔'' (۴)

یہ مسلم بات ہے کہ استاد کا اثر شاگرد پر پڑتا ہی ہے، تلمیذ مظہر شیخ ہوا کرتا ہے، بسا اوقات یہی تلمیذ شیخ کی کرامت بن جایا کرتا ہے، استاد وشیخ کی تعلیمات شاگردوں، مصاحبوں کی زندگی میں نمایاں ہوتی ہیں، ان کی کرنیں انھیں کے وجودوں سے چھن چھن کر نکلتی ہیں، بات آگے بڑھ گئی، اختصار کے پیش نظر فقط حقیقت تصوف کی وضاحت کے لیے ایک قول نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ اپنے زریں رسالہ مقال عرفا میں نقل فرماتے ہیں:

"عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

التصوف انما ھو زبدۃ عمل العبد باحکام الشریعۃ، تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔" [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص: ۴] (۵)

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات میں تصوف کے جلوے جابجا جھلکتے ہیں، تصوف کے جل ترنگ دکھائی دیتے ہیں، سلوک و معرفت کی ضیا بار کرنیں قلوب و افکار کو تابندہ کرتی نظر آتی ہیں، حقیقت کی چاندنی ذہنوں میں نورانیت پیدا کرتی ہے، آیئے ان تعلیمات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

مجاہدہ:

تصوف و سلوک میں کمال و صعود کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، قلوب کے تزکیہ و تصفیہ کی ضرورت پڑتی ہے، عزلت گزینی و خلوت نشینی کا مزہ چکھنا پڑتا ہے تب جا کے راہ سلوک طے ہوتی ہے، تصوف کے انکشافات ہوتے ہیں، معرفت کی منزلیں قدم چومتی ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجاہدہ ہے کیا؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو سنئے، امام احمد رضا قدس سرہ سے عرض کیا گیا: مجاہدہ کے کیا معنی ہیں؟

ارشاد فرمایا:

"سارا مجاہدہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرمادیا ہے، واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماویٰ، جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہشوں سے روکے تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے، یہی جہاد اکبر ہے۔ حدیث میں ہے جہاد کفار سے واپس آتے ہوئے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: "ورجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر" ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پھرے۔" (۶)

عرض کیا گیا، حضور مجاہدے میں عمر کی قید ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا:

"مجاہدے کے لیے کم از کم اسی برس درکار ہوتے ہیں، باقی طلب ضروری

جائے۔" (۷)

عرض کیا گیا: ایک شخص اسی برس کی عمر سے مجاہدات کرے یا اسی برس مجاہدہ کرے؟

فرمایا:

"مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس عالم میں مسببات کو اسباب سے مربوط فرمایا گیا اسی طریقے پر چھوڑ دیں اور جذب و عنایت ربانی بعید کو قریب نہ کردے تو اس راہ کی قطع کو اسی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کردیا جاتا ہے، اور صدق نیت کے ساتھ یہ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی ضرور کار فرما ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلا" وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔" (۸)

عرض کیا گیا: تو حضور اگر کسی کو ہو رہے تو ہو سکتا ہے، دینوی ذرائع معاش اگر چھوڑ دیے جائیں تو یہ بھی نہایت وقت طلب ہے اور دینی خدمت (حمایت مذہب اہل سنت و ردوہابیہ وغیرہم مرتدین) جو اپنے ذمہ لی ہے اسے بھی چھوڑنا پڑے گا، ارشاد فرمایا:

"اس کے لیے یہی خدمات مجاہدات ہیں بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ، امام ابو اسحاق الفرائنی جب انہیں مبتدعین کی بدعت کی اطلاع ہوئی تو پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس تشریف لے گئے جو ترک دنیا و مافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے، ان سے فرمایا: "یا اکلۃ الحشیش انتم ھھنا و امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فی الفتن" اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنوں میں ہے، انہوں نے جواب دیا کہ امام! یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے نہیں ہو سکتا، وہاں سے واپس آئے اور مبتدعین کے رد میں تحریریں بہائیں۔" (۹)

بیعت وارادت:

امام احمد رضا قدس سرہ سے عرض کیا گیا، بیعت کے کیا معنی ہیں؟ ارشاد فرمایا: "بیعت کے معنی بک جانا، سبع سنابل شریف میں ہے، ایک صاحب کو سزائے موت کا حکم بادشاہ نے دیا،

جلاد نے تلوار کھینچی، یہ اپنے شیخ کی مزار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے، جلاد نے کہا: اس وقت قبلہ کو منہ کرتے ہیں، فرمایا: تو اپنا کام کر میں نے قبلہ کو منہ کر لیا ہے،، اور یہ ہی یہ بات کہ کعبہ قبلہ ہے جسم کا اور شیخ قبلہ ہے روح کا، اس کا نام ارادت ہے۔" (۱۰)

عرض کیا گیا حضور! طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے؟ ارشاد فرمایا:

"طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور پر بکنا، بیعت اس شخص سے کرنا چاہیے جس میں یہ چار باتیں ہوں، ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی، اولاً سنی صحیح العقیدہ ہو، ثانیاً کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی کی مدد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے، ثالثاً اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہو، کہیں منقطع نہ ہو، رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔" (۱۱)

فنافی الشیخ کا مرتبہ:

عرض کیا گیا حضور! فنافی الشیخ کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

"یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصور کر کے اس طرح سمجھے کہ سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیوض وانوار قلب شیخ پر فائز ہوئے اور اس سے چھلک کر میرے دل میں آ رہے ہیں، پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت ہو جائے گی کہ شجر و حجر، در و دیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی، یہاں تک کہ نماز میں بھی جدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال اپنے ساتھ پاؤ گے۔" (۱۲)

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ:

عرض کیا گیا، درجات فقر ترتیب وار ارشاد ہوں کہ جب طالب سلوک کی راہ چلتا ہے تو اول کون سا درجہ حاصل ہوتا ہے، پھر کون سا ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

"صلحا، سالکین، قائمین، واصلین، اب ان واصلوں کے مراتب ہیں، نجبا، نقبا، ابدال، بدلا، اوتاد، امامین، غوث، صدیق، نبی، رسول، تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں اور باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل۔" (۱۳)

عزلت نشینی:

مولوی عبدالکریم صاحب رضوی چتوڑی نے عزلت نشینی کے متعلق کچھ عرض کیا، اس پر ارشاد فرمایا:

''آدمی تین قسم کے ہیں، مفید، مستفید، منفرد۔ مفید وہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے، مستفید وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے، منفرد وہ کہ دوسرے سے اسے فائدہ لینے کی حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔ مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب۔ امام ابن سیرین کا واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا، وہ لوگ جو گوشہ نشین ہو کر پہاڑ پر بیٹھ گئے تھے، وہ خود فائدہ حاصل کیے ہوئے تھے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ان میں قابلیت نہ تھی، ان کی گوشہ نشینی جائز تھی اور امام ابن سیرین پر عزلت حرام تھی۔'' (۱۴)

غوث و افراد:

عرض کیا گیا، غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

''بغیر غوث کے آسمان و زمین قائم نہیں رہ سکتے۔'' (۱۵)

عرض کیا گیا، غوث کو مراقبہ سے حالات منکشف ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

''نہیں، بلکہ انہیں ہر حال یوں ہی مثل آئینہ پیش نظر ہے، (اس کے بعد ارشاد فرمایا) ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں، غوث کا لقب عبداللہ ہوتا ہے اور وزیر دست راست عبدالرب اور وزیر دست چپ عبدالملک، اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا کے، اس لیے کہ یہ سلطنت ہے اور دل جانب چپ۔'' (۱۶)

عرض کیا گیا، غوث کے انتقال کے بعد درجہ غوثیت پر کون مامور ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

''غوث کی جگہ امامین سے غوث کر دیا جاتا ہے اور امامین کی جگہ اوتاد اربعہ سے، اور اوتاد کی جگہ بدلا سے، بدلا کی جگہ ابدال سبعین سے اور ان کی جگہ تین سو چھپا سے، پھر اولیا سے اور اولیا کی جگہ عامہ مومنین سے کر دیا جاتا ہے، کبھی بلا لحاظ ترتیب کافر کو مسلمان کر کے بدل کر لیتے ہیں، ان کا مرتبہ ابدال سے زیادہ ہے۔'' (۱۷)

عرض کیا گیا، حضور! افراد کون اصحاب ہیں؟ ارشاد فرمایا:

"اجلہ اولیائے کرام سے ہوتے ہیں، ولایت کے درجات ہیں، غوثیت کے بعد فردیت۔" (۱۸)

رجال الغیب:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے عرض کیا گیا، حضور! رجال الغیب ملائکہ سے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

نہیں، جنوں یا انسانوں سے ہوتے ہیں، آپ نے رجال پر خیال نہیں کیا، ملائکہ پاک ہیں رجال اور نساء ہونے سے۔" (۱۹)

عرض کیا گیا، رجال الغیب کیوں کہلاتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

"غائب رہتے ہیں اس وجہ سے۔" (۲۰)

عرض کیا گیا، رجال الغیب بھی سلسلے میں ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

"ہاں، یہ بھی سلسلے میں ہوتے ہیں، البتہ افراد سوائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور کسی کے ماتحت نہیں، اسی واسطے فرد کہلاتے ہیں، سلسلے میں کسی کے نہیں، لیکن حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع سے چارہ نہیں۔" (۲۱)

مجذوب:

عرض کیا گیا، حضور! مجذوب کی کیا پہچان ہے؟ ارشاد فرمایا:

"سچے مجذوب کی یہ پہچان ہے کہ شریعت مطہرہ کا کبھی مقابلہ نہ کرے۔" (۲۲)

عرض کیا گیا، مجاذیب بھی کسی سلسلے میں ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

"ہاں، وہ خود سلسلے میں ہوتے ہیں، ان کا کوئی سلسلہ نہیں، ان سے آگے پھر نہیں چلتا۔" (۲۳)

سچا وجد:

عرض کیا گیا، سچے وجد کی کیا پہچان ہے؟ ارشاد فرمایا:

"یہ فرائض و واجبات میں مخل نہ ہو، حضرت سید ابو الحسین احمد نوری پر وجد طاری ہوا، تین شبانہ روز گزر گئے، حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے، کسی نے

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ حالت عرض کی، فرمایا: نماز کا کیا حال ہے؟ عرض کی، نمازوں کے وقت ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، فرمایا: الحمد للہ ان کا وجد سچا ہے۔" (۲۴)

علم باطن:

عرض کیا گیا، ادنیٰ درجہ علم باطن کا کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

"حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک بار سفر کیا اور وہ علم لایا جسے خواص وعوام سب نے قبول کیا، دوبارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جسے خواص نے قبول کیا، عوام نے نہ مانا، سہ بارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جو خواص وعوام کسی کی سمجھ میں نہ آیا، یہاں سفر سے سیر اقدام مراد نہیں بلکہ سیر قلب ہے، ان کے علوم کی حالت تو یہ ہے اور ادنیٰ درجہ ان سے اعتقاد ان سے اعتماد و تسلیم ارشاد جو سمجھ میں آیا فبہا، ورنہ کل من عند ربنا و ما یذکر الا اولوا الالباب ہ حضرت شیخ اکبر اور اکابر فن نے فرمایا ہے کہ ادنیٰ درجہ علم باطن کا یہ ہے کہ اس کے عالموں کی تصدیق کرے کہ اگر نہ جانتا تو ان کی تصدیق نہ کرتا۔ نیز حدیث میں فرمایا: "اغد عالما او متعلما او مستمعا او محبا و لا تکن الخامس فتھلک"، صبح کر اس حالت میں کہ تو خود عالم ہے یا علم سیکھتا ہے یا عالم کی باتیں سنتا ہے یا ادنیٰ درجہ یہ کہ عالم سے محبت رکھتا ہے اور پانچواں نہ ہونا کہ ہلاک ہو جائے گا۔" (۲۵)

قلب جاری:

عرض کیا گیا، کیا دنیوی تفکرات کا قلب جاری (وہ قلب ہے، جو خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر شریف میں جاگتا رہے) پر اثر ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

ہاں، دنیا کی فکریں جاری قلب کی حالت میں ضرور فرق ڈالتی ہیں۔" (۲۶)

صاحب مرتبہ:

عرض کیا گیا، یہ کیوں کر ہوتا ہے کہ صاحب مرتبہ کو ہر جگہ اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے؟ فرمایا:

"اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جو شخص آئینہ خانہ میں جائے، وہ ہر طرف اپنے

آپ کو ہی دیکھے گا، اس لیے کہ یہی اصل ہے اور جتنی صورتیں ہیں سب اسی کے ظل ہیں، مگر یہ صورتیں اس کی صفات ذات کے ساتھ متصف نہ ہوں گی مثلاً سننے والی، دیکھنے والی وغیرہ وغیرہ نہ ہوں گی، اس لیے کہ یہ صورتیں صرف اس کی سطح ظاہری کی ظل ہیں، ذات کی نہیں، اور سمع و بصر ذات کی صفتیں ہیں سطح ظاہری کی نہیں، لہٰذا جو اثر ذات کا ہے وہ ان ظلال میں پیدا نہ ہوگا، بخلاف حضرت انسان کہ یہ ظل ذات باری تعالیٰ ہے لہٰذا اظلال صفات سے بھی حسب استعداد بہرہ ور ہے۔" (۲۷)

روح کا ادراک:

عرض کیا گیا، ہر ایک کے ساتھ کتنی روحیں ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا:

"صرف ایک روح ہے، اگر مسلمان ہے تو علیین میں اور کافر تو سجین میں، جو شخص قبر پر جاتا ہے اس کو بخوبی دیکھتی ہے، اس کی بات سنتی سمجھتی ہے، مرنے کے بعد روح کا ادراک بے شمار بڑھ جاتا ہے خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی، شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں: "روح کو قرب و بعد مکانی یکساں ہے، روح بصر کو دیکھو، کوئیں کے اندر سے ستاروں کو دیکھتی ہے، یعنی نگاہ اٹھتے ہی زمین سے فلک ثوابت تک پہنچتی ہے، جو یہاں سے آٹھ ہزار برس کی راہ ہے، حدیث میں روح زندہ و مردہ کی مثال پرند کی فرمائی کہ جب تک پنجرے میں بند ہے اسی کے لائق پر کھول سکتا ہے، جب قفس سے نکال دو پھر اس کی اڑان دیکھو۔" (۲۸)

قرب الی اللہ کا مرتبہ:

عرض کیا گیا، بندوں کو قرب الی اللہ کا مرتبہ علاوہ نماز بھی ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

"ہاں، ہر سجدہ میں رب کے قریب ہوتا ہے اور سجدہ چار قسم ہیں، سجدۂ نماز، سجدۂ تلاوت، سجدۂ سہو، سجدۂ شکر۔" (۲۹)

دست غیب:

عرض کیا گیا، دست غیب و کیمیا حاصل کرنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا:

"دست غیب کے لئے دعا کرنا محال عادی کے لئے دعا کرنا ہے، جو مثل محال عقلی و ذاتی

کے حرام ہے اور کیمیا تضییع مال ہے، اور یہ حرام ہے۔ آج تک کہیں ثابت نہیں ہوا کہ کسی نے بنائی ہو، کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ (جیسے کوئی ہاتھ پھیلائے پانی کی طرف بیٹھا ہو اور وہ پانی اسے یوں پہنچنے والا نہیں) دست غیب جو قرآن عظیم میں ارشاد ہے اس کی طرف لوگوں کی توجہ ہی نہیں کہ فرماتا ہے: ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب (اور جو اللہ سے ڈرے اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو) یتق اللہ پر عمل نہیں ورنہ حقیقۃ سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔" (۳۰)

شرط بیعت:

امام احمد رضا قدس سرہ ملفوظات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ارادت شرط اہم ہے بیعت میں، بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار ہے اور دوسری طرف اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں ہوسکتا۔" (۳۱)

مزید فرمایا:

"جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے لئے بہتر ہے نفع نہ دے گا۔" (۳۲)

امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات میں تصوف وسلوک کی کہکشاں جگ مگ جگ مگ کررہی ہے، معرفت کی دل آویز جھلک بھی ہے اور حقیقت کی حیرت انگیز چاندنی بھی، روحانیت کا کمال بھی ہے اور کمالات کے جلوے بھی جا بجا بکھرے ہوئے ہیں، واقعی امام ولی کامل تھے، صوفی کامل تھے، سلوک کے رمز شناس تھے، تصوف کے راز آشنا تھے، کمال تصوف کے لئے عامۃ الناس سے زیادہ صوفی کامل میں ایمان وایقان کا بدرجہ اتم پایا جانا ضروری ہے رسوخ ویقین کی محکم بنیادوں پر اس کی روحانی قدریں قائم ہوں، یہ یقین واستحکام اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب اس کی زندگی شریعت کی آئینہ دار ہو، طریقت کی دانائے راز ہو، ظاہر وباطن میں کمال یکسانیت ہو، نور عرفان کی جگمگاہٹ ہو، اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ پر امام کو

یقین کامل حاصل تھا، اللہ عزوجل نے ان کے دل میں ایمان نقش فرمادیا تھا، انھیں تائید الٰہی ومعونت ربانی حاصل تھی، انھوں نے اپنی تاریخ ولادت جس آیت کریمہ سے استخراج فرمائی وہ ان کی زندگی کی عکاس ہے، وہ آیت یہ ہے اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ (۱۲۷۲ھ) یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی، واقعی یہ تاج زریں امام ہی کے سر کو زیب ہے۔ (۳۳)

یہ اعتماد بھرا دعویٰ کون کرسکتا ہے؟ یہ تو امام کی شان ہے، ملاحظہ کریں:

"بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔" (۳۴)

یہ دعویٰ یقینا ایک عارف کامل ہی کرسکتا ہے، واقعی امام ایک کامل عارف تھے۔ ان کے دل میں ایمان نقش تھا، بحث کے آخر میں امام احمد رضا کے ایک خواب پر تحریر ختم کرتے ہیں جو حیات رضا کی ترجمان ہے، خود بیان کرتے ہیں:

"ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے، بہت نفیس اور اونچی بھی تھی، والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجے تک ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے، میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ کی۔" (۳۵)

یہ حقیقت کا اعتراف ہے، خواب نہیں، درجات کے اشارے ہیں، محض بیان نہیں، کمال کی نشان دہی ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مراجع ومصادر

(۱) شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، فارسی، ص ۱۵/۲

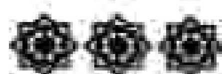
(۲) علامہ محمد احمد مصباحی، امام احمد رضا اور تصوف، مبارک پور، ۸، ۹

(۳) محمد زبیر قادری، سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، اعلیٰ حضرت نمبر، ۱۵

(۴) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۲

(۵) امام احمد رضا قادری، مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، دہلی، ص ۳۰
(۶) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۸۸
(۷) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۶
(۸) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۶
(۹) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۶، ۷
(۱۰) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ دوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۶۴، ۶۵
(۱۱) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ دوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۴۱، ۴۲
(۱۲) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ دوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۴۶
(۱۳) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ چہارم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۹، ۲۰
(۱۴) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ سوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۳۵
(۱۵) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۰۴
(۱۶) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۰۴
(۱۷) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۰۶
(۱۸) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۰۵
(۱۹) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ چہارم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۰
(۲۰) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ چہارم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۱
(۲۱) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ چہارم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۱
(۲۲) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ دوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۸۱
(۲۳) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ چہارم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۰
(۲۴) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ دوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۸۱
(۲۵) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۵
(۲۶) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۷

(۲۷) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۴۹
(۲۸) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۴۷
(۲۹) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ اول، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۴۸
(۳۰) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ سوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۱۹
(۳۱) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ سوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۵۵
(۳۲) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ سوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۵۶،۵۵
(۳۳) مولانا بدر الدین قادری، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۸۸
(۳۴) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ سوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۶۲
(۳۵) امام احمد رضا قادری، الملفوظ حصہ سوم، ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء ص ۶۳



مولانا عاشق حسین امجدی
شعبہ تربیت افتا مرکزی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

تصوف پر امام احمد رضا کی تصانیف: ایک تعارف

اس حقیقت کی دنیا معترف ہے کہ امام احمد رضا کی ذات بابرکات میں صوفیہ کی تمام صفات جیسے: عشق حقیقی، زہد و پرہیزگاری، عفت و پارسائی، امانت و دیانت، تقویٰ و طہارت، خلوص وللہیت اور صفات جمیلہ و خصائل حمیدہ، خشیت الٰہی، حب رسول، سندان عشق، جام شریعت، جلال کبریائی، جمال مصطفوی، سوز و مستی، جذب و شوق، دعوت فکر، عظمت ذکر، حقوق نفس، غضب الٰہی کا خوف، رحمت الٰہی کی بشارت، مجاہدہ و ریاضت، خلق اللہ کی محبت، جود و سخا، لطف و عطا، بردباری، تحمل، استغنا، مخالفین سے حسن سلوک، بیکسوں کی دستگیری، غریبوں پر شفقت، امیروں پر مہربانی، صبر و رضا، توکل و قناعت، امید و بیم، تواضع، فروتنی، جذب و سلوک، ترک دنیا، عدل و احسان، دل جوئی و پردہ پوشی اور عجز و انکساری۔ تمام صفات موجود تھے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ محبین و مخالفین کے اعترافات کا آئینہ ہے۔

ان کی کتابوں کا مطالعہ اور کردار و عمل سے واقفیت رکھنے والے افراد پر روشن ہے کہ جس طرح آپ کی عالمانہ شخصیت ظاہر و باہر ہے اسی طرح صوفیانہ زندگی بھی واضح اور روشن ہے مگر اس کے باوجود آپ کی صوفیانہ زندگی پہ بہت کم لکھا گیا ہے۔ ساری توانائی آپ کی زندگی کے رخ فقہ اور رد بدمذہب پر صرف کی گئی ہے حالانکہ اگر اس رخ پر بھی کام کیا جائے تو آپ کا صوفیانہ طرز عمل، تصوف قولی و عملی اور صوفیہ کے اقوال کی توضیحات و تشریحات ہر پہلو بڑے تابناک انداز میں سامنے آئیں گے۔

فن تصوف سے تعلق اور اس میں غایت درجہ انہماک کا ہی نتیجہ ہے کہ اس فن میں آپ کی متعدد کتابیں معرض وجود میں آئیں اور ان کتابوں کے مطالعہ کے نتیجہ میں امام احمد رضا کے تصوف پہ کچھ کتابیں لکھی گئیں جیسے:

(۱) امام احمد رضا اور تصوف (علامہ مولانا احمد مصباحی)

(۲) امام احمد رضا اور معارف تصوف (علامہ عیسیٰ رضا قادری)

(۳) صوفی باصفا امام احمد رضا　　　　مولانا قادر ولی

چند کتابوں کا تعارف:

(۱) امام احمد رضا اور تصوف یہ کتاب علامہ احمد مصباحی صاحب کی لکھی ہے۔ اس کتاب کا سبب تالیف سید اعجاز احمد مدنی صاحب کا وہ مضمون ہے جس میں انہوں نے امام احمد رضا جیسے عظیم صاحب تصوف پر علما کے مضامین اور نگارشات نہ ہونے کا شکوہ کیا تھا۔

علامہ مصباحی صاحب قبلہ نے اس کتاب میں امام احمد رضا کے تصوف پر گفتگو سے پہلے تصوف کا اجمالی تعارف نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عارف باللہ سید عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ فرماتے ہیں ''التصوف انما هو زبدة عمل العبد بأحكام الشريعة'' تصوف احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے (طبقات الشافعیہ الکبریٰ صفحہ ۴)

ہم امام احمد رضا کی زندگی کا جب جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات حقیقت کے اجالے میں آجاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ عالم شریعت، صاحب علم طریقت اور صاحب مسلم حقیقت تھے۔

موصوف نے امام احمد رضا کے تصوف کے ہر گوشہ کو مختصراً اجاگر کرنے کے لیے اپنی کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ اول امام احمد رضا کے تصوف اعتقادی اور دوسرا تصوف عملی اور تیسرا تصوف علمی۔

تصوف اعتقادی:

امام احمد رضا کے تصوف اعتقادی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا اعتقادیات میں عرفائے کاملین اور صوفیہ واصلین ہی کے مسلک پر کاربند رہے۔ یاد رہے کہ اعتقاد صرف خیال وادراک کا نام نہیں بلکہ اعتقاد ایک عمل ہے لیکن خاص عمل قلب ہے۔ آپ امام احمد رضا کے اعتقادیات میں وہی سرشاری اور وہی یقین واذعان پائیں گے جو خاص عرفا اور اہل دل کا حصہ ہے۔ امام احمد رضا اپنی پوری زندگی بھر وحدۃ الوجود کی حقانیت کے معتقد جس کا ذکر اپنے تصانیف میں بھی فرمایا، اور صفات باری سے متعلق بھی مسلک عرفا کی حقانیت کے قائل ہیں۔

اس کے علاوہ مقام مصطفی علیہ التحیۃ والثنا اور علم مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کے بارے میں بھی امام احمد رضا نے صوفیہ وعرفا کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔

موصوف فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا نے مقام مصطفی ﷺ سے متعلق اپنی تصانیت میں بہت کچھ لکھا ہے اہل نظر کے یہاں حقیقت محمدیہ، وجوب وامکان کے درمیان برزخ کبریٰ ہے۔ اور علم مصطفی ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ کو تمام ماکان وما یکون کا علم ہیں۔ اور آپ نے اصحاب معرفت سے اس پر بہت سے دلائل اپنی تصانیف ''خالص الاعتقاد، الفیوض الملکیہ'' وغیرہ میں پیش کیا ہے۔

اسی طرح اختیار مصطفی ﷺ کے بارے میں بھی امام احمد رضا نے عرفائے کاملین کے مسلک راست پر سختی سے گامزن ہیں۔ اور تعظیم رسول ﷺ، بارگاہ رسول ﷺ میں حاضری کا ادب کوئی امام احمد رضا کے قلب حق آشنا سے پوچھے۔

تصوف عملی:

اس سے مراد صوفیہ کے قلبی اعمال اور ان کا ورع وتقویٰ ہے جسے رب العٰلمین نے اپنے اولیا کا علامتی نشان بتایا ہے۔ ''الذین اٰمنوا و کانوا یتقون''

موصوف نے تصوف اعتقادی میں ہی ضمناً اعتقاد کے بعد عمل کا بھی ذکر کر دیا اسی وجہ سے فرماتے ہیں کہ اب اتمام کلام کے لیے تصوف عملی کا ایک اور عمل ذکر کرتا چلوں اور وہ ہے:

عشق رسول:

امام احمد رضا کی اس کیفیت دل وجاں سے عالم آگاہ ہے، ان کے عشق کا چرچا غیر کی محفل میں بھی ہے، انہوں نے عشق کا وہ درس دیا کہ دنیا سیکھا کرے اور عملاً عشق رسول کو اس طرح پیش کیا کہ دنیا دیکھا کرے۔ اس باب میں ان کی کون کون سی ادا یاد کی جائے اور اس کی کتنی صورتیں بیان کی جائیں، اس عشق کے جلوے ان کی نثر میں بھی ملتے ہیں، نظم میں بھی۔ یہاں نظم سے چند اشعار پیش ہیں جس سے عشق رضا کا اندازہ ہوتا ہے۔

غالب نے مجازی میں کہا تھا: ع

جس کو ہو جان ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

مگر عشق کا جمال وکمال عشق مجازی میں کہاں؟ اس لیے حقیقی عشق والے نے یوں کہا:

پھرے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

درد عشق ہی میں لطف دوا پاتے ہیں:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

امام احمد رضا خواب میں تو بار بار زیارت جمال اقدس سے شرف یاب ہوئے ہی مگر خاص روضہ مقدسہ میں حضور عالم بیداری میں دیدار سے سرفراز ہوئے ہیں جو ان کے کمال عشق وعرفان کی کھلی ہوئی دلیل، اور بارگاہ رسالت میں ان کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے۔

امام احمد رضا کا تقویٰ

امام احمد رضا پوری زندگی شریعت مصطفیٰ وسنت مصطفیٰ ﷺ کی پابندی سے آراستہ رہے۔ ان کے تقویٰ کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ تقویٰ ہی نہیں ورع کی بلند منزل پر فائز تھے اور ''ان اولیاؤہ الا المتقون'' کے مطابق متقی کامل اور ولی عارف تھے۔

تصوف علمی اور تعلیمات تصوف

امام احمد رضا نے فن تصوف میں جو گراں قدر حقائق ومعارف بیان کیے ہیں اور اہل سلوک کی جو عظیم رہنمائی فرمائی ہے وہ سب ''تصوف علمی'' یا ''تعلیمات تصوف'' سے عبارت ہے۔ حضرت موصوف نے ان تمام کو اپنی کتاب کے اسی باب میں مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے تصوف علمی اور تعلیمات تصوف کیا تھی۔

فن تصوف میں فاضل بریلوی کے تصنیفات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات لائق تحسین ہیں انہوں نے بڑی تحقیق وتدقیق سے نظام ولایت وتصوف پر خامہ فرسائی کیا ہے۔ جو مختلف رسائل ومضامین

میں بکھرے ہوئے ہیں تصوف پر ان کی کتابیں ہیں ان میں سے مولانا محمد احمد مصباحی نے اپنی کتاب میں چار کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) کشف حقائق و اسرار و دقائق ۱۳۰۸ھ

یہ رسالہ بعض مشکل اشعار کی نہایت آسان اور سادہ شرح پر مشتمل ہے۔

(۲) الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ ۱۳۰۹ھ

یہ رسالہ سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء اولیاے کرام اور اپنے مرشد و شیخ کی طرف روحانی توجہ اور ان سے رابطہ قلبی قائم کر کے کسب فیض سے متعلق ہے۔ مشائخ اور اولیاے کرام کے نزدیک یہ طریقہ رائج و معمول ہے، بعض حضرات کو اس سے انکار ہوا تو اس کے جواز و ثبوت میں یہ مختصر جامع اور علمی و تحقیقی رسالہ سپرد قلم فرمایا۔

(۳) انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ

یہ رسالہ صلاۃ الاسرار معروف بہ نماز غوثیہ اور بہت سے اسرار و دقائق کے بیان میں ہے۔

(۴) أزهار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ

نماز غوثیہ کے طریقہ اور اسرار و نکات کے بیان میں رقم فرمایا گیا۔ یہ بھی فتاویٰ رضویہ میں شامل ہے۔

اور مولانا عبد المبین نعمانی کے بقول بارہ ہیں۔

(۵) حاشیہ الیواقیت والجواہر

(۶) حاشیہ احیاء علوم الدین للغزالی

(۷) حاشیہ الابریز

(۸) حاشیہ الزواجر

(۹) حاشیہ مدخل لابن امیر الحاج

(۱۰) حاشیہ میزان الشریعۃ الکبریٰ

(۱۱) بوارق تلوح من حقیقۃ الروح

(۱۲) التلطف بجواب مسائل التصوف

(۱۳) مقال العرفا باعزاز شرع و علما

(۱۴) طرد الافاعی عن حمی ہادر فع الرفاعی

(۱۵) کشکول فقیر قادری (۲)

اور مولانا عیسیٰ قادری نے اپنی کتاب امام احمد رضا اور معارف تصوف میں اس کی تعداد چوبیس بیان فرمایا ہے بقیہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱۶) ماقل وکفی من ادعیۃ المصطفیٰ

(۱۷) زہرۃ الصلاۃ من شجرۃ اکارم الحداۃ

(۱۸) الزمزمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ

(۱۹) ذیل المدعیٰ لاحسن الوعا

(۲۰) شرح الحقوق لطرح العقوق

(۲۱) مشعلۃ الارشاد الی حقوق الاولاد

(۲۲) اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوۃ

(۲۳) اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد

(۲۴) نقاء السلافہ فی البیعۃ والخلافہ

(۲۵) الفوز بالآمال فی الاوفاق والدعا

(۲۶) کشف حقائق واسرار دقائق

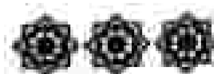
(۲۷) الوظیفۃ الکریمہ

(۲۸) حاشیہ حدیقہ ندیہ

(۲۹) حاشیہ بہجۃ الاسرار

(۳۰) حاشیہ مدخل (۳)

تینوں محققین کی فہرست سے اس کی تعداد (۳۰) پہنچ جاتی ہے۔



باب ہفتم

امام احمد رضا: تصوف اور ادب

پروفیسر سید سراج الدین اجملی
شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

امام احمد رضا کی شاعری: ادبی خصوصیات

پیرایہ شاعری میں تخلیقی اظہار بغیر ادبی خصوصیات کے عموماً کسی قدر کا حامل نہیں ہوتا یعنی شعر قابل ذکر اور قابل تعریف ہوتا ہی تب ہے جب اسے محاسن سے آراستہ اور بیان و بدیع کے صنائع سے مزین کر کے تحریر کیا جائے۔ اس آراستگی کی متعدد شکلیں ہیں اور باکمال شعرا نے ان شکلوں کو اپنی اپنی استعداد اور توفیق کے بقدر سجا سنوار کر قارئین و سامعین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک خوبی جو تمام محاسن کے استعمال پر فوقیت رکھتی ہے آزاد خیالی یا فکری آزادہ روی ہے، جو شاعر کو اپنے تخلیقی اظہار کے ہنگام میں بے خوف بنا کر اظہار کی نت نئی جہتوں اور راہوں سے روشناس کراتی ہے۔ ان جہتوں کو دریافت کر کے اور ان راہوں کو اپنا کر شاعر مضامین نو کے انبار لگا دیتا ہے اور معنی کی نئی طرفوں کو روشن کرتا ہے۔ یہی خوبی شاعر کو منفرد تخلیق کار بنا کر اس کی الگ شناخت متعین کرنے میں معاونت کرتی ہے۔ اس مقدمے کا ثبوت ہم اپنے تمام بڑے تخلیق کاروں کے شعری کارناموں میں بیش از بیش پاتے ہیں۔

تخلیقی اظہار کی جتنی صورتیں اصناف کی شکل میں ہمارے ادب میں رائج ہیں ان تمام میں فکری آزادہ روی بطور عام نظر آتی ہے اور اسے کسی بھی شکل میں معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ شعری اظہار میں دروغ گوئی کو مستحسن سمجھا جاتا ہے (احسن الشعر اکذبہٗ۔ قدامہ ابن جعفر) اس قول کی روشنی میں مشرقی شعریات کے طلبا شاعری کی تحسین و تنقید اور اس کی تعیین قدر کا عمل جاری رکھتے ہیں۔ اردو میں مولانا حالی سے پہلے تک یہی نقطۂ نظر شاعری کی تخلیق، تنقید اور مطالعے میں غالب رجحان کی حیثیت رکھتا تھا۔ مقدمہ شعر و شاعری (۱۸۹۳ء) کی اشاعت کے بعد شاعری میں اصلیت، سادگی وغیرہ کی بحث شروع ہوئی اور خیالی دنیا کے

بجائے حقیقی دنیا اور اس کے مسائل کو موضوع بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

یہ ساری گفتگو شاعری کے جن اصناف سے متعلق ہے ان سے الگ یعنی ایک صنف شاعری اپنا وجود رکھتی ہے اور اس میں کذب تو کیا امکان کذب اور آثار دروغ کی بھی گنجائش نہیں۔ وہ صنف ہے تقدیسی شاعری جس کے دائرے میں حمد و نعت و منقبت جیسے اصناف آتے ہیں جن کے نمونوں سے ہماری تاریخ ادب و شاعری بھری پڑی ہے۔ فہرست شعرا میں بہت کم ہی ایسے ہوں گے جن کے یہاں تقدیسی شاعری کے قابل قدر نمونے نہ مل سکیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان شعرا نے بھی جن کے یہاں اظہار میں ہر طرح کی آزادی روا ہے تقدیسی شاعری کرتے ہوئے ان مطالبات کو پیش نظر رکھا جو اس صنف کا تقاضا تھے یعنی مزاج کی طہارت اور خیالات کی پاکیزگی۔

تقدیسی شاعری کے نمونوں سے عربی فارسی اور اردو زبانوں کا دامن مالا مال ہے۔ ان زبانوں میں عام مشاہدہ یہ ہے کہ علم کے کسی اور صیغے میں کمال رکھنے والے صاحبان قلم بھی بحیثیت شاعر اپنی شناخت رکھتے ہیں (دوسری زبانوں کے علما میں بھی یہ صفت ہوگی لیکن ان سے ہماری واقفیت نہیں) اردو اور فارسی میں گذشتہ صدی کے اوائل کی دو دہائیوں تک اس سلسلے کا ایک نہایت روشن نام علوم عقلی و نقلی میں اپنے کمالات کے اظہار کے ساتھ ساتھ تقدیسی شاعری میں بھی اپنے نشانات امتیاز ثبت کرتا نظر آتا ہے یہ نام احمد رضا بریلوی یعنی حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ہے۔

فاضل بریلوی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے شہرت تو فقیہ کی حیثیت سے پائی لیکن علوم عقلی کے متعدد ابعاد اور علوم نقلی میں تفسیر حدیث کے علاوہ لغت، طب، رمل، جفر، ریاضی اور شاعری سمیت متعدد علوم میں اپنی مہارت کا ثبوت اپنی تحریروں کے ذریعہ پیش کر کے ہمہ جہت عالم کی اپنی شناخت کو مدت مدید تک کے لئے قائم کر دیا۔ ایک طالب علم ایسے صاحبان علم کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کرے جنہوں نے کسی ایک فن کے علاوہ دوسرے فنون اور ایک مخصوص علم کے علاوہ دوسرے علوم کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں تو ایسی کتنی بھی مختصر اور محتاط فہرست بنائی جائے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کا نام اس میں ضرور

شامل ہوگا اور اگر ان کا نام ایسی فہرست میں شامل نہ ہو سکے تو اس فہرست کو نامکمل تسلیم کیا جائے گا یا کم از کم غیر معروضی تو کہا ہی جائے گا۔

ان سطور میں ہمیں مولانا کی شاعری کی ادبی خصوصیات کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے۔ ان کی شاعری کی کتاب حدائق بخشش (۱۳۲۵ھ) کی اشاعت پر ۱۱۵ برس کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے قبل سے ہی اس کے مشمولات یعنی کلام فاضل بریلوی کو پسندیدگی اور مقبولیت سے آگے بڑھ کر محبوبیت کا درجہ حاصل ہو چکا ہے، اور اس سلسلے میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

فاضل بریلوی کا نعتیہ کلام اپنی کیفیت اور مضامین کی ندرت کے سبب سے تو خاصے کی چیز ہے ہی علم وفن شاعری اور علوم بلاغت سے ان کے گہرے شغف کا آئینہ دار بھی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ صنائع جنہیں مستقل اور کل وقتی شعرا بھی کماحقہٗ نہ برت پائے ایک ایسے شاعر کے کلام میں نہایت حسن کے ساتھ موجود ہیں جو دوسرے علمی مشاغل میں اپنے انہماک کے باعث شہرت عام ہی نہیں، محمد حسین آزاد کے بقول "بقائے دوام" کی مسند پر متمکن ہے۔ فن شاعری میں فاضل بریلوی کے کمالات کے اظہار کی مثالیں آئندہ سطور میں پیش کی جائیں گی سر دست اظہار انکسار وفروتنی کی یہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

یا

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

یہ اظہارات اس زبان میں کی جانے والی شاعری میں کئے جارہے ہیں جہاں شاعرانہ تعلّی کی بہت طویل روایت ہے اور اس کے شعراء باکمال کے یہاں تعلّی کی مثالیں وافر تعداد

میں موجود ہیں سر دست دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

(میر)

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

(غالب)

ان مثالوں کی روشنی میں فاضل بریلوی کے انکسار کو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عملاً اردو شعراء متقدمین سے اپنی راہ الگ نکالنے کے لئے تعلّی کے مقابلے انکسار اور فروتنی کو زیادہ پسند کیا۔

فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے تخلیقی وفور کے حوالے سے بھی اپنی الگ شناخت رکھتی ہے۔ ہم دوسرے باکمال شعرا کو اس میدان میں تبحر کا اظہار کرتے دیکھتے ہیں یا کم از کم ان کے یہاں دریائے مواج کی روانی نہیں دیکھتے جب کہ فاضل بریلوی کے یہاں اشعار کی کثرت مضامین کا تنوع قافئے کی بوقلمونی اور صنائع وبدائع کا اپنے اپنے موقع کے لحاظ سے زبردست استعمال دیکھ کر منفرد نوعیت کے تخلیقی بہاؤ کا تجربہ ہوتا ہے۔

حدائق بخشش کا آغاز مشہور نعتیہ قصیدے سے ہوتا ہے جس کا مطلع ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحٰی تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

۲۵ اشعار کے نعتیہ قصیدے کے بعد وصل دوم وسوم و چہارم در منقبت سیدنا "شیخ عبد القادر جیلانی غوث الاعظم" ۵۷ اشعار اسی ردیف وقافئے میں مسلسل ہوتے چلے جاتے ہیں جو محض حصول ثواب وبرکت کے لئے نعت ومنقبت کے ذیل میں نہیں رکھے جا سکتے بلکہ محاسن شعری سے بھی مالا مال ہیں مقطع وصل چہارم یعنی اس سلسلۂ ردیف وقوافی کا آخری شعر بزبان فارسی یوں ہے۔

اے رضا چیست غم ار جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامن خود قبلۂ حاجاتے را

غور فرمائیں شہ بطحا تیرا، اعلیٰ تیرا، بندا تیرا وغیرہ قوافی و ردیف کے آخری قافیہ و ردیف کو صنعت تلمیع کا خوب صورت نمونہ فاضل بریلوی کے کتنی بے تکلفی سے بنا دیا ہے۔

اے رضا چیست غم ار جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامن خود قبلہ حاجاتے را

کلام رضا کے مطالعے کے دوران میں صنائع و بدائع کے استعمال کی مثالوں پر نظر کی تو اس حوالے سے ایسے اشعار کی کثرت نظر آئی جن میں سے کچھ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرنے کا جی چاہا۔ اب مثال میں جو اشعار پیش کئے جا رہے ہیں ان میں محاسن کی ہمہ جہتی اور رعایت و مناسبت کے استعمال نے ان اشعار کو قدر اول کی چیز بنا دیا ہے اور ان کے تخلیق کار کی فن شاعری پر ماہرانہ گرفت کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اشعار

خم ہو گئی ہے پشت فلک طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا
نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک
یہ اہل بیت کی چکی سے چال سیکھی ہے
رواں ہے بے مدد دست آسیائے فلک
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

انتخاب کے ان چھ اشعار میں اگر کلیدی لفظ تلاش کیا جائے تو وہ فلک قرار پائے گا۔ یعنی تمام اشعار کا بنیادی مضمون فلک سے متعلق ہے۔ پہلے شعر میں پشت فلک کے خم ہونے کا مضمون بیان ہوا ہے جو زمین کے اس طعن سے ہے کہ ہم پر مدینہ ہے حسن تعلیل کی صنعت سے آراستگی شعر کے حسن میں اضافے کا باعث ہے۔ دوسرے شعر میں بھی یہی مضمون پیرائے کی تبدیلی کے ساتھ بہت عمدہ طریقے سے باندھا گیا ہے۔

تیسرا شعر رعایتوں اور مناسبتوں کا طویل سلسلہ رکھتا ہے حسن تعلیل یہ ہے کہ ماہ کامل ہلال اس لئے بنائے کہ اسے ابروئے خمدار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کشیدہ ہونا تھا۔ ہلال اور ابرو کی رعایت قابل دید ہے۔

چوتھے شعر میں بھی پائے فلک کے محبوب کی راہ میں چلتے چلتے تھک جانے کا مضمون باندھا ہے۔ آسمان کے ستاروں کو عاشق کے پاؤں کے چھالے کہا، تازگی اظہار اور تشبیہ کی ندرت کی مثال تو ہے ہی حسن تعلیل بھی ہے اور نعتیہ شاعری میں مضمون آفرینی کی بین مثال بھی۔

پانچواں شعر منقبت کا ہے تلمیح کی صنعت تو سامنے کی ہے فلک کی گردش کا سبب اہل بیت کی چکی کی اتباع قرار دینا حسن تعلیل کو بھی قائم کرتا ہے یعنی اس شعر میں صنعت در صنعت کا التزام ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ مسلسل پانچواں شعر بھی فلک کے مضمون کو محیط ہے اور اپنی تازہ کاری کے سبب دامن دل کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔

انتخاب کا آخری شعر 'پھول' ردیف کی مشہور نعت کا شعر ہے۔ فلک سے تخاطب ہے کہ اپنے مہ تو پر اتنا نہ پھول ہمارا دل بھی شیدائی ناخن پائے سرکار ہے۔ ہلال یا مہ نو اور تراشہ ناخن پا میں مناسبت تو ہے ہی 'پھول' ردیف پھولنے کے معنوں میں استعمال کر کے ردیف میں معنی کے امکانات میں اضافے کو عملاً قائم کیا اور یہ کام اکثر اشعار میں بہت خوبی کے ساتھ کیا جس کی ایک مثال پہلے نعتیہ قصیدے کے مقطع میں گذر چکی ہے۔ اسی پھول کی ردیف (جس میں عموماً ردیف ''گل'' کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے) میں ایک شعر لف ونشر مرتب کی مثال میں کچھ اس طرح ہے۔

دندان ولب و زلف ورخ شہ کے فدائی

ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول

لف ونشر غیر مرتب کی مثال کے لئے یہ شعر بھی ملاحظہ ہو

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں

اسی نعت کا ایک اور شعر ردیف میں ''پھول'' بمعنی گل کے سلسلۂ مضامین کے ساتھ ساتھ پھول بمعنی پھولنے والے مضمون کی طرح ''ہوں'' بمعنی اثبات والے سلسلۂ مضامین کے ساتھ ''ہوں'' بمعنی اقرار میں ''ہاں کہنا'' مضمون کا کس خوب صورتی سے باندھا گیا ملاحظہ ہو۔

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب 'ہوں'

تجنیس کی مثالیں کلام رضا میں تلاش کرنے کے لئے بہت زیادہ تفحص کی ضرورت نہیں تجنیس تام، ناقص، ناقص وزائد غرض اس صنعت کی اکثر قسموں کے نمونے حدائق بخشش کے صفحات پر بآسانی نظر آجاتے ہیں چند مثالیں:

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

یا

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دئے ہیں در بے بہا دئے ہیں
مشک بو کوچہ یہ کس پھول کا جھاڑا ان سے
حوریو عنبر سارا ہوئے سارے گیسو

اسی طرح دوسری صنعتوں کا استعمال بھی اپنے مکمل حسن اور روانی شعر میں اضافہ کرنے و حسن شعر کو فزوں کرنے کا باعث بنتا ہے اور فاضل بریلوی کی قدرت شعر گوئی کی منہ بولتی

نمو نظر آتا ہے۔ سردست صنعت سیاقتہ الاعداد کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

حدائق بخشش مکمل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں بھی پہلے حصے کی طرح آغاز نعتیہ قصیدے سے ہوا۔

صبح طیبہ میں ہوا بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس قصیدے میں ۵۹/ اشعار جن میں حسن بیان، صنائع و بدائع اور استعارے وتشبیہ کی بہار دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے بلا تبصرہ صرف دو اشعار نمونے کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

سبزۂ گردوں جھکا تھا بہر پابوس براق
پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

اور اس کے بعد حسب روایت ۴/ وصلوں میں سرکار غوثیت مآب کے فضائل واستعانت وغیرہ سے متعلق ۱۰۰ اشعار یا غوث ردیف میں اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ لیکن اس حصہ دیوان میں نعتیہ قصیدے سے قبل دیوان حافظ کی اولین غزل کے تتبع میں انھیں ردیف وقوافی میں دس اشعار بزبان فارسی تحریر کئے گئے ہیں۔ مطلع تلمیح کی مثال میں اس طرح ہے۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
کہ بر یاد شہ کوثر بنا سازیم محفلہا

اس مطلع کے مصرعہ اول "الا یا ایہا الساقی ــــــ" کے بارے میں مشہور ہے کہ مصرعہ املا یزید کا ہے جسے حافظ شیرازی نے اپنی غزل میں استعمال کیا اہل علم جانتے ہیں کہ اس طرح کے استعمالات اصطلاح میں تضمین کہلاتے ہیں گویا ایک مطلع میں دو صنعتیں یعنی تضمین اور تلمیح کا استعمال خواجہ حافظ نے بھی کیا اور فاضل بریلوی نے بھی۔

خواجہ حافظ کا مقطع ہے:

حضوری گرہمی خواہی از و غائب مشو حافظ

متیٰ ماتلق من تہوی دع الدنیا و امہلہا

فاضل بریلوی نے اس مصرعہ کی تضمین میں جو مصرعہ کہا اسے خواجہ حافظ کے مصرعہ کے ساتھ پڑھکر دونوں باکمالوں کے اظہارات سے لطف اندوز ہونے کی دعوت بلا تبصرہ دی جاتی ہے۔

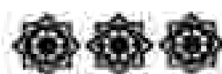
دریں جلوت بیا از راہ خلوت تا خدا یابی

متیٰ ماتلق من تہوی دع الدنیا و امہلہا

اس مضمون میں مولانا احمد خاں فاضل بریلوی کے کلام میں ادبی خوبیاں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ مثال میں اشعار پیش کر کے ان کے حوالے سے اپنی گفتگو کو تقویت دی گئی اور فاضل بریلوی کے امتیازات تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کی گئی۔ مقدمہ یہ تھا کہ شعری اظہار میں کذب اور مبالغے کو نظر استحسان سے دیکھنے اور اسے اپنا کر مضمون شاعری کو بہتر بنانے کی روایت کے علی الرغم تقدیسی شاعری میں ہر ہر قدم پاس شرع اور لحاظ عظمت ممدوح کے پیش نظر ایک قدم بھی چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں مضامین کی ندرت، قافیہ کی ہمہ جہتی، ردیف کی بوقلمونی اور معانی کے امکانات کو برت کر اعلیٰ درجے کی تقدیسی شاعری کے نمونے پیش کرنے جیسے کارمحال کو بہت بے تکلفی کے ساتھ انجام دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے توفیق الٰہی کے ساتھ ساتھ فن شاعری کی تاریخ، علوم بلاغت کی روایت اور محاسن و معائب شاعری کے اعلیٰ درجے کے نمونوں سے کما حقہٗ واقفیت بھی اشد ضروری ہے۔ جو مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا بحیثیت شاعر مطالعہ کرتے ہوئے ہم ان میں یہ تمام و کمال پاتے ہیں اور اپنے اس اظہار میں انھیں صدفی صد حق پر پاتے ہیں کہ:

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے

لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں



ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی:
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

امام احمد رضا کی فارسی شاعری میں تصوف

مشہور قول ہے کہ ''غالب قوم کی تہذیب وتمدن کا مغلوب قوم کی تہذیب وتمدن پر اثر ہوتا ہے۔'' چنانچہ ۱۲۰۶ء میں جب ہندوستان میں ترکوں کی حکومت قائم ہوئی تو فارسی زبان نے یہاں قدم رکھا اور ایک نئی زبان یہاں کی تہذیب میں شامل ہوئی جو بعد میں سرکاری زبان قرار پائی، جسکی وجہ سے باشندگان ہند نے بلاتفریق مذہب وملت یہ زبان سیکھی اور اپنی طبیعت وذوق کے مطابق اس زبان میں علمی وادبی کارنامے انجام دیئے، اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ برصغیر ہندو پاک میں اسلامی علوم (قرآن وحدیث پاک کے ترجمے، تفسیریں، فقہ وتصوف پر کتابیں، تذکرے) اور عہد وسطی ہند کی تاریخ وتمدن کا سب سے زیادہ سرمایہ اسی زبان میں موجود ہے۔

۱۸۵۸ء میں جب یہاں انگریزوں کا غلبہ ہوا تو انگریزی زبان نے فارسی زبان کی جگہ لے لی مگر ہندوی زبان جو یہاں کی عوامی اور رابطے کی زبان تھی اس نے عربی وفارسی کی آمیزش سے ایک نئی شکل اختیار کی جس کو اردو کا نام دیا گیا ہے، چونکہ نو مولود زبان کا ڈھانچہ (رسم الخط) اور پہناوا اوڑھنا (الفاظ وتراکیب) فارسی زبان سے مستعار تھا اس لئے باشندگان ہند کو اسے اپنانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور انہوں نے اسے نہ صرف اپنایا بلکہ اسے فروغ بھی دیا جسکے نتیجے میں آج ہندوپاک میں مسلمانوں کا خاطر خواہ علمی، مذہبی وتمدنی سرمایہ اردو زبان میں پایا جاتا ہے، مگر اٹھارہویں وانیسویں صدی عیسوی کے علماء ودانشوران شعراء نے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے اور انہیں صفحہ قرطاس پر لانے کے لئے دونوں زبانوں (فارسی و اردو) کا سہارا لیا اور ان دونوں زبانوں میں تصنیفی وتالیفی کارنامے انجام دیئے، انیسویں صدی عیسوی کے جن علماء ودانشوروں کی تصنیفات، تالیفات اور تخلیقات دونوں زبانوں میں

پائی جاتی ہیں، ان میں مولانا محمد حسن قتیل لاہوری (وفات ۱۸۱۷ء) حضرت نیاز بریلوی (وصال ۱۸۳۵ء) غالب دہلوی (وفات ۱۸۶۸ء) علامہ اقبال (۱۹۳۸ء) اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (وصال ۱۹۲۱ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اپنے زمانے کے ایک مایہ ناز عالم، فقیہ، محدث، مفسر، مقرر، شاعر، ماہر علم ہیئت وتوقیت وریاضی اور کثیر التصانیف مصنف تھے، علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

> اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی پیدائش اور نشو نما اس خاندان میں ہوئی جو علمی وعملی خاندان تھا جہاں درس وتدریس وعظ وتقریر اور سب سے زیادہ تصنیف وتالیف انشاء وتحریر کا دستور تھا،
>
> [(حیات اعلیٰ حضرت ج اول ص ۵۰۹]

جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں اردو زبان کا چلن ہو چکا تھا، جسکی وجہ سے علماء وفضلاء علمی وادبی اور مذہبی کارناموں کو اردو زبان میں منتقل کرنے لگے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی افادہ عامہ کی خاطر اس زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، اور فارسی کی بجائے اردو میں زیادہ کلام کہا، ویسے آپ کو چار زبانوں (عربی، فارسی، اردو، ہندی) پر یکساں دسترس حاصل تھی جس کا ثبوت آپ کی تصنیفات سے ملتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت ان کے علمی فضل وکمال اور محاسن کلام پر مجھ جیسے کم مایہ وکم سواد طالب علم کو گفتگو کرنے کی مجال کہاں؟ اس لئے کہ

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

البتہ فاضل بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت سمجھ کر کچھ لکھنے کی ہمت جتائی گئی ہے۔

حسان الہند امام فکر وفن حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری کا محور خدا کی حمد وثنا، رسول اللہ کی مدحت اور بزرگوں کی منقبت ہے اس کے علاوہ آپ نے کچھ نہیں کہا ہے۔ گویا آپ کی شاعری خالص مذہبی شاعری ہے اور آپ ہندوستانوں کے

ایسے شاعر ہیں جس نے دنیاوی حکمرانوں کی مدح میں کوئی شعر نہیں کہا ہے بلکہ الفاظ کے انتخاب میں بھی آپ نے احتیاط برتا ہے اور ایسے الفاظ لانے سے اجتناب کیا ہے جو اہل دول اور حکمرانوں کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں، اس سلسلے میں علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں: "میں نے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی جہاں تک زیارت کی اور معززین دنیا کو میں نے دیکھا، اکثر یہی پایا کہ ان کی تعریف کیجئے تو خوش اور جہاں کسی بات پر اعتراض کیا تو اس درجہ خفا ہوئے کہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہئے، ان سب میں اول تمبر جسے مستثنیٰ دیکھا وہ ذات گرامی صفات اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی تھی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھے نہ کہ کسی سے مطلب اور نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا" خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروی
جز من و چند کتابی و دوات قلمی

ترجمہ: نہ مجھے تحسین کی لذت سے سروکار، نہ طعن و تشنیع کے ڈنک کی پرواہ، نہ مجھے مدح کا شعور، میں ہوں اور گمنامی کا ایک گوشہ ہے جس میں سوائے میرے اور چند کتاب، دوات اور قلم کے کسی اور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا دستیاب شعری سرمایہ بہ شکل دیوان بنام حدائق بخشش پایا جاتا ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں اردو کلام اور دوسرے حصے میں اردو و فارسی کلام ہیں۔ پیش نظر دیوان (حدائق بخشش) قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ بریلی شریف سے شائع ہوا ہے جس کے مدون و مرتب علامہ ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب ہیں، شرر صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے فارغ التحصیل ہیں اور فن عروض پر مہارت رکھتے ہیں، ساتھ ہی تین زبانوں (عربی، فارسی، اردو) پر یکساں دسترس رکھتے ہیں۔ اس لئے مطبوعہ دیوان دوسرے نسخوں کی بہ نسبت زیادہ درست ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اردو، فارسی زبان میں مختلف اصناف سخن مثلاً حمد، نعت،

منقبت، رباعی، تضمین، قصیدہ اور مثنوی وغیرہ پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ ان اصناف سخن پر فارسی زبان میں آپکے دو دیوان پائے جاتے ہیں۔

اصناف سخن میں نعت گوئی ایک ایسی صنف ہے جس پر طبع آزمائی کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے، ذراسی بھول چوک یا بے توجہی ہوئی کہ قعر مذلت میں گرے اور اعمال مجروح ہوئے، خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

نعت لکھنا مشکل کام ہے، تلوار کی دھار پر چلنا ہے، ذرا تنا بڑھا

کہ الوہیت میں پہنچ گیا تو مارا گیا اور شمہ برابر تنقیص ہوئی تو مارا گیا

[حیات اعلیٰ حضرت ج اول ۲۴۹]

ایران کا ایک شاعر عرفی شیرازی (وفات ۹۹۹) اس وادی میں خوف زدہ ہوکر قدم رکھتے ہوئے کہتا ہے۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ ست قدم را

ترجمہ: اے عرفی جلد بازی مت کہ یہ راستہ نعت پاک کو جاتا ہے کسی صحرا کو نہیں، ہوشیار رہ! یہ تیز دھار تلوار پر قدم رکھنے کے مترادف ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی پوری زندگی احکام شریعت کی پابندی اور پاسداری میں گذری اور یہ بات آپکے کلام میں بھی پائی جاتی ہے، اس لئے آپ کی پوری شاعری حمد و نعت اور منقبت پر محیط ہے۔ آپ کے پورے کلام پر تفصیلی گفتگو تو ممکن نہیں البتہ آپکے فارسی کلام کے کچھ اشعار پر یہاں روشنی ڈالنے کی جسارت کی گئی ہے جس سے آپ کے اس کلام کا قاری کو اندازہ ہو سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

زعکست ماہ تابان آفریدند

ز بوی تو گلستان آفریدند

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپکے چہرہ انور کے عکس سے روشن چاند کو پیدا فرمایا:
آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے گلستان کو پیدا فرمایا:

برای جلوہ یک گلبن ناز
ہزاران باغ و بستان آفریدند

ایک پسندیدہ گلاب کے پودے کی تخلیق کے لئے ہزاروں باغ و گلشن کو پیدا فرمایا۔

عام طور پر شعراء اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے رخ کو گل، آنکھ کو نرگس، قد کو سرو وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے محبوب حقیقی کے لئے ان الفاظ کو بطور تشبیہ نہیں لاتے ہیں بلکہ انہیں وجہ تشبیہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں مصطفیٰ جان رحمت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ تاباں کے عکس اور جسم اطہر کے پسینے کی خوشبوؤں سے پیدا ہوئی ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

آئینہ ہا حیران تو شمس و قمر جویان تو
سیارہا قربان تو شمعت فدا پروانہ سان

آپ کے رخ تاباں کو دیکھ کر آئینے حیران ہو گئے۔ چاند و سورج آپکے نور سے روشنی تلاش کرنے لگے، سیارے آپ کے اوپر نثار ہیں اور شمع پروانہ کی طرح آپ پر قربان ہیں۔

گل مست شد از بوی تو بلبل فدای روی تو
سنبل نثار موی تو طوطی بیادت نغمہ خوان

پھول آپکے جسم اطہر کی خوشبو سے مست و مگن ہیں بلبل آپکے رخ انور پر فدا ہے، سنبل (ایک طرح کی خوشبودار گھاس) آپکے موی مبارک پر نثار ہے اور طوطی آپکی یاد میں نغمہ خواں ہے

دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ای شافع تر دامناں وی چارہ درد نہاں
جان دل روح رواں یعنی شہ عرش آستان

آپ ہی کی ذات ہے جو گنہ گاروں کی بخشش کروانے والی ہے۔ آپ ہی کی ذات ہے جو

دکھیاروں کے درد کا مداوا کرنے والی ہے:

آپ ہی تو جان دل ہیں اور جان جاناں ہیں۔ یعنی تخت آسمانی کے سلطان ہیں۔

ای مسند عرش بریں وی خادمت روح امین

مہر فلک ماہ زمین شاہ جہاں زیب جناں

آپ ہی کی وہ ذات ہے جسکا مسند عرش بریں ہے اور روح الامین (جبرئیل) جس کے خادم ہیں آپ ہی تو فلک کے سورج ہیں، زمین کے چاند ہیں، کائنات کے سلطان ہیں جنت کے زیباں (زیب وزینت دینے والے) ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ۱۳۰۴ھ میں ایک استغاثہ فارسی زبان میں نظم فرمایا، جو ۱۶ر اشعار پر مشتمل ہے، اسکے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

بکارم خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ

پریشانم، پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

میں اپنے اعمال سے پریشان ہوں، یارسول اللہ میری مدد کیجئے۔ میں پریشان ہوں، پریشان ہوں یارسول اللہ میری مدد کیجئے۔

شہا! بیکس نوازی کن، طبیبا چارہ سازی کن

مریض درد عصیانم اغثنی یارسول اللہ

اے میرے بادشاہ! بیکس و بے نوا پر کرم کیجئے، اے مرے طبیب میرے درد کا علاج کیجئے، میں گناہوں کے مرض کا مریض ہوں، یارسول اللہ میری مدد کیجئے۔

چو محشر فتنہ انگیزد بلای بے امان خیزد

بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

جب شعلہ محشر بھڑکے گا، بے پناہ مصیبت آن پڑیگی، تو اس وقت میں تو آپ ہی کی پناہ چاہوں گا، یارسول اللہ! میری مدد کیجئے گا۔

رضا یت سائل بے برتوی سلطان لا تحھر

شہا! بہر ازین خوانم اغثنی یارسول اللہ

تیرا رضا بے سروسامان منگتا ہے اور آپ نہ جھڑکنے والی سلطنت کے سلطان ہیں۔ اے میرے آقا! اسی واسطے تو میں آپ کو پکار رہا ہوں میری مدد کیجئے۔

ایک قصیدہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

مرتضٰی شیر خدا، مرحب کشا خیبر کشا
سرورا! لشکر کشا مشکل کشا امداد کن

اے علی مرتضٰی! ای شیر خدا! اے مرحب پہلوان کو شکست دینے والے، اے درخیبر کو کھولنے والے! اے لشکروں کے سردار! اے لشکروں پر غالب آنے والے اے مشکل کشا مدد کیجئے۔

پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں استعانت طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ای شہید کر بلا یا دافع کربلا
گل رخان شہزادگان گلگون قبا امدد کن

اے کربلا کے شہید! اے دکھ درد کو دور کرنے والے۔ اے پھول جیسے چہرے والے۔ اے سرخ قبا والے شہزادہ رسول۔ مدد کیجئے۔

ای حسین ای مصطفٰی را راحت جان نور عین
راحت جان نور عینم دہ بپا امداد کن

اے حسین اے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت جان اور آنکھوں کے تارے میری آنکھوں کو بھی روشنی اور جان کو قرار عطا کر کے امداد کیجئے۔

اکسیر اعظم

یہ سیدنا حضور غوث پاک کی مدح میں ۱۰۹ اشعار پر مشتمل قصیدہ ہے، جسے آپ نے ۱۳۰۲ھ میں نظم فرمایا: اس میں سیدنا غوث پاک کے فضائل و کمال کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اسکے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۰۳ھ میں اس کی شرح فارسی نثر میں کی جس کا نام مجیر معظم رکھا۔

استاذ العلماء مولانا محمد احمد مصباحی صاحب سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ نے "اکسیر اعظم" اور "مجید معظم" کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے اس کا نام "تاب منظم" رکھا ہے۔ یہ کتاب اصل عبارت مع ترجمہ المجمع الاسلامی مبارکپور یو۔پی۔ سے ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوئی ہے۔ ترجمہ عمدہ ہے اور کاوش قابل ستائش ہے۔ جگہ بہ جگہ حسب ضرورت مولانا موصوف نے تشریحی نوٹس بھی لگائے ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب ایک مستند عالم دین، کہنہ مشق مدرس اور تین زبانوں (اردو، فارسی، عربی) سے بخوبی آشنا ہیں۔ جسکا اندازہ آپ کے ترجمہ سے عیاں ہوتا ہے۔ مقدمہ میں مصباحی صاحب نے قصیدہ کی تعریف اور اسکے اجزاء ترکیب پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کے لئے بیحد مفید ہے۔ حقیقت میں اس قصیدہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شاعری کا جوہر نکھر کر آیا ہے اور یہ آپکے بہترین قصائد میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ قصیدہ ہندوستان کے ایک مشہور صوفی شاعر شیخ جمالی (وفات ۱۳۳۵ھ) کے قصیدہ کی زمین میں کہا گیا قصیدہ معلوم ہوتا ہے، شیخ جمالی کا قصیدہ حمدیہ ہے، جس کا ردیف "توئی" ہے۔ جس کا مطلع ہے

ای کہ صد جان بستہ در ہر گوشہ دامان توئی
دامن افشانی و جان بارد چرا بے جان توئی

جبکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا قصیدہ مدحیہ ہے جو غوث پاک کی مدح میں ہے۔ ذیل میں اس قصیدے کے چند اشعار مع ترجمہ بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

ای کہ صد جان بستہ در ہر گوشہ دامان توئی
دامن افشانی و جان بارد چرا بے جان توئی

اے وہ ذات کہ جس کے ہر گوشہ دامن سے سینکڑوں جانیں لپٹی ہوئی ہیں وہ تیری ہی ذات ہے۔ جب تم (اپنے) دامن کو جھاڑتے ہو تو جان کی بارش ہوتی ہے پھر تم کیوں بے جان نظر آتے ہو۔

آن حسین استی کہ جان حسن می نازد بتو
می ندانم از چہ مرگ عاشق جویان توئی

تم ایسے حسین ہو کہ جس پر حسن کی جان ناز کرتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پھر کس وجہ سے تم موت عشق کے طلب گار ہو:

باغہا گشتم بجان تو کہ بی ما ناستی
یارب! آن گل خود چہ گل باشد کہ بلبل سان توئی

تیری جان کی قسم میں نے بہت سے باغوں کی سیر کی مگر تم بے مثل ہو، یارب وہ خود گل کیسا ہوگا جس پر تم بلبل کی طرح فدا ہو۔

پیر پیران میر میران ای شہ جیلان توئی
انس و جان قدسیان و غوث انس و جان توئی

پیروں کے پیر، میروں کے میر اے شاہ جیلان او وہ تم ہو، قدسیوں کی جانوں کے لئے انس اور انسانوں، جنوں کے فریادرس تم ہو:

سر توئی سرور توئی سر را سر و سامان توئی
جان توئی جاناں توئی جان را قرار جان توئی

تم ہی سر ہو، تم ہی سرور ہو، سر کا سرو سامان تم ہی ہو، جان تم ہو جاناں تم قرار جان تم ہو۔

ظل ذات کبریا و عکس حسن مصطفی
مصطفی خورشید و آن خورشید را لمعان توئی

تم ذات کبریا کا سایہ ہو اور حسن مصطفی ﷺ کا عکس ہو۔ مصطفی آفتاب ہیں اور اس آفتاب کی چمک تم ہو۔

جب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے یہ جملہ **قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله** نکلا تمام اولیائے کرام نے اپنی اپنی گردنیں جھکالیں۔ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز کے گوش مبارک میں جب یہ آواز پہنچی تو آپ نے فرمایا: **بل علی عینی و راسی**... اس واقعہ کو اعلیٰ فاضل بریلوی قدس سرہ دو شعر میں اس طرح قلمبند کرتے ہیں:

آنکہ پایش بر رقاب اولیای عالم ست
وآنکہ این فرمود، حق فرمود باللہ آن توئی

وہ جس کا قدم دنیا کے اولیاء کی گردن پر ہے اور جس نے یہ فرمایا، حق فرمایا۔ خدا کی قسم وہ تم ہی ہو۔

بہر پابت خواجۂ ہندان شہ کیوان جناب
بل علی عینی و راسی گوید آں حاقا توئی

ہندوستان کے خواجہ زحل کا بلند مقام رکھنے والے بادشاہ نے تمہارے لیے بل علی عینی و راسی (بلکہ میری آنکھوں اور سر پر) کہا وہ عظیم بادشاہ تم ہی ہو۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے خواجہ ہند کے لئے لفظ کیان کا استعمال اس لئے کیا کہ کرۂ ارض کی تقسیم میں ہندوستان ''کیوان آسمان ہفتم کے ستارہ زحل کے حصے میں آیا ہے'' (تاب منظم ص ۱۴۳، حاشیہ)

انیسویں صدی عیسوی میں مسلمان اور اسلام کی حالت زار اور کافروں کے ذریعہ تحقیر دین سے آپ بہت رنجیدہ ہوئے، جس کے لئے غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دین بابای خودت را از سر نو زندہ کن
سیدا آخر نہ عمر سید الادیان توئی

پھر اپنے بابا کا دین زندہ کر، میرے آقا کیا تم سید ادیان (دین اسلام) کی زندگی نہیں ہو۔

نظم معطر:

آپ کا یہ مجموعہ کلام ۶۸ رباعیوں پر مشتمل ہے۔ ان رباعیوں میں پہلی رباعی حمد باری تعالیٰ دوسری نعت سرور کائنات ہے اور باقی حضور غوث پاک کی شان میں ہیں۔ ان رباعیوں میں چھ رباعیاں صنف مستزاد میں ہیں۔ صنف مستزاد وہ صنف سخن ہے جس میں شاعر کسی غزل، رباعی یا نظم کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا زائد ٹکڑا لگاتا ہے جو اسی مصرع کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر ہوتا ہے۔ ان رباعیوں میں اسم عبد القادر کو قافیہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، بطور نمونہ چند رباعیاں نذر قارئین ہیں۔

ای رفعت بخش تاج عبد القادر

پر نور کن سراج عبد القادر

ترجمہ: اے رب تعالیٰ عبدالقادر کے تاج کو بلندی عطا کر اور عبدالقادر کے چراغ کو نور سے معمور کر دے۔

آن تاج و سراج باز بر کن یا رب
بستان زشہان خراج عبد القادر

ترجمہ: یارب اس تاج اور سراج (چراغ) کو مزید روشن و بلند فرما۔ بادشاہوں سے عبد القادر کا خراج لے

یا رب بجمال نام عبد القادر
یا رب بنوال عام عبد القادر
منگر بقصور و نقص ما قادریان
بنگر بکمال تام عبد القادر

ترجمہ: یارب! عبدالقادر کے نام کے حسن و جمال کے صدقے۔ یارب عبدالقادر کے صدقے عطا کر۔ اے اللہ! ہم قادریوں کے گناہوں و قصور کو مت دیکھ بلکہ عبدالقادر کے فضل و کمال والے نام کو دیکھ۔

مثنوی رد امثالیہ:

یہ مثنوی فارسی زبان میں ۱۱۹۳ اشعار پر مشتمل ہے، مثنوی بد عقیدہ، گمراہ اور جاہل لوگوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسا بشر ماننے یا اپنے بڑے بھائی جیسا کہنے کے رد میں ہے، مثنوی کی ابتداء میں آپ نے ایسے گستاخ و گمراہ لوگوں کے وجود کو باعث ننگ و عار بتلایا ہے، اور اہل زمانہ کو اس پر ماتم کرنے کو کہا ہے اس کے بعد آپ مولانا روم کا یہ شعر ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ترجمہ: نیک لوگوں کے کام کو اپنی طرح مت سمجھو اگرچہ شیر جانور اور شیر (دودھ) اور دیکھنے میں ایک ہی طرح ہے۔

بطور مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شئے دیکھنے میں ایک جیسی ہو تو وہ باطنی طور پر بھی ویسی ہی ہو۔ مثنوی کے آخر میں سرور کائنات ﷺ کے مقام و مرتبہ اور فضل و کمال کو بیان کیا گیا ہے۔ مثنوی کے چند اشعار درج ذیل ہیں

گریہ کن بلبلان از رنج و غم
چاک کن اے گل گریبان از الم

اے بلبلو! اس رنج و غم کے وقت آہ و فغاں کر۔ اے پھول اس دکھ اور مصیبت میں اپنے دامن کو چاک کر لے۔

سنبلا از سینہ برکش آہ سرد
ای قمر از فرط غم شو روی زرد

اے سنبل! اپنے سینہ سے ٹھنڈی سانسیں بھر۔ اے قمر اس غم انبوہ کی وجہ سے زرد (پیلا) ہو جا۔

ہم چو ابر ای بحر در گریہ بجوش
آسمانا جامۂ ماتم بپوش

اے سمندر! بادل کی طرح رو کر طغیانی لے آئے۔ اے آسمان ماتم کا لباس پہن لے۔

کن ظہور ای مہدی عالی جناب
بر زمین آعیسی گردون قباب

اے حضرت مہدی اب آپ ظہور میں آجایئے، اے حضرت عیسیٰ اس گنبد آسمان سے زمین پر تشریف لے آیئے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک فارسی کلام جو فارسی ادب کے مشہور شاعر حافظ شیرازی (وفات ۷۹۱ھ) کی غزل پر تضمین ہے، جسکا مطلع ہے

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکل ہا

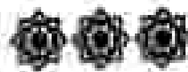
اس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو بیان کیا ہے اور دشمنان رسول کی

خبر بھی لی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اپنی طرز کے منفرد شاعر تھے۔ ان کی یہ انفرادیت، طرز بیان، اسلوب اور شعری فکر ہر جگہ نظر آتی ہے نیز آپ نے مختلف صنعتوں مثلاً تشبیہ، تجنیس، تمثیل اور سوال و جواب کو اس مہارت سے استعمال کیا ہے کہ آپ صف اول کے شعراء میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ جب کہ آپ نے باضابطہ کسی استاد سے اصلاح لی اور نہ فن عروض پڑھا، جن شعراء کے لیے الشعراء تلمیذ الرحمن کہا گیا ہے یقیناً آپ ان میں سے تھے اس کا اعتراف کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

آپ نے اپنی شاعری میں اللہ اور اس کے رسول سے جس انداز میں عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے وہ دوسرے شعراء کے یہاں نہیں پائی جاتی ہے یقیناً وہ ہمارے لئے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک درس ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی
مدیر دبستان نعت، نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا

حدائق بخشش اور تعلیمات تصوف

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہندوستان کی ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو دین اسلام اور خلق خدا کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کا بگل بجنے سے ایک سال قبل ۱۰ ارشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ ار جون ۱۸۵۶ء میں بروز شنبہ بوقت ظہر بریلی شریف کے مشہور محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے زمانے کے ایک زیرک متبحر عالم دین اور فقیہ تھے۔ علم دین کے ساتھ ہی ان کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ مگر سخن وری کا یہ شغف محض آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت و عظمت کی حفاظت و صیانت اور ان سے اظہار عشق کے لیے تھا اسی کا اثر ہے کہ انکی کوئی ایسی تحریر نہیں ملتی کہ جس میں توحید و رسالت کی حفاظت و صیانت کا پہلو نہ ملتا ہو۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار سے زائد تصنیفات و تالیفات کا گراں بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ڈاکٹر محمود حسین بریلوی آپکی تصنیفات و تالیفات کے حوالے سے اپنے ایم۔ فل کے مقالہ ''مولانا احمد رضا خان کی عربی زبان و ادب میں خدمات'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا احمد رضا خان کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی مجموعی کتب کی تعداد ۷۲ ر علوم و فنون پر مشتمل ایک ہزار سے زائد کی نشان دہی ملتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سکھر) نے اعلیٰ حضرت کی ۵۴۸ ر تصانیف کی ایک نامکمل فہرست کا اپنی گراں قدر تصنیف ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' میں حوالہ دیا ہے، اس کے بعد مولانا عبدالمبین نعمانی، مدیر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، نے مزید جستجو کے بعد اس فہرست میں اور اضافہ کیا ہے اور اپنی فہرست ''المصنفات الرضویہ'' میں ۸۵۰ ر چھوٹی بڑی

کتابوں کی فہرست درج کی ہے۔ موصوف کی یہ فہرست اب بھی غیر مکمل ہے۔ راقم اپنی تحقیق کے دوران جب باب ششم کی ترتیب دے رہا تھا تو اس سلسلے میں تلاش و جستجو کے بعد جو کامیابی ملی وہ یقیناً حوصلہ افزا ہے۔ شبانہ روز کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ۲۵ ر ایسی کتابوں تک میری رسائی ہو سکی جن کا کسی سوانح یا کسی فہرست کتب میں اندراج نہیں، ایسی کتابوں تک میری رسائی کیوں کر ہو سکی اس کی ایک لمبی داستان ہے جس کے بیان کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ اگر اس پر مزید محنت کی جائے تو اعلیٰ حضرت کی ان تصانیف کو بھی کھوج نکالا جا سکتا ہے، جو ابھی اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل ہیں اور زمانے کے دست برد سے محفوظ ہو کر ان لوگوں کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، جنہیں علم سے کم کتاب سے زیادہ محبت ہے۔'' ا ؎

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتاویٰ رضویہ کے بعد سب سے بڑا علمی و ادبی شاہکار ان کا مجموعہ کلام ''حدائق بخشش'' ہے جو تین حصص پر مشتمل ہے۔ ان کے ساتھ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے شخصی اور تنظیمی اعتبار سے بھی کام ہو رہے ہیں مگر کوئی لائحہ نہ ہونے کی وجہ سے صرف مضامین و مواد کا اعادہ ہوتا رہتا ہے ہاں کچھ معیاری کام بھی ہوئے ہیں جن پر اطمنان کی سانس لی جا سکتی ہے بقیہ چبائے ہوئے لقمے کی مانند ہیں۔ میں یہاں پر پاکستان کے ایک عظیم محقق ڈاکٹر گوہر نوشاہی کی علمی و تحقیقی کاوش ''غالب کی خاندانی پنشن اور دیگر امور'' (سرکاری اسناد و دستاویزات (۱۸۰۵ء تا ۱۸۶۹ء) کو ایک ایسے حوالے کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جس میں تحقیق و تدوین کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ غالب کی پنشن کے حوالے سے سارے دستاویزات کو اتنی زیرکی سے مدون کیا گیا ہے جس کے مطالعے سے لگتا ہی نہیں کہ ہم کسی دستاویز کو پڑھ رہے ہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی ادبی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور تسلسل کہیں بھی ٹوٹتا ہی نہیں۔ کیا ہم امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس طرح سے کام نہیں کر سکتے ہیں ان کے سارے کلام کو یک جا کر کے انکی ایک ضخیم کلیات نہیں مرتب کر سکتے؟

۱۹۹۸ء میں نے ایک مضمون ''الاستمداد'' رضا بریلوی کا مجموعہ کلام'' کے عنوان سے قلم بند کیا تھا جس میں میں نے ''حدائق بخشش'' کے علاوہ ''الاستمداد'' کو بھی ان کا مجموعہ کلام

ثابت کیا تھا جو پاکستان کے مشہور سال نامہ ''معارف رضا شمارہ نمبر ۱۸، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی اور ہندوستان کے مشہور ماہنامہ ''کنزالایمان'' دہلی شمارہ اکتوبر ۱۹۹۹ء رضوی کتاب گھر، دہلی میں شائع ہوا تھا مگر آج تک مجھے کسی بھی اسکالر کا کوئی تاثر نہیں مل سکا جس سے میں یہ جان سکوں کہ میری یہ کوشش وکاوش لائق تحسین ہے یا تردید۔

میں بڑے وثوق سے کہ سکتا ہوں کہ ''حدائق بخشش'' تیسرے حصے سے موجود وقت میں ہمارے بہت سے اسکالر واقف بھی نہیں اور وہ اس کی زیارت سے تا ہنوز محروم بھی ہیں۔ آخر ان پر کام کب ہوگا؟ اب بھی ہمارے درمیان ایسے مقتدر علمائے کرام اور دانشور موجود ہیں جن کی مدد سے ہم انکی ترتیب وتدوین کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ میں "الاستمداد" اور "حدائق بخشش۔ حصہ سوم" کی طباعت اور اس کے تعارف کا حامی ہوں بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ ان کو "حدائق بخشش اول، دوم'' کے ساتھ ضم کر کے ایک مکمل کلیات" کلیات حضرت رضا بریلوی '' کی شکل میں اشاعت ہونی چاہیۓ۔

''حدائق بخشش میں تعلیمات تصوف'' پر اظہار خیال کرنے سے قبل میں تصوف کی حقیقت وماہیت اور ذہن انسانی پر پڑنے والے اس کے اثرات پر روشنی ڈلنا چاہتا ہوں جس سے کہ موضوع کی کما حقہ وضاحت ہو سکے۔ صوفیاۓ کرام کی زندگیوں کے بغائر مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ اور اسکے پیارے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رضا کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔

انکا ہر قول وعمل صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے ہوتا تھا۔

اگر بغور دیکھا جاۓ تو تصوف کی تعلیمات کو جمیع علوم وفنون کی روح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ تاریخ شاہد ہے کہ تصوف کے افکار ونظریات نے جتنے گہرے اثرات انسانی قلوب واذہان پر ڈالے ہیں اتنے پختہ اور دل گیر اثرات کسی اور علوم نے نہیں ڈالے جس نے بھی اسکی دہلیز پر ایک بار قدم رکھ دیا تو پھر وہ اس کا اسیر ہو کے رہا۔ اللہ تعالی نے اس میں عرفان وایقان کا ایسا دل گیر ذائقہ رکھا ہے کہ جس کسی نے بھی ایک بار اس کے جام سے ایک

گھونٹ بھی نوش کر لیا تو کوئی بھی ترشی اس کے نشے کو نہ اتار سکی۔ اس کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد بڑے بڑے علماء، فلاسفہ اور دانش وروں نے بے ساختہ یہی کہا کہ اب تک ہم نے جو بھی علوم حاصل کیے اس نے ذہن وفکر کو جلا تو ضرور بخشی مگر روحانی کیف وسرور نہیں عطا کیا۔ روحانی کیف وسرور اگر ہمیں ملا تو صرف تعلیمات تصوف میں، اظہار تاسف کے طور پر تو بعض لوگوں نے یہاں تک کہ دیا کہ اب تک ہم نے جو بھی علوم وفنون حاصل کئے وہ فقط رسمی یا کتابی تھے جس نے ہمیں عرفان وآگہی سے کوسوں دور رکھا اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے حصول علم کیا ہی نہیں بلکہ تضیع اوقات کی۔ سید حسین نصر نے تصوف کی تعلیمات اور کتابی علوم وفنون کا جو موازناتی تجزیہ کیا ہے وہ دل کو چھو جانے والا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ مراکز توقع کے مطابق صوفیوں کے اجتماعات کے مقامات تھے۔۔۔۔۔یہاں وہ لوگ جنہیں رسمی علم سے اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا اور وہ ایقان کی روشنی اور حقیقت کے براہ راست کشف کے طالب ہوتے تھے مکتبی علمی بحث وتمحیص یعنی قیل وقال کو خیرباد کہ دیتے تھے اور روحانی ہدایت کے مطابق غور وفکر سے انبساط حاصل کرتے تھے۔ اسی لیے عارفوں اور استدلال پسندوں کو بالترتیب صاحبان حال اور صاحبان قال کہا جاتا تھا چنانچہ صوفیوں کے مراکز درحقیقت علمی ہوتے تھے لیکن وہاں جو علم سکھایا جاتا تھا وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا اور اس کے اکتشاف کے لیے ذہنی صلاحیتوں کی تربیت ہی کافی نہیں ہوتی تھی۔ ان مراکز میں اہل لوگ علم کی بلندترین صورت یعنی باطنی اور روحانی علم کا ادراک کرتے تھے جس کی تحصیل کے لیے روح اور ذہن کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے۔" (۲۴) 2

جناب سید حسین نصر صاحب حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف سے وابستہ ہونے (یعنی انکی آپ بیتی) بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اب میں نے غور کرنا شروع کیا کہ اس قسم کا یقینی علم مجھ کو کس حد تک ہے معلوم ہوا کہ

صرف حسیات اور بدیہیات تک ہے۔ لیکن جب کدوکاوش زیادہ بڑھی تو حسیات میں بھی شک ہونے لگا یہاں تک کہ کسی امر کی نسبت یقین نہیں رہا۔ قریباً دو مہینے تک یہی حالت رہی۔ پھر خدا کے فضل سے یہ حالت تو جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کی نسبت جو شکوک تھے باقی رہے۔ اس وقت جس قدر فرقے موجود تھے چار تھے۔ متکلمین۔ باطنیہ۔ فلاسفیہ۔ صوفیہ۔ میں نے ہر ایک فرقہ کے علوم وعقائد کی تحقیقات شروع کی۔ علم کلام کے متعلق جس قدر قدما کی تصانیف تھیں سب پڑھیں۔ لیکن وہ میری تسلی کے لیے کافی نہ تھیں کیونکہ اُن کا جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہے ان کی بنا تقلید ہے یا اجماع یا قرآن وحدیث کے نصوص۔ اور یہ چیزیں اس شخص کے مقابلے میں بطور حجت پیش نہیں کی جاسکتیں جو بدیہیات کے سوا کسی اور چیز کا قائل نہ ہو۔

فلاسفہ کا جس قدر حصہ یقینی ہے یعنی ریاضیات وغیرہ اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جو حصہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے یعنی الٰہیات وہ یقینی نہیں۔

فرقۂ باطنیہ کے عقائد کا تمام مدار امام وقت کی تقلید پر ہے لیکن امام وقت کی حقیقت کی نسبت کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے۔ اب صرف تصوف باقی رہ گیا۔

سب سے آخر میں میں نے تصوف کی طرف توجہ کی۔ اس فن میں حضرت جنید، شبلی، بایزید بسطامی کے جو ملفوظات ہیں ان کو دیکھا، ابوطالب مکی کی "قوت القلوب" اور حارث محاسبی کی تصنیفات پڑھیں۔ لیکن چونکہ یہ فن دراصل عملی فن ہے اس لیے صرف علم سے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا، اور عمل کے لیے ضروری تھا کہ زہد وریاضت اختیار کی جائے ادھر اپنے اشغال کو دیکھا تو کوئی خلوص پر مبنی نہ تھا، درس وتدریس کی طرف طبیعت کا میلان اس وجہ سے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور شہرتِ عامہ کا ذریعہ تھا۔ ان واقعات نے دل میں تشویق پیدا کی کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوؤں اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں۔ یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہوا لیکن چھ مہینے تک لیت ولعل میں گذرے۔ نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ ایسی بڑی عظمت وجاہ سے دست بردار ہوجائے۔ ان ترددات میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ زبان رک گئی۔ درس وتدریس کا سلسلہ بند ہوگیا۔ رفتہ رفتہ ہضم کی قوت جاتی رہی۔ آخر طبیبوں نے علاج

سے ہاتھ اُٹھالیا، اور کہہ دیا کہ اس حالت میں علاج سودمند نہیں ہوسکتا۔ بالآخر میں نے سفر کا ارادہ کرلیا، علمأ اور ارکانِ سلطنت کو جب یہ خبر ہوئی تو سب نے نہایت الحاح کے ساتھ روکا اور حسرت سے کہا کہ یہ اسلام کی بدقسمتی ہے۔ ایسی نفع رسانی سے آپ کا دست بردار ہونا شرعاً کیوں کر جائز ہوسکتا ہے۔ تمام علمأ و فضلأ یہی کہتے تھے لیکن میں اصل حقیقت کو سمجھتا تھا اس لیے آخر سب کو چھوڑ چھاڑ کر دفعۃً اُٹھ کھڑا ہوا اور شام کی راہ لی۔" (۲۱) ؎۳

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کرب اور بے چینی کے عالم میں روحانی سکون حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر تصوف کی تعلیم کے لیے ملک شام کا ہی راستہ کیوں اختیار کیا دنیا کے کسی اور ملک کا سفر کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جیسا کہ ہم واقف ہیں کہ اولاً تصوف کا کوئی مرکز نہیں تھا کہ جہاں پر لوگ حاضر ہوکر تصوف کی تعلیم حاصل کرتے۔ صوفی حضرات انفرادی طور پر اپنے شاگردوں کو تصوف کی تعلیم دیتے اور عملی مشق و مزاولت کراتے تھے۔ لیکن مرورِ ایام کے ساتھ جب لوگوں کی دل چسپی اور جستجو تصوف سے بڑھتی گئی اور لوگ کثرت سے اس کی جانب مائل ہوتے گئے حتیٰ کہ علمأ اور عوام کے علاوہ سربراہانِ مملکت اور ان کے وزرا بھی اس گروہ میں شامل ہونے لگے تو باقاعدہ تصوف کے فروغ کے لیے خانقاہیں وجود میں آئیں اور سب سے پہلی خانقاہ رملہ (شام) ہی میں تعمیر ہوئی، ملاحظہ ہو اس کی تفصیل۔

"ایک عیسائی امیر شکار کے لیے نکلا۔ اس نے دیکھا کہ دو درویش ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے ساتھ ملے اور وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ دونوں نے اپنا کھانا زمین پر رکھا اور مل جُل کر کھایا اور پھر رخصت ہونے لگے۔ امیر اُن کی باہمی اُلفت سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے ایک درویش کو بلایا اور پوچھا کہ دوسرا درویش جو جارہا ہے وہ کون تھا؟ اُس نے جواب دیا وہ میرا واقف نہیں ہے امیر نے سوال کیا کہ کیا وہ تمہارا رشتہ دار ہے؟ درویش نے جواب دیا کہ نہیں۔ امیر نے پوچھا کہ اُس درویش کا وطن کہاں ہے؟ درویش نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس پر امیر نے پوچھا کہ آپ دونوں میں

اُلفت کیونکر ہے؟ درویش نے جواب دیا یہ ہمارا (درویشوں) کا طریقہ ہے۔ امیر نے پوچھا کیا تم لوگوں کے پاس کوئی مکان یا جگہ ہے جہاں تم ایک دوسرے سے ملتے ہو؟ درویش نے نفی میں جواب دیا۔ امیر نے کہا میں تم لوگوں کے لیے ایک مکان بناؤں گا جہاں تم ایک دوسرے سے ملاقات کر سکو۔ اس طرح اس امیر نے اسی مقام پر ایک خانقاہ تعمیر کی۔ یہ پہلی خانقاہ تھی جو اہل اسلام میں تعمیر ہوئی۔"[۴]

تصوف درحقیقت عجم کی پیداوار ہے لیکن اس کے اندر مالک حقیقی نے ایسی کشش ودیعت فرمائی ہے کہ یہ جس سے وابستہ ہوجاتا ہے اس کو تاعمر اپنا اسیر بنا کر رکھتا ہے، اس نے دنیا کی ساری زبانوں کے ادب واصناف کو متاثر کیا خاصکر فارسی اور اردو شاعری پر اس کا غلبہ نظر آتا ہے، جب ہی تو علامہ شبلی نعمانی غزل کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

"تصوف نے فارسی غزل گوئی کو بلند تر کر دیا اس کشش میں عشق کا مبدء حسن ہے یعنی جہاں حسن پایا جائے گا، یہ کشش بھی ہوگی اور جس قدر حسن کامل تر ہوگا، اسی قدر کشش بھی زیادہ قوی اور سخت ہوگی اور چونکہ حسن کامل صرف شاہد حقیقی میں پایا جاتا ہے، اس لیے عشق بھی وہی کامل ہوگا جو شاہد حقیقی سے تعلق رکھتا ہو، یہی وجہ ہے کہ حضرات صوفیا کی شاعری میں جو جذبہ اور اثر ہے اوروں کے کلام میں اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، حضرات صوفیا کا مطلوب عموماً شاہد حقیقی ہے، اس لیے ان کا عشق ہوا وہوس سے پاک اور نہایت قوی اور مشتعل ہوتا ہے۔

مجازی حسن ناکامل اور سریع الزوال ہوتا ہے،، اس لیے عشق مجازی میں وہ زور، وہ جذبہ، وہ استقلال نہیں ہوسکتا جو عشق حقیقی کا خاصہ ہے۔

عشقیہ شاعری کا کمال چونکہ عشق حقیقی پر موقوف ہے جو تصوف کے ساتھ مخصوص ہے اور چونکہ اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، اس لیے عشقیہ شاعری میں کوئی فارسی شاعری کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔"[۵]

تصوف نے اصناف ادب میں غزل کے بعد سب سے زیادہ نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو متاثر کیا اور حال یہ ہے کہ آج بھی وہ کلام یا وہ اشعار جو تصوف کے زیر سایہ قم

کیے گئے ہیں جب سماعتوں سے گزرتے ہیں تو انکی اثر آفرینی بے خودی اور وارفتگی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر شاعر پایہ کا عالم دین یا فقیہ ہو پھر تو اس کے کلام کی تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد شریف سیالوی اپنے ایک تحقیقی مقالہ "نعتیہ شاعری کے محرکات و موضوعات" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نعتیہ شاعری کے حوالے سے سب سے بڑا محرک تو ایمان بالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی محبت و اتباع ہے۔ بتقاضائے ایمان ہر مومن پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور قلب و نگاہ فرش راہ کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اور جس شخص کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہدیہ عقیدت پیش نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر اسلام سے ہی یہ روایت حضور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ سے آ رہی ہے (۵)

البتہ فقہ و تصوف کے علماء نے نعتیہ شاعری کو محبت و عقیدت کے علاوہ علم کا پیرایہ مہیا کیا، اندلس میں بھی علماء فقہا اور صوفیاء کا ایک جم غفیر ملتا ہے جنہوں نے یاد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گل دستے سجا کر قلب و نظر کی تازگی کا اہتمام کیا، اس کار خیر میں حکام امراء اور سلاطین بھی پیچھے نہیں رہے۔ علامہ مقری نے ان محافل کا حال بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے (٦) ٦ ۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری شاعری تصوف پر ہی مبنی ہے اور نعتیہ شاعری میں انہوں نے عشق و وارفتگی کی جو ایک نئی جہت اور فضا قائم کی ہے شاید کہ اردو کا کوئی دوسرا شاعر کر سکے ہاں عربی اور فارسی شاعری میں اس کے نمونے ضرور دستیاب ہیں۔ انہوں نے اکتیس اشعار پر مبنی ایک نعت غزل کے لب و لہجے میں کہی ہے اس میں وارفتگی کی جو کیفیت ہے وہ لائق دید نی ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

پاٹ وہ کچھ دھار یہ کچھ زار ہم
یا الٰہی کیوں کر اتریں پار ہم
کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہوشیار ہم

تم کرم سے مشتری ہر عیب کے
جنس نا مقبول ہر بازار ہم
اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور
جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم
اُن کے آگے دعویٰ ہستی رضا
کیا بکے جاتا ہے ہر بار ہم ے۔

مذکورہ نعت میں تصوف کی تعلیمات کی جو جلوہ سامانیاں ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اس میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انفرادیت کے ساتھ جلوہ فرما ہے اس میں خود سپردگی کی جو کیفیت ہے اس کا کوئی جواب نہیں، انکا یہ فرمانا۔

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور   جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم

یا۔

لطفِ از خود رفتگی یا رب نصیب   ہوں شہید جلوۂ رفتار ہم

شاہد حقیقی کے عشق میں اپنے آپ کو فنا کر دینا ہی تصوف ہے۔ اس نعت پاک کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، عمید الکلیۃ الشرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور رقم طراز ہیں۔

'اکتیس اشعار پر مشتمل یہ نعتیہ غزل یوں ہی ایمان افروز و روح پرور مناظر، اعترافات، مناقب و مدائح اور اعتذار و التجا کے ساتھ گونجتی چلی جاتی ہے لیکن اچانک آخر میں عاشق صادق اور مومن مخلص کو احساس ہوتا ہے کہ "ہم، تم" کے اس تکرار سے شاید بارگاہ رسالت میں گستاخی کا سامان پیدا ہو گیا ہے۔ محب صادق تڑپ اٹھتا ہے اور خود کو ایک ایسا تازیانہ زجر و توبیخ رسید کر دیتا ہے جو اس کے ایمان صادق اور حب خالص کی شہادت بھی ہے۔

ان کے آگے دعویٰ ہستی رضا   کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم

یہ تازیانہ گویا ندامت اور توبہ کا تازیانہ ہے، شاعری کی حد تک اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو گستاخی پر محمول کی جا سکے یا جس سے سوئے ادب کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہو مگر عاشق

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو یہ انداز گوارا نہیں۔ اس لیے مطلع اور غزل تو شاعر کا جوش تھا جو شاعرانہ انداز سے تمام ہوا مگر مقطع ایک عاشق رسول کا مقطع ہے۔ جسے اپنے محبوب رسول کے حضور اتنی سی بے تکلفی بھی گوارہ نہیں۔" ۸؎

اور امام احمد رضا کی تعلیمات تصوف کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس موضوع پر باضابطہ ایک کتاب تحریر کی جاسکتی ہے مگر یہاں اس کا مقام نہیں موضوع کی مناسبت سے حدائق بخشش سے چند منتخب اشعار پیش کیے جارہے ہیں جو خالص تصوف پر مبنی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

مدد اے جوششِ گریہ بہا دے کوہ اور صحرا
نظر آجائے جلوہ بے حجاب اُس پاک تربت کا
الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خواب بصارت کا
زبانِ خار کس کس درد سے اُن کو سناتی ہے
تڑپنا دشت طیبہ میں جگر افگار فرقت کا
سرہانے ان کے بسمل کے یہ بے تابی کا ماتم ہے
شہِ کوثر ترحم تشنہ جاتا ہے زیارت کا
رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن انکی رحمت کا ۹؎

☆☆

☆☆

کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں
دلِ حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
ٹپکتا رنگِ جنوں عشق شہ میں ہر گل سے

رگِ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا

رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب

تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا ١١ ؎

☆☆

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ١٢٩٦ھ میں پہلی بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مطہر کی زیارت سے وطن عزیز ہندوستان واپس تشریف لائے تو در اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدائی ان کے دل پر کتنی گراں گذری کہ وہ اس سے عرجھت ہوا تھے انہوں نے اپنی دلی کیفیات کا ذکر جس کرب انگیز اور دل آگیں انداز میں کیا ہے آپ مذکورہ نعت پاک کے ورد سے محسوس کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اس نعت پاک میں اپنے نفس کی جو تذلیل کی ہے وہ صرف ایک صوفی کامل ہی کر سکتا ہے۔ ان کی اس پوری نعت پاک میں تصوف کی جو تعلیمات کارفرما ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ وطن عزیز واپسی کو انہوں نے نفس کی سرکشی پر محمول کیا ہے کہ نفس نے مجھے وطن عزیز ہندوستان واپس آنے پر مجبور کیا ورنہ میں دیار محبوب چھوڑ کر کبھی بھی نہیں آتا نفس کی سرزنش اور تاسف کا منظر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ کیا ارے تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس

ستم گر اُلٹی چھری سے ہمیں حلال کیا

یہ کب کی مجھ سے عداوت تھی تجھکو اے ظالم

چھڑا کے سنگِ درِ پاک سر وبال کیا

مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا چھایا

یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا

تو جس کے واسطے چھوڑ آیا طیبہ سا محبوب

بتا تو اس ستم آرا نے کیا نہال کیا ١٢ ؎

میں نے جو محسوس کیا ہے وہ یہ کہ تصوف کی تعلیمات میں ذات باری تعالیٰ کو معبود برحق ماننے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت واتباع اور شریعت مطہرہ کی پابندی کو اہمیت

کار دیجہ حاصل ہے۔ توحید ورسالت کی حفاظت وصیانت آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وغیرہ امور امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے، انکی ہر ہر ادا سے عشق مصطفی کا ظہور ہوتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات ایک جید عالم دین کی حیثیت سے مسلم ہے ان کے عہد میں اُن سے بڑا کوئی بالغ نظر عالم دین اور نعت گو شاعر نہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی شاعری کے ذریعہ تصوف کو بھی ایک نئی جہت اور نظریہ دیا ہے اور وہ جہت اور نظریہ "عشق مصطفی" ہے، جس سے نبضِ ہستی رواں دواں ہے۔ جس کسی کو عشق مصطفی حاصل ہو گیا یقیناً اس کو اللہ جل مجدہ کی ہر نعمت وعطا مل کر رہے گی۔ انکی شاعری تعلیمات تصوف کا ایسا مہکتا ہوا پھول ہے جس کے ہر شعر سے عظمت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خوشبو پھوٹتی جو صرف دل ودماغ ہی کو نہیں بلکہ روح کو معطر کرتی ہوئی نظر آتی ہے کیا اردو شاعری میں تصوف پر مبنی اس سے اچھا شعر بھی کسی نے کہا ہے؟ ہرگز نہیں۔

کروں ان کے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کہ کروروں جہاں نہیں
ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں ۱۴؎

حوالہ جات:

۱۔ مولانا احمد رضا خان کی عربی زبان وادب میں خدمات۔ ڈاکٹر محمود حسین بریلوی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۶۲/۶۳
۲۔ فکر ونظر۔ مدیر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان صفحہ ۶۲
۳۔ فکر ونظر۔ مدیر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان صفحہ ۵۶/۵۷

۴۔ فکر ونظر۔ مدیر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان صفحہ ۵۴

۵۔ شعر العجم حصہ پنجم۔ علامہ شبلی نعمانی۔ دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ صفحہ ۷۴/۷۵

۶۔ فکر ونظر، سہ ماہی۔ مدیر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن شمارہ اپریل۔ دسمبر 1991ء ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، پاکستان صفحہ ۳۴۰

۷۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۴۸/۵۰

۸۔ معارف رضا شمارہ ۱۷/ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی صفحہ ۱۱۸

۹۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۱۸/۱۹

۱۰۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۱۹/۲۰

۱۱۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۲۲/۲۳

۱۲۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۲۴

۱۳۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۲۵

۱۴۔ حدائق بخشش۔ امام احمد رضا قادری۔ رضا اکڈمی، بمبئی صفحہ ۶۵



ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی:
خانقاہ ابدالیہ اسلام پور

شاہ امام احمد رضا قادری کی صوفیانہ شاعری

دنیائے تصوف کے حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان تابندہ ستارے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال المکرم میں بریلی میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام المختار تھا اور تخلص رضا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خان صاحب اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت والد بزرگوار ہی کے زیر سایہ ہوئی۔ ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے بہت جلد درسی کتابوں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ علم فلسفہ اور ہیئت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ سند احادیث مکہ معظمہ کے اکابرین امام سے بھی حاصل کی۔ آپ نے خانقاہ مارہرہ کے مشہور بزرگ اور صاحب سجادہ حضرت سید شاہ آل رسول علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور سند خلافت سے بھی نوازے گئے۔

حضرت کے تبحر علمی کا شہرہ نہ صرف ہندستان تک ہی رہا بلکہ عالم انسانی میں پھیل رہا۔ آپ بے شمار کتابوں کے مصنف و مولف ہیں۔ فتاوی رضویہ آپ کی مشہو تصنیف ہے جس سے آپ کے تبحر علمی اور علوم دینی میں دقت نظری کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کا ترجمہ قرآن مجید منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ آپ کا وصال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ میں اپنے وطن مالوف بریلی یوپی میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی اگر ایک طرف عالم تبحر، صوفی باصفا، مجدد وقت کی حیثیت سے مشہور ہیں تو اردو شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ کم نہیں۔ اردو شاعری میں نعت گوئی کو جو عروج و کمال حاصل ہے وہ آپ ہی کا مرہون منت ہے۔ آپ کی نیت میں

عشق رسول کے ساتھ ساتھ جو والہانہ انداز ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ نعت رسول میں ادب واحترام کے ساتھ ساتھ آپ زمزمہ سنج ہوتے ہیں اور جس اخلاص و عقیدت کے ساتھ بارگاہ نبوی میں اپنے واردات قلبی اور کیفیت روحانی اور جذب دروں اور سوز درونی کا ہدیہ پیش کرتے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آپ کے مسلک تصوف میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ اکابرین صوفیہ کا مسلک رہا ہے۔ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ رہا ہے کہ اہل علم نے اس پر مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے لیکن پھر بھی اس کی گتھی سلجھ نہ سکی بلکہ اس کی سرحد مسئلہ قضاوقدر کو چھولیتی ہے۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صوفیائے کرام نے اور صوفی شعراء نے اس کو دلکش پیرایہ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت امام احمد رضا خاں نے بھی فنا و بقاء تسلیم و رضا، صبر و توکل، وحدت الوجود جیسے تمن مسائل تصوف کو شعری قالب میں ڈھالا ہے اور یہ آپ کی کامیابی کی بین دلیل ہے۔

حضرت امام احمد رضا خان صاحب کا کمال فن ہے کہ تصوف کے مسائل دقیقہ کی توضیح کے بجائے عشق رسول کی سرمستی میں اپنے کو گم کرتے ہیں اور جب عشق رسول میں سرشاری ہوئی تو عرفانی الہی کی آگہی ہوئی۔ اور یہی نعت گوئی نہ صرف طریقت وحقیقت کی سرحد کو چھولیتی ہے بلکہ اس میں دلکشی اور جاذبیت پیدا کرتی ہے۔ ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
ہر چراغ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں

پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتنے ہزار کرتے ہیں

مذکورہ بالا اشعار میں کتنے کیف وکم ہیں لیکن نعتیہ انداز ہے۔ مندرجہ ذیل غزل ذوق وشوق اور والہانہ کیف وسرور کی ترجمان ہے۔

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم
دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم
فصل گل سبزہ صبا مستی شباب
چھوڑیں کس دل سے در خمار ہم
میکدہ چھٹتا ہے للہ ساقیا
اب کے ساغر سے نہ ہوں ہشیار ہم

حضرت امام احمد رضا کا یہ شعر بھی لطافت وصداقت کے اعتبار سے کتنا بالیدہ ہے اور تصوف کے کیسے مسائل اس ایک شعر کی توضیح کے پس پردہ ہیں ملاحظہ ہوں ؂

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پر ارمان گیا

حضرت امام احمد رضا کی ایک غزل پیش خدمت ہے جس میں اخلاق وتصوف اور حسن وعشق کا جذبہ تدینات کی سرحدوں سے آگے نکل جاتا ہے ؂

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

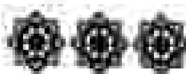
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو

تنگ آئے ہیں دو عالم تری بے تابی سے
چین لینے دے تپِ سینۂ سوزاں ہم کو

چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے دستِ جنوں
پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو

پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا دیوانہ بنا اے مہِ تاباں ہم کو

اے رضا وصفِ رخِ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغِ غزل خواں ہم کو



باب ہشتم

امام احمد رضا کے خلفا: تعارف و خدمات

ڈاکٹر مجید اللہ قادری: پاکستان

امام احمد رضا کے خلفائے عرب

امام احمد رضا کے خلفائے کرام پہ قابل ذکر کتابیں منظر عام پہ آچکی ہیں ان میں ایک نام ڈاکٹر مجید اللہ قادری کا بھی ہے انہوں نے خلفائے امام احمد رضا کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی یہ مضمون بھی ان سے منسب ہے اور جامعیت کے اعتبار سے خوب ہے۔ اس لئے یہاں خلفائے حرمین کے تذکرہ کے لئے اسی مضمون کو شامل کیا جارہا ہے۔

سید اسماعیل خلیل مکی آفندی رحمتہ اللہ علیہ:

آپ کا اسم گرامی سید اسماعیل اور والد گرامی کا نام مبارک سید خلیل تھا۔ آپ حرم پاک کے کتب خانہ کے محافظ تھے۔ حضرت مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی سے شرف تلمذ تھا۔ ۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو قیام حرم شریف کے دوران امام اہل سنت رضی اللہ عنہ سے خلافت و اجازت کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید مصطفیٰ خلیل آفندی کو بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اجازت و خلافت تھی۔

حضرت سید اسماعیل خلیل اجازت سے قبل دیگر اعاظم علمائے کرام کی طرح اعلیٰ حضرت سے غائبانہ خلوص و عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا سبب آپ کا فتویٰ مسمّی بہ فتاویٰ الحرمین لرجف ندوۃ المین تھا۔

۱۳۲۳ھ حج سے قبل سید اسماعیل کی بالمشافہ ملاقات اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے نہ ہوئی تھی۔ پہلی ملاقات کتب خانہ حرم محترم میں ہوئی، اس ملاقات کا واقعہ حضور اعلیٰ حضرت کی زبانی سنئے:

اس وقت (فتاوی الحرمین کی طباعت ۱۳۱۷ھ) سے مولیٰ عزوجل نے اس ذرہ بے مقدار کی کمال محبت وقعت ان جلیل قلوب میں ڈال دی تھی مگر ملاقات ظاہری نہ ہوئی تھی۔ حضرت مولانا موصوف (سید اسماعیل) سے کچھ کتابیں مطالعہ کیلئے نکلوائیں۔ حاضرین میں سے کسی نے اس مسئلہ کا ذکر کیا کہ "قبل زوال رمی کیسی" مولانا نے فرمایا "یہاں کے علماء نے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ حامد رضا خان سے اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھ سے استفسار ہوا۔ میں نے کہا "خلاف مذہب ہے۔" مولانا سید صاحب نے ایک متداول کا نام لیا کہ اس میں جواز کو علیہ الفتویٰ لکھا ہے۔ میں نے کہا ممکن ہے روایت جواز ہو مگر علیہ الفتویٰ ہرگز نہ ہوگا۔ وہ کتاب لے آئے، مسئلہ نکالا اور اسی صورت نکلا جو فقیر نے گذارش کی تھی یعنی اس میں علیہ الفتویٰ کا لفظ نہ تھا۔ حضرت مولانا نے حامد رضا خان سے کان میں جھک کر مجھے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اور حامد رضا خان کو بھی نہ جانتے تھے مگر اس وقت گفتگو ان ہی سے ہو رہی تھی۔ لہٰذا ان سے پوچھا۔ انہوں نے میرا نام لیا۔ نام سنتے ہی حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے آکر فقیر سے لپٹ گئے پھر تو بحمد اللہ تعالیٰ واد نے کامل ترقی کی۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہوا اور کمال بے تکلفی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ قیام حرم محترم کے دوران جن علماء سے ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے وہ صرف چار علماء ذی وقار ہیں: (۱) مولانا صالح کمال، (۲) شیخ العلماء محمد سعید بابصیل، (۳) مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی اور (۴) مولانا سید اسماعیل رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

یہ علماء بھی آپ کے پاس تشریف لاتے۔ مولانا موصوف التزاماً روزانہ تشریف لاتے خصوصاً ایام علالت میں کہ یکم محرم ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک دن میں دو بار تشریف لاتے اور ایک بار کا آنا تو کبھی ناغہ نہ ہوا۔

محرم الحرام کے آخری ایام میں ایک ضرورت کے سبب دو روز تشریف نہ لا سکے، ان دو روز میں اشتیاق ملاقات نے جوش مارا۔ اعلیٰ حضرت نے سید خلیل کو ایک پرچہ پر تین اشعار لکھ کر بھیج دیے۔

هذا ان یومان ما فزنا بطلعتکم

ولو قدرنا جعلنا أسنا قدما
فالو القاء خليل للعليل شفاء
اتحبون ان تبرولنا سقما
عودتمونا طلوع الشمس كل ضحى
وهل سمعتم كريما يقطع الكرم

(ترجمہ اشعار)

(۱) ان دونوں میں آپ کے چمکتے چہرے کی زیارت نہ ہوسکی۔ اگر ہم قادر ہوتے تو سر کے بل چل کر خود پہنچتے۔

(۲) کہتے ہیں کہ مخلص دوست کی ملاقات سے بیمار تندرست ہو جاتا ہے، کیا آپ کو پسند نہیں کہ ہماری بیماری آپ کے ہاتھوں دور ہو۔

(۳) ہر روز بوقت چاشت آفتاب علم وعرفان کی زیارت کا آپ ہی نے عادی بنادیا تھا، تو کیا آپ نے کسی کریم کی بابت سنا کہ اس نے سلسلہ کرم منقطع کر دیا ہو۔

اس رقعہ کو دیکھ کر سید موصوف کی جو کیفیت ہوئی حال رقعہ نے دیکھی، فوراً اس کے ساتھ تشریف لائے اور پھر روز رخصت تک کوئی دن خالی نہ جاتا جس میں ملاقات نہ ہوتی۔

کہتے ہیں ہر روز کا آنا جانا قدر کھو دیتا ہے مگر یہاں بار بار کی ملاقات نے محبت والفت اور وادو اتحاد نے کمال رنگ پیدا کر دیا۔ اسی قلبی تعلق کو عارف رومی نے یوں بیان فرمایا ؎

ذر غبانیست وظیفه عاشقاں

مخلصانہ تعلقات کی نوعیت یہاں جا رسید کہ حج وزیارت سے واپسی کے چند سال بعد ۱۳۲۸ھ میں سید خلیل کو وہی محبت کشاں کشاں بغرض زیارت بریلی لے آئی۔

مولانا سید موصوف بڑے فطین وذہین اور زیرک تھے۔ دشمن کے مکر وفریب پر بہت جلد اطلاع پالیتے اور وقوع شر سے قبل ہی اسے ایسا دباتے کہ اس کی ساری اسکیمیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ مکہ معظمہ میں الدولۃ المکیہ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شہرت کا غلغلہ برپا کر دیا چاروں طرف کے علماء حاضر ہو کر اکتساب فیض کر رہے تھے اور کتاب مذکورہ پر اپنی

گراں بہا تقاریظ لکھ رہے تھے جن میں مصنف کے حق میں کمال عقیدت سے جلیل الشان القاب درج ہو یت۔

مخالفین کو کمال شکست ہوئی اور وہ خائب خاسر ایک نیا جال بچھانا چاہتے تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ کتاب کا مسودہ اور تقاریظ یہ ظاہر کر کے حاصل کیا جائے کہ ہم بھی تقاریظ لکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کتاب کا مسودہ اور تقاریظ ہاتھ آ جائیں تو تمام کو ضائع کر دیا جائے گا لیکن مولا کریم کی حمایت وعنایت سے ایسا نہ ہو پایا۔

طے شدہ تجویز کے مطابق مخالفین نے ایک جگہ جمع ہو کر حضرت مولانا شیخ ابو الخیر احمد میر داد سے عرض کی کہ ہم بھی تقریظ لکھنا چاہتے ہیں کتاب ہمیں منگوا دیجئے، مولانا ابو الخیر نے اپنے صاحبزادے مولانا عبد اللہ میر داد کو کتاب لانے کو بھیجا، اس وقت مصنف علیہ الرحمہ حرم محترم کے کتب خانے میں موجود تھے اور مولانا سید اسماعیل خلیل بھی تھے۔ قبل اس کے کہ مصنف کچھ جواب دیں، مولانا موصوف نے نہایت جلال سیادت سے فرمایا " کتاب ہر گز نہیں دی جائے گی جو تقریظیں لکھنی ہو لکھ کر بھیج دو" اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے عرض کیا۔ جو لوگ وہاں جمع ہیں انہیں میں جانتا ہوں وہ منافقین ہیں۔ مولانا ابو الخیر کو انہوں نے دھوکہ دیا ہے۔ یوں اس عالم نبیل سید خلیل کی برکت سے کتاب محفوظ رہی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

امام احمد رضا خاں کی شہرت سن کر تمام علماء آپ سے ملنے آئے اور مکہ معظمہ میں بنام علم کوئی ایسے صاحب نہ تھے جو امام سے ملنے نہ آئے ہوں۔ سوا شیخ عبد اللہ بن صدیق بن عباس کے اس وقت مفتی حنفیہ کے عہدہ پر فائز تھے اور وہاں (اس وقت) مفتی حنفیہ کا منصب شریف سے دوسرے درجہ میں سمجھا جاتا تھا۔ یہ اپنے منصب کی جلالت قدر کے باعث امام احمد رضا خاں سے ملنے تشریف نہ لائے۔ لیکن ملاقات کرنا چاہی، اپنے ایک خاص شاگرد کو بھیجا کہ حضرت مفتی حنفیہ نے سلام بھیجا ہے نیز وہ آپ کی زیارت کے بہت مشتاق ہیں۔ قریب تھا کہ امام احمد رضا اس جلیل مفتی سے ملاقات کرنے کیلئے حاضر ہونے کا وعدہ فرما لیتے مگر مولانا اسماعیل خلیل (جو پاس بیٹھے تھے) نے فرمایا واللہ یہ نہ ہوگا تمام علماء ملنے کو آئے ہیں وہ کیوں نہیں آئے۔ علیم وخبیر رب ان کی ملاقات اور طرح سے کروانا چاہتا تھا۔ جو بعد میں کتب خانہ حرم محترم میں بڑی

شان سے ہوئی۔

اعلیٰ حضرت کی جلالت شان، بکمال وقعت نے تمام علماء کو مجبور کردیا کہ وہ خود حاضر ہوکر اس منبع فیوض وبرکات سے سیراب ہوں۔ رسول اللہ کے سچے عاشق، آپ کے ناموس کی حفاظت وحمایت کرنے کے سبب قابل صدہا اعزاز واکرام بنا۔ سچ ہے جو ان کے غلام ہوتے ہیں خلق خدا ان کی غلام بے دام ہوتی ہے۔

مکہ شریف میں پلنگ کا رواج نہیں۔ بالا خانوں میں زمین پر فرش بچھا کر سوتے ہیں، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا محرم شریف بخار میں گذرا۔ اسی حالت میں علماء کرام کیلئے اجازتیں لکھیں اور کفل الفقیہ تصنیف فرمائی۔ حضرت سید موصوف اور مولانا شیخ صالح کمال نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کیلئے ایک عمدہ پلنگ منگوایا۔ علماء عظماء عیادت کیلئے تشریف لاتے، مستجزین حاضر ہوتے، بفرش پر تشریف رکھتے، آپ نیچے اترنا چاہتے علماء قسموں سے مجبور فرمادیتے۔

سید موصوف کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی محبت جب بریلی تو آپ کے شوق زمزم کو محسوس کیا، ہر ماہ آپ کے استعمال میں آنے والی پانی کی مقدار میں آب زمزم روانہ کردوں گا۔ مگر مشیت الٰہی کہ جب واپس تشریف لے گئے تو انتقال ہوگیا۔

قیام مکہ معظمہ کے دوران اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سید عمر بن ابوبکر رشیدی کے مکان میں قیام فرمایا۔ ان کے مکان کے بالا خانے میں آپ کی قیام گاہ تجویز ہوئی۔ دروازوں کے اوپر طاق تھے۔ بائیں جانب طاق میں وحشی کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا تھا وہ تنکے لاتے اور گراتے، اتفاق سے اعلیٰ حضرت کا پلنگ اس کے سامنے بچھایا گیا تو کبوتروں نے وہ طاق چھوڑ دیا اور وسطانی طاق میں بیٹھنا شروع کردیا۔ حضرت اسماعیل نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

"وحشی کبوتر بھی آپ کا لحاظ کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً فرمایا" **صالحنا هم فصالحوانا**، ہم نے ان سے صلح کی تو انہوں نے ہم سے صلح کی۔

اللہ کے محبوب معظم کا سچا عاشق حضور کی ہر ادا پر جان قربان کرنے والا اور اعداء محبوب کیلئے تیغ براں جب حرم میں پہنچا، وہاں کے جانور بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں کیوں نہ ہو کہ اس کی ساری زندگی ہی معظمان دین کی تکریم میں گزری۔

اواخر محرم ۱۳۲۴ھ میں مرض سے افاقہ کے بعد اعلیٰ حضرت نے ایک سلطانی حمام میں غسل فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو ابر پایا، حرم شریف پہنچے تو بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے بارش میں طواف شروع کر دیا۔ حجر اسود کے بوسے لیے۔ اب رحمت میں خوف نہائے۔ جب فارغ ہوئے تو بخار پھر عود کر آیا۔ سید اسماعیل خلیل نے فرمایا ایسا کس لیے کیا۔ فرمایا مجھے ایک حدیث یاد آئی کہ جو برستے مینہ میں طواف کرے وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔ سید موصوف نے فرمایا کہ ایک ضعیف حدیث کیلئے آپ نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ عاشق رسول نے جواب دیا "حدیث ضعیف ہے مگر امید بحمد اللہ قوی ہے۔"

۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو کعبہ تن سے کعبہ جاں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق روانہ ہوا تو مولانا سید اسمٰعیل اور بعض دیگر اکابر بھی شہر مبارک سے باہر دور تک برسم مشایعت ساتھ تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ بوجہ ضعف مرض سوار تھے۔ پیدل چلنے کی طاقت نہ تھی۔ پھر بھی ان اکابر کی تعظیم کو اترنا چاہتے تھے گر ان حضرات نے سوار بننے پر مجبور کر دیا۔

چند امور کا یہ تذکرہ واضح کرتا ہے کہ سید اسماعیل خلیل و دیگر اعاظم علماء حرمین اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علم و فضل اور عشق و محبت کے کس درجہ معترف تھے۔ سب نے بڑھ کر آپ سے علم حاصل کیا۔ علوم مرتبت کی حامل احادیث کی سندیں لیں، سلاسل شریعت و طریقت میں اجازتیں لیں، علمی مذاکرات کیے، اپنے فتاویٰ تصدیق وتصویب کیلئے پیش کیے اور وہ عزت کا مقام عطا کیا جو اس دور میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا، اس طرح آپ کی ذات مرجع خاص وعام بن گئی۔ عرب و عجم میں مسائل کے تصفیہ میں مشار الیہ ٹھہری۔

یہاں چند عبارات کے اقتباسات پیش خدمت ہیں جن میں حضرت سید موصوف نے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی خدمات دینیہ کا اعتراف کیا ہے:

> فاعز الله مولانا الشيخ احمد المذكور على رغم انوفهم واكتنفه العلماء والطلبة فمن سائل مستفيد ومن مقدم سوالا للاستفسار على القول السديد ومن طالب اجازة ومن منتظر اشارة هذا حاله وهو بمكة۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مولانا احمد رضا مذکور کو عزت دی اور وہابیہ کی ناکیں خاک میں رگڑیں اور علماء و طلباء نے چار طرف سے انہیں گھیر لیا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کیلئے کوئی سوال کرتا ہے اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کیلئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے۔ یہ ان کا حال تھا جب تک مکہ میں رہے۔

واحمد الله على ان فيض هذا العالم العامل الفاضل الكامل صاحب المنا قب المفاخر مظهر كم ترك الاول للاخر فريد الدهر وحيد العصر مولانا الشيخ احمد رضا خاں سمه الله الرب المنان لابطال حججهم الداحضة بالايات والاحاديث القاطعة كيف لاو قد شهد له عالموا مكة ذالك ولو لم يكن بالمحل الارفع لما وقع منهم ذلك بل اقول لو قيل فى حقه انه مجدد هذا القرن لكان حقا وصدقا

ترجمہ: اور میں اللہ عزت وجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے عالم باعمل کو مقرر فرمایا۔ جو فاضل کامل ہے، مناقب ومفاخر والا، اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کیلئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں احسان والا پروردگار اسے سلامت رکھے، تاکہ وہ (مخالفین) کی بے ثبات حجتوں کا آیات قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماء مکہ اس کیلئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علماء مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق و صحیح ہے ؏ چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہونا

مولانا سید اسماعیل خلیل نے کچھ بعد دیگر دو خط اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بریلی میں لکھے۔ یہ تاریخی خطوط "الاجازات المتینہ" میں موجود ہیں حضرت سید موصوف کے حالات میں ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔

الحمد الله وحده الصلاة السلام على من لا نبی بعده شیخ الاسلام بلا مدافع ووحید العص بلا منازع شیخنا واستاذنا وملاذنا وقدوتنا وعمدتنا الیومنا ومعادنا المولوی الشیخ احمد رضا خان سلمه الله الحنان المنان

السلام علیکم ورحمته الله وبرکاته

اول: سو الناس الذات الزکیة وماحوته تلک الطلعة الرضوة المرضیة نوجوا باری ان تکونوا ومن لدیکم بخیر وعافیة ونعم من المولی علینا وعلیکم افیة کافیة۔

ثانیا: تفضل علینا سیدنا بعده اوراق من فتاویه اذموذجته نرجو الله عز شانه ان یسهل ویقارب لکم الاوقات لاتماما فی اقرب حین فانه حریه بان یعتنی بها جعلها الله تعالی لکم ذخر الیوم المیعاد

ووالله اقول الحق اقول انعوراها ابو حنیفة النعمن لاقرت عینه الجعل مولفها من جملة الاصحاب بیدانی متاسف علی مافاتنا من تعریب الالفاظ الغیر العربیه فیاسیدی اقسم علیک بالله العظیم واتسع بجبیه الکریم ان تقوا فضلکم واحسانکم علینا وعلی کل نعمانی المذهب بتعریبها فماکان منها یسیرا یوضع علی الهامش ومالم یتحمل الهامش یوضع فی ورقة ثم تجمل بین الصحیفتین جعل الله سعیکم مشکورا وعملکم مبرورا هذا وعدتم الحقیر واخاه بارسال الاخازة بمرویاتکم فلم یات فکان اقرب الناس الیکم الیدهم اوکلا نسیا منسیا۔

وتحریراتکم التی علی حاشیة ابن عابدین لایخفی جنابکم انی من المحتاجین الیها جعلکم الله من المحسنین ویسلم

علیکم سیدی الوالد والاخ مصطفی وبلغوا سلامنا علی
نجلیکم الشیخ حامد والشیخ مصطفی ومن عندنا یسلم علیکم
الشیخ اسعد واخوه الدهانان والشیخ بکر رفیع وارجو الباری
المعبود ان یدیم لنا بقائکم بجاہ النبی الحامد المحمود لوان
یحفظکم ومن لدیکم من کل خائن وحسود وصلی اللہ علی
سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم

حررو فی ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

الداعی ولدکم حافظ کتب الحرم المکہ السمعیل بن خلیل

(ترجمہ) سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو اکیلا ہے اور درود وسلام ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(بخدمت) شیخ الاسلام جن کا کوئی مزاحم نہیں، یگانہ روزگار جس میں کوئی اختلاف نہیں، ہمارے شیخ، استاذ، جائے پناہ، قائد، دنیا وآخرت میں سہارا دینے والے، الشیخ احمد رضا خاں (خدائے مہربان واحسان کنندہ آموصوف کو سلامت رکھے)

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اولاً ہم آپ کی ستھری ذات کی اور ہر اس کی خیریت پوچھتے ہیں جو پیاری طلعت رضویہ کے گھیرے میں ہے۔ باری تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ بھی اور آپ کے حلقے کے تمام افراد بھی بخیر وعافیت ہوں گے۔ ہمیں اور آپ کو مولیٰ تعالیٰ وافی کافی نعمتیں بخشے۔

ثانیاً اے ہمارے آقا آپ نے بطور نمونہ اپنے فتاویٰ کے چند اوراق عطا کیے تھے۔ ہم اللہ عزشانہ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ کو فتویٰ نویسی میں مزید سہولتیں بخشے گا اور فتاویٰ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اوقات میں برکت فرمائے گا کیونکہ یہ فتاویٰ قابل اعتناء واہتمام ہے۔ (اللہ تعالیٰ اسے آپ کیلئے توشہ آخرت بنائے)

خدا کی قسم: میں سچ کہتا ہوں کہ اگر (امام اعظم) نعمان (بن ثابت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ)

آپ کا فتویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس کے مؤلف (آپ) کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرماتے۔ اس پر افسوس کہ فتاویٰ کے وہ الفاظ ہم نہیں سمجھ سکے جو غیر عربی ہیں اور ان کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا۔ اے میرے سردار! میں آپ کی خدمت میں اللہ عظیم کی قسم دے کر بوسیلہ حبیب کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنا فضل واحسان ہمیں اور ہر نعمانی المذہب (حنفی) پر مکمل فرمائیں اور غیر عربی الفاظ کا عربی میں ترجمہ کر دیں۔ پھر اگر ترجمہ تھوڑا ہو تو صرف حاشیہ پر لکھا جائے اور اگر حاشیہ کی برداشت سے باہر ہو تو الگ کاغذ پر لکھ کر اسے دو صفحوں کے درمیان رکھ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش مشکور اور عمل مقبول فرمائے۔ آپ نے مجھ حقیر سے اور میرے بھائی (مصطفیٰ خلیل) سے وعدہ فرمایا تھا کہ اپنی مرویات کی سند بھیجوں گا، وہ سند ابھی تک نہیں پہنچی تو کیا جو آپ سے زیادہ قریب تھے، وہ زیادہ دور ہو گئے یا ہمیں بالکل ہی بھلا دیا گیا ہے نیز حضرت کو معلوم ہے کہ میں ان تحریرات کا محتاج ہوں جو آپ نے حاشیہ ابن عابدین (شامی) پر افادہ فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو محسنین میں فرمائے۔

سیدی والد ماجد اور بھائی مصطفیٰ سلام پیش کرتے ہیں۔ ہماری جانب سے آپ کے صاحبزادگان شیخ حامد رضا اور شیخ مصطفیٰ رضا کی خدمات میں سلام۔ یہاں سے شیخ اسعد الدھان اور ان کے بھائی (عبدالرحمن الدھان) نیز شیخ بکر رفیع سلام عرض کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ معبود برحق سے امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لیے آپ کی عمر دراز فرمائے۔ اپنے اس نبی کے طفیل جو حامد بھی ہیں اور محمود بھی۔ اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے گرد و پیش کے تمام احباب کو ہر خائن اور ہر حاسد کے شر سے بچائے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی سیدنا والہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ ۲۶ ر ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

دعا گو آپ کا فرزند، محافظ کتب حرم مکی السید اسماعیل بن خلیل۔

سید موصوف علیہ الرحمہ کا دوسرا مکتوب بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس مکتوب میں شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ اسرار نا سرہ النوری کے مناقب ومحامد کے علاوہ حرم پاک کے قیام کے دوران تاریخی واقعات کا حوالہ بھی ہے۔ اس لحاظ سے یہ تاریخی خط نہایت

قابل قدر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ ھتی الحمدللہ وحدہ الصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

عمدۃ العلماء الافاضل قدوۃ الفضلاء الاماثل شیخ المحدثین علی الاطلاق وسیدی المحققین فی السبع الطباق سیدی وسندی وعمدتی واعتمادی وشیخی وملاذی وذخری لیومی ومعادی سیدی المولوی شیخ احمد رضا خاں سلمہ البنان۔

السلام علیم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ

اولا السوال عنکم وعن عزیز خاطبکم نرجو اللہ تعالیٰ انکم ومن لدیکم بخیر وعافیہ ونعم من المولی علینا وعلیکم وافیت کافیتہ

ثانیا وصلنا عزیز مشرفکم علی طراز تقاریظ علماء المدینۃ المنورۃ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والسلام فقرانناہ والسرور الجبور متن امدات وتلوناہ والدموع الزفرات متتابعات فما علمنا ھل ذلک لشدۃ الاشتیاق ام لعدم حصول الوصول والتلاق فراجعنا النفس ولیناھا بان قد حصلہا بعض منا ھا سلوغ المطلوب والمقصود سیدی و سندی من الرب المعبود ان لا تجاہ بہ حاصل فما ھذا القلق الحاصل فحینئذ اطمأنت وطابت وقرب فاللہ سبحانہ عزشانہ لا یحرمنا من تلک الطلعت السنیت بجاہ سید البویۃ الحمدللہ قیل امس وصلنا عثمان بن عبد الستار المیمنی التاجر بجدہ

واخبرونا بان الوابری الذی ذهبتم فیه قد وصل الیٰ بمبئی بموجب تلغراف وصل الیه وبذلک حصل لنا المامول ولا مانی فنادیت النفس بشراک قد حصل التہانی واساله سبحانه طول بقائکم مع العافیة بالنبی والسبع المثانی هذا خبرکم سیدی من یوم موادعتنا الجنانکم مصحوبین السلامة وتصحبکم انشاء الله ذهبت الی شیخ احمد ابی الخیر وسالة الانواط والبقیتها عنده وبعد ثلاث ذهبت الیه فوجدته طربا بها الی الغایة ویقول الحمد الله علی وجود مثل هذا الشیخ فانی لم ارمثله فی العلم والفصاحة وسعته الباع مع حسن سک العبارة ثم قال یاولدی ان الشیخ قد نحی فی رسالته نحو الصواب بلا شک فیه ولا ارتیاب ومن طالعها لم یبت له فیها شبهة ولا مریة وسیدی الشیخ صالح کمال مامن مجلس الا و یذکر کمالاتکم وبحمد الله قد بنیتم بارض الحرام عمودین وای عمودین عظمین وان شاء الله شاع ذکرکم فی سهل الارض وعالیها واقصی البلاد ودانیها فان بلدتنام ام البلاد والست الام کالاولاد ویسلم علیکم والدنا السید خلیل افندی واخونا مصطفی والشیخ مولانا عبدالحق ومولانا الشیخ صالح کمال والشیخ اسعد الدهان واخوه الشیخ عبدالرحمن والسید محمد المرزوقی والشیخ بکر رفیع والکل یطلبوا منکم الدعا وسلموا لنا علی اخویکم الاکرمین واختیا المکرم الشیخ حامد واخیه المحترم الشیخ مصطفی وابن اخیکم الاجل فتح الله علینا وعلیهم ورزقنا التقویٰ وایاهم ویرحم الله قالا امینا وارجوکم سیدی العزیز لاتنسونا من دعواتکم الصالحة فانی

ابنکم الثالث کما ھو لکم منا بل وا جب علیہ ثناء ندبیت الحرام والمشاعی العظام والسلام ودمتم فوق ما رمتم وطول عمرکم۔

وما الفضل الا خاتم انت فصه

وعفو ک نقش الفص فاختم به عذری

ودمتم والسلام حرر ۱۲/رجب ۱۳۲۴ھ

ولدکم حافظ کتب سید اسماعیل بن خلیل

(ترجمہ)

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم کرنے والا ہے اور اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ سب تعریفیں اللہ ہی کو ہیں، جو اکیلا ہے۔ درود وسلام ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(بخدمت) فاضل علماء کے بھروسہ، اماثل فقہاء کے پیشوا، بلا تخصیص جملہ محدثین کے استاذ، ساتوں طبقوں میں محققین کے سردار، میرے آقا، سید بھروسہ یا اعتماد، استاذ، جائے پناہ، آج دنیا میں کل حشر میں میرے ذخیرہ، سیدی المولوی الشیخ احمد رضا خاں (رب منان آپ باسلامت رکھے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ

اولاً آپ کی طبیعت مبارک کی خیریت مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ اور آپ کے پاس تمام احباب بخیر وعافیت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کافی نعمتیں ہم پر اور آپ پر اترتی رہیں۔

ثانیاً مدینہ منورہ (علیٰ صاحبہا افضل الصلاۃ والسلام) کے علماء کی خوشنما تقاریظ پر آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ پڑھا تو خوشیاں اور مسرتیں بڑھتی گئیں۔ تلاوت کی تو آنسوؤں اور لمبے لمبے سانسوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ سب کچھ شدت اشتیاق کی وجہ سے ہے یا اس لیے کہ بوقت مطالعہ آپ کے وصال وملاقات سے محرومی تھی۔ ہم نے بے قرار جانوں کو سمجھایا کہ تسلی دی کہ تمہاری آرزو پوری ہو چکی ہے کہ با اعتماد آقا (مولانا احمد رضا خاں) اپنے رب معبود سے جو مطلوب ومقصود (حاضری مواجہ عالیہ) چاہتے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔ (کہ ایں نیز مسرۂ ماست) اور اس وقت ان کی توجہ بھی حاصل ہے۔ (کہ ان کا مرسلہ مکتوب زیر مطالعہ ہے) تو پھر

اس قدر بے قراری کیوں؟ اس پر بے قرار جانیں مطمئن ہوئیں۔ انہیں خوشی اور قرار نصیب ہوا۔ اللہ عز سبحانہ سے دعا ہے کہ سید البریہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل ہمیں آپ کے پرنور چہرے کی زیارت سے زیادہ محروم نہ رکھے۔ الحمد اللہ پرسوں جدہ کے تاجر "عثمان بن عبدالستار یمنی نے آکر بتایا کہ جس جہاز سے آپ روانہ ہوئے تھے وہ بخیریت ممبئی پہنچ گیا ہے۔ انہیں یہ خبر بذریعہ ٹیلی گراف معلوم ہوئی تھی۔ بخیریت پہنچنے کی خبر سے جب ہماری مراد وآرزو پوری ہوئی تو میں نے ذات کو مذاکر کے خوشی سنائی اور مبارکباد دی۔ حق سبحانہ سے سوال ہے کہ نبی کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) اور سورۃ الفاتحہ کے طفیل آپ کو تادیر بعافیت رکھے۔ یہ لو۔ اس کے بعد اے آقا! ہماری خبر یہ ہے کہ آپ کو رخصت کرنے کے دن سے سب سلامتی کے ساتھ ہیں۔ امید ہے کہ آپ بھی بمشیت ایزدی باسلامت ہوں گے۔ مسئلہ نوٹ کے متعلق آپ کا رسالہ (کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم) شیخ احمد ابوالخیر کی خدمت میں لے گیا اور وہیں چھوڑ آیا۔ پھر تین دن کے بعد ان کے پاس گیا تو انہیں رسالہ کی بابت از حد خوش پایا۔ وہ حمد الٰہی بجالاتے ہیں کہ اس زمانہ میں آپ جیسا عالم موجود تھے۔ فرماتے ہیں: میں نے آج تک مولانا امام احمد رضا خاں جیسا عالم فصیح، معلومات میں وسیع الباع، ستھری اور عمدہ تحریر والا شخص نہیں دیکھا۔" پھر فرمایا بیٹا! بے شک شیخ (احمد رضا خاں) نے رسالہ میں بالکل صحیح ودرست طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی مبتلائے شبہات ان کے رسالہ کا مطالعہ کرے گا تو اس کے دل میں کوئی شبہ نہ رکھے گا۔ اور سیدی شیخ صالح کمال تو ہر مجلس میں آپ کے کمالات بیان کرتے رہتے ہیں۔ الحمد اللہ آپ نے سرزمین حرم میں دو علمی ستون قائم فرمادئے۔ وہ ستون کیسے عظیم الشان ہیں؟ (۱۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، ۲۔ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم)

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ کا چرچا عام ہوگا۔ ہموار وناہموار زمین کے باشندے اور دور ونزدیک والے سب آپ کے فضل وکمال سے آگاہی پائیں گے۔ کیونکہ ہمارا شہر (مکہ مکرمہ) تمام شہروں کیلئے ماں (اصل) ہے اور ماں اولاد کی طرح نہیں شناس نہیں۔ والد محترم سید خلیل آفندی، بھائی مصطفی، حضرت مولانا عبدالحق، مولانا شیخ صالح کمال، شیخ اسعد دھان اور ان کے بھائی عبدالرحمن، سید محمد مرزوقی اور شیخ بکر رفیع سب سلام عرض کرتے ہیں اور آپ

کی دعاء کے طلبگار ہیں۔ ہماری طرف سے آپ کے دونوں کرم فرما بھائیوں کو، ہمارے مکرم برادر شیخ حامد رضا ان کے محترم برادر شیخ مصطفی رضا اور ان کے جلیل القدر بھتیجے کو سلام۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ہمیں فتوحات بخشے، تقوی مرحمت فرمائے اور ہماری اس دعا پر آمین کہنے والے پر رحمتیں اتارے اور اے عزت والے آقا! میں آپ سے پر امید ہوں کہ نیک دعاؤں کے وقت نہ بھولیں گے کیونکہ میں آپ کا تیسرا فرزند ہوں جس طرح ہم وقت دعا آپ کو نہیں بھولتے بلکہ کعبہ معظمہ اور مشاعر عظام میں آپ کیلئے دعا کرنا ہم پر واجب ہے۔ والسلام۔ اپنی پسندیدہ سے بہتر حالت پر رہو اور لمبی عمر پاؤ۔

(ترجمہ شعر) فضیلت انگشتری ہے۔ آپ اس کے نگینہ ہیں، آپ کا معافی دینا نگینے کا نقش ہے۔ تو اس انگشتری کے ساتھ میرا عذر قبول کرنے کی مہر لگا دیجئے۔

دو متم والسلام

۱۲ رجب ۱۳۲۴ھ کو لکھا گیا

آپ کا فرزند، محافظ کتب حرم سید اسماعیل بن سید خلیل

سید موصوف کی جلالت شان علمی رفعت اور مودت ومحبت کے پیش نظر امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے آپ کو سند اجازت میں پس وپیش کیا۔ لیکن جب اصرار بڑھا تو سند کا ایک بے مثال نسخہ تحریر فرمایا جس میں آپ کے مناقب ومحامد کا ذکر فرمایا۔ محبت کا کمال ملاحظہ ہو کہ سند میں آپ کا نام لکھنے کی بجائے عربی میں ایک ایسی نظم لکھی کہ اس کے اشعار کے مصرعوں کے پہلے حروف اگر جوڑ دیے جائیں تو آپ کا اسم مبارک (اسماعیل خلیل) بن جائے۔

آپ کی وفات ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔

الشیخ احمد الخضر اوی المکی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ جلیل عالم باعمل، علوم وفنون پر حاوی، شیخ احمد خضراوی مکی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ القوی کے پاس قیام حرم محترم کے دوران تشریف لائے۔ سند اجازت علوم وسلاسل طلب کی۔ امام بریلوی قدس سرہ نے ان کیلئے اجازت کا ایک مختصر نسخہ تحریر فرمایا۔ جو ان کی یادداشت کی کتاب پر لکھا گیا۔ سند کا یہ نسخہ تیسرا نسخہ اجازت تھا جو صرف آپ ہی کے

ھ میں آیا۔ مزید حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

الشیخ اسعد بن احمد الدہان مدرس حرم شریف مکہ معظمہ:

ولادت مبارک آپ کی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ قصر القامت، بھاری بھر کم جسم اور گھنی داڑھی والے تھے، علماء عصر میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کی خوش اخلاقی اور تواضع کے باوجود ان کے سامنے کسی کو بولنے کا یارا نہ تھا۔ آپ اپنے بھائی عبد الرحمن دھان سے ورع وتقویٰ اور اخلاص میں کم نہ تھے مگر نشر علوم میں غایت سعی فرماتے تھے۔ آپ بڑے بڑے مناصب سلطنت پر فائز ہوئے۔ ۱۳۳۷ھ میں مکہ مکرمہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ عہد سیدنا حسین شریف مکہ میں آپ کا بڑا اعزاز تھا۔ آپ نے مدرسہ صولتیہ میں شیخ رحمت اللہ عثمانی بانی مدرسہ صولتیہ اور شیخ عبد الحمید داغستانی اور شیخ عبد الرحمن سراج مفتی احناف مکہ سے تحصیل علم کی تھی۔ حرم محترم میں آپ مدرس تھے۔ آپ کے حلقہ درس میں بڑے بڑے علماء تشریف فرما ہوتے تھے۔ ۷ صفر ۱۳۲۴ھ کو سفر حج کے موقع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اجازت علوم اور سلاسل طریقت کی عام اجازت عطا ہوئی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے خلوص تلمذ رکھتے تھے۔ آپ کے کمال علمی و رفعت شان کی گواہی اعلیٰ حضرت نے اس طرح دی:

الشیخ الاسعد الامجد الاوحد الارشد المتضلع من الفنون الحائز بین الاصول والغصون مولانا الشیخ اسعد الدھان

سید ابو بکر بن عالم البار العلوی الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کو بھی مکہ مکرمہ میں ۱۳۲۴ھ میں اجازت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کے والد گرامی حضرت السید سالم بن عیدروس کو بھی اجازت وخلافت کا شرف حاصل ہوا۔

مولانا شیخ بکر رفیع رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کو مکہ مکرمہ میں ۳ صفر ۱۳۲۴ھ کو سند اجازت وخلافت ملی۔ سند اجازت میں سے چوتھا نسخہ اجازت آپ کو عطا ہوا۔ یہی نسخہ دیگر پندرہ علماء کو عطا ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے

آپ کا نام اس طرح لیا

ذو القدر المنیع الفخر البدیع مولانا بکر رفیع المکی حفظه الله تعالیٰ

حضرت شیخ حسن العجیمی المکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک حضرت مولانا عبدالرحمن تھا۔ آپ بہت بڑے عالم وفاضل تھے۔ ۱۰ ر صفر ۱۳۲۴ھ کو مکہ مکرمہ میں حضرت قدس سرہ نے سند عطا فرمائی۔ آپ حضرت الشیخ مولانا حسن بن علی العجیمی مکی کی اولاد ہیں۔ علامہ موصوف کی بے شمار تصانیف ہیں۔

حضرت سید حسین جمال بن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ۲۷ ر ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو مکہ مکرمہ میں حضرت سید عبدالحی بن سید عبدالکبیر الفاسی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ موصوف جوان صالح علم دین کے طالب تھے۔ سید عبدالحی الفاسی محدث بلاد مغرب نے امام احمد رضا خاں سے اس روز کی مجلس میں احادیث کی اجازت طلب کی اور حدیث مسلسل بالاولیت کا سماع کیا۔ پھر اولیاء کبار کے سلاسل طریقت کی اجازتیں طلب کیں۔ محدث کبیر سید عبدالحی کو تمام اجازتیں ان کی منشاء کے مطابق لکھ کر مرحمت فرمائیں۔ یہ مجلس صبح سے دوپہر تک رہی۔ ظہر کی نماز کے بعد محدث موصوف مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ محدث موصوف کو اجازت کا جو نسخہ عطا ہوا وہ سب سے پہلا نسخہ اجازت تھا۔ جو حرم پاک میں کسی مستجز کو مرحمت ہوا۔ اسی مجلس میں سید کبیر عبدالحی الفاسی کے ہمراہ سید حسین جمال بھی تھے۔ انہوں نے دریائے رحمت کو جوش میں دیکھا۔ علم وعرفان کے ناپیدا کنار سمندر سے سیرابی کی خواہش ظاہر کی اور اجازت طلب کی۔ کرم فرمانے والے آقا امام احمد رضا خاں بریلوی نے اس نوجوان صالح کو زبانی اجازت دے کر ارشاد فرمایا کہ "سید عبدالحی محدث بلاد مغرب کے نسخہ کی نقل لے لو اور اس میں اپنا نام لکھ لو"۔

سید حسین مدنی بن سید عبدالقادر شامی مدنی:

مدرس مسجد نبوی رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ منورہ

سید حسین مدنی مسجد نبوی مدینہ منورہ میں مدرس تھے۔ مروجہ علوم وفنون میں ماہر تھے۔

باکمال، متقی اور متورع مرتاض بزرگ تھے۔ نشر علوم میں ہر وقت کوشاں رہتے۔ علماء اور فضلاء کے قدر دان تھے۔ ان کے ساتھ اخلاص سے پیش آتے۔ منقول و معقول میں ہم عصر علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے، جفر، نجوم ہیئت، اوفاق اور تکسیر میں عالمی شہرت کے حامل تھے۔ شیخ العرب والعجم، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی کے علم وعرفان کا غلغلہ حرمین شریفین میں بپا ہوا۔ آپ کی ذات اقدس مرجع خلائق بنی۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء اعلام نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ علوم حاصل کیے یہاں تک کہ بعض فضلاء حرمین اپنی علمی اور روحانی پیاس بجھانے کیلئے بریلی تشریف لائے۔

مولانا سید حسین مدنی بریلی تشریف لائے اور ایک سال سے زیادہ عرصہ یہیں آستانہ عالیہ رضویہ میں قیام فرمایا۔ علم اوفاق، تکسیر اور جفر میں خصوصی طور پر اکتساب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی زبانی اس سفر و حضر کا حال سنئے۔

''مولانا سید حسین مدنی صاحبزادہ مولانا عبدالقادری شامی مدنی رحمۃ اللہ علیہ (بریلی) تشریف لائے اور چودہ مہینے فقیر خانے پر قیام فرمایا۔ اور یہ علم (جفر) اور علم اوفاق وتکسیر سیکھے۔ انہیں کیلئے میں نے اپنا رسالہ ''اطائب الاکسیر فی علم التکسیر'' زبان عربی میں املا کیا۔ یعنی میں عبارت زبانی بولتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔''

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں۔

''میں نے جو جداول کثیرہ اس فن کی تکمیل جلیل کیلئے اپنی
طبع زاد ایجاد کی تھیں رخصت کے وقت انہیں نذر کر دیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ سے انہیں بے حد عقیدت ومحبت تھی چنانچہ ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ'' کے نسخہ کی ایک نقل اپنے ہاتھ سے کی۔ تاکہ علماء اعلام سے اس پر تقاریظ لکھوائیں۔ وہابیہ اور مفترین کے خرافات سے مصنف کی برأت کرائیں۔ جس وقت سید موصوف نے رسالہ کی نقل کی اس وقت اس پر سید عثمان بن عبدالسلام داگستانی اور حضرت تاج الدین الیاس فاضل آفندی کی دو تقریظیں موجود تھیں۔ یہ قلمی نسخہ اس وقت سید عبداللہ بن سید محمد صدقہ دحلان مکی کے پاس موجود تھے۔ سید حسین مدنی کی تقریظ کا ایک

حسب ملاحظہ فرمائیں:

لما ان من اللہ علی عبدہ بالتشرف باعتاب العلامۃ التحریر الفھامۃ الشھیر حامی الملۃ المحمدیہ الطاھرۃ "ومجدد المائۃ الحاضرۃ" استاذی وقدوتی مولانا الشیخ احمد رضا خان

ترجمہ: جب اللہ نے اپنے اس چھوٹے سے بندے پر یہ احسان فرمایا کہ میں ان کے آستانہ سے شرف یاب ہوا۔ جو علامہ ماہر کامل اور فہامہ مشہور ہیں، حامی ملت محمدیہ طاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ (چودھویں صدی کے مجدد) میرے استاد، میرے پیشوا، حضرت مولانا احمد رضا خاں۔

سید حسین مدنی بڑے باحیا، مرنجاں مرنج سیر چشم عالم تھے۔ عام عربیوں کی طرح کسی سے سوال نہ فرماتے۔ بڑی قناعت سے گزر اوقات فرماتے۔

(ان کے استاد) امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے ان کے متعلق فرمایا:

سید حسین مدنی صاحب سا کوئی سیر چشم و بے طمع عربی میں نے ان عزت سے آنے والوں میں نہ دیکھا۔ ان کی خوبیاں دل پر نقش ہیں۔

سید موصوف نے بریلی کے قیام کے دوران سلوک کی منازل طے کیں۔ یہاں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ملک "تبت" کو تشریف لے گئے۔ کافی عرصہ وہاں قیام فرمایا۔ والدہ صاحبہ کی پریشانی کے باعث دوبارہ مدینہ منورہ چلے گئے۔

سید حسین مدنی سے پہلے ان کے چھوٹے بھائی سید محمد ابراہیم مدنی بھی بریلی تشریف لائے۔ ان کا حال اسی کتاب میں موجود ہے۔

السید سالم بن عیدروس البار العلوی الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی ولادت ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد اور مشائخ مکہ حضرت علامی شیخ محمد سعید باصبیل، صالح بافضل، عمر باجنید، سید حسین حبشی، عبدالرحمن الدھان اور علامہ اسعد الدھان سے علم حاصل کیا۔ آپ زبردست عالم، زاہد اور متورع تھے، تبلیغ و تدریس محبوب مشغلہ تھا۔ عبادت وریاضت کثرت سے کرتے تھے۔ درس تدریس مسجد حرام میں فرماتے تھے۔ گیارہ صفر

۱۳۲۴ھ کو مکہ معظمہ میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ سے خلافت واجازت علوم سے مشرف ہوئے۔ جن علوم کی آپ کو اجازت ملی وہ بتیس علوم کی ہیں۔ اس کے علاوہ بارہ سلاسل طریقت اور چار مصافحات کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے خلفاء کی کثیر تعداد دمشق اور شام میں موجود ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں وفات ہوئی۔

علامہ شیخ عابد حسین مفتی مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۷ ررجب المرجب ۱۲۷۵ھ بروز شنبہ بوقت عصر اس عالم آب وگل میں جلوہ افروز ہوئے۔ والد ماجد مالکیہ کے مفتی تھے۔ آپ نے تمام علوم کی تحصیل والد ماجد سے کی اور عفر سنی میں ہی تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔ استاذ زکریا نے اپنی کتاب ''الجواہر الحسان فی تراجم الفضلاء والاعیان'' میں ان کے بڑے فضائل تحریر کیے ہیں اور ان کو علماء اعلام میں شمار کیا ہے۔ آپ ''مسجد حرام'' میں درس بھی دیتے تھے اور فقہ مالکی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے برادر خورد علامہ شیخ محمد علی بن حسین مالکی نامور مصنف ہوئے۔ شیخ جمال مکی اور سید عباس مکی بھی ان کے ممتاز تلامذہ سے تھے۔ سید شریف عون سے اختلاف کی بنا پر آپ مکہ سے یمن چلے گئے اور پھر وہاں سے خلیج عربی اور دوبئی وغیرہ تشریف لے گئے۔ اولاد کی محبت، اعزا واقارب کی الفت اور زیارت کعبہ کے شوق میں پھر وطن واپس تشریف لے آئے اور خفیہ طور پر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ شریف مکہ کے جبر وسطوت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۳۲۳ھ میں ''سید عون شریف'' مکہ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد آپ نے ساری زندگی عزلت اور گوشہ نشینی میں بسر فرمائی۔

۱۳۲۳ھ میں سفر حج کے موقع پر اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی ''علی بن حسین'' (علوم عقلیہ ونقلیہ میں صاحب تصانیف کثیرہ) اور برادرزادہ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین تھے۔

۹ رصفر ۱۳۲۴ھ بروز بدھ مکہ مکرمہ میں ان تینوں کو اجازت دی گئی۔ اس کے بعد آپ حضرات نے وہ بڑی سند بھی طلب کی جو سابق مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال کو مرحمت ہوئی تھی چنانچہ اس کی نقل کی اجازت دی گئی۔

امام اوحد اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے آپ کو ان الفاظ سے یاد فرمایا:

الفاضل الاجل الکامل الابجل الاوحد الامجد بحر العلوم الاصلیہ اولفرعیہ

ترجمہ: فاضل جلیل القدر، عظیم المرتبت، یکتا بزرگ، علوم اصلیہ وفرعیہ کے سمندر۔

شیخ موصوف نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف (الدولۃ المکیہ، الحسام الحرمین وغیرہ) پر تقاریظ لکھیں جس میں اپنے شیخ امام اجل کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

سید العلماء الاعلام وفخر الفضلاء الکرام وسعد الملتہ والدین احمد السیر او لدعل الرضا فی کل وطر العالم العامل ذو الاحسان حضرۃ المولیٰ احمد رضاخاں فقام فی ذالک بغرض الکفایۃ الخ

(ترجمہ) علماء مشاہیر کا سردار، معزز فاضلوں کا مایہ افتخار، دین اسلام کی سعادت، نہایت محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل، عالم باعمل، صاحب احسان حضرت مولانا احمد رضا خاں..... تو اس بات میں (گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رد قاہر فرما کر) فرض کفایہ ادا کر دیا (جو فرض فرداً فرداً سب پر عائد ہوتا تھا۔ آپ نے وہ فرض ادا کر کے سب کو سبکدوش فرما دیا)۔

آپ کی وفات ۱۳۴۱ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ عبداللہ بن ابی الخیر میر داد رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مسجد الحرام کے امام تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف تھے۔ آپ کو ۱۰ ر صفر ۱۳۲۴ھ کو مکہ شریف میں سند اجازت وخلافت عطا ہوئی۔ آپ بہت بڑے فاضل، عالم باعمل تھے۔ مصلی حنفی کی امامت پر فائز تھے۔ آپ کے شیخ امام بریلوی قدس سرہ نے آپ کے منصب رفیع کے پیش نظر آپ کو ان الفاظ میں یاد فرمایا:

الکامل العامل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولینا الشیخ عبداللہ میر داد

آپ کے والد بزرگوار کا نام الشیخ احمد ابوالخیر میرداد ہے جو اس وقت شیخ الخطباء و ائمہ کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے۔ دونوں باپ بیٹا اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے نہایت عقیدت و محبت سے پیش آتے۔ علماء نے 'الدولۃ المکیہ'' کی تقاریظ کرنے میں پیش پیش تھے۔ کتاب مستطاب مذکور نے حرمین طیبین میں آپ کا غلغلہ بپا کر دیا۔ (یہ کتاب مجموعی طور پر ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں تالیف ہوئی۔ اس رسالے سے وہاں کے علماء کو محسوس ہوا کہ مصنف مشاہیر علوم، منقول و معقول میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی ذات مرجع فتاویٰ بن گئی۔ علماء لاینحل مسائل آپ کے سامنے پیش کرنے لگے۔ استفسارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سے قبل 'نوٹ' کے متعلق سوالات مختلف علماء سے کیے جا چکے تھے مگر اس نئی صورت (نوٹ) کے بارے میں علماء جواب سے عاجز تھے)۔ آپ کی شہرت علمیہ کے پیش نظر شیخ عبداللہ بن احمد ابی الخیر میرداد امام مسجد حرام اور شیخ حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے متعلق بارہ سوالات آپ کے سامنے پیش کیے۔ جن کا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بروز شنبہ شروع فرمایا۔ اتوار کو بخار آ گیا۔ روز دوشنبہ ۲۳ محرم ۱۳۲۴ھ دن چڑھے اسے مکمل فرما دیا۔ اس کا خلاصہ فاضل مصنف کی زبان سے ملاحظہ ہو:

(ترجمہ) محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد حرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا۔ جس کے جواب میں بفضل وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھ دیا۔

(یوں 'نوٹ' کے بارے میں پیدا ہونے والے تمام مسائل از قسم تجارت، بیع، ثمن حقیقی یا عرفی یا اصلاحی، کفالت، وکالت اور امانت وغیرہ کا ایسا شافی جواب دیا جس سے اعاظم علماء عرب و عجم عاجز رہے تھے اور انہوں نے جواب ملاحظہ فرمانے کے بعد مصنف ذی وقار کے حق میں دعائیں دیں)۔

اس طرح ''کفل الفقیہ الفاہم'' جیسی بلند پایہ تصنیف کا باعث شیخ عبداللہ بن احمد ابوالخیر میرداد اور ان کے استاذ کا استفتاء تھا جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

علامہ سید عبداللہ دحلان رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی ولادت با سعادت ۱۲۹۱ھ میں ہوئی۔ ابھی چھ سال کے تھے کہ والد ماجد سید احمد عمر رحلت فرما گئے۔ چچا نے آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ آل شطا سے تھیں۔ آپ درس تدریس میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ حاکمان مکہ مکرمہ کے ساتھ تعلقات خوشگوار نہ رہے۔ اس لیے ہمیشہ مکہ معظمہ سے باہر رہے۔ اسی وجہ ۱۳۲۳ میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ سے سفر حج کے موقع پر ملاقات نہ کر سکے۔ ۲ر جمادی الآخر ۱۳۲۸ھ کو بریلی پہنچے اور اجازت وخلافت حاصل کر کے واپس ہوئے۔

سند اجازت میں امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے آپ کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:

الفاضل الجليل الكامل النبيل غرد دوح الفضل والتبجيل ذو العلم والعرفان فان مولانا السيد عبدالله دحلان

(ترجمہ) فاضل جلیل، کامل عقلمند، شجرہ فضیلت وعظمت کی شاخ، صاحب علم وعرفان حضرت مولانا سید عبداللہ دحلان۔

آپ شیخ الاسلام علامہ سید احمد دحلان (استاذ اعلیٰ حضرت قدس سرہ) کے حقیقی برادر زادہ تھے۔ ۱۳۳۶ھ میں انڈونیشیا میں انتقال ہوا۔

حضرت شیخ عبداللہ فرید بن عبدالقادر کردی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت شیخ عبدالقادر کردی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ جب آپ کے والد ماجد نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے مرویات کی اجازت طلب کی تو آپ نے نہ صرف انہیں اجازت دی بلکہ ان کے صالح جوان بیٹے عبداللہ فرید کو حدیث، فقہ، تفسیر اور تمام علوم کی اجازت دی جن کے آپ مجاز تھے۔ اس وقت سید عبداللہ فرید اگرچہ تھے مگر آثار سعادت لیے ہوئے تھے۔ ذہین اور ذکی تھے۔ اس لیے اس عمر میں ہی دس کتابوں کے متن حفظ کر چکے تھے۔

بچوں کو اجازت دینا بھی مشہور و معروف ہے اور علماء و صلحاء کے یہاں معمول ومقبول بھی

کیونکہ بڑے ہوکر جب وہ دولت علم سے نوازے جائیں تو عالی سند والوں میں شمار ہوں۔

حضرت شیخ علی بن حسین مکی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت شیخ عابد بن حسین مفتی مالکیہ کے بھائی ہیں۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل عبور رکھتے تھے اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کو ۹ر صفر بروز بدھ ۱۳۲۴ھ مکہ مکرمہ میں سند اجازت وخلافت عطا ہوئی۔ مسجد حرام میں آپ مدرس تھے۔

آپ کی سند اجازت دیگر خلفاء کی طرح "الاجازات المتینیہ" میں درج ہوئی۔ آپ کی جلالت شان وعلوم مرتبت کے پیش نظر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بڑے وقیع انداز میں آپ ذکر فرمایا۔ فرماتے ہیں:

الفاضل الفقیہ الجلیل الکامل النبیہ النبیل
ذو التصانیف البھیۃ فی العلوم النقلیۃ والعقلیہ
مولانا الشیخ علی بن حسین المرحوم

ترجمہ: فاضل، فقیہ، جلیل، کامل، نامور، دانا، علوم عقلیہ ونقلیہ میں خوبصورت تصانیف کے مالک حضرت مولانا علی بن حسین مرحوم۔

شیخ موصوف نے کتاب "الدولۃ المکیہ" اور "حسام الحرمین" پر اپنی تقاریظ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کمالات عالیہ کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

لما من اللہ علی باستجلاء نور شمس العرفان من
سماء صفا ملتزم الاتقان من صار محمود فعلہ ک
شاف ایات فضلہ وکیف لا وھو مرکز دائرۃ المعارف
الیوم، ومطلع کواکب سماء العلوم فی دار القوم مضد
الموحدین وعصام المھتدین القاطع بصارم
البراھین لسان المضلین الملحدین الرافق منار
الایمان حضرۃ المولی احمد رضا خان

(ترجمہ) جب اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا اور آسمان صفا کے آفتاب عرفان کی روشنی سے

میرے قلب کو منور فرمایا (وہ ذات گرامی) جس کے افعال حمیدہ اس کے فضل و کمال کو عالم آشکار کرتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو، وہ تو آج دائرہ معارف کا مرکز ہے۔ (اس کا وجود مسعود) ملت اسلامیہ کے گھر میں آسمان علم و عرفان کے جھلملاتے تاروں کا مطلع ہے۔ وہ مسلمانوں کا یار و مددگار ہے۔ ہدایت یابوں کا نگہبان و نگران، گمراہوں اور ملحدوں کی زبانوں کو اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے کاٹ پھینکتا ہے۔ ایمان کے مینارے کو بلند سے بلند تر کرتا ہے (کون)...... ہمارے آقا احمد رضا خاں۔

حضرت سید علوی بن حسن الکاف الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کو ۲۴ ر صفر ۱۳۲۴ھ کو مکہ مکرمہ میں اجازت و خلافت عطا ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سند اجازت میں یہ الفاظ تحریر فرمائے۔

فرزند صلاح والے، جوان فلاح والے، حرم میں شریف میں بکرمہ تعالیٰ تحصیل علم کا التزام کرنے والے الکریم السید العلوی بن حسن الکاف الحضرمی (اللہ تعالیٰ انہیں نفع بخش جلیل الشان بلند پایہ علم بخشے)

حضرت شیخ عمر بن حمدان المحرسی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حرم نبوی میں مدرس تھے اور مالکی فقہ کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے تھے۔ صفر / ربیع الاول ۱۳۲۴ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے دوران قیام مدینہ منورہ متعدد علمائے ذی وقار نے اجازتیں طلب کیں۔ آپ نے اکثر کو زبانی اجازتیں دیں۔ کیونکہ عبد المصطفیٰ امام احمد رضا خاں بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا بے خود تھا کہ ماسوائے مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی بنا پر بعض علماء سے وعدہ فرمایا کہ وطن جا کر سند اجازت روانہ کی جائے گی جن فضلاء کاملین سے وعدہ فرمایا گیا ان میں صاحب فضیلت مولانا عمر بن حمدان محرسی بھی تھے۔ "الاجازات المتینہ" میں سند کا دوسرا نسخہ انہیں مرحمت ہوا۔ یہی نسخہ سند سید صالح کمال، سید اسماعیل خلیل، سید مصطفیٰ خلیل، سید مامون البری اور دیگر معظمین کو دیا گیا۔ سند کے اس نسخہ میں

(جس کا تاریخی نام "الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیہ ہے) امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے علوم مکتسبہ اور علوم لدنیہ کی مکمل تفصیل نقل فرمائی جو آپ کو حاصل تھے..... نہیں نہیں، جن میں آپ کامل ماہر تھے..... نہیں نہیں بل کہ بعض علوم کے موجد تھے اور ان میں کوئی ہم عصر ہمسری کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا۔ آپ ہی کے الفاظ میں علوم وعرفان کے وہ دریا جن سے اعاظم علماء سیراب ہوئے کا حال سنئے

میں آپ کو اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی بابرکت سے اجازت دیتا ہوں..... اولاً ان تمام علوم کی..... جنہیں میں نے اساتذہ کرام سے پڑھا..... اور کتب حدیث کی ان تمام قسموں کی بھی جنہیں صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجیم اور اجزاء کہا جاتا ہے۔ نیز مسلک محدثین کے مطابق اور ہمارے جلیل القدر اماموں کے روشن طریق کے موافق جتنی اصول حدیث کی کتابیں ہیں..... اور فقہ حنفی کی روایت بھی.....

علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ حنفی..... کتب فقہ، جملہ مذاہب، اصول فقہ، جدل مہذب، علم تفسیر، علم عقائد و الکلام، علم نحو، علم صرف، علم معانی، علم بیاں، علم بدیع، علم منطق، علم مناظرہ، علم فلسفہ مدلہ، علم تکسیر، علم ہیئت، علم حساب، علم ہندسہ..... یہ اکیس علوم ہیں جنہیں میں نے اپنے والد قدس سرہ الماجد سے حاصل کیا اور باقی مشائخ نے بھی اجازت بخشی۔

ثانیاً ان تمام علوم کی اجازت بھی دیتا ہوں جنہیں میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا، لیکن نقاد علمائے کرام سے مجھے ان کی اجازت حاصل ہے..... اور وہ پورے دس علوم ہیں: قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تواریخ، لغت، ادب مع جملہ فنون..... ان (اکتیس) علوم میں جتنے متن، جتنی شرحیں، جتنے حواشی اور جتنے رسائل علماء متقدمین اور متاخرین نے تصنیف کیے ہیں ان سب کی اجازت دیتا ہوں۔

ثالثاً ان علوم کی بھی اجازت دیتا ہوں جنہیں میں نے کسی افادہ بخش

استاذ سے حاصل کیا۔ نہ وہ پڑھ کر، نہ سن کر، نہ باہمی گفت گو سے ...... اور مجھ جیسے ہم زمان ایسے علموں کو تعلیم و تعلم کے بغیر حاصل کرنے کے عادی بھی نہیں مگر اس عاجز فقیر پر رب قدیر نے ایسا فضل فرمایا کہ میں نے انہیں محض کتب بینی سے اور نظر و فکر کے استعمال سے حل کر لیا۔ کسی پر اعتماد کر کے اس کے حضور زانوئے تہ کرنے کی ضرورت نہ پڑی، گویا اپنے اقران میں ان علوم کا موجد ہوں اور ان کی گود میں مجھ ہی کو بیٹھنا نصیب ہوا۔ یہ علوم تعداد میں چودہ ہیں۔

ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حساب سینی، لوغارثمات، علم التوقیت، مناظرو مرایا، علم الاکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئات جدیدہ مربعات، حصہ جفر، حصہ زائرجہ ...... تو یہاں تک پینتالیس علوم ہوئے ...... اور میں نے ان جملہ علوم کی بڑی بڑی کتابوں پر حواشی بھی لکھے۔ حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانہ طالب علمی سے اب تک جاری ہے ..... مگر جب میں نے پڑھنے سے فراغت پائی ..... اور یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ کا ہے، اس وقت میں تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کا تھا ...... وہ چودہ علوم جو فقیر کو محض نظر و فکر سے حاصل ہوئے ان کے ساتھ یہ پانچ علوم اور بھی شامل ہیں: فرائض، حساب، ہیئت، ہندسہ، تکسیر ..... تو گویا یہ انیس علوم ایسے ہیں جن کی تعلیم صرف آسمانی فیض سے مجھے حاصل ہوئی۔

یوں ہی نظم عربی، نظم فارسی، نظم ہندی، نثر عربی، نثر فارسی، نثر ہندی کا انشا، خط نسخ، خط نستعلیق اور مولیٰ تعالیٰ کے آسان فرمانے سے قرآن مجید کی تلاوت مع التجوید کی تعلیم بھی کسی استاذ سے حاصل نہ کی ..... پہلے انیس اور یہ نو کل اٹھائیس فنون وہ ہیں جنہیں محض میں نے رب تعالیٰ کے الہامی فیض سے حاصل کیا ہے (امام احمد رضا قدس سرہ کے اکتیس علوم مکتسبہ اور اٹھائیس علوم لدنیہ غیر مکتسبہ مل کر انسٹھ علوم بنتے ہیں جن میں انہیں مہارت تامہ بلکہ ملکہ اجتہاد حاصل

تھا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ عام طور پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علوم پچاس کے قریب بتائے جاتے ہیں لیکن انسٹھ علوم آپ ہی کے علم سے متحقق ہوئے (الحمد للہ رب العالمین)

رابعاً اپنی تمام مولفات کی بھی اجازت دیتا ہوں ـــــ اور یوں ہی ان چاروں کی اجازت آپ کے بیٹوں، بھائیوں، پوتوں اور نواسوں کو بھی دیتا ہوں۔

خامساً طریقت کے ان تمام دل پسند سلسلوں کی بھی اجازت دیتا ہوں جن کی مجھے اجازت حاصل ہے...... وہ سلاسل طریقت یہ ہیں:

طریقہ عالیہ قادریہ جدیدہ، قادریہ آبائیہ قدیمہ، قادریہ اہدیہ، قادریہ رزاقیہ، قادریہ رضویہ، چشتیہ نظامیہ عتیقیہ، چشتیہ محبوبیہ جدیدہ، سہروردیہ واحدیہ، سہروردیہ فضلیہ، نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ، نقشبندیہ علائیہ علویہ، سلسلہ بدیعیہ، علویہ منامیہ...... یہ آخری سلسلہ بیعت میرے تمام سلسلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے...... بحمدہ تعالیٰ صحیح بخاری کی اعلیٰ سند کی طرح یہ سند بھی ثلاثی ہے...... تو اے میرے پیارے مستجز، آپ حضرات کیلئے یہ سند بواسطہ فقیر رباعی ہوگی۔

سادساً درج ذیل ادعیہ وغیرہا کی اجازت بھی دیتا ہوں

قرآن عظیم کے خواص، اسماء الٰہیہ، دلائل الخیرات، حصن حصین، قصیدہ متین، اسماء البعثیہ، حزب البحر، حزب البر، حزب النصف، سلسلہ شاذلیہ کے تمام احزاب، ایک لاکھ چار روٹیوں کا حرز، حرز الامیرین، حرز یمانی، دعاء مغنی، دعاء حیدری، دعاء عزرائیلی، دعاء سریانی، قصیدہ خمریہ (جن کا مشہور نام قصیدہ غوثیہ ہے) صلوٰۃ غوثیہ (جسے صلوٰۃ الاسرار کہا جاتا ہے جو بخشنے والے رب کے اذن سے حاجت برآری کیلئے مرجب ہے) قصیدہ بردہ، دعائے شمع تکبیر عاشقاں، نیم تک بیر، ارسال الہواتف

ان کے علاوہ اس قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو احاطہ وصف میں

شاید نہ آسکیں۔

سابعاً ان تمام اذکار، اشغال، اوفاق اور اعمال کی بھی اجازت دیتا ہوں جو مجھ تک میرے استادوں آقاؤں کی جانب سے پہنچے ہیں یا جنہیں میں نے اپنی فکر اور کوشش سے استخراج کیا ہے اور بحمدہ تعالیٰ اپنی مراد کے موافق بلکہ اس سے بڑھ کر پایا ہے۔

اب آپ کو چاروں مصافحوں کے شرف سے بھی نوازتا ہوں۔

مصافحہ خضریہ، مصافحہ جنیہ، مصافحہ معمریہ، مصافحہ منامیہ۔

سید کے اسی نسخہ میں مولانا عمر الحمری المدنی کو جن پیارے خطابات سے نوازا وہ ملاحظہ فرمایئے:

اے فاضل کامل، اچھی خصلتوں والے، شجرہ فضیلت کی شاخ، پاک، صاف، دانا، تیز فہم، مولانا شیخ عمر بن حمدان الحمری المالکی

مولانا موصوف نے اپنے شیخ احمد رضا خاں کی بعض کتابوں پر تقریظ بھی لکھی چنانچہ حسام الحرمین پر تقریظ ان الفاظ میں لکھی:

فانی قد اطلعت علی ما حررہ العالم العلامۃ الدراکۃ الفھامۃ ذو التحقیق الباھر جناب الشیخ احمد رضا خاں فی الخلاصۃ الماخوذۃ من کتابہ المسمی المعتمد المستند فوجدۃ اللہ فی غایۃ التحیر فللہ در مؤلفہ

جناب شیخ احمد رضا خاں نے جو اپنے خلاصے میں تحریر فرمایا ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا، یہ خلاصہ ان کی کتاب موسومہ "المعتمد المستند" سے ماخوذ ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ مصنف کی تعریف و توصیف اللہ کیلئے ہے۔ وہ مصنف خوب ہی جاننے والا خوب ہی سمجھنے والا، خوب ہی سوچنے والا اور ایسی روشن تحقیق کرنے والا ہے جس

سے تمام پہلو منور ہو جائیں۔

حضرت شیخ مامون البری المدنی رحمۃ اللہ علیہ:

صاحب سیادت وشرافت مولانا سید مامون البری نے جب اجازت وخلافت کے لیے عرض کیا، اس وقت عبد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) (اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ) بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے۔ اپنے عشق ووارفتگی میں بے خود دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت بے بہا لوٹ رہا تھا۔ اس وقت علماء مستجزین کو صرف زبانی اجازت عطا کی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ وطن واپس پہنچ کر تحریری طور پر سند اجازت ارسال کی جائے گی۔ مگر واپسی کے بعد حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کتابیں تصنیف کرنے اور فتنے مٹانے مسیں ایسے مصروف ہوئے کہ سندیں روانہ کرنے میں تاخیر واقع ہو گئی۔ اس پر کئی خطوط بطور یاددہانی حرمین شریفین سے بریلی تشریف لائے۔ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء حرمین کے دلوں پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عظمت کے جو نقوش پڑ چکے تھے، وقت گزرنے پر مدھم نہیں پڑے۔ بلکہ محبت والفت میں بدستور اضافہ ہی ہوتا رہا۔ یہاں جلیل القدر سید مامون البری کا ایک مکتوب بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔

سب تعریفیں اللہ کو ہیں اور درود اس کے رسول پر۔

یہ خط ان کی طرف لکھا جاتا ہے جو...... استاذ ہیں، یکتا ہیں، علامہ ہیں، جائے پناہ، بہت سمجھدار اور تیز فہم ہیں جن کا قلم جادو کی طرح فریفتہ کرتا ہے۔ جن کی باتوں کا لطف نسیم سحر پر فوقیت رکھتا ہے۔ وہ ایسے کمال عالیہ کے مالک ہیں کہ ہم ان کی کنہ کا تصور نہ بذریعہ رسم کر سکتے ہیں نہ بذریعہ حد۔ وہ اس لائق ہیں کہ کہا جائے کہ ان جیسا اس زمانہ کوئی نہیں کیونکہ ان کا فضل وکمال اس آگ سے زیادہ مشہور ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر جلائی جاتی ہے۔ یہ شعر ان کی مسلمہ بلند ہمتی پر تنبیہ کرتا ہے جسے ان کی زبان حال پڑھتی ہے۔

الخیل واللیل والبیداء تعرفنی

والسیف والرمح والقرطاس والقلم

(ترجمہ شعر)

مجھے یہ سب چیزیں پہچانتی ہیں۔ گھوڑے بھی (کہ میں شہسوار ہوں) راتیں بھی (کہ ان میں جاگ کر یادِ خدا کرتا ہوں) بیاباں بھی (کہ انہیں تلاش محبوب میں قطع کرتا ہوں) تلوار اور نیزہ بھی (کہ ان سے جہاد کرتا ہوں) کاغذ اور قلم بھی (کہ عقائد اسلامیہ اور مسائل شرعیہ لکھتا ہوں)

ان سے میری مراد حضرت جناب مکرم، محترم، یگانہ اقران سیدی احمد رضا خاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عزت وجلال کو زوال اور دوہری آفات سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہم آپ کی خدمت میں سلام پر سلام پیش کرتے ہیں جو بلند ٹیلوں کی شگفتہ کلیوں سے زیادہ خوشنما اور نسیم صبا سے زیادہ پر لطف ہے اور ایسی تعریف کرتے ہیں جو ستارہ زہرہ کی طرح چمکتی اور چمنستان کی نازک کلیوں پر فخر کرتی ہے جب ہم آپ کے فضیلت والے عقل والے، عزت والے، قدر والے بھائی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ان سے حضرت کے حالات دریافت کیے، انہوں نے صحت وعافیت کی خبر دی تو ہم از حد خوش ہوئے۔ رب تعالیٰ کی واحد یگانہ ذات سے آپ کی عافیت کے دوام کے طالب ہیں۔ جب آپ مدینہ طیبہ کے عالی دربار میں حاضر ہوئے تھے تو مجھ فقیر سے بنابر فضل وکرم وعدہ فرمایا تھا کہ حدیث، تفسیر وغیرہ علوم دینیہ کی سند دوں گا۔ فقیر اس کا منتظر ہے۔ آپ حسب وعدہ سند اجازت لکھ کر ارسال فرمائیں کیونکہ کریم جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے اور سحاب رحمت جب گرجتا ہے تو برستا ہے۔ نیز آپ کی بارگاہ سے امید کی جاتی ہے کہ اپنی بعض عربی تالیفات ارسال فرمائیں گے اور بس!

آپ کے فاضل فرزند کو اور آپ سے نسبت رکھنے والے اور مجلس میں

حاضری دینے والے ہر شخص کو سلام۔ آپ سے اس کرم کی بھی امید ہے کہ خاطر عالی سے اور بلند قیمت نگاہ سے ہمیں دور نہ ہٹائیں گے۔ ہم ہاتھ پھیلا کر آپ کی خیریت کی دعا کرتے ہیں۔ والسلام

آپ کا محب فقیر عاصی سید مامون الازرنجانی ثم المدنی، محرم ۱۳۲۶ھ

مرکز علم وعرفاں، مہبط وحی وقرآں، دیار حبیب کے باشندے اور مسلمانوں کے جلیل القدر ائمہ کی طرف سے "بریلی" میں آنے والے خطوط نے واضح کر دیا کہ امام احمد رضا خاں قدس سرہ کا علمی وروحانی مقام کتنا بلند ہے۔ یہ اعاظم علماء آپ سے از راہ برکت وسعادت اجازات کے طالب ہوئے اور امام موصوف نے کسر نفسی کے باعث اجازات عطا کرنے میں تاخیر کی مگر جب بار بار کے اصرار اور یاد دہانی کے سبب مجبور ہوئے تو اجازت مرحمت فرمائی۔

شیخ "مامون البری" المدنی کو مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ۱۳۲۴ھ میں زبانی اجازت عطا ہوئی مگر تحریری اجازت بریلی شریف سے ۱۳۲۶ھ شوال المکرم کی ابتدائی تاریخوں میں بعض علماء پنجاب کے ہاتھ روانہ فرمائی۔ سند اجازت کا ترجمہ ذیل ہے:

اے پاک، باطن، پاک سیرت، شرافت وسیادت کے شجر عظیم، دانائی وسعادت کی خوشبوئے دلنشیں، جلیل القدر، عظیم المرتبت، باکمال عالم دین، بلند فضیلت والے، مبارک فیض والے، غنی دل والے حضرت سیدی السید المامون البری المدنی (اللہ تعالیٰ آپ کو دین کیلئے جائے پناہ یقین کیلئے حفاظت گاہ، دین کے طالبوں کیلئے امن گاہ بنائے) آپ نے اچھا گمان رکھتے بلکہ بھلائی کا ارادہ فرمانے کی بنا پر مجھ سے حدیث شریف کی اور میری نئی و پرانی تمام مرویات کی اجازت طلب کی ہے حالانکہ میں قافلہ علم اور گروہ فنون میں خود کو شمار نہیں کرتا لیکن چونکہ اہل کرم اچھے گمان رکھا کرتے ہیں اس لیے آپ کو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی برکت پر اجازت دیتا ہوں۔

مولانا سید محمد ابراہیم مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ عالم باکمال، فاضل اجل، بڑے متقی وپرہیزگار اور عابد وزاہد تھے۔ مدینہ طیبہ کے باشندے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے کیلئے

گئے تو اس وقت آپ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر اعلیٰ حضرت کے فضل وکمال کی خبر ملی تو غایت شوق میں بریلی کا سفر کیا۔ چھ ماہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر تکمیل سلوک کیا اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ پھر واپس وطن شریف لے گئے۔

بریلی شریف میں آپ کی موجودگی کے دوران حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں، خلف وجانشین اول اعلیٰ حضرت کے ہاں شاہ محمد ابراہیم رضا کی ۲۵ رجمادی الآخر ۱۳۲۵ھ کو ولادت ہوئی۔ یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نسل میں پہلے فرزند تھے اس لیے بڑی مسرت کا اظہار کیا گیا۔ حضرت سید ابراہیم نے بطور یادگار اپنے نام پر نومولود کا نام ابراہیم رضا تجویز فرمایا۔ جسے اعلیٰ حضرت نے بھی پسند فرمایا کہ یہ سرکار اعظم کا عطیہ ہے۔

ان کے بڑے بھائی سید حسین مدنی صاحب بڑے سیر چشم و بے طمع بزرگ تھے۔ وہ بھی بریلی تشریف لائے۔ آپ کے سب سے بڑے بھائی سید احمد خطیب کی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے خط وکتابت رہتی تھی۔ حضرت سید ابراہیم بریلی میں اور اجازت پانے کے تبلیغ واشاعت کی غرض سے تبت تشریف لے گئے اور سید حسین مدنی اسلام کی شمع کو روشن کیا جاسکے۔

السید ابوالحسن محمد بن عبدالرحمن المرزوقی المکی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت علامہ سید محمد بن عبدالرحمن المرزوقی کی ولادت باسعادت ۱۲۸۴ھ میں ہوئی۔ اپنے والد اور والدہ کے دادا سید محمد صالح کتبی اور حضرت علامہ شیخ صالح کمال اور علامہ شیخ عبدالحق الہ آبادی سے تحصیل علم کیا۔ اس کے بعد انہیں مسجد حرام میں مسند درس پر متمکن ہونے کی سعادت ملی۔ عہد عثمانی میں مکہ کے قاضی، محکمہ تعزیرات کے رکن اور مجلس نہر زبیدہ کے ممبر رہے۔ عہد ہاشمی میں وزارت تعلیم اور عہد سعودی میں ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ آپ بہت صالح، عادل و متقی اور خلیق بزرگ تھے۔ آپ فصیح عربی میں کلام فرماتے۔ آپ کا تعصب، عناد، حسد و کینہ ایسی کدورتوں سے پاک تھے۔ آپ کا حلقہ درس باب قطبی اور باب باسطیہ کے مابین قائم تھا۔ آپ کے تلامذہ میں نامور علماء پیدا ہوئے۔ بالخصوص حضرت شیخ حسین عبدالغنی، شیخ احمد ہرسانی، شیخ محمد مرزوقی اور شیخ یحییٰ امان عہدہ قضا پر فائز رہے۔

آپ کے علم وفضل اور تقویٰ واخلاق کے بارے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

الفضل الجليل السيد الجميل جامع الفضائل ال
انسية قامع الرذائل الدنسبه الفقيه الرجيه النبيل
النبيه مولانا الشيخ ابو الحسين محمد المرزوق
سلمه الله تعالیٰ۔

ترجمہ: فاضل جلیل، سید جمیل، انسانی فضیلتوں کے جامع، گندی برائیوں کے قامع، باوجاہت فقیہہ، نامور دانا، حضرت مولانا ابو الحسین محمد مرزوقی اللہ انہیں سلامتی بخشے۔

دوسرے موقع پر یوں فرمایا: مولانا السيد ابي الحسين مرزوقى امين الفتوىٰ ومكين التقوىٰ

ترجمہ: حضرت مولانا ابو الحسین المرزوقی جو فتویٰ دینے میں امین اور تقویٰ اختیار کرنے میں پختہ ہیں۔

قیام حرمین شریفین کے دوران اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ اجازت سلاسل طلب فرمائی۔ چنانچہ اوائل صفر ۱۳۲۴ھ کو مکہ مکرمہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

الدولۃ المکیہ اور حسام الحرمین پر ان کی تقاریظ بڑی وقیع ہیں۔ ان کے اقتباس دلچسپی سے خالی نہیں۔

میں اس رسالہ 'الدولۃ المکیہ' پر مطلع ہوا اور ان میں جو بلند مباحث ہیں میں نے دیکھے ہیں جن پر روشن نورانی قطعی دلیلوں سے دلائل قائم کیے ہیں تو میں نے اسے زمانہ کی پیشانی میں نورانی نشان پایا جس سے دل کشادہ ہوں اور سینے کھل جائیں

آگے چل کر معاندین ومخالفین کے جھوٹے پروپیگنڈے کی خبر لی۔

جھوٹے ہیں وہ سب جنہوں نے اس مولف جلیل پر یہ ادعا کیا ہے کہ اس نے اس رسالہ میں شہ علم اشرف الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو اس کے علم سے برابر مانا جو عالم کا پیدا کرنے والا ہے۔

کاش میں جانتا کہ اس رسالہ میں کون سا لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہے

مقالات کہ اس پر دلالت کرے، بآنکہ حضرت مولف نے کہ اللہ اس کے وجود کو ہمیشہ سارے زمانے کی زینت رکھے۔ اس رسالے کے متعدد مواضع میں دونوں علموں (علم باری اور علم مصطفیٰ جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرق عظیم کی تصریح کی تو اب نے رب اللہ سے ڈرے وہ جس نے یہ جھوٹ بکے۔ جن کی اصلاً کوئی حقیقت نہیں اور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ الدولۃ المکیہ کے مولف مولانا احمد رضا خاں کو سب سے بہتر جزا عطا کرے۔

حسام الحرمین پر طویل تقریظ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

بیشک مجھ پر اللہ کا احسان ہوا اور اسی کیلئے حمد وشکر ہے کہ میں نے حضرت عالم علامہ سے ملا جو زبردست عالم، دریائے عظیم افہم ہیں جن کی فضیلتیں وافر اور بڑائیاں ظاہر...... اور بیشک میں نے ان کا اچھا ذکر کیا اور بڑا مرتبہ پہلے ہی سنا تھا، اور ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے مشرف ہوا جن کے نور قندیل سے حق روشن ہوا تو ان کی محبت میرے دل میں جم گئی اور دل ودماغ میں متمکن ہو گئی۔ کبھی کبھی کان، آنکھ سے پہلے گرفتار محبت ہو جایا کرتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ نے اس ملاقات سے احسان فرمایا تو میں نے وہ کمال ان میں دیکھے جن کا بیان طاقت سے باہر ہے۔ میں نے علم کا کوہ بلند دیکھا جس کے نور کا ستون اونچا ہے اور معرفتوں کا ایسا دریا جس سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں۔ بہت سی تعریف وتوصیف بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ورایت نفسی ذاوی وحصو عن البلوغ فی وصفہ الی البغیۃ والوطر۔

اور میں نے اس کی تعریف وتوصیف میں خود کو عاجز پایا۔ دل بھر کر تعریف نہ کر سکا (دل کی آرزو دل ہی میں رہ گئی)

قافلے جانب احمد سے جو آتے تھے یہاں

حال دریافت سے سنتا تھا نہایت اچھا
جب ملے ہم تو خدا کی قسم ان آنکھوں نے
اس سے بہتر سنا تھا جو نظر نے دیکھا ہے

۲۵ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ کی رات کو اللہ اللہ کہتے ہوئے راہی ملک بقا ہوئے۔ جنت المعلی میں مزار انور ہے۔

حضرت سید محمد بن عثمان دحلان رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کو ۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو بوقت روانگی مدینہ منورہ اجازت وخلافت سے نوازا گیا۔ یہ اجازت اس وقت دی گئی جب کہ امام بریلوی قدس سرہ امن والے شہر مکہ مکرمہ سے رخصت ہوکر سکون والے شہر مدینہ طیبہ روانہ ہونے والے تھے۔

امام اہل سنت خود ارشاد فرماتے ہیں:

۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو کعبہ تن سے کعبہ جان کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت مولانا سید اسماعیل اور بعض دیگر حضرات شہر مبارک سے باہر دور تک برسم مشایعت تشریف لائے اور مجھ میں بوجہ ضعف مرض پیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی پھر بھی ان کی تعظیم کیلئے ہر چند اترنا چاہا مگر ان حضرات نے مجبور کیا۔

حضرت شیخ محمد جمال بن محمد الامیر رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت شیخ عابد بن حسین مفتی مالکیہ مکہ اور حضرت شیخ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہم کے برادرزادہ تھے۔ آپ کو مکہ مکرمہ میں ۹ صفر ۱۳۱۴ھ کو اجازت عالیہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

مکہ معظمہ میں جب علماء وفضلاء نے کثرت سے امام احمد رضا خاں بریلوی سے اجازتیں طلب کیں تو آپ نے ان کیلئے سند کا ایک مختصر مگر جامع نسخہ تالیف فرمایا جو تھوڑے الفاظ پر مشتمل ہونے کے باوجود جامع تھا۔ سند کا یہ نسخہ "الاجازات المتینیہ لعلماء بکۃ والمدینۃ" میں چوتھا نسخہ ہے۔ حضرت شیخ موصوف کو یہ مختصر اور جامع سند کا نسخہ عطا کیا گیا لیکن انہوں نے سند کا وہ مفصل نسخہ بھی طلب فرمایا جو ان سے پہلے سابق مفتی احناف الشیخ صالح کمال کو دیا گیا۔ چنانچہ شیخ موصوف کو اجازت دی گئی کہ حضرت صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ کی سند اجازت کی نقل لے لیں۔

شیخ العلماء مولانا محمد سعید بن محمد باصبیل مفتی شافعیہ، مکہ معظمہ:

آپ حرم محترم میں مفتی شافعیہ اور شیخ العلماء کے جلیل الشان مناصب رفیعہ پر فائز تھے شیخ العلماء کا منصب بہت کم علماء کو نصیب ہوتا۔ یہ منصب خلیفہ وقت کی جانب سے متعین ہوتا اور اپنے وقت کی علوم شرعیہ میں کمال پر فائز شخصیت اس منصب کی اہل ہوتی۔

۱۳۲۳ھ میں حج کے موقع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے شرف تلمذ وخلافت حاصل کیا۔ آپ کی شخصیت حق کا معیار تھی۔ شیخ صالح کمال اور شیخ ابوالخیر میرداد وغیرہ اکابر وعمائد کی طرح آپ کی رائے حرف آخر ہوتی اور آپ کا قول مستند ہوتا۔ چنانچہ "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" کی حرم محترم میں دھوم پڑ گئی۔ حق کا چاند روشن ہوا اور معاندین ومفسدین پر اوس پڑ گئی۔ شریف مکہ کے دربار میں قبولیت عامہ کی سند پا چکی۔ وہابیہ کا ہر داؤ باطل ہوا۔ آخری حملہ کے طور پر احمد راتب پاشا گورنر مکہ معظمہ کو بھڑکانے کیلئے (وہابیہ نے) اس وقت اس کے پاس شکایت کی جب وہ طواف سے فارغ ہوا کہ "ایک ہندی عالم (امام احمد رضا) نے ہندوستان میں بہت سے لوگوں کے عقائد بگاڑ دیے ہیں اور اب اہل مکہ کے عقیدے خراب کرنے آیا ہے۔" ساتھ ہی دل میں سوچا کہ اپنی بات کو کس طرح معتبر بنائیں تاکہ گورنر مکہ معظمہ جوش غضب میں آکر اس کی اہانت کے درپے ہو۔ لہٰذا مجبوراً انہیں یہ کہنا پڑا کہ "اور اکابر علماء مکہ مثلاً شیخ العلماء سید محمد باصبیل ومولانا شیخ صالح کمال ومولانا ابوالخیر میرداد اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔"

مولیٰ تعالیٰ کی شان کہ یہی بات ان پر الٹی پڑی۔ پاشا نے بکمال غضب ایک چپت اس شکایت کرنے والے (وہابی) کی گردن پر جمادی اور کہا کہ:

یاخبیث ابن الخبیث یاکلب ابن الکلب اذاکان ہولاء مع فہو یفسد ام یصلح

اے خبیث، اے کتے جب یہ اکابر اس کے ساتھ ہیں تو وہ خرابی ڈالے گا یا اصلاح کرے گا۔

شیخ العلماء الکرام مولانا موصوف نے "المعتمد المستند"، "الدولۃ المکیہ" اور "حسام الحرمین" وغیرہ کتب امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ پر طویل تقاریظ تحریر فرمائیں۔ الدولۃ المکیہ پر بایں الفاظ تقریظ فرمائی۔

فاضل کامل سیدی احمد رضا خاں کے رسالہ مسمی بہ "الدولۃ المکیہ بالمادۃ

الغیبیہ' کا مطالعہ کیا۔ میرے نزدیک اس کا مصنف اور یہ رسالہ تین وجہ سے عظیم تعریف کا مستحق ہے۔

اولاً یہ کہ جس سمت میں (اس کا مصنف) ہے وہاں کے علماء کا سردار ہے اور شریعت کے اصول وفروع سے علوم ومطالب میں محقق ومدقق ہے۔

ثانیاً یہ کہ وہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حسن، تعظیم وآداب کے ساتھ قیام وکوشش تام رکھتا ہے۔ خصوصاً ان علوم غیب میں جو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو کرامت کیے جو بے انتہا ہیں۔

ان چیزوں سے جو لوح محفوظ اور عرش اور عالم ہائے بالا وغیرہا میں ہیں جن کا بیان مصنف نے اپنے رسالہ مذکور میں کیا اور دلائل قائم کیے اور اس پر سندوں سے دلیل قطعی قائم کی جو اپنے بعض مشائخ اور مصنفین سلف وخلف سے نقل کیں جن کا حصر ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ رسالہ مذکورہ میں ان کے مطالعہ کرنے والے پر معلوم ہوتا ہے۔

ثالثاً: یہ کہ یہ رسالہ اپنی شان میں عظمت والا ہے۔ بایں کہ اسے اپنے زمانہ حج ۱۳۲۳ھ میں قلیل مدت میں لکھا ہے۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

حتی انها وقعت عند علماء الحرمين موقعا جليلا

وقرضوا له عليها واجادوا فيما اقاموا به له وهو قليل من قدره

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ رسالہ علماء حرمین شریفین کی نگاہ میں عظیم وقعت پر واقع ہوا اور ان علماء کرام نے مصنف کے رسالے پر تقریظیں لکھیں اور مصنف کی تائید میں بہت خوب قیام کیا اور...... یہ مصنف کی قدر سے کم ہے۔

<u>شیخ الدلائل السید الشیخ محمد سعید بن السید محمد المغربی قادری مدنی رحمۃ اللہ:</u>

صاحب فضیلت وجاہ، صاحب تقویٰ وورع، عالم باعمل مولانا سید محمد سعید مدینہ منورہ میں علماء وفضلاء کے مرجع اور عوام الناس کی جائے پناہ تھے۔ اصحاب مراتب آپ کی طرف لوٹ

لوٹ کر آتے۔ سکون والے شہر مدینہ منورہ میں دلائل الخیرات کی اجازت لینے کیلئے لوگ آپ کے حضور حاضر ہوتے اور عزت وفضیلت پا کر واپس ہوتے۔

۱۳۲۴ھ میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری جب آستانہ عالیہ نبویہ (علیٰ صاحبہا والہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام) چومنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے تو بے شمار علماء وفضلاء طالب علم وفضل بن کر حاضر ہوئے۔ مرجع انام موصوف بالشرف الفضائل سید محمد سعید..... شیخ الدلائل بھی حاضر ہوئے۔ سلاسل شریعت وطریقت کے حصول علوم سند کے خواہاں ہوئے اور حدیث مسلسل بالاولیت کا سماع کیا اور تمام سلاسل طریقت اور شریعت کے تمام علوم کی اجازت تامہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے سند کا ایک مختصر نسخہ تحریر کیا۔ زیادہ تفصیل وطن واپس پہنچ کر بھیجنے کا وعدہ فرمایا گیا۔ سند کے اس مختصر نسخہ کا ترجمہ آخر میں درج ہے۔ شیخ الدلائل سید محمد سعید قادری نے امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی تصانیف پر تقاریظ لکھیں۔ "حسام الحرمین" پر تقریظ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

(ترجمہ تقریظ): جب شک وشبہ کی اندھیری رات چھا جاتی ہے تو وہ اپنے آسمان علم سے ایک چودھویں کا چاند چمکاتا ہے۔ اس طرح نسلاً بعد نسل علماء کاملین وناقدین کے ہاتھوں شریعت مطہرہ تغیر وتبدل سے محفوظ رہی ہے اور ان اجلہ علماء میں سے کثیر العلم اور دریائے عظیم الفہم حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں۔

"الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" کی تقریظ میں یوں فرمایا:

(ترجمہ) بے شک استاذ، علامہ، فاضل، سیدی، شیخ احمد رضا خاں بریلوی کے رسالہ کا میں نے مطالعہ کیا۔ (اللہ ان کو ہر برائی سے محفوظ رکھے) جس کا نام "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" ہے میں نے اس رسالہ کو اہل سنت وجماعت کے مذہب کے موافق پایا اور اس میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جو علماء اعیان کے مخالف ہو۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو تمام اہل سنت وجماعت کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے اور اپنی طاعت وبندگی میں ان کی عمر دراز

کرے اور تمام مسلمانوں کو ان کے ذریعہ نفع پہنچائے۔

امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ نے آپ کے بارے میں فرمایا...... خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہیں۔ اس فقیر سے خطاب میں ''یا سیدی'' فرماتے۔ میں شرمندہ ہوتا، ایک بار میں نے عرض کی حضرت ''سید'' تو آپ ہیں۔ فرمایا'' واللہ تم سید ہو'' میں نے عرض کی ''میں تو سیدوں کا غلام ہوں'' فرمایا یوں بھی تو سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مولی القوم منہم'' قوم کا غلام آزاد شدہ انہیں میں سے ہے۔

آپ کی سند کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ نسخہ سند الاجازات المتینیہ میں ساتواں نسخہ اجازت ہے۔

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔

ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو یکتا ہے، جس کا کوئی نہیں، اس کا وہ ہے، جس کا کوئی سہارا نہیں اس کا وہ سہارا ہے۔ افضل درود اور اکمل سلام ان پر جو سخیوں کے سردار ہیں، ساری مخلوق کو جن پر بھروسہ ہے، جن پر عظمت والے پیغمبروں کے سلسلے ختم ہوتے ہیں اور آپ کی آل واصحاب پر جو آپ کے علوم کے راوی اور آپ کی اچھی روش و پاکیزہ دانش کے محافظ ہیں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد...... جب میرے رب نے میری کفایت فرمانے والے میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل مجھ پر احسان فرمایا کہ ۱۳۲۴ھ میں آستانہ عالیہ نبویہ (علی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ) کے چومنے کی سعادت بخشی تو اس وقت مولانا السید شیخ محمد سعید صاحب جو فضیلت والے آقا، عالم باعمل، یکتا متقی، شجرۂ نبوت کی حسین شاخ، کرم وسخا کے شجر عظیم، امن والی شریعت کی آنکھوں کی ٹھنڈک، سکون دینے والے شہر مدینہ کے جگر گوشہ ہیں جو ''دلائل الخیرات'' کی اجازتیں بخشتے ہیں جن کی جانب اصحاب مراتب لوٹ لوٹ کر آتے ہیں جو عزتوں کے جامع، فضیلتوں کے منبع ہیں...... اور سید اجل، علامہ اکمل زین

کے مشارق ومغارب میں شہرت پانے والے، شریعت کے مطالب ومقاصد کے جمع کرنے والے "مولانا السید محمد المغربی" (اللہ تعالیٰ انہیں اپنے وہبی فضل میں چھپائے) کے فرزند ہیں، میرے پاس تشریف لائے:

وکانا علی ان اتیہ لکن
تقدم والتقدم للکرام

(یعنی) ضروری تھا کہ میں جاتا مگر وہ آگئے پہلے۔

کرم کرنے والے نوازش میں ہمیشہ پہل کرتے ہیں۔ میں جب ان کی آمد کی برکت سے مشرف ہوا تو انہوں نے مجھ سے حدیث مسلسل بالاولیت کا سماع کیا اور وہ پہلی حدیث ہے جو انہوں نے مجھ سے سنی۔ انہوں نے وہ تمام اجازتیں بھی طلب کیں جو مجھے اپنے باکمال مشائخ سے ملی تھیں۔ اگرچہ میں بخیال خود اس قابل نہیں مگر اہل کرم حسن ظن کے عادی ہوتے ہیں چونکہ تعمیل ارشاد کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اس لیے ان کے امر شریف وحکم منیف کو بجالاتے ہوئے انہیں تمام علوم وفنون کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔ جن کی روایت کا میں مجاز ہوں اور تمام تصانیف کی بھی...... جن کی تعداد (اس وقت) دوسو سے اوپر ہے...... اور طریقت کے تمام سلسلوں کی بھی جو مجھ تک پہنچتے ہیں اور تعداد میں تیرہ ہیں، بالخصوص سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ...... اور اب چونکہ کوچ کا وقت آچکا ہے، اس لیے وطن جانے کے بعد سید محترم کیلئے بعونہ تعالیٰ قدرے تفصیل سے لکھ بھیجوں گا۔

ہماری دعا کا خاتمہ اس پر ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کو ہیں اور افضل درود وسلام کرم فرمانے والے حبیب پر اور آپ کی آل واصحاب پر اور آپ کے تمام خویش واقارب پر۔ آمین!

۹ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ بروز ہفتہ

الشیخ محمد صالح کمال بن الشیخ صدیق کمال مفتی حنفیہ:

خطیب وامام مسجد حرام مکہ معظمہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ شیخ صالح کمال بن علامہ صدیق بن علامہ عبدالرحمن کمال حنفی (رحمہم اللہ تعالی رحمۃ اللہ علیہ) ربیع الاول ۱۲۶۳ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اپنے والد ماجد سے مختلف علوم حاصل کیے۔ بعد ازاں کتب فقہ کا درس شیخ عبدالقادر خوقیر (المتوفی ۱۳۴۴ھ) سے لیا اور المختار بھی انہیں سے پڑھی۔ لغت، تفسیر اور حدیث کا علم شیخ الاسلام سید احمد زینی دحلان مکی قدس سرہ المکی سے حاصل کیا۔ علوم عقلیہ اور اصول فقہ کی تحصیل علامہ رحمت اللہ عثمانی بانی مدرسہ صولیہ مکہ معظمہ سے کی۔ نحو، معانی، بیان اور عروض علامہ سید محمد عمر شامی بقاعی قدس سرہ سے پڑھا۔

آپ نے کم عمری ہی میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرلی۔ آپ کی ذہانت وفطانت کے تمام اساتذہ معترف تھے۔ جلد ہی آپ کی علمی رفعت کے سبب مسجد حرام، مکہ معظمہ میں حلقہ درس منعقد کرنے کی اجازت ملی۔ آپ نے باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا حلقہ درس قائم کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی علمی خدمات، ورع وتقوی اور حسن اخلاق کا شہرہ پھیل گیا۔ ۱۲۹۷ھ میں آپ کو جدہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ دو سال تک آپ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ مشاہدہ کعبہ کے شوق میں آپ اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے اور پھر نشر علوم کا سلسلہ شروع کر دیا۔

سیدنا عبدالمطلب بن غالب شریف مکہ نے آپ کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا اور سیدنا عون شریف مکہ نے آپ کے مناسب میں اضافہ کرکے "شیخ المفتین"، "شیخ الخطباء الائمہ" مقرر کیا۔ اس کے بعد سیدنا حسین بن علی شریف مکہ نے آپ کو شیخ العلماء کے منصب رفیعہ پر مقرر کیا۔

مفتی حنفیہ کا عہدہ اس وقت تمام مفتیان کرام سے بڑا تھا۔ آپ مفتی حنفیہ، مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ مکہ میں مفتی حنفیہ کا منصب "شریف" (گورنر) سے دوسرے درجہ میں سمجھا جاتا تھا۔

آپ کی ذات گرامی تدبر وفراست، جود وسخا، شرم وحیا، علم وعمل ایسے اخلاق فاضلہ کی حامل تھی۔ تمام شیوخ حرم آپ کے شاگرد تھے۔ علامہ سید مرزوقی، علامہ سید علی، علامہ شیخ قاری

سعد اللہ مکی، علامہ شیخ ہروی، علامہ شیخ امان اللہ، علامہ شیخ یحییٰ امان ایسے باکمال بزرگ آپ کے ارشاد تلامذہ میں شامل تھے۔ آپ کا قد میانہ رنگ گندمی تھا۔

دوسرے حج کے موقع پر آپ کی ملاقات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی سے مکہ معظمہ میں ہوئی۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کے پاس اتنی مرتبہ تشریف لائے کہ جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا صالح کمال کا وجود اس لحاظ سے بابر برکت تھا کہ قیام حرم محترم مکہ معظمہ کے دوران اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے علم غیب پر ایک ایسی کتاب لکھوائی جس کی نظیر آج تک علماء عرب وعجم کی نظر سے نہ گزری۔ اس کتاب میں وہابیہ کے مختلف نوعیت کے اعتراضات کے ایسے مسکت جواب دیئے جو آج تک لاجواب ہیں۔ اس کی تعریف میں علماء اعلام رطب اللسان ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد فرماتے ہیں۔

"الدولۃ المکیہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں جو نسبتاً ضخیم ہے مسئلہ علم غیب پر فاضلانہ اور محققانہ بحث فرمائی۔ بعض مباحث جن کا تعلق علم ریاضی وعلم منطق وفلسفہ سے ہے عامۃ الناس بلکہ اب تو خواص کے فہم سے بھی بالاتر ہوں گے۔

الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ (۱۳۲۳ھ) کی تصنیف کا واقعہ خود مصنف علام سے سنئے:

کہ زینے پر چڑھ رہا ہوں۔ پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں۔ بعد سلام ومصافحہ دفتر کتب خانہ میں جا کر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسماعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سید مصطفیٰ اور ان کے والد ماجد مولانا سید خلیل اور بعض حضرات بھی کہ اس وقت یاد نہیں، تشریف فرما ہیں۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علم غیب کے متعلق پانچ سوال تھے (یہ وہی سوال ہیں جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا اور تقریر فقیر کے بعد چاک فرما دیا) مجھ سے فرمایا "یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیدنا کے ذریعہ سے پیش کیے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے۔"

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان سوالات کا جواب دینے کیلئے قلم دوات اور کاغذ طلب فرمایا۔ اکابر علماء نے کہا کہ "ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے بلکہ ایسا جواب ہو کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں۔"

ایسا جواب لکھنے کیلئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مہلت طلب کی۔ مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا "کل سہ شنبہ، پرسوں چہار شنبہ ہے۔ ان دو روز میں ہو کر پنجشنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کر دوں۔" اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ نے وعدہ فرما لیا۔ آپ اپنی کتابوں سے جدا، وطن سے دور، بیت اللہ کی زیارت میں مشغول اور اپنے محبوب و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک کی جانب جانے کی جلدی میں تھے۔ وہابیہ کی طرف سے اس حالت میں سوالات پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ امام احمد رضا خاں بریلوی اظہار جواب سے عاجز رہ جائے گا تو انہیں اس کی عید و خوشی ہوگی...... مگر یہ نہ جانا کہ دین متین امامیں ہے۔ اور جو کوئی اس کی مدد کرے منصور و محفوظ ہے۔

کتاب مذکور کی تصنیف کے دوران علماء سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان کو اجازتیں ملتی رہیں اور خود مصنف کو بخار رہا۔ تاہم وقت سے پہلے کتاب مکمل ہو گئی۔ مجموعی طور پر آٹھ گھنٹے سے کچھ زائد وقت صرف ہوا۔ کتاب مکمل ہو کر حضرت مولانا صالح کمال کی خدمت پہنچا دی گئی اور شریف مکہ کی مجلس میں علماء کی موجودگی میں پڑھی۔ دو راتوں میں کتاب پڑھی گئی۔ شریف مکہ کی موجودگی میں علماء کے مجمع میں حضرت صالح کمال نے علی الاعلان فرمایا:

"اس شخص" (امام احمد رضا خاں بریلوی) نے وہ علم ظاہر کیا جس
کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا۔"

الدولۃ المکیہ کے دلائل قاہرہ کو سن کر سیدنا شریف نے با آواز بلند فرمایا:

"اللہ یعطی وھئولاء یمنعون" یعنی اللہ تو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ القوی نے حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی تصنیف المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء) پر تعلیقات اور حواشی کا اضافہ فرمایا۔ ان حواشی

کا نام المعتمد المستند (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) رکھا۔ قیام حرم محترم کے دوران ۲۱ رذی الحجہ کو ان تعلیقات کا خلاصہ علمائے حجاز کی خدمت میں تصدیقات کے لیے پیش کیا۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے سب سے پہلے اس پر اپنی تقریظ لکھی اور فتویٰ مذکورہ کی تصدیق فرمائی۔ اس سے پہلے کتاب "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" پر تقریظات کے دوران دوسرے علوم کی طرح مولانا شیخ صالح کمال نے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمہ کے فتویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور اس کے استاد مولوی رشید احمد گنگوہی کو زندیق لکھا۔

جس وقت آپ سیدنا شریف کے دربار میں الدولۃ المکیہ پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے خلیل احمد انبیٹھوی کے عقائد ضالہ اور اس کی کتاب براہین قاطعہ کا بھی ذکر کیا (اتفاق کی بات یہ ہے کہ اسی سال مولوی خلیل احمد انبیٹھوی حج کو گئے تھے) انبیٹھوی صاحب کو جب یہ علم ہوا تو وہ حضرت مولانا صالح کمال کے پاس حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا "تیری کتاب چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ کلمات کفریہ کا اقرار کر کے توبہ کر لو" مگر انبیٹھوی صاحب رات ہی میں جدہ کی طرف فرار ہو گئے۔ مولانا صالح کمال نے حضرت سید اسماعیل کو اس واقعہ کی اطلاع بذریعہ خط (محررہ ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۲۳ھ) کو دی۔

حضرت مولانا صالح کمال مفتی حنفیہ، امام احمد رضا خاں بریلوی کا بے حد ادب و احترام فرماتے۔ آپ کے آرام و آسائش میں مقدور بھر کوشش کرتے اور بار بار تشریف لاتے۔ مکہ معظمہ میں پلنگ کا رواج نہ تھا۔ لوگ بالا خانوں میں فرش پر استراحت کرتے، مگر حضرت صالح کمال اور حضرت سید اسماعیل نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کیلئے ایک عمدہ پلنگ بنوا دیا۔

مرکز علم و عرفان، مکہ معظمہ کے علماء اعلام و فضلاء انام باوجود سیادت کے اعلیٰ حضرت بریلوی کے قیام مکہ کو طویل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ آپ کے ساتھ علمی، روحانی مجالس تادیر جاری رہیں اور آپ کے فیوضات و برکات سے متمتع ہوں، اسی غرض سے حضرت مولانا صالح کمال نے حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے کہا، "اجازت ہو تو ہم یہاں آپ کی شادی کی تجویز کریں۔" اس سے غرض یہی طوالت قیام تھی (آپ نے اپنی رفیقہ حیات کی موجودگی

میں دوسرا عقد مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی آپ کے ساتھ حج و زیارت سے مشرف ہوئیں)

حضرت مفتی حنفیہ تین تین پہر امام بریلوی قدس سرہ القوی کی خدمت میں رہتے۔ اس مجالست میں سوائے مذاکرات علمیہ کے اور باتیں نہ ہوتیں۔ جس زمانہ میں مکہ کے قاضی رہے تھے اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسئلے دریافت فرماتے اور تصدیق چاہتے۔ امام بریلوی اس کی توثیق فرماتے تو ان کے چہرے پر بشاشت اور خوشی کا اثر ہوتا ورنہ ملال و کبیدگی۔

جلیل القدر علامہ صالح کمال کی جلالت شان و عظمت کے پیش نظر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ان کیلئے سند اجازت لکھنے میں کافی توقف فرمایا۔ جب وہ ملاقات کیلئے تشریف لاتے، سند کا مطالبہ فرماتے اور تقاضے پر تقاضا کرتے۔ جب اصرار حد سے بڑھا اور امام بریلوی کو مجبور کر دیا گیا تو ان کیلئے سند کا ایک الگ بڑا نسخہ تحریر فرمایا جس کا تاریخی نام "الاجازت الرضویہ لمبجل مکۃ البہیہ (۱۳۲۴ھ) تجویز کیا۔ اس نسخہ کو اجازات علوم و سلاسل طریقت کا جامع اور پوری طرح کامل بنا دیا۔ یہ نسخہ اجازت ایسا حسین ہوا کہ ہر زیبائش سے مستغنی نظر آنے لگا۔

حضرت صالح کمال کے فضل و کمال کا اعتراف اعلیٰ حضرت نے یوں کیا:

"میرے نزدیک مکہ معظمہ میں ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا۔

مفتی حنفیہ، حضرت موصوف نے الدولۃ المکیہ، حسام الحرمین اور کفل الفقیہ الفاہم پر بڑی عمدہ تقاریظ لکھیں، تقاریظ کے چند اقتباس درج کیے جاتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں:

"رسالہ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" ان باتوں سے خالی ہے جو اس کے مصنف پر جھوٹے مفتریوں نے ادعا کیں کہ مولف نے علم الٰہی سے علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ کیا...... کیا اس پر باز نہیں آتے جو رسوائی اور مصیبت انہیں (افترا کرنے والے وہابیوں اور دیوبندیوں) کو مکہ معظمہ میں اس رسالے کے زمانہ تصنیف میں پہنچی۔ جب پیٹھ پھیر کر بھاگے......

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

لاسیما العالم العلامۃ بحر الفضائل قرۃ عیون

العلماء الاماثل مولانا الشیخ المحقق بکۃ الزمان احمد

رضاخاں البریلوی حفظ اللہ وابقاہ

(رحمتیں نازل فرما) اس عالم دین پر کہ جو فضائل کا دریا ہے اور علماء عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، حضرت مولائے محقق، زمانے کی برکت احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور سلامت رکھے۔

علم وعرفان، فضل وکمال کا یہ روشن نور ۱۳۳۲ھ میں پردہ فرما گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ شیخ سلیمان حسب اللہ نے ملتزم کے پاس پڑھائی اور آبدیدہ ہوکر فرمایا: "الیوم مات فداہٗ حنیفۃ"۔

جنت المعلیٰ مکہ معظمہ میں آخری آرام گاہ ہے۔

السید محمد عبد الحئی رحمۃ اللہ علیہ بن السید عبد الکبیر الکتانی:

الحسنی الادریسی الفاسی محدث بلاد مغرب

منبع الفواضل جامع الکمالات والفضائل سید محمد عبد الحئی بلاد مغرب (افریقہ) کے رہنے والے تھے۔ ان دیار میں آپ کی علمی شہرت کا چرچا عام تھا۔ نسب کے لحاظ سے حسنی سید ہیں۔ علوم دینیہ اور علم حدیث میں ساٹھ سے زائد کتب کے مصنف تھے۔ بڑے پائے کے محدثین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی تصانیف مصر میں چھپ چکی ہیں۔ فہرست الفہارس (اسانید اور رجال کے موضوع پر) دوجلدوں میں شائع ہوکر قبولیت عامہ حاصل کرچکی ہے...... بغیر کسی سابق تعارف وسابق ملاقات کے حضرت محدث مغرب موصوف نے ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا۔ (آپ اس وقت دوسری بار کے حج سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے) کہ میں آپ کے نور علم سے مقتبس ہونے کیلئے آنا چاہتا ہوں۔"

امام اہل سنت قدس سرہ ان دنوں وہابیوں کے رد اور علم غیب کی تحقیق میں "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ) لکھنے میں مصروف تھے اور تین دن میں کتاب مذکور کی تصنیف وتبییض کے تکمیل کرنے کا علماء کرام (مولانا شیخ صالح کمال، مولانا سید اسماعیل خلیل اور مولانا سید مصطفیٰ خلیل، مولانا سید خلیل، مولانا شیخ احمد ابوالخیر میرداد شیخ الخطباء وغیرہم) سے وعدہ فرما

چکے تھے۔ بوجہ ملاقات کتاب کی تکمیل میں تاخیر کا خوف تھا اور وعدے میں ایک ہی دن باقی تھا اس لیے سید جلیل کی خدمت میں عذر کر بھیجا کہ آج کی معافی دیں کل تک کتاب مکمل ہو جائے گی تو پرسوں میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔ سید صاحب کا خادم فوراً واپس آیا کہ میں کل مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔ کرایہ کے اونٹ لے لیے ہیں۔ کل دوپہر کے بعد روانگی کا پروگرام بن چکا ہے۔ مجبوراً سید موصوف کے تشریف لانے کی اجازت دے دی اور کتاب کی تکمیل خدائے ذوالجلال کے سپرد کی۔ سید محترم خوش ہوئے اور صبح ۲۷ رذی الحجہ ۱۳۲۳ھ تشریف لائے۔ انہوں نے آتے ہی مسلسل حدیث بالاولیت کا سماع کیا۔ علمی مذاکرات فرمائے۔ اجازت حدیث حاصل کی۔ اولیاء کبار کے سلاسل طریقت کی اجازتیں حاصل کیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تمام اجازتیں ان کی منشا کے مطابق لکھ کر مرحمت فرمادیں۔ یہ مجلس ظہر تک رہی۔ ظہر کی نماز کے بعد محدث موصوف مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ سید صاحب سب سے پہلے مستجیز ہیں جو مکہ معظمہ میں اجازت و خلافت کے حصول کیلئے تشریف لائے اور حسب منشا تمام سلاسل کی اجازت سے مشرف ہوئے۔

اس مختصر سی مجلس کے دوران آپ کے تبحر علمی کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یوں اعتراف کیا:

وبعد فقد تفضل على المحدث الفاضل العالم الكامل السيد النسيب الحسيب الاريب مجمع الفضائل منبع الفواضل مولانا السيد الشيخ محمد عبد الحئى ابن الشيخ الكبير السيد عبد الكبير الكتافى الحسنى الادريسى الفاسى محدث الغرب بل محدث العجم و العرب انشاء الرب۔

ترجمہ: حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ محدث، فاضل، عالم، کامل، سید نسب و حسب والے، ماہر فضیلتوں کے مجمع، عزتوں کے منبع حضرت مولانا سید محمد عبدالحی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر الکتانی الحسنی الادریسی الفاسی بلاد مغرب کے محدث بلکہ بمشیۃ تعالیٰ عجم و عرب کے محدث میرے پاس تشریف لائے۔

آپ کا وصال ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء میں ہوا۔

آپ کی سند اجازت کا صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ بخوف طوالت عربی عبارت درج نہیں کی جارہی۔ اصل عبارت کے شائقین حضرات "الاجازات المتینہ" کا پہلا نسخہ اجازت ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ سند: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں، وہ اس کا ہے جس کا کوئی نہیں، اس کو سہارا دیتا ہے جس کا کوئی سہارا نہیں۔ افضل درود اور اکمل سلام ان پر جو نبیوں کے سردار اور ساری مخلوق کے سہارا ہیں، جو عظمت والے پیغمبروں کے سلسلوں کی نہایت ہیں۔ آپ کی آل و اصحاب پر بھی جو آپ کے علم کے راوی اور اچھی روش و پاکیزہ دانش کے محافظ ہیں۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ محدث، فاضل، عالم، کامل، سید نسب و حسب والے، ماہر، فضیلتوں کے مجمع، عزتوں کے منبع، حضرت مولانا سید محمد عبدالحئی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر الکتانی الحسنی الادریسی الفاسی، غرب کے محدث بلکہ بمشیہ تعالیٰ عجم و عرب کے محدث، میرے پاس بتاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ تشریف لائے، میں اس وقت مکہ مکرمہ میں تھا۔ انہوں نے آکر مجھ سے حدیث مسلسل بالاولیت کا سماع کیا اور یہ پہلی حدیث ہے جو انہوں نے اس عبد ضعیف سے سنی جس طرح میں نے یہ حدیث اپنے مولیٰ اپنے مرشد، اپنے سردار، اپنے بھروسہ، اپنے خزانہ، دنیا و آخرت میں اپنے ذخیرہ سیدنا شاہ آل رسول الاحمدی (رضی اللہ عنہ بالرضی السرمدی) سے سب حدیثوں سے پہلے سنی اور انہوں نے یہ حدیث محدث ہند، مشہور در عرب و سند مولانا الشاہ عبدالعزیز دہلوی سے سب حدیثوں سے پہلے سنی اور انہوں نے یہ حدیث اپنے باپ اپنے شیخ الشاہ ولی اللہ دہلوی سے سب حدیثوں سے پہلے سنی۔ ان کا سلسلہ سند مشہور اور ان کی کتاب مسلسلات میں مذکور ہے۔ سید عبدالحئی موصوف نے مجھ سے اس حدیث کی اور اس کے علاوہ ان تمام مرویات کی اجازت مانگی جن کی روایت کا میں درج ذیل (۶) مشائخ کرام کی طرف سے مجاز ہوں:

(۱) ہمارے آقا و مرشد جن کا ابھی ذکر شریف ہوا۔

(۲) سیدی والد ماجد میری نعمت کے والی، اہل تحقیق کے خاتم، اہل تدقیق کے امام، حامی

سنت، ماحی فتنہ بدعت، عمدہ تصانیف، غالب حجت، روشن طریق والے حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب القادری البرکاتی البریلوی قدس سرہ القوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ)۔ وہ اپنے والد گرامی عارف ربانی سیدنا المولوی رضا علی (قدس سرہ) کی طرف مجاز ہیں۔

(۳) امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء امام، محدث، فقیہ کے امانت دار، سیدنا المولوی سید احمد بن زین دحلان المکی (قدس سرہ الملکی) وہ حضرت عثمان دمیاطی کی طرف سے مجاز ہیں۔

(۴) بلند ہمت امام، حرمت والے شہر میں اللہ کے روشن چراغ مولانا عبد الرحمن بن مولوی عبد اللہ سراج مکہ محمیہ میں حنفیوں کے مفتی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) وہ مولوی جمال بن عبد اللہ بن عمر مفتی احناف کی طرف سے مجاز ہیں۔

(۵) نیک سردار شیخ الخطبا مکہ مکرمہ میں امام شافعیہ مولانا حسین صالح جمل اللیل (رحمۃ اللہ تعالیٰ) وہ مولیٰ عابد السندی کی طرف سے مجاز ہیں۔

(۶) میرے مرشد کے پوتے، ان کے سجادہ نشین، سیادت جلیلہ، سعادت جمیلہ کے صاحب اور مقامات عظمیہ کے مالک، سیدنا مولانا الشاہ ابو الحسین احمد النوری (اللہ تعالیٰ ان کے نور معنوی اور نور صوری کی تنویر برقرار رکھے) وہ شاہ علی حسین مراد آبادی کی طرف سے مجاز ہیں۔

عبد حقیر خود کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ سید صاحب جیسے مقتدا مجھ سے سند حدیث حاصل کرتے اور میرے پاس چل کر تشریف لاتے

وکانا علی ان اتیہ لکن تقدم والتقدم للکرام

"ضروری تھا کہ میں جاتا مگر وہ آگے پہلے
کرم والے نوازش میں ہمیشہ پہل کرتے ہیں

مگر درحقیقت مامور معذور ہو جاتا ہے خاص کر وہ مامور جسے اتنے بڑے شہر تیا فتہ سردار نے امر فرمایا ہو۔ یہاں تو یہ امید بھی ہے کہ حوض مورود کے ساقی اور مقام محمود کے مالک حضرت جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکتیں ہم سب کو شامل ہوں گی کیونکہ طریق پر دی گئی سند اجازت کے سبب ایک جدید اتصال بارگاہ رسالت (علیہ السلام) سے پیدا ہو جائے گا

(درودوں میں افضل، سلاموں میں اکمل سلام، تحیات میں حسین تحیہ اور برکات میں بڑی برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو) اس لیے کہ سید محترم، اہل بیت رسالت سے ہیں اور اہل بیت کو رب ذوالجلال کی نظر عنایت سے دنیا میں بھی عزتیں دی گئی ہیں اور آخرت میں بھی تو جسے ان کے ساتھ تعلق ہوگا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کرم سے ہر برکت اور ہر نعمت کی امید کی جاسکتی ہے۔

اس حسین آرزو کی خاطر اور اس جلیل الشان سید محترم کے امتثال امر کیلئے میں نے انہیں "حدیث مسلسل بالاولیت" کی اور ان تمام مرویات کی اجازت دی جن کی مجھے اپنے قابل ستائش مشائخ کرام سے اجازت ہے۔ سید صاحب سے التماس ہے کہ اپنی نیک دعا کے وقت اس حقیر وکمزور بندے کو نیز اس کے بھائیوں، بیٹوں اور دوستوں کو نہ بھولیں اور بڑی امید اس دن ہے جب کہ بحولہ تعالیٰ (میدان حشر میں) اپنے جد کریم سید الانبیا (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم) سے ملاقات کریں گے۔ اے اللہ! اس حبیب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو رحمت ونعمت بنا کر بھیجنے والے! آپ پر درود وسلام اور برکتیں اس قدر نازل فرما جس قدر تیرا علم ہے اور تیرے کلمات ہیں اور تیری بارگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مرتبہ ہے اس کے طفیل ہمارے اعمال سنوار، آرزوؤں کو پورا، بوجھوں کو ہلکا اور حالات کو درست فرما۔ ہماری آخری دعا یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کو ہیں اور درود وسلام رسولوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل وتمام اصحاب پر۔

یہ الطا اپنے منہ سے کہے اور قلم سے لکھے فقیر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی نے اللہ تعالیٰ گذشتہ اور آئندہ تمام گناہوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

اور میں نے سید محترم کو اپنی تمام تصانیف کی بھی اجازت دی جو اس وقت دو سو تک پہنچ چکی ہیں اور رب تعالیٰ کی توفیق سے اور بھی لکھی جائیں گی۔ ان میں ایک فتاویٰ بنام "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" بھی ہے جس کی مکررات کے علاوہ سات جلدیں مرتب ہو چکی ہیں اور رب مجید کے فضل وکرم سے مزید جلدوں کی امید ہے۔ میں نے انہیں طریقت کے ان تمام سلسلوں کو بھی اجازت دی جن کی مجھے اجازت ہے:

(۱) طریقہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ، (۲) قادریہ قدیمہ، (۳) قادریہ ابدلیہ، (۴) قادریہ منورہ، (۵) چشتیہ قدیمہ، (۶) چشتیہ جدیدہ، (۷) سہروردیہ قدیمہ، (۸) سہروردیہ جدیدہ، (۹) نقشبندیہ علائیہ (جو حضرت سید کریم ابوالعلاء اکبرآبادی کی طرف منسوب ہے)، (۱۰) سلسلہ بدیعیہ، (۱۱) علویہ منامیہ، اور میں نے ان سے چار مصافح بھی کیے: (۱) مصافحہ خضریہ، (۲) مصافحہ جنیہ، (۳) مصافحہ معمریہ، (۴) مصافحہ منامیہ۔

ان جلیل الشان سید صاحب موصوف کی طرح اپنی تمام مرویات ومصنفات کی ان کے بچوں اور پوتوں کو بھی اجازت ہے اور آخر زمانہ تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد در اولاد کو بھی (جو علم دین حاصل کریں) ہر ایک کیلئے وہی شرط ہے جو اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ اور اللہ کو حمد ہے ہر علمی گھاٹ میں اترتے وقت بھی اور سیراب ہو کر واپس ہوتے بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود نازل ہو ان پر جو بروز محشر شفاعت فرمائیں گے، اس دن اپنے کرم کی پاکیزہ خوشبوئیں آپ ہی بکھیریں گے۔ آپ کی آل واصحاب پر بھی اور آپ کی امت وگروہ پر بھی۔ آمین۔

سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں میرا شجرہ طریقت یہ ہے:

الفقیر احمد رضا نے شرف بیعت حاصل کیا اپنے مرشد سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی سے...... انہوں نے شمس الملۃ والدین ابوالفضل سید آل احمد اچھے میاں سے...... انہوں نے اپنے والد سید شاہ حمزہ سے...... انہوں نے اپنے والد سید شاہ آل محمد سے...... انہوں نے والد صاحب برکات والدرجات سید شاہ برکت اللہ سے...... انہوں نے سید جلیل الشان فضل کالفوی سے...... انہوں نے اپنے والد سید احمد سے...... انہوں نے اپنے والد سید محمد سے...... انہوں نے حضرت جمال الاولیاء جہاں آبادی سے...... انہوں نے قاضی ضیاء الدین نیوتنوی سے...... انہوں نے محمد بھکاری نظام الدین قاری سے...... انہوں نے سید ابراہیم ایرجی سے...... انہوں نے حضرت بہار ملکۃ والدین سے...... انہوں نے سید موسیٰ سے...... انہوں نے سید علی سے...... انہوں نے سید محی الدین ابوالنصر سے...... انہوں نے سید

قاضی امام ابوصالح ہیبۃ اللہ سے...... انہوں نے اپنے والد جلیل القدر امام تاج الملۃ والدین سید ابوبکر عبدالرزاق سے...... انہوں نے اپنے والد ماجد قطب الاشا افراد کے مرجع، اوتا کے امام، آبادیوں کی برکت، بندوں پر رحمت، باذنہ تعالیٰ مراد پوری کرنے والے، جن وانس کی فریاد کو پہنچنے والے، دونوں جہان میں باران رحمت دنیا وآخرت میں مددگار، دن رات میں فریاد رس، امام محمد سیدنا عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی، قطب صمدانی، نور ربانی سے...... انہوں نے امام ابوسعید مخزومی سے...... انہوں نے شیخ الاسلام والمسلمین ابوالحسن علی قرشی اموی ہکاری سے...... انہوں نے امام ابوالفرح طرطوی سے...... انہوں نے امام ابوالفضل عبدالواحد سے...... انہوں نے امام ابوبکر شبلی سے...... انہوں نے سید الطائفہ العلیہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے...... انہوں نے اپنے ماموں حضرت امام سری سقطی سے...... انہوں نے امام معروف کرخی سے...... انہوں نے سید اجل ابن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) امام علی رضا سے جو فرزند ہیں امام موسیٰ کاظم کے جو فرزند ہیں امام جعفر صادق کے جو فرزند ہیں عالم اہل بیت امام محمد باقر کے جو فرزند ہیں امام السجاد زین العابدین کے جو فرزند ہیں صاحب سعادت صاحب شہادت ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر امام علی المرتضیٰ کے (اللہ تعالیٰ ان سب کے وجود مبارک کو عزتیں بخشے اور ان سب کے طفیل ہم سب سے اچھی طرح راضی ہو)...... انہوں نے اپنے والد ماجد موسیٰ کاظم سے...... انہوں نے امام علی رضا کے دادا (جعفر صادق) سے...... انہوں نے امام علی رضا کے باپ کے دادا (امام باقر) سے...... انہوں نے امام علی رضا کے دادا (امام زین العابدین) سے...... انہوں نے امام علی رضا کے دادا کے باپ (امام حسین) سے...... انہوں نے امام علی رضا کے دادا کے دادا کے دادا (مولیٰ علی شیر خدا) سے...... انہوں نے نبیوں کے خاتم، رسولوں کے سردار، چمکتی پیشانی، چمکتے

ہاتھ پاؤں والوں کے قائد سے جو دین و دنیا میں ہمارے وسیلہ ہیں، جنہیں سارے جہانوں پر رحمت فرمانے کیلئے بھیجا گیا ہے جو ہمارے سردار، ہمارے مولیٰ، ہماری شفاعت فرمانے والے، ہمارے محبوب، ہمارے مددگار، ہمارے معین، ہمارے غوث، ہمارے فریادرس ہیں جو نعمتیں اور بزرگیوں کے خزانوں کے قاسم ہیں یعنی سیدنا ابوالقاسم محمد رسول رب العالمین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائیں آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر اور سلسلہ عالیہ کے تمام مشائخ پر اور ان کے سبب سے ان کی خاطر ان کے زمرے میں شامل کرکے ان کی معیت میں لے کر ہم پر۔ آمین! اے سچے معبود آمین! اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کو ہیں۔ ۲۷ رذی الحجہ ۱۳۲۳ھ...... اس سے پہلے یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ سید صاحب کے ساتھی جناب حسین جمال بن عبدالرحیم نے زبانی اجازت لی تھی۔

اللہ تعالیٰ سب کا خاتمہ اچھا کرے اور سب کو جمال ایمان اور دائمی رحمت سے نوازے۔ آمین۔

السید محمد عمر بن السید ابوبکر رشیدی رحمۃ اللہ علیہ:

سید جلیل محمد عمر کے والد کا نام سید ابوبکر رشیدی تھا۔ آپ حج وطواف کرانے پر مامور تھے۔ اس لیے عمر المطوف کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں حج وزیارت کے دوران اعلیٰ حضرت امام بریلوی نے پہلے شیخ عمر مکی کا مکان کرایہ پر لے رکھا تھا بعد میں سید موصوف اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی جلالت شان سے متاثر ہوکر بغرض حصول برکت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مکان میں رہائش پذیر ہونے کی التجا کی۔ جسے آپ نے ان کی حسن نیت اور اصرار پر قبول فرمالیا۔ اس طرح آپ سید موصوف کے مکان کے بالاخانے میں قیام پذیر ہوگئے اور آپ کا پلنگ مبارک درو سطائی میں بچھایا گیا تاکہ زائرین، مستجزین، علماء ومحدثین کے تشریف رکھنے کیلئے جگہ وسیع رہے۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل اس حصہ مکان میں کبوتر بیٹھا کرتے تھے۔ جب سے آپ نے یہاں قیام فرمایا کبوتروں نے یہ در چھوڑ دیا اور دوسرے در میں بیٹھنا شروع کیا۔ مولانا سید اسماعیل نے امام احمد رضا خاں سے کہا "وحشی

کبوتر بھی آپ کا ادب کرتے ہیں۔" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا" ہم نے ان سے صلح کر لی ہے۔ انہوں نے ہم سے صلح کر لی ہے۔" سید محمد عمر نے کہا" یہ کبوتر ایذا دیتے ہیں۔ اوپر سے کنکریاں پھینکتے ہیں۔ لیپ کی چمنی توڑ دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا" یہ ابتداً ایذا نہیں دیتے۔ اگر ایسا ہو تو شریعت میں فاسق ٹھہریں حالانکہ بالاجماع فاسق نہیں۔"

سید عمر مطوف کے مکان میں علماء و فضلاء تشریف لاتے۔ علمی مذاکرات ہوتے۔ عجیب بہار تھی۔ آپ کا مکان ان دنوں شریعت و طریقت کا مجمع البحرین بنا تھا۔ سید موصوف نے مکان پیش کر کے گویا علماء و طلباء کو اپنے ہاں ہر روز صبح و شام آنے کی دعوت دی۔

۱۱ر صفر ۱۳۲۴ھ کو ایک مجلس میں سید محمد عمر نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے علوم حدیث اور دیگر مرویات کی اجازت طلب فرمائی۔ اس مجلس میں دیگر اکابر کے علاوہ سید صالح کمال بھی تشریف رکھتے تھے آپ نے انہیں زبانی اجازت مرحمت فرمائی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ چونکہ آپ کے مکان میں قیام فرماتے تھے۔ اس لیے ان کے گھریلو معاملات سے معمولی طور پر واقف تھے۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اس وقت سید محمد عمر کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے ان کیلئے صالح، عالم، باعمل بیٹے کی دعا فرمائی نیز ارشاد فرمایا" ہونے والے بیٹے کا نام عثمان رکھنا تاکہ اس کا نام "عثمان بن عمر بن ابوبکر" بن جائے۔ اس طرح جلیل القدر صحابہ کے اسماء جمع ہو جائیں۔ سید محمد مطوف نے عرض کیا" میری نیت ہے کہ میں نومولود کا نام احمد رضا رکھوں تاکہ آپ کے نام کی برکت حاصل ہوتی رہے۔ اس پر سید جلیل صالح نے افادہ فرمایا" ہاں جب دوسرا بیٹا پیدا ہو تو اس کا نام حسب نیت احمد رضا رکھنا۔ اعلیٰ قدس سرہ نے فرمایا۔" میں ہونے والے دونوں بیٹوں کو بھی اپنی مرویات کی اجازت دیتا ہوں اور یہ اجازت دینا علماء محدثین کے نزدیک مقبول و مروج ہے۔ تاکہ وہ سند عالی والوں میں شمار ہو۔

سید جلیل محمد عمر نے الدولۃ المکیہ اور حسام الحرمین پر تقاریظ لکھیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

" رب کریم اس امام کی حفاظت کرے اور اسے وہ تلوار بنائے جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پھر جانے والوں کی گردنیں کاٹے اور مصنف کو اپنی پسندیدہ بات کی توفیق دے

اور اپنے اپنے احسان واکرام سے عطا کرے۔ اور اس جیسے بکثرت پیدا فرمائے اور اسے اسلام و مسلمانوں کی طرف سے وہ جزا دے جو سب سے اکرم و افضل ہو۔

سید موصوف نے امام بریلوی سے اس وقت تحریری سند کیلئے عرض کیا جب آپ مدینہ منورہ جانے کیلئے جدہ پہنچ چکے تھے۔ آپ نے ان کی سند کا وہ نسخہ تجویز فرمایا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو اکیلا ہے اور درود وسلام ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی آل واصحاب پر جو اللہ کے نزدیک عزت والے ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد ..... جب مجھ سے سوال کیا جلیل القدر سردار صاحب شرافت لائق عظمت رفیع المرتبت، صاحب عزت، عالی ہمت، مولانا السید محمد عمر نے جو بلند شان والے سردار، صاحب جمال وافتخار، مورد رحمت پروردگار سید ابوبکر الرشیدی کے فرزند ہیں (اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ہر دن کو عید جیسے سرور سے بھر پور فرمائے) ..... سوال یہ تھا) کہ میں انہیں حدیث شریف کی اور ان تمام علوم و مدارک کی سند اجازت دوں جن کی روایت کا میں مجاز ہوں۔ بایں امید کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ انہیں ان علمی راستوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آدمی کو اس کی اچھی نیت پر بھی ثواب ملتا ہے اور مومن کی اچھی نیت عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کیلئے کوشش کرتا ہے تو حق سبحانہ تعالیٰ اس کی آرزو پوری فرماتا ہے اور علماء کے معمولات میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بعض دفعہ مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے بچے کو بھی اجازت دے دیتے ہیں تو جو موجود ہے اور اس نے ابھی تحصیل علم سے فراغت نہیں پائی اسے اجازت دینا بطریق اولیٰ درست ہے۔ اس بنا پر میں نے سید محترم کی بات مانی، ان کی مراد پوری کی، میں انہیں قرآن مجید کی، حدیث شریف کی، فقہ و اصول کی، معقول و منقول کے ان تمام فنون کی اجازت دیتا ہوں جن کی

جانب وہ توجہ فرمائیں۔ یہ اجازت اسی شرط کے ساتھ ہے جو ائمہ کرام کے ہاں مقرر و مسلم ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ سید محترم کو نیک لڑکا عطا فرمائے جو عالم بھی ہو اور کامل بھی۔ دین و دنیا میں کامیاب بھی ہو اور معزز بھی۔ تو جب ان کے ہاں بچہ متولد ہو اور وہ (بڑا ہو کر) علم مبین کی تحصیل کی طرف توجہ کرے تو اسے بھی میری طرف سے اجازت ہے۔ پیدا ہونے والے بچے کو اجازت اس لیے دی جاتی ہے تاکہ وہ بھی عالی سند والوں میں شمار کیا جائے۔ سید محترم نے بنا بر حسن ظن بغرض حصول برکت یہ نیت کی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں فرزند دلبند مرحمت فرمائے تو وہ اس کا نام اس فقیر کے نام پر "احمد رضا" رکھیں گے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ بچے کا نام عثمان رکھنا تاکہ باپ دادا کے ناموں کے ساتھ مل کر اس کا نام اس طرح ہو جائے "سید عثمان بن سید عمر بن سید ابوبکر"۔ اس مجلس میں جلیل الشان علامہ مولانا صالح کمال بھی تھے۔ انہوں نے افادہ فرمایا کہ جب پہلا بچہ پیدا ہو تو اس کا نام "عثمان" رکھنا پھر جب دوسرا بچہ عطا ہو تو اس کا نام حسب نیت "احمد رضا" رکھنا۔ یہ مجلس اس گفتگو کے ساتھ ختم ہوئی۔

ہمیں امید ہے کہ مولیٰ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ آرزوؤں کو پورا فرمائے گا اور متصور فی الخیال کا مشاہدہ کرائے گا۔ یہ گفتگو جمعہ کی شب بتاریخ ۱۱ر صفر الخیر ۱۳۲۴ھ مکہ مکرمہ میں ہوئی اور سند اجازت بتاریخ ۲ر صفر جدہ میں لکھی گئی جبکہ میں اس امن والے، رحمت والے، چین و سکون والے شہر مدینہ منورہ کی حاضری کو تیار تھا (جنہوں نے مدینہ منورہ کو اپنی خوشبوؤں سے مہکایا، ان پر اور ان کی آل و اصحاب پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے، برکت فرمائے، سلام اتارے، شرافت و کرامت بخشے (آمین)۔

الشیخ مولانا محمد یوسف:

مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

مولانا محمد یوسف علم وفضل میں کمال درجے پر فائز تھے۔ حرم شریف میں مولانا رحمت اللہ علیہ الرحمہ کے مدرسہ صولتیہ میں مدرس تھے۔ ۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو امام احمد رضا بریلوی سے نسبت علوم وسلاسل طریقت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ ان کا نسخہ اجازت الاجازات المتینیہ میں چوتھا نسخہ اجازت ہے۔

حدیث، تفسیر، فقہ، کلام وغیرہ تیس علوم، مقاصد وآلات کی جملہ کتب، جملہ سلاسل طریقت (جن کی اجازت عطا ہوئی بارہ سلاسل طریقت ہیں) اربعہ مصافحات کے علاوہ شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا بریلوی نے اپنی جملہ تصانیف کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

مولانا موصوف کے علاوہ آپ کی نسل میں بیٹوں، پوتوں، نواسوں اور بھائیوں کو اجازت عطا ہوئی۔ اس قسم کی اجازت علوم مذکورہ کے آئمہ کے ہاں مسلم ومعروف ہے اور اس کی شرائط معلوم ہیں۔ سند اجازت میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا

الفاضل الکامل ذو المفاخر والفضائل الشاب الصالح
المستقیم علی الدین القدیم والصراط القویم جامع
اسباب الفضل والتشرف مولانا الشیخ محمد یوسف

ترجمہ: فاضل کامل، فضیلتوں اور بزرگیوں والے، نیک جوان، سیدھے راستے اور پرانے دین پر قائم رہنے والے، فضل وشرف کے اسباب کے جامع، حضرت مولانا محمد یوسف۔

فاضل جلیل، مدرس نبیل، مولانا محمد یوسف نے امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی تصانیف پر تقاریظ لکھیں اور آپ کے فتاویٰ حسام الحرمین کو نہ صرف صحیح بتایا بلکہ آپ کو مدار شریعت، منار طریقت اور محافظ دین قویم جیسے پیارے القاب سے یاد فرمایا۔

حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین پر تقریظ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

فانی قد اطلعت علی هذه الرسالة التی الفها فاضل
العلامة والحبر الفهامة المتمسک بحبل الله المتین
الحافظ مینار الشریعة والدین من قصرت لسان

البلاغة عن بلوغ شكره وعجز عن القيام بحقه
وبره الذى افتخر بوجوده الزمان مولانا الشيخ
احمد رضا خان لازال سالكا سبيل الرشاد ونا شر
الوية الفضل على دوس العباد

ترجمہ: یہ رسالہ میرے علم میں آیا جسے علامہ فاضل اور دریائے علم و دانش نے تصنیف فرمایا جو اللہ کی مضبوط رسی تھامے ہوئے ہیں۔ دین و شریعت کے مینارۂ نور کے محافظ، وہ کہ زبان بلاغت اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے حقوق و احسانات کی خدمت سے عاجز ہے، وہ کہ جس کے وجود پر زمانے کو ناز ہے۔ حضرت مولانا الشیخ احمد رضا خاں، وہ ہمیشہ اسی ہدایت پر گامزن رہے اور بندوں کے سروں پر فضل و احسان کے پھریرے اڑاتا ہے۔

حضرت سید مصطفیٰ خلیل مکی آفندی رحمۃ اللہ علیہ:

نام آپ کا سید مصطفیٰ تھا۔ والد گرامی کا نام سید خلیل تھا اور بڑے بھائی سید اسماعیل خلیل تھے۔ جو حرم شریف کے محافظ کتب تھے۔ ۱۳۲۳ھ کے سفر حج و زیارت کے موقع پر امام احمد رضا خاں قدس سرہ سے اجازت و خلافت پائی۔ برادر بزرگ سید اسماعیل خلیل کی طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے والہانہ محبت تھی۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران دونوں بھائیوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی از حد خدمت کی اور آپ کے آرام و آسائش کی خاطر ہر ممکن کوشش فرمائی۔

حضرت شیخ صالح کمال نے جب پانچ سوالات پر مشتمل ایک پرچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت حرم پاک کے کتب خانہ میں سید اسماعیل، سید مصطفیٰ اور ان کے والد سید خلیل اور بعض دیگر حضرات بھی موجود تھے۔ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے فوراً مختصر جواب لکھنا چاہا اس غرض سے آپ نے قلم و دوات کے لیے سید مصطفیٰ خلیل سے ہی فرمایا۔ حرم پاک میں بیت اللہ کے جلو میں لکھی جانے والی امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی دوسری تصنیف **كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم** (۱۳۲۴ھ) کا مبیضہ آپ نے نقل

فرمایا۔ کیونکہ آپ نہایت جمیل الخط تھے۔

ایک مرتبہ علماء کی محفل جمی تھی۔ علمی گفتگو جاری تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا "**هل عندكم شئ من هزمته جبريل**" آپ کے پاس سیدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ٹھوکر کا کچھ بقیہ ہے۔

سیدزادہ آپ کی بات سمجھ گیا۔ کمال ادب سے عرض کی "نعم" اور کٹورے میں زمزم شریف لائے۔ بیماری اور ضعف کے باعث اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو کھڑا ہونا دشوار تھا۔ اس لیے بیٹھ کر ہی زمزم شریف نوش فرمانے لگے۔ سید جلیل نہایت ادب واحترام اور زمزم شریف کے اکرام میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب تک آپ پانی پیتے رہے سید موصوف کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ کٹورا ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ حال اس معظم ومعزز بندہ خدا کے ادب واجلال کا تھا۔ جو اپنے شیخ ومرشد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حضور روا رکھا گیا۔

ایک اور مجلس میں جہاں علمائے حرمین میں سے سید مصطفیٰ، سید اسماعیل اور مولانا صالح کمال وغیرہم جمع تھے اور اعلیٰ حضرت شدید علیل تھے۔ شدت مرض اور شوق مدینہ منورہ کے باعث جب امام اہل سنت نے فرمایا کہ: "روضہ انور پر ایک نگاہ پڑ جائے پھر دم نکل جائے"۔

تو (سید مصطفیٰ ارو سید اسماعیل) دونوں علماء کرام کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ حضرت صالح کمال نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ **تعود ثم تعود ثم تعود**۔ تو روضہ انور پر اب حاضر پھر حاضر ہو۔ پھر مدینہ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔

عرب وعجم کے علماء کے استاذ (اعلیٰ حضرت قدس سرہ) آپ کے علم وفضل محبت واخلاص کا یوں اعتراف فرماتے ہیں:

النجيب الحسيب النسيب اللبيب الاريب

اخو الوفاء والصدق والصفا السيد مصطفى اعطاه

الله من العلم والمنى والغناء والهنى فوق ماتتمنى

(ترجمہ): نجابت، شرافت، حسب ونسب، عقل، دانی کے مالک اور وفاداری صدق

شعاری اور صفا پسندی سے موصوف ہیں سید مصطفی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دولت علم اور خوشگوار دولت مندی سے ہماری تمنا سے زیادہ مرحمت فرمائے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سید مصطفی نے برادر بزرگ کے ساتھ سند اجازت وخلافت طلب فرمائی تو امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے باوصف جلالت علمی ورفعت شان اجازت دینے میں تاخیر فرمائی۔ مگر جب اصرار بڑھا تو آپ نے زبانی اجازت عطا فرمائی اور تحریری اجازت ۱۷ رشوال ۱۳۲۶ھ کو بریلی سے چھپ کر گئی۔ یہ سند بڑی حسین وجمیل عبارات پر مشتمل ہے۔ یہ طویل سند ''**الاجازة الرضویه لمبجل مکة البهیة**'' کے نام سے موسوم ہے۔ جو آپ کے علاوہ دیگر چند علماء کو بھی عطا ہوا۔ البتہ ان کے ناموں کے ساتھ ان کی شان کے لائق کلمات مدح وثنا علیحدہ علیحدہ لکھے

۱۳۲۹ھ/۱۹۲۰ء کو آپ کی وفات ہوئی۔



مولانا محمد شاہد القادری
جنرل سکریٹری مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال۔
7003010625

امام احمد رضا کے خلفا: ایک اجمالی جائزہ

حضرت قطب الارشاد سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز مسلک تصوف کے ایک سچے علمبردار تھے، مسلک تصوف کے چاروں معروف سلاسل قادریہ ،چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے فیضان سے بھی مالا مال تھے، لیکن قادریت کا غلبہ ہونے کے سبب سلسلہ قادریہ کے فروغ میں آپ نے جس قدر نمایاں خدمات انجام دی ہیں، وہ تاریخ کا زریں باب ہے۔

سلسلہ قادریہ کے فروغ کے لئے آپ نے اپنے تمام مریدین کو قادری سلسلہ میں داخل کیا اور تمام خلفا کو سلسلہ قادریہ ہی میں شرف خلافت سے سرفراز فرمایا، آپ نے عام پیروں کی طرح خلافت تقسیم کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیا، بلکہ خلافت دیتے وقت ان تمام خوبیوں کا جائزہ لیتے جو ایک مرشد طریقت میں کامل طور پر پایا جانا لازم ہے، تب کہیں جا کر خرقہ خلافت عطا فرماتے۔

حضرت قطب الارشاد سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خلفا کے احوال و کوائف پڑھنے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ شرائط مرشد ان میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ تمام خلفا اپنی جگہ جگہ صدر انجمن تھے، میر مجلس تھے، اسلامی انقلابی رہنما تھے، قوم و ملت کے سچے ہادی و رہبر تھے، اسلام کے سچے علمبردار تھے، مسلک اہلسنت کے باوقار داعی تھے، قرآن مقدس کے پیغام کے مبلغ تھے اور فرامین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اولوالعزم ترجمان تھے۔

حضرت قطب الارشاد سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلفائے عظام کا حسب ذیل طریقوں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

راقم نے اس کتاب میں صرف برصغیر (ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش) کے ۹۲ر خلفائے عظام کے احوال و کوائف جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، تادم تحریر یہیں تک رسائی ہو سکی، ملاحظہ کریں۔

{☆} برصغیر کے تین ملکوں کے یہ خلفا ہیں:

☆—— ہندوستان: ۷۱ر خلفائے عظام

☆—— پاکستان: ۱۸ر خلفائے عظام

☆—— بنگلہ دیش: ۳ر خلفائے عظام

☆ مجموعی خلفا: ۹۲

☆} ہندوستان کے ۹ر صوبوں کے یہ خلفا ہیں:

☆—— اتر پردیش: ۴۲ر خلفا

☆—— مدھیہ پردیش: ۳ر خلفا

☆—— بہار: ۹ر خلفا

☆—— راجستھان: ۷ر خلفا

☆—— بنگال: ۲ر خلفا

☆—— گجرات: ۵ر خلفا

☆—— آندھرا پردیش: ۱ر خلیفہ

☆—— چھتیس گڑھ: ۱ر خلیفہ

☆—— کیرالا: ۱ر خلیفہ

☆—— مجموعی خلفا: ۷۱

☆—— بریلی شریف کے یہ خلفا ہیں۔

☆ علامہ حسن رضا خاں بریلوی ☆ مفتی محمد رضا خاں بریلوی ☆ علامہ حامد رضا خاں

بریلوی ☆ مفتی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی ☆ علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی ☆ علامہ حسنین رضا خاں بریلوی ☆ حاجی کفایت اللہ بریلوی ☆ مفتی سید عزیز غوث بریلوی ☆ علامہ حافظ یقین الدین بریلوی ☆ صوفی جمیل الرحمٰن بریلوی ☆ علامہ تقدس علی خاں بریلوی ☆ مفتی حشمت علی بریلوی۔

{☆} خاندان اعلیٰ حضرت میں سے یہ خلفا ہیں۔

☆ علامہ حسن رضا خاں بریلوی (برادر اوسط) ☆ مفتی محمد رضا خاں بریلوی (برادر اصغر) ☆ علامہ حامد رضا خاں بریلوی (خلف اکبر) ☆ مفتی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی (خلف اصغر) ☆ علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی (نبیرہ) ☆ علامہ حسنین رضا خاں بریلوی (بھتیجا، داماد) ☆ علامہ تقدس علی خاں بریلوی (نواسہ)۔

{☆} سادات میں سے یہ خلفا ہیں۔

☆ مفتی سید عزیز غوث بریلوی ☆ علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی ☆ علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی ☆ علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی ☆ علامہ سید ہدایت رسول لکھنوی ☆ علامہ سید آصف علی کانپوری ☆ علامہ سید محمد حسین میرٹھی ☆ علامہ سید عمر ظہیر الدین الہ آبادی ☆ علامہ سید عبد الرشید عظیم آبادی ☆ مفتی سید غیاث الدین رجہتی ☆ علامہ سید سلیمان اشرف بہاری ☆ مفتی سید ظفر الدین بہاری ☆ شاہ سید حسین علی اجمیری ☆ شاہ سید غلام علی اجمیری ☆ علامہ سید فتح علی سیالکوٹی ☆ علامہ سید نور احمد چاٹگامی ☆ علامہ سید دیدار علی الوری ☆ علامہ سید ابوالبرکات الوری ☆ علامہ سید محمود الحسن زیدی الوری۔

{☆} وہ خلفا جنہیں شرف تلمذ / ارادت / خلافت حاصل ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) مفتی سید عزیز غوث بریلوی (۲) علامہ یقین الدین بریلوی (۳) علامہ عبد الاحد پیلی بھیتی (۴) علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی (۵) مفتی حشمت علی بریلوی (۶) مفتی امجد علی اعظمی (۷) صوفی جمیل الرحمٰن بریلوی (۸) علامہ سید محمد حسین بریلوی میرٹھی (۹) علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی (۱۰) علامہ حکیم یعقوب علی خاں رامپوری (۱۱) مفتی برہان الحق جبلپوری (۱۲) مفتی رحیم بخش مظفر پوری (۱۳) مفتی ظفر الدین بہاری (۱۴) علامہ شمس احمد ہانسوی

(۱۵) علامہ ظہیر الحسن اعظمی (۱۶) مفتی رحیم بخش آروی (۱۷) علامہ الحاج منیر الدین بنگالی
(۱۸) علامہ حامد علی رائے پوری (۱۹) مفتی غلام جان ہزاروی (۲۰) علامہ سید فتح علی سیالکوٹی
(۲۱) علامہ احمد بخش قادری (۲۲) علامہ امام الدین کوٹلوی (۲۳) علامہ عبدالغفور شاہ پوری
(۲۴) علامہ تقدس علی خاں بریلوی (۲۵) علامہ سید عبدالرشید عظیم آبادی۔

وہ خلفا جنہیں صرف شرف ارادت وخلافت حاصل ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی (۲) حاجی کفایت اللہ بریلوی (۳) علامہ عبدالحئی پیلی بھیتی (۴) علامہ عبدالحق پیلی بھیتی (۵) علامہ حبیب الرحمٰن پیلی بھیتی (۶) علامہ عبدالعلیم میرٹھی (۷) علامہ عبدالعزیز بجنوری (۸) علامہ نثار احمد کانپوری (۹) مفتی شفیع احمد بیسلپوری (۱۰) علامہ حبیب اللہ میرٹھی (۱۱) علامہ رحم الٰہی منگلوری (۱۲) علامہ ضیاء الدین پیلی بھیتی (۱۳) علامہ عبدالسلام جبلپوری (۱۴) قاری بشیر الدین جبلپوری (۱۵) علامہ خلیل الرحمٰن بہاری (۱۶) علامہ عبدالرحمٰن جے پوری (۱۷) علامہ محمود جان جام جودھپوری (۱۸) علامہ ضیاء الدین مدنی (۱۹) علامہ ابوعبدالقادر کوٹلوی (۲۰) علامہ عبدالجبار، ڈھاکہ (۲۱) مفتی سید نور احمد چاٹگامی۔

وہ خلفا جنہیں صرف تلمذ اور خلافت حاصل ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) علامہ حسن رضا خاں بریلوی (۲) مفتی محمد رضا خاں بریلوی (۳) علامہ حامد رضا خاں بریلوی (۴) مفتی مصطفٰی رضا خاں بریلوی (۵) علامہ حسنین رضا خاں بریلوی (۶) علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی (۷) علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی (۸) مفتی سید غیاث الدین رجبتی (۹) علامہ سید عبدالرحمٰن بیتھوی (۱۰) علامہ شہاب الدین کویا شالیاتی شافعی (۱۱) علامہ سید دیدار علی الوری (۱۲) علامہ سید ابوالبرکات لاہوری (۱۳) صوفی قلندر علی ملتانی (۱۴) علامہ سید ہدایت رسول لکھنوی۔

وہ خلفا جنہیں صرف خلافت حاصل ہے۔

(۱) علامہ عبدالحکیم میرٹھی (۲) علامہ اسماعیل فخری محمود آبادی (۳) علامہ مشتاق احمد کانپوری (۴) علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی (۵) علامہ سید آصف علی کانپوری (۶) علامہ

احمد مختار صدیقی میرٹھی (۷) علامہ خواجہ احمد حسین امروہوی (۸) علامہ سرفراز احمد مرزا پوری (۹) علامہ سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی (۱۰) علامہ غلام احمد شوق سنبھلی (۱۱) علامہ نور الحسن لکھنوی (۱۲) قاضی عبد الوحید عظیم آبادی (۱۳) علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (۱۴) شاہ سید حسین اجمیری (۱۵) شاہ سید غلام علی اجمیری (۱۶) علامہ عبد الکریم چتوڑ گڑھی (۱۷) مولانا محمود الحسن زیدی الوری (۱۸) علامہ محمد لعل خاں مدراسی کلکتوی (۱۹) الحاج عیسیٰ خاں محمد دھورابی (۲۰) سیٹھ عبد الستار محمد اسماعیل کاٹھیاواری (۲۱) قاضی محمد قاسم میاں پور بندری (۲۲) علامہ محمد عمر بن ابو بکر کھتری پور بندری (۲۳) الحاج عبد الرزاق کچھی (۲۴) مفتی محمد شریف کوٹلوی (۲۵) مفتی محمد عمر الدین ہزاروی (۲۶) علامہ عبد السلام باندوی (۲۷) شاہ میر مؤمن جنیدی (۲۸) علامہ نور الحسن نگینوی (۲۹) پروفیسر الیاس برنی (۳۰) علامہ اکبر علی شاہ پوری (۳۱) علامہ عبد الحکیم، ڈھاکہ (۳۲) علامہ محمد اسماعیل پشاوری (۳۳) علامہ احمد حسن خان حیدر آبادی (۳۴) علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی۔

سیدی اعلیٰ حضرت کے خلفائے عظام کا جائزہ اس طور پر بھی لیا جا سکتا ہے:

مفکرین و مدبرین:۔

علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی، علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی، علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، علامہ عبد الاحد پیلی بھیتی، علامہ ہدایت رسول لکھنوی، علامہ عبد السلام جبلپوری، علامہ حامد علی رائے پوری۔

عالم ربانیین:

علامہ حامد رضا خاں بریلوی، مفتی سید عزیز غوث بریلوی، مفتی رحیم بخش مظفر پوری، علامہ دیدار علی الوری، علامہ احمد حسن خان حیدر آبادی۔

مفسرین و محدثین:

علامہ عبد الحق پیلی بھیتی، مفتی ظفر الدین بہاری، علامہ ظہیر الحسن اعظمی، علامہ شمس احمد بانسوی، علامہ شہاب الدین کویا شافعی، علامہ عبد الغفور شاہ پوری، مفتی رحیم بخش آروی۔

ارباب فقہ و قضاۃ:

مفتی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، مفتی امجد علی اعظمی، مفتی شفیع احمد بیسلپوری، مفتی برہان الحق جبلپوری، مفتی سید غیاث الدین رجہتی، علامہ الحاج منیر الدین بنگالی، مفتی محمد شریف کوٹلوی، علامہ ابوالبرکات سید احمد لاہوری، مفتی غلام جان ہزاروی، مفتی عمر الدین ہزاروی۔

عارفین وکاملین:

علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی، علامہ خواجہ احمد حسین امروہوی، علامہ عبدالرحمٰن بیتھوی، مفتی سید نور احمد چاٹگامی، علامہ ضیاء الدین مدنی۔

اصحاب تصوف وسلوک:

علامہ عبدالحکیم میرٹھی، علامہ اسماعیل فخری محمود آبادی، قاری بشیر الدین جبلپوری، شاہ سید حسین علی اجمیری، شاہ سید غلام علی اجمیری، علامہ محمود جان جام جودھپوری، علامہ سید فتح علی سیالکوٹی، علامہ احمد بخش قادری، صوفی قلندر علی ملتانی، علامہ عبدالجبار ڈھاکہ، شاہ میر مومن جنیدی۔

داعیین ومبلغین:

علامہ حبیب اللہ میرٹھی، علامہ سید آصف علی کانپوری، علامہ سید محمد حسین میرٹھی بریلوی، علامہ سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی، علامہ سید عبدالرشید عظیم آبادی، علامہ عبدالکریم چتوڑ گڑھی، علامہ محمود الحسن زیدی الوری، علامہ نور الحسن نگینوی۔

مصنفین ومؤلفین:

علامہ غلام احمد شوق فریدی سنبھلی، علامہ حکیم محمد یعقوب علی خاں رام پوری، علامہ ابوعبد القادر کوٹلوی، علامہ محمد امام الدین کوٹلوی، علامہ اقدس علی خاں بریلوی، علامہ یقین الدین بریلوی، مفتی حشمت علی بریلوی۔

مدرسین ومہتممین:

علامہ عبدالحی پیلی بھیتی، علامہ حبیب الرحمٰن پیلی بھیتی، علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی، علامہ عبدالعزیز بجنوری، علامہ رحم الٰہی منگلوری، علامہ خلیل الرحمٰن بہاری۔

مناظرین ومباحثین:

علامہ سرفراز احمد مرزا پوری، علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی لکھنوی، علامہ عمر ابو بکر کھتری، علامہ عبد الرحمٰن جے پوری۔

ادباء وصحافی:

علامہ حسن رضا خاں بریلوی، صوفی جمیل الرحمٰن بریلوی، علامہ حسنین رضا خاں بریلوی، علامہ ضیاء الدین پیلی بھیتی، علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی، علامہ پروفیسر الیاس برنی۔

معتمدین:

علامہ قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی، حاجی کفایت اللہ بریلوی، علامہ عبد السلام باندوی، الحاج سید عبد الرزاق کٹنی۔

ارباب سیاست:

علامہ عبد العلیم میرٹھی، علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی، علامہ مشتاق احمد کانپوری، علامہ نثار احمد کانپوری،

اصحاب سماجیت:

علامہ محمد لعل خاں مدراسی کلکتوی، الحاج عیسیٰ خان محمد دھورابی، سیٹھ محمد اسماعیل کاٹھیاواری، قاضی محمد قاسم میاں پور بندری، علامہ محمد اسماعیل پشاوری۔

اگر کوئی محقق خلفائے اعلیٰ حضرت کی ذریں خدمات کا جائزہ با تفصیل مذکورہ بالا عناوین کے تحت لیں تو جماعت اہلسنت کو ایک تاریخی دستاویز حاصل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ بکرم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم توفیق رفیق عطا فرمائے (آمین)

تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت:

☆ —— قطب الارشاد سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلفائے عظام پر ہندوستان میں مستقل طور پر کسی محقق نے اب تک کام نہیں کیا ہے ہاں! بعض خلفائے کرام پر کام ہوا بھی تو کسی نے کسی ایک خلیفہ پر کام کیا تو کسی نے کسی ایک خلیفہ پر کام کیا، جیسے:

(۱) تذکرہ جمیل: علامہ خوشتر صدیقی، ماریشس

(۲) تجلیات حجۃ الاسلام: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، بریلی شریف

(۲) (۱) جہان مفتی اعظم ہند: علامہ عبد المبین نعمانی، مبارکپور (۲) مفتی اعظم ہند حیات خدمات: مولانا رحمت اللہ صدیقی، سیتامڑھی

(۳) علامہ حسنین رضا خان بریلوی: مولانا شہاب الدین رضوی، بریلی شریف

(۴) سوانح مفسر اعظم ہند: مفتی عبد الواجد قادری، ہالینڈ

(۵) جہان ملک العلما: ڈاکٹر غلام جابر شمس رضوی، ممبئی

(۶) علامہ سید ابو البرکات قادری: علامہ محمود رضوی، کراچی

(۷) تذکرہ علامہ غیاث الدین رجہتی: مولانا ساحل شہسرامی، بنگلور

(۸) جہان قطب مدینہ: مولانا عارف رضوی ضیائی، پاکستان

(۹) محسن ملت حیات وخدمات: مولانا قمر الزماں رضوی مظفر پوری، پٹنہ

(۱۰) تذکرہ صدر الافاضل: علامہ مفتی معین الدین نعیمی، پاکستان

(۱۱) صدر الشریعہ حیات وخدمات: مولانا فیضان المصطفیٰ امجدی، امریکہ

(۱۲) تذکرہ برہان ملت: مولانا عبد الوحید رضوی، کرناٹک

(۱۳) [الف] مولانا حشمت علی خاں: علامہ محبوب علی خاں لکھنوی، ممبئی

[ب] مولانا حشمت علی خاں لکھنوی ایک مطالعہ: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، دہلی

(۱۴) [الف] محدث اعظم ہند نمبر: علامہ مشتاق احمد نظامی، الہ آباد

[ب] محدث اعظم ہند نمبر: علامہ جیلانی میاں اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ

(۱۵) مبلغ اسلام نمبر: مولانا معین الدین علیمی، ممبئی

(۱۶) تجلیات علامہ محمد لعل خاں مدراسی کلکتوی: مولانا محمد شاہد القادری، کلکتہ

(۱۷) علامہ سید سلیمان اشرف بہاری: مولانا علی اعظم قادری، کلکتہ

☆ —— پاکستانی محققین نے مستقلاً ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' پر جہد مسلسل کی اس سلسلہ میں چند کتابیں معرض وجود میں آئیں:

(۱) تذکرہ خلفا اعلیٰ حضرت: ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کراچی، مولانا صادق

قصوری (پاکستان)

(۲) تذکرہ خلفائے امام احمد رضا: علامہ عبد الحکیم شرف قادری، لاہور

(۳) خلفائے محدث بریلوی: پروفیسر مسعود احمد نقشبندی، کراچی

☆ بعض کتابوں میں خلفائے اعلیٰ حضرت کا ذکر کثیر تعداد میں تو ملتا ہے، مگر خلفا کی حیثیت سے نہیں بلکہ علماء اہلسنت یا کسی کے تلمیذ یا خلیفہ کی حیثیت سے، جیسے:

☆ تذکرہ علمائے اہلسنت: مفتی محمود رفاقتی، مظفر پور (ترتیب جدید "پاکان امت")

☆ تذکرہ محدث سورتی: ڈاکٹر رضی حیدر، پاکستان

☆ تذکرہ اکابر اہلسنت پاکستان: علامہ عبد الحکیم شرف قادری، لاہور

☆ امام احمد رضا اور علما مکہ مکرمہ: سید بہاء الدین شاہ، پاکستان (خلفائے عرب کا تذکرہ)

چند باتیں:

☆ —— خلفائے عظام کے احوال و کوائف کو جمع کرنے میں اصحاب قلم سے کم ہی رابطہ قائم کیا گیا ہے۔

☆ —— اکثر بزرگوں کا تذکرہ کتابوں یا رسائل سے حاصل کیا گیا ہے اور مع حوالہ جات کے سپرد قرطاس کیا گیا ہے۔

☆ —— بعض بزرگوں کا تذکرہ جمیل مضمون نگار سے براہ راست رابطہ قائم کر کے قلم بند کرایا گیا ہے۔

☆ —— راقم کے علم میں جن بزرگوں کے حوالے سے مواد موجود تھے، انہیں مع حوالہ جات کے شامل مضامین کر کے قوسین () میں "مرتب" تحریر کر دیا گیا ہے، تاکہ قارئین کے علم میں رہے کہ یہ پیراگراف مرتب کا اضافہ ہے۔

☆ —— خلفائے عظام کی فہرست میں تحقیق خلافت کے بعد ہی اسماء مبارکہ شامل کیا گیا ہے، مراجع کی حیثیت یا کتب و رسائل ہیں یا افراد خاندان ہیں یا پچاس خلفائے عظام کی وہ فہرست ہے جو "ماہنامہ الرضا بریلی شریف، شمارہ: ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ" میں شامل

ہے۔

☆——— اگر کوئی محقق کسی بزرگ کی خلافت پر معترض ہو، تو وہ مضمون نگار سے براہ راست رابطہ کریں اور اختلاف کو فروغ دینے سے پرہیز کریں۔

☆——— ممکن ہے کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے جملوں میں ربط نہ ہو سکے اور مفہوم کچھ کا کچھ ظاہر ہو، تو اصل مرجع سے رجوع کر لیں، اسی طرح تاریخ اور سن میں بھی غلطی کی امکانی صورت ہو سکتی ہے۔

☆——— راقم نے حتی الامکان مضامین کو تمام نقائص سے مبرا رکھنے کی کوشش کی ہے، قارئین اپنے نیک مشوروں سے نوازیں اور دعائیں خیر میں یاد رکھیں۔



مولانا محمد اشرف رضا قادری

مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت، بریلی شریف

خانوادۂ رضویہ کے صوفیا کی علمی خدمات

ہندوستان کی سرزمین پر خانوادۂ رضویہ کے مشائخ عظام کے علمی، دینی، تصنیفی، تالیفی، فقہی تدریسی، تحریکی، تحریری، تبلیغی اور دعوتی خدمات ۲۰۰ رسال سے زائد پر محیط ہے۔ اس پاکیزہ خاندان کے ورودِ ہند کے بعد ان کے مساعی جلیلہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) سیاسی خدمات

(۲) علمی خدمات

آپ کے مورث اعلیٰ، حضرت شجاعت جنگ بہادر سعید اللہ قندھاری مرحوم افغان قبیلہ بڑیچ کے ایک بہادر نامور فرزند تھے، ۱۱۵۲ھ ۱۷۳۹ء کے اواخر میں مغلیہ شہنشاہ محمد شاہ بادشاہ کے دور حکومت میں ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام پذیر ہوئے، شاہ دہلی نے آپ کی جوانمردی اور جوہر سپہ گری سے متاثر ہو کر لاہور کا شیش محل بطور جاگیر دیا اور شش ہزاری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ فن سپہ گری اور عسکری صلاحیتوں کی بناپر "شجاعت جنگ" کے بہادری خطاب سے بھی سرفراز کئے گئے، آپ کے صاحبزادے جناب سعادت یار خاں قندھاری مرحوم دربار دہلی میں ناظم مالیات کے منصب جلیل پر فائز ہوئے، حکومتی سطح پر ممتاز مقام حاصل تھا، آپ نے سیاسی اور خدمات میں اپنا مرتبہ بنایا، آپ کے شہزادے حضرت محمد اعظم خان تھے، بڑے شہزادے ہونے کی بناپر حکومت کے بعض عہدے پر آپ بھی فائز کئے گئے، دہلی کو خیر آباد کہہ کر مستقل بریلی میں سکونت پذیر ہوئے، دل کی دنیا بدلی، تمام آرام و آسائش کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کرلی، آپ کے نورِ نظر لخت جگر حضرت حافظ کاظم علی خاں تھے۔ یہیں سے دنیاوی شان و شوکت اور حکومتی جاہ و حشم کو خیر آباد کہا گیا۔

☆ حضرت حافظ کاظم علی خان قندھاری علیہ الرحمہ:

حضرت مرحوم محمد اعظم خان قندھاری کی نرینہ اولاد تھی، جن کے دل میں ایسا اسلامی انقلاب پیدا ہوا کہ روحانی دنیا کی طرف رخ کیا اور حضرت مولانا شاہ نورالحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۸ھ/ ۱۸۸۲ء) بن علامہ انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۳۱ء) کی بارگاہ قدس میں علمی اور روحانی تربیت کے لئے حاضر ہوئے، تکمیل تربیت پر استاذ محترم قدس سرہ نے سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ میں مرید کر کے دستار خلافت سے نوازا، اس قدسی صفت بزرگ سے اس خانوادہ میں علمی اور روحانی تعلیم و تربیت کی بنا پڑی۔

☆ **مجاہد آزادی علامہ مفتی رضا علی خاں قندھاری علیہ الرحمہ:**

بریلی شریف میں ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے اور وصال مبارک ۲ رجمادی الاولی ۱۲۸۲ھ میں بریلی شریف میں ہوا اور سیٹی قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں، ۵۸ سالہ عمر عزیز کو اسلام کے تحفظ اور دین متین کی خدمت میں قربان کر کے بارگاہ صمدیت میں مقبولان بارگاہ میں شمار ہونے لگا، آپ نے اپنا روحانی رشتہ اویس زماں عارف حق آگاہ سلسلہ نقشبندیہ کے پیشوا حضرت شاہ فضل الرحمان مجددی گنج مرادآبادی خلیفہ حضرت شاہ آفاق مجددی نقشبندی و تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (علیہم الرحمہ) سے جوڑا، اور رشد و ہدایت کے منبع بن کر کے چمکے۔

حضرت علامہ رضا علی خاں نقشبندی بریلوی علیہ الرحمہ نے ملک کی آزادی کے لئے سامراجی طاغوتی طاقتوں سے پنجہ آزمائی کی، جس کے نتیجے میں جنرل ہاؤسن انگریز نے آپ کا سر قلم کرنے والے کا انعام ۵۰۰ روپے اس وقت مقرر کیا تھا، آپ نے جہاد آزادی کے ساتھ ساتھ علمی اور قلمی خدمات کو بھی انجام دیا ہے، جماعت اہلسنت کی مساجد میں جمعہ اور عیدین میں جس "خطبہ علمی" کو دیکھ کر ائمہ مساجد خطبہ دیا کرتے ہیں، اس کے مرتب "مجاہد آزادی مفتی محمد رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ" ہی ہیں، جنہوں از راہ محبت اپنے شاگرد عزیز مولانا حسن علمی علیہ الرحمہ کی طرف نسبت کر دی، آپ نے ہی بریلی شریف میں سب سے پہلے "دارالافتاء والقضاء" کی بنا ۱۲۴۶ھ میں رکھا اور اس اولوالعزم مسند فقہی پر تقریباً ۳۵ سال تک متمکن رہے اور ایک عالم کو اپنی علمی، فقہی، دینی، ملی، تحریکی اور ملکی خدمات سے منور کیا۔

مفتی نقی علی خاں قادری بریلوی

رئیس الاتقیا فقیہ اعظم حضرت علامہ مفتی الشاہ علامہ نقی علی خاں قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت مبارکہ رجب المرجب ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۲۹ء میں بریلی شریف کے ایک علمی اور روحانی گھرانے میں ہوئی اور وصال مبارک ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء بریلی شریف ہی میں ہوا، نماز جنازہ شہزادۂ عالی حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے پڑھائی اور سٹی قبرستان میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کے قرب خاص میں محو استراحت ہیں، آپ کی ۵۱ رسالہ کتاب زندگی کے اوراق تحریک آزادی ہند، تدریس، تبلیغ، تصنیف اور روحانی خدمات کو محیط کئے ہوئے ہے۔

۵/ جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو نسبت قادریت سے خود کو مشرف کرنے کے لئے تاجدار مارہرہ مطہرہ سرکار سیدنا سید آل رسول احمدی قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں مرید ہوئے، مرشد برحق نے خلافت واجازت جمیع سلاسل نیز سند حدیث سے مشرف فرمایا، ۲۶ رشوال المکرم ۱۲۹۵ھ میں سفر حج کے موقع پر محدث مکہ مکرمہ حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ اور سند حدیث کے اعزاز سے سرفراز کئے گئے۔

آپ کی ذات پاکیزہ سے اہل سنت وجماعت کو ۵۰ رسے زائد کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، سوانح، اصول اور مختلف موضوعات میسر ہوئیں، جن میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں:

(۱) تفسیر سورہ الم نشرح (۲) سرور القلوب فی ذکر المحبوب (۳) وسیلۃ النجاۃ (۴) جواہر البیان فی اسرار الارکان (۵) اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (۶) ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیہ (۷) اذاقۃ الاثام لمانعی المولد والقیام (۸) ازالۃ الاوہام (۹) تزکیۃ الایقان (۱۰) فضل العلم والعلماء (۱۱) احسن الوعا لآداب الدعاء ودیگر کتب ورسائل۔

حضرت علامہ نقی علی خاں قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تدریس کے ذریعہ بھی ایک جہان کو منور فرمایا ہے اور علما وفقہا کی ٹیم تیار کر کے جماعت اہلسنت کو علمی عسکریت سے استحکام بخشا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی

اعلیٰ حضرت مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت مبارکہ ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ رجون ۱۸۵۶ء کو محلہ جسولی بریلی شریف میں ہوئی اور یہ علم وعرفان کا بحر تلاطم ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ ر ۲۱ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی شریف میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یہیں آسودہ خاک ہے۔ اس مجدد اعظم نے ۶۸ سالہ زندگی باعتبار ہجری اس دار فانی میں بسر کی اور علم وعرفان کا وہ جوہر تقسیم کیا کہ دنیا انگشت بدنداں ہے۔

آپ اپنے والد ماجد علامہ مفتی نقی علی خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ ر ۱۸۷۷ء میں مارہرہ مقدسہ میں حاضر ہو کر عارف حق آگاہ حضرت علامہ سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ سے مرید ہو کر فیضان غوث الوریٰ سے مالا مال ہوئے اور قلب صیقل ہونے کی وجہ کر مرشد برحق نے تمام سلاسل مشائخ کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرما کر بامراد ہوئے۔ آپ کے مرشد کے جانشین سرکار نور سیدنا شاہ ابوالحسین قادری برکاتی قطب مارہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہ نے بھی شرف تلمذ اور سند خلافت کی دولت بے بہا عطا فرمایا۔ ان بارگاہوں سے انتساب کے بعد روحانیت کے اعلیٰ مقام کو طے کیا، اور تصوف وسلوک کی راہوں کو عبور کرنے کے لئے تقریباً بیسوں (۲۰) کتابیں تصنیف فرمائیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت کی کتاب زندگی کے اوراق آب زر سے مزین ہیں، آپ نے مرکزی علوم وفنون میں سے ۵۰ پر مہارت تامہ رکھتے تھے اور اگر ان فنون کی شاخوں میں نظر ڈالی جائے تو تقریباً ۲۱۶ رعلوم پر امام احمد رضا کو دسترس حاصل تھا، ان کی ۱۰۰۰ ر سے زائد کتابیں اور رسائل ہمارے اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تبلیغ، تحریر، وعظ ونصیحت، اسفار وتحریکات کے ذریعہ علم دین کی جو خدمتیں کی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، علم دین کے فروغ کے لئے "دار العلوم منظر اسلام" کا قیام، اور وہ ایسے وقت میں جب پورے ملک میں آزادی کی لہر، دشمنان اسلام کا دین اسلام پر رکیک حملہ، گستاخان رسول کا ذات مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر توہین آمیز تیر ونشتر کی بارشیں، دوسری طرف حاسدوں کا جم غفیر ایسے نا مساعد حالات سے نبرد آزا

ہونے کے باوجود ایک علمی قلعہ کی بنیاد اور اسے استحکام کی منزلوں سے گزارنا کوئی معمولی کام نہیں تھا، لیکن قربان جائیے ہمارے مجدد کے قدم کو کوئی متزلزل نہیں کر سکا۔

استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں قادری

حضرت استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں قادری بن رئیس الاتقیا علامہ مفتی نقی علی خاں محدث بریلوی کی ولادت ۲۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بریلی شریف میں ہوئی اور علم و ادب کا یہ شہسوار ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں رب عظیم سے جاملا، آپ کی ۵۰ سالہ عمر شریف تعلیم و تربیت کے ساتھ علم و ادب کی خدمت اور دین متین کے فروغ میں صرف ہوا۔

حضرت علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ ایک اچھے نثر نگار اور بہترین قادر الکلام شاعر تھے، خدائے تعالیٰ نے طبیعت موزوں عطا کی تھی، شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے، رام پور میں مقیم ہو کر غزلیہ شاعری میں حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے اور نعتیہ شاعری کا ہنر برادر اکبر حضرت محدث بریلوی قدس سرہ سے سیکھا، آپ کی نگرانی میں اور سید محمود علی عاشق جو حضرت استاذ زمن کے شاگرد عزیز تھے کی ادارت میں فروری ۱۹۰۳ء میں گلدستہ بہار بے خزاں کا اجراء ہوا، اس سے قبل ہفتہ وار روز افزوں ۱۹۰۲ء کو جاری ہو چکا تھا۔

آپ نے نثر نگاری اور نظم نگاری میں کئی کتابیں تحریر کی ہیں، چند کے اسماء یہ ہیں:

(۱) تزک مرتضوی (۲) نگارستان لطافت (۳) دین حسن (۴) آئینہ قیامت (۵) وسائل بخشش (۶) ذوق نعت (۷) صمصام حسن (۸) ندوہ کی روداد سوم کا نتیجہ (۹) ثمر فصاحت (۱۰) بے موقع فریاد کا مہذب جواب۔

آپ کی بارگاہ سے علمی استفادہ کرنے والے خوش نصیب حضرات:

(۱) حکیم سید برکت علی نامی (۲) منشی دوارکا پرشاد حلیم بریلوی (۳) حافظ وہاج احمد محشر (۴) سید محمود علی عاشق (۵) منشی ہدایت یار خان قیس (۶) منشی اختر حسین اختر (۷) محمد حسین اثر بدایونی (۸) حکیم سید مسعود غوث فیض (۹) منشی مظہر حسین مظہر (۱۰) منشی قیصر مراد آبادی۔

علم شریعت کے ساتھ ساتھ اس پاکباز گھرانے میں روحانیت کا بھی سنگم رہا، آپ بھی عارف باللہ سرکار سیدنا شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ کی بارگاہ نور میں حاضر ہو کر شرف بیعت

سے مشرف ہوئے اور سلسلہ قادریہ کی نسبت سے خود کو منور فرمایا۔ اور برادر اکبر حضرت مجدد اعظم نے شرف خلافت سے نوازا۔

عمدۃ الفقہا مفتی محمد رضا خاں بریلوی

عمدۃ الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ بن علامہ مفتی نقی علی خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ، سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے برادر اصغر تھے، آپ کی ولادت مبارکہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۶ء محلہ جسولی بریلی شریف میں ہوئی اور فقہ و فتاویٰ کا یہ عظیم فقیہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۸ء میں اس دار فانی کو خیر آباد کہا اور برادر اوسط حضرت استاذ زمن علیہ الرحمہ کے قرب میں سنی قبرستان میں آرام فرما ہیں۔

آپ نے پوری تعلیم برادر اکبر حضرت محدث بریلوی اور برادر اوسط علامہ حسن رضا بریلوی اور کچھ ابتدائی تعلیم حضرت والد ماجد قدس سرہ سے حاصل کی۔ علم فقہ میں آپ کو دسترس حاصل تھا جیسا کہ حضرت ملک العلما محدث بہار ارشاد فرماتے ہیں:

''مولانا محمد رضا خاں صاحب فقہ میں یکتائے روزگار تھے، علم المیراث میں ہم عصروں میں فوقیت رکھتے تھے، اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جتنے فتاویٰ آتے تھے تو زیادہ تر جواب میں اور صدر الشریعہ دیتے تھے، پیچیدہ مسائل کا حل خود اعلیٰ حضرت لکھتے، لیکن فرائض کے مسائل اعلیٰ حضرت اپنے برادر اصغر حضرت مفتی محمد رضا خاں کو لکھنے دیتے تھے'' (حیات اعلیٰ حضرت اول،ص:۱۹۳)

آپ بھی حضرت سرکار نور سیدنا شاہ ابو الحسین نوری مارہروی قدس سرہ کے مرید باصفا تھے اور برادر اکبر حضرت مجدد اعظم محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے شرف خلافت و اجازت حاصل تھی۔

حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں محدث بریلوی

حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی رضوی محدث بریلوی بن مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی بن مفتی نقی علی خاں محدث بریلوی کی ولادت باسعادت مرکز علم و عرفان بریلی شریف میں ربیع النور ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں ہوئی اور ماہ رسالت مآب ﷺ

کی درکاتیہ علمی وارث ۱۷ ربجمادی الاول ۱۳۶۲ھ۔۔۔ ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء میں دار البقا کی طرف کوچ کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تقریباً ۷۰ برس سال کی عمر مبارک عطا فرمائی تھی، پوری تعلیم کی تکمیل حضرت والد ماجد کی خدمت میں حاضر رہ کر کی، اور اپنے زمانے کے ایک متبحر عالم بن کر چمکے اور بلاد عرب و عجم میں نیک نام ہوئے۔

آپ علیہ الرحمہ سرکار نور سیدنا شاہ ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہ کے مرید خاص تھے، آپ کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کی پاکیزگی کے سبب سند خلافت اور مختلف اوراد و وظائف کی اجازت مرشد برحق نے دیا، حضرت پیر و مرشد ہی کے حکم سے والد ماجد حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت و خلافت سے نوازا۔ سلسلہ قادریہ رضویہ برکاتیہ کی اشاعت کے لئے متحدہ ہندوستان کا دورہ کر کے لاکھوں فرزندان توحید کو مشرب قادریت کا جام پلایا اور بے شمار علما و فضلاء شرف خلافت سے بہرہ مند ہوئے، جن میں تلمیذ رشید ☆ محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد رضوی لائلپوری ☆ مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن حامدی محدث اڑیسہ ☆ امین شریعت علامہ مفتی رفاقت حسین اشرفی مظفر پوری ☆ قاضی شمس العلما علامہ مفتی قاضی شمس الدین جونپوری ☆ شہزادہ عالی وقار مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی ☆ مناظر اسلام علامہ مفتی اجمل حسین سنبھلی ☆ سلطان الواعظین علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، نواسۂ اعلیٰ حضرت علامہ تقدس علی خاں قادری رضوی بریلوی، شیر بیشہ اہل سنت علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی، مفسر قرآن علامہ ابو الحسنات محمد احمد لاہوری علیہم الرحمہ کے اسماء معروف ہیں۔

آپ نے تدریسی خدمات کا آغاز گھر ہی سے کیا اور دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کے قیام کے بعد سے آخری دم تک اسی علمی قلعہ کی سرپرستی فرماتے رہے اور علمی فوج کی تیاری میں مصروف بعمل رہے، آپ کی تدریسی فیضان سے مالامال ہونے والے خوش نصیب حضرات یہ ہیں:

حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی، حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں قادری رضوی بریلوی، نواسۂ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی، محدث اعظم

پاکستان علامہ سردار احمد رضوی لائلپوری، امین شریعت مفتی رفاقت حسین اشرفی مظفر پوری، شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی، ممتاز العلما علامہ عبد الغفور ہزاروی، شمس العارفین علامہ آسی پیا بلیاوی، ریحان ملت علامہ ریحان رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

آپ علیہ الرحمہ نے تحریک ندوہ کو ناکام بنانے کے لئے والد ماجد حضرت مجدد اعظم علیہ الرحمہ کے شانہ بشانہ پٹنہ کے تاریخ ساز جلسہ میں شریک رہے، اس جلسہ کی قیادت حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا فرمارہے تھے اور سرپرستی خانوادہ خانقاہ معظم بہار کے چشم وچراغ حضرت امین التصوف علامہ امین احمد ثبات فردوسی بہاری کے ذمہ کرم پر تھی اور کانفرنس کے روح رواں خلیفہ اعلیٰ حضرت ضیغم اہل سنت علامہ عبد الوحید فردوسی رضوی عظیم آبادی علیہ الرحمہ تھے۔

حضرت حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی خدمت دین متین میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، چند تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ حامدیہ (۲) الصارم الربانی علی اسراف القادیانی (۳) سد الفرار (۴) جلی انوار الرضا (۵) آثار المبتدعین لہدم جبل الحتین (۶) نعتیہ دیوان (۷) سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنۃ (۸) حاشیہ ملا جلال (۹) الاجازۃ المتینہ (۱۰) حاشیہ کنز المصلی (۱۱) تمہید کفل الفقیہ الفاہم (۱۲) تمہید وترجمہ الدولۃ المکیۃ (۱۳) خطبۃ الوظیفۃ الکریمۃ (۱۴) وقایہ اہل سنت (۱۵) حاشیہ مکتوبات امام احمد رضا۔

مفتی اعظم عالم علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری محدث بریلوی

حضور مفتی اعظم ہند علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری محدث بریلوی بن مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی بن رئیس الاتقیا علامہ مفتی نقی علی خاں قادری محدث بریلوی (علیہم الرحمہ) کی ولادت باسعادت ۲۲ ذی الحجہ الحرام ۱۳۱۰ھ / ۷ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق محلہ رضا نگر بریلی شریف میں ہوئی اور شریعت وطریقت کا یہ سنگم شب ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ / ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء رات ا بجکر ۴۰ منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملا، باعتبار ہجری ۹۲ سال کی ایک لمبی مدت آپ نے اسلام وسنیت کے فروغ میں قربان کردیا

اور عوام وخواص آپ کی ذات ستودہ صفات مستفید بھی ہوئے اور مستفیض بھی ہوئے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی ولادت کی خبر ملتے ہی شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے سیدنا امام احمد رضا کی اجازت سے داخل سلسلہ فرمایا، ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۱۱ھ میں سرکار مفتی اعظم کی عمر شریف ۶ رماہ، ۳ روز کی تھی، سیدنا تاجدار مارہرہ مطہرہ علیہ الرحمہ نے اپنی انگشت شہادت آل رحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے دہن مبارک میں ڈالی، مفتی اعظم شیر مادر کی طرح چوسنے لگے، حضرت سرکار نور نے داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز مایا۔

بارگاہ مرشد برحق سے روحانیت کا جو خزانہ ملا تو آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ مخلوقان خدا کو کامل طور پر فیض پہنچایا، لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے اور سرکار نور سے جو کچھ ملا خلفائے مجاز میں تقسیم کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے، بعض اسماء یہ ہیں:

☆ حضرت مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی ☆ حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری ہاشمی محدث اڑیسہ ☆ قاضی شمس العلما علامہ مفتی شمس الدین جعفری جونپوری، ☆ ریحان ملت علامہ رضا خاں قادری رضوی بریلوی، ☆ نواسۂ اعلیٰ حضرت علامہ تقدس علی خاں قادری بریلوی ☆ نواسۂ اعلیٰ حضرت علامہ اعجاز ولی خاں قادری بریلوی ☆ تاج الشریعہ علامہ محمد اختر رضا خاں قادری رضوی ازہری بریلوی ☆ رئیس القلم علامہ ارشد القادری بلیاوی، ☆ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی ☆ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی گھوسوی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے تدریسی خدمات میں بھی ایک نمایاں مقام رکھتے تھے، دار العلوم منظر اسلام اور دار العلوم مظہر اسلام کے مسند تدریس پر بیٹھ کر ایسی ایسے مبلغین اسلام پیدا ہوئے گئے ہیں کہ زمانہ ششدر ہے اور وہ ہستیاں یہ ہیں:

محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد رضوی لائل پوری، مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں رضوی بریلوی، شیر بیشہ اہلسنت علامہ حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی، ولی کامل علامہ

مبین الدین رضوی امروہوی، ریحان ملت علامہ ریحان رضا خاں بریلوی، تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری بریلوی، تحسین ملت علامہ مفتی تحسین رضا خاں قادری بریلوی، امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں قادری بریلوی مشہور معروف ہوئے۔

آپ نے اسی طرح تصنیف وتالیف کو بھی فروغ علم کا ذریعہ بنایا اور مختلف علوم وفنون پر خامہ فرسائی کی ہیں، اور بعض یہ ہیں:

وقعات السنان، نور الفرقان، ادخال السنان، سیف القہار، النکتہ علی مرآۃ کلکتہ، ملفوظات اعلیٰ حضرت، حاشیہ فتاویٰ رضویہ اول، حاشیہ تفسیر احمدی، حاشیہ فتاوی عزیزیہ، فتاویٰ مفتی اعظم ۶ رجلدیں۔

حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں بریلوی

حضرت علامہ حکیم الاسلام مفتی مولانا الشاہ حسنین رضا خاں قادری رضوی نوری علیہ الرحمہ بن استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں قادری بن رئیس الاتقیا علامہ مفتی نقی علی خاں قادری محدث بریلوی کی ولادت مبارکہ ۱۳۱۰ھ ر ۱۸۹۳ء بریلی شریف میں ہوئی اور علم وعمل کا یہ بحر بیکراں ۵ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ ر ۱۴ ردسمبر ۱۹۸۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، اللہ تعالیٰ نے ۹۱ رسال کی عمر عطا فرمائی تھی، اس لمبی عمر کو آپ نے بہت ہی قیمتی جانا اور درس وتدریس، تصانیف وتالیفات، تبلیغ ودعوت، اور فکر رضا کی تشہیر میں نچھاور کر کے شاد کام ہوئے۔

حضرت حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ سرکار نور سیدنا شاہ ابو الحسین نوری برکاتی قادری مارہروی علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے، اور آپ کے چچا جان اور مربی حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور روحانی دنیا کا سفر کرایا۔

حضرت حکیم الاسلام بریلوی علیہ الرحمہ اپنے مربی حضور اعلیٰ حضرت کے ساتھ ساتھ ہم سفر رہے، اس سلسلہ میں پٹنہ اور کلکتہ کا سفر بڑی اہمیت کا حامل ہے، پٹنہ میں اہل ندوہ کی ناکامی کے بعد جب حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے ساتھ کلکتہ پہنچے، جس کی روداد کی ایک جھلک انہیں زبانی سماعت کریں:

ندوہ والے ان پسپائی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ جان چھوٹی لاکھوں پائے، کلکتہ پہنچ کر اپنی تحریک میں جان ڈالیں گے، تیسرے اجلاس کے لئے کلکتہ پہنچ گئے، بہت سے دیو بندی مولویوں کو بھی اکٹھا کر لیا، اور ندوہ تحریک کے لئے ان کی بڑی تعداد کلکتہ میں جمع ہوگئی، امام بریلوی قدس سرہ جو ان کے حیلوں سے اچھی طرح واقف تھے، تحفظ دین وملت کی خاطر ان حالات میں کب ان کا پیچھا چھوڑنے والے تھے، آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے، اور پوری قوت کے ساتھ ندوہ والوں کو تنبیہ کی کہ ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم وتنسیخ کی ہے، اس پر ایک بار گفتگو ہو جائے اور فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے، اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالی جائے، ساتھ ہی کلکتہ میں اہل سنت کے جلسے زور شور سے ہونے لگے، اصحاب ندوہ یہاں بھی ٹال مٹول کی پالیسی پر چلتے رہے اور آخر یہ تجویز پاس کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ندوۃ العلما کا پروگرام عامۃ المسلمین کے سامنے رکھ کر جب تک استصواب نہ کرلیں گے ہم دوسری طرف متوجہ نہیں ہوں گے، اس جواب نے کلکتہ کے مسلمانوں کو ندوۃ العلما سے متنفر کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ کی اس تحریک کا سارا زور ختم ہوگیا (خلفائے اعلیٰ حضرت، ص: ۵۵۰)

حضرت حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں نوری علیہ الرحمہ منظر اسلام میں تدریسی سلسلہ جاری رکھا، نصاب کی بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کا شرف ملا اور ایک بڑی تعداد میں علمی وارثین کو دنیا کے سامنے پیش کیا جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی، علامہ مفتی تقدس علی خاں رضوی بریلوی، علامہ حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی، شیخ العلما علامہ غلام جیلانی برکاتی اعظمی، محسن ملت علامہ حامد علی فاروقی رضوی رائے پوری، مفتی ابرار حسن تلہری، مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں رضوی بریلوی، مولانا ادریس رضا خاں رضوی بریلوی داماد مفتی اعظم ہند، شہزادہ اکبر امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں رضوی بریلوی، شہزادۂ ثانی تحسین ملت صدر العلما علامہ مفتی تحسین رضا خاں رضوی محدث بریلوی وغیرہ۔

مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی

مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ بن

حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری محدث بریلوی بن مجدد اعظم امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہم الرحمہ کی ولادت مبارکہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۶ء میں بریلی شریف میں ہوئی اور علوم قرآن کا یہ جید عالم دین ۱۱ر صفر المظفر ۱۳۸۵ھ/ ۱۲ر جون ۱۹۶۵ء میں جوار رحمت میں پہنچے۔ آپ کی ۶۰ سالہ زندگی کا عرصہ اللہ ورسول کے پیغام کو عام کرنے میں صرف ہوا۔

آپ اپنے جد کریم مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے مرید تھے، حضرت دادا جان بیحد الفت فرمایا کرتے تھے، آپ حضرت دادا جان کی خلافت سے بہرہ مند ہوئے، والد ماجد حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ اور چچا جان حضرت مفتی اعظم ہند سے بھی اجازت خلافت حاصل تھی۔ آپ نے اس خاندانی روحانی امانت کو بہت ہی سلیقہ سے سنبھالا اور وقت ضرورت لوگوں کو مستفیض بھی کرتے رہے، سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے مرید تھے، اور شہزادۂ اکبر علامہ ریحان رضا خاں قادری، شہزادۂ ثانی علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری، مفتی ہالینڈ علامہ مفتی عبدالواجد قادری وغیرہ شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ "دارالعلوم منظر اسلام" کو آپ کی ذات بابرکات سے بہت تقویت ملی، بحیثیت مہتمم تعلیمی اور تعمیری کام کو بہت استحکام ملا، طلبہ کے تعلیمی ذوق وشوق کا پورا خیال رکھا گیا، اہتمام کے ساتھ طلبہ کو علم دین سے خود بھی آراستہ کرتے تھے، بیضاوی شریف، مسلم شریف، مثنوی شریف بڑے ہی والہانہ انداز میں پڑھایا کرتے تھے۔ اور اپنے دور اہتمام میں بریلی شریف سے جماعت اہلسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے پیغام کو عام کرنے کے لئے "ماہنامہ اعلیٰ حضرت" جاری فرمایا جو ہنوز قائم ہے۔ اس معیاری رسالہ کے کئی نمبرات بھی نکلے ہیں، جن میں اعلیٰ حضرت نمبر، مفتی اعظم ہند نمبر، گولڈن جبلی نمبر، تاج الشریعہ نمبر معروف ہوئے۔

اس طرح خانوادہ کے بزرگوں کی روش پر چلتے ہوئے تدریسی، تعلیمی، تبلیغی، روحانی خدمات کے علاوہ تحریری، تصنیفی، تالیفی خدمات بھی نمایاں ہیں، وہ تصانیف یہ ہیں:

۱۔ ترجمہ تحفۂ حنفیہ ۲۔ ترجمہ الدرۃ السنیۃ ۳۔ ذکر اللہ ۴۔ نعمت اللہ ۵۔ حجۃ اللہ ۶۔ فضائل

درود شریف ۷۔ تفسیر سورہ بلد ۸۔ تشریح قصیدۂ نعمانیہ ۹۔ معارف قرآن ۱۰۔ معارف الحدیث ۱۱۔ انتخاب مثنوی ۱۲۔ مقالات مفسر اعظم ہند۔

علامہ ریحان رضا خاں قادری بریلوی

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضور ریحان ملت علامہ مفتی محمد ریحان رضا خاں قادری رضوی بریلوی علیہ الرحمہ بن مفسر اعظم ہند علامہ محمد ابراہیم رضا خاں قادری رضوی بریلوی بن حضور حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں قادری محدث بریلوی کی ولادت مبارکہ ۱۸؍ ذی الحجہ الحرام ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء میں محلہ خواجہ قطب بریلی شریف میں ہوئی اور یہ شہزادۂ عالی وقار ۱۸؍ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء میں غریق رحمت ہوا، باعتبار ہجری ۵۳ سالہ زندگی انہوں نے مسلک اہل سنت کی حفاظت وصیانت میں لگادی۔ پوری تعلیم وتربیت والد گرامی حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کی نگرانی میں ہوئی اور علم حدیث میں مزید درک حاصل کرنے کے لئے اپنے داداجان کے چہیتے تلمیذ حضرت محدث پاکستان علامہ سردار احمد رضوی لائلپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف تلمذ سے بہرہ مند ہوئے۔

آپ نے خاندانی رسم کے مطابق روحانی مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے داداجان ولی کامل حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں قادری محدث بریلوی خلیفہ سرکار نور مارہروی قدس سرہما سے مرید ہوئے، حضرت ناناجان سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، حضرت والد ماجد حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ، حضرت قطب مدینہ خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ ضیاء الدین رضوی مدنی علیہ الرحمہ نے سند خلافت اور روحانی اذکار ووظائف عطاء کئے۔

حضرت علامہ ریحان ملت قدس سرہ حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کی رحلت کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے، ساتھ ہی دار العلوم منظر اسلام کی تولیت اور ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی ادارت آپ کے سپرد کی گئی، آپ نے ان تمام ذمہ داریوں کو بحسن خوبی نبھایا، دار العلوم کے اہتمام کے ساتھ تدریسی خدمات بھی تقریباً ۱۲؍ سال تک آپ نے انجام دی اور آپ سے علم و ہنر کے بادشاہوں نے شرف تلمذ حاصل کیا، جن کے اسماء یہ ہیں:

برادر ثانی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری، برادر محترم علامہ

قمر رضا خاں قادری، برادر اصغر علامہ منان رضا خاں قادری، شہزادۂ اکبر علامہ سبحان رضا خاں قادری، شہزادہ گرامی علامہ توصیف رضا خاں قادری کے اسماء معروف ہیں۔

حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری

حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی الحاج الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری رضوی ازہری بن مفسر اعظم ہند علامہ محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی بن سرکار حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں قادری محدث بریلوی کی ولادت مبارکہ خواجہ قطب بریلی شریف میں ۲۳ نومبر ۱۹۴۳ء میں ہوئی اور فکر وفن کا یہ شہنشاہ جولائی ۲۰۱۸ء میں بوقت نماز مغرب اس دنیا کو الوداع کہا۔ باعتبار عیسوی تقریباً اللہ تعالی نے ۷۵ رسال کی عمر شریف عطا فرمائی تھی۔

روحانیت کی منزل طے کرنے کے لئے حضرت ناناجان سرکار مفتی اعظم ہند خلیفہ سرکار نور قدس سرہ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے، اور حضور برہان ملت علامہ شاہ عبد الباقی برہان الحق رضوی جبلپوری، حضرت قاضی شمس الدین رضوی جونپوری، حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن ہاشمی حامدی محدث اڑیسہ کی موجودگی میں حضرت ناناجان علیہ الرحمہ نے شرف خلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت والد ماجد حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ، حضور سید العلماء مارہروی علیہ الرحمہ، حضور احسن العلماء مارہروی علیہ الرحمہ نے بھی شرف خلافت اور اجازت سے مشرف کیا۔

آپ نے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دی، اسی طرح کاشانہ اقدس میں خصوصی طور پر تشنگان علوم اسلامیہ کی علمی پیاس بجھانے کے لئے درس بخاری شریف، فواتح الرحموت اور الاشباہ والنظائر کی تعلیم کا اہتمام فرمایا، اسی طرح اپنے قائم کردہ علمی قلعہ "جامعۃ الرضا" میں بخاری شریف کے درس کا اہتمام فرماتے تھے۔

آپ نے مرکز اہل سنت کے علمی جاہ وجلال کے تحفظ کے لئے "مرکزی دار الافتاء والقضاء" کا قیام عمل میں لایا، آپ نے خود فتاویٰ لکھا اور کئی کہنہ مشق مفتیوں کو بھی رکھا، آپ کے جاری کردہ فتاویٰ کی تعداد کافی ہیں جنہیں "فتاویٰ تاج الشریعہ اول، دوم" ملاحظہ کر سکتے ہیں، اسی طرح "فتاویٰ مرکزی دار الافتاء" میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ نثر نگاری اور نظم نگاری میں بھی یکتائے روزگار تھے، اردو، عربی، انگلش میں کئی درجن کتابیں موجود ہیں، سیدی اعلیٰ حضرت کی بعض کتابوں کا عربی سے اردو اور اردو سے عربی میں ترجمہ کیا، ترجمہ نگاری میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ نے مختلف فنون پر کئی درجن کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں قادری

حضور امین شریعت علامہ مولانا الشاہ محمد سبطین رضا خاں قادری بن حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں قادری بن استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں قادری (علیہم الرحمہ) کی ولادت مبارکہ سوداگران بریلی شریف میں ۲ر نومبر ۱۹۲۷ء کو ہوئی، اور تقویٰ وطہارت کا یہ پیکر ۹ر نومبر ۲۰۱۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ گوناگوں شخصیت کے مالک تھے، حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے شبیہ تھے، اور حضرت مفتی اعظم ہند کی تحریک پر اپنے وطن مالوف بریلی شریف سے ہجرت کر کے بہت ہی سنگلاخ سرزمین چھتیس گڑھ کو تبلیغ دین کے لئے منتخب فرمایا، اور ایک دن وہ آیا کہ اسلام وسنیت کے حوالے سے یہ زمین سرسبز وشاداب ثابت ہوئی اور آج چاروں طرف علم وعرفان کا علم لہراتا ہوا نظر آرہا ہے۔

حضرت امین شریعت علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم ہند کے نور نظر تھے، اور اس بارگاہ قدس میں محبوبیت کا مقام حاصل تھا، آپ کے والد ماجد حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں قادری علیہ الرحمہ ایک جید عالم دین سیدی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ کے تربیت یافتہ تھے، اس کے باجود انہوں نے اپنے تینوں شہزادوں کو (حضرت امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں قادری، صدر العلما علامہ تحسین رضا خاں قادری محدث بریلوی، تاج الاصفیا علامہ حبیب رضا خاں قادری رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضرت مفتی اعظم ہند کے دامن کرم سے وابستہ کرایا اور ان تینوں شہزادوں کو حضرت مفتی اعظم ہند نے سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نوریہ رضویہ کی خلافت اور اوراد ووظائف کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت امین شریعت نے اپنے تبلیغی دورے میں چھتیس گڑھ، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش

کے علاقوں کو اپنے دائرۂ کار میں زیادہ رکھا، یہاں لوگ زیادہ تر اسلام وسنیت سے ناواقف تھے، لیکن اس شیر رضا نے اپنی علمی صلاحیت اور فکری قیادت کو بروئے کار لاکر بنجر زمین کو ہریالی بنادیا۔ آج بالخصوص چھتیس گڑھ کے باشندے اسلامی تہذیب وتمدن سے لیس نظر آرہے ہیں، یہ حضرت امین شریعت کی محنت شاقہ کا بہترین ثمرہ ہے، حضرت مفتی اعظم ہند نے جس ذمہ داری کا بوجھ آپ کے کندھے پر رکھا تھا، آپ نے اسے پائے تکمیل تک پہنچانے میں کسی بھی قسم کی تساہلی سے کام نہیں لیا۔

صدر العلماء علامہ تحسین رضا خاں محدث بریلوی

صدر العلماء علامہ تحسین رضا خاں قادری محدث بریلوی بن حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں قادری بن استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں قادری علیہم الرحمہ کی ولادت محلہ سوداگران بریلی شریف میں ۱۹۳۰ء میں ہوئی اور علم وعرفان کا یہ آفتاب وماہتاب ۲۸؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ / ۱۳؍اگست ۲۰۰۸ء ناگپور میں گاڑی حادثہ کا شکار ہوا اور جاں بحق ہو گئے۔ آپ نے اس کھلے آسمان کے نیچے ۷۸؍سال کی عمر گزاری اور ایک عالم کو علمی، فکری اور روحانی قوتوں سے سرفراز کیا۔

حضرت صدر العلماء علامہ تحسین رضا خاں قادری علیہ الرحمہ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے، آپ نے دار العلوم منظر اسلام، دار العلوم مظہر اسلام، جامعہ نوریہ رضویہ اور جامعۃ الرضا میں اپنی علمی شعاؤں کو بکھیرا، اور طالبان علوم نبوت کے اذہان وافکار کو جلا بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے علم حدیث اور فقہی صلاحیتوں کا نکتہ رس، نکتہ سنج، نکتہ داں اور نکتہ شناس عالم دین بنایا تھا، آپ کے مستفدین میں جید علما ومشائخ کا ذکر آتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ نے علمی استفادہ فرمایا ہے، جیسے حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری، برادر اصغر علامہ حبیب رضا خاں قادری بریلوی، مفتی ناظم علی بارہ بنکوی، مفتی شعیب رضا نعیمی، مفتی محمد حنیف خان رضوی بریلوی وغیرہ کے اسماء شامل ہیں۔

☆☆☆

جامعہ برکات پیر منصور، شہر گیا

میری سنیں جو گوش حقیقت نیوش ہو

جامعہ برکات منصور، پیر منصور، شہر گیاہ (بہار) مرکز عقیدت مرجع محبت قطب شہر حضرت سیدنا "پیر منصور" چشتی گیاوی اور والد بزرگ وار (بانیٔ جامعہ ہذا) مخزن خطابات مفکر ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ السید اقبال احمد حسنی برکاتی قدس سرہما کی روحانی وعلمی یادگار ہے۔

یہ ادارہ اپنے نقطۂ آغاز (5/مارچ 1997ء 25 شوال المکرم 1417ھ) سے تا ہنوز ارباب بست وکشاد، معلمین ومتعلمین کی جداگانہ امتیازات، علمی وخطابی ضروریات، مذہبی وسماجی خدمات، جامع وکارآمد نظریات اور مذہب مخالف طوفانوں میں اسلام کی جدید توجیہات وتحفظات کا چراغ روشن کرنے کے سبب اہل اسلام وعقیدت کے لیے امیدوں کا مرکز بھی ہے اور باعث کشش وموجب طمانیت بھی، جس پر اہل ہوش وخرد نے مہر تصدیق ثبت کیا ہے۔ وہیں خود جامعہ خدائے قادر وکارساز کی نیرنگیٔ قدرت پر نازاں ہے۔

طریقہ ہائے تعاون:

(1) جامعہ کو رقوم زکوٰۃ وفطرات، صدقات وعطیات، عشرہ جات واضحیات سے نوازیں۔

(2) جامعہ کی زمین خریداری وعمارت سازی میں دست تعاون دراز فرمائیں۔

(3) جامعہ میں اپنے والدین یا دیگر مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے غلہ واجناس مرحمت فرمائیں۔

(4) کسی ایک مدرس یا نادار، یتیم طالب علم کی ماہانہ کفالت اپنے ذمہ کرم کرلیں، طلبہ جامعہ

کی درس گاہ اور قیام گاہ کے لیے دری، جاجم، کمبل، بجلی فین وغیرہ کا انتظام کریں اور یتیم و یسیر طلبہ کی دعائیں لیں اور جنت کے محلات اپنے نام وقف کرالیں۔

جیتے ہیں اسی آس میں ہم اہل محبت

امروز ہے اوروں کا تو فردا ہے ہمارا

خاک سار وعرض گزار

(مولانا) سید عفان جامی (فائق الاقبالی)

ڈائریکٹر و ناظم اعلیٰ جامعہ برکات منصور، پیر منصور

زیر انتظام:- البرکات ٹرسٹ (رجسٹرڈ) شہر گیا (بہار)

نمبر رابطہ:- 9431988884

شریعت وطریقت کی ایک افضل واعلیٰ ذات اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت

امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ والرضوان

کے علم تصوف وروحانیت پر اعلیٰ حضرت صدری مجلہ بنام

امام احمد رضا امام الاصفیاء

کی اشاعت پر شائع کنندگان کو صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

نیز جملہ قارئین کرام سے اپنے والد مرحوم

جناب جمن انصاری مرحوم

کی مغفرت ونجات وبلندئ درجات کے لیے خصوصی دعا کی درخواست

کرتا ہوں۔

العارض

محمد ارمان عالم رضوی

مقام چمپا، قادر گنج، ضلع نوادہ، بہار

الحمدللہ سو (۱۰۰) سے زائد علوم وفنون کی جامع شخصیت منبع شریعت وطریقت اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری نوراللہ مرقدہٗ

کے تصوف ومعرفت پر ایک عظیم کتاب اعلیٰ حضرت صدی مجلہ بنام

امام احمد رضا امام الاصفیاء

کی اشاعت پر ذمہ داران کو پرخلوص مبارکباد

تمام قارئین وعلما مشائخ سے والد محترم عالی جناب

مولوی محمد ظہیر الدین قادری مرحوم

کی مغفرت ونجات واعلیٰ درجات کے لیے خصوصی گزارش

اپیل کنندہ

ڈاکٹر پروفیسر محمد شبیر خان صاحب

مقام کھنڈیل، چیرکی، ضلع گیا، بہار

IMAM AHMAD RAZA IMAMU-L-ASFIA

Compiled by: Dr. Amjad Raza Amjad





A/c. No. 7888000100084878
IFSC: PUNB0788800
Name: Darul Oloom Gharib Nawaz
Branch: Dumrichatti

اکاؤنٹ ڈیٹیل:

Darul Oloom Gharib Nawaz

At. Rupan, Fatehpur, Paharpur, Distt. Gaya (Bihar)

Printed at: Ahmad Publications Pvt. Ltd., Mob.: 8521889323